دارالعلوم دیوبند
کا
صحافتی منظرنامہ
نایاب حسن قاسمی
ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح
ادارۂ تحقیق اسلامی دیوبند

دارالعلوم دیوبند

کا

صحافتی منظرنامہ

نایاب حسن قاسمی

ناشر

ادارۂ تحقیق اسلامی دیوبند

تصویر

نام کتاب: دار العلوم دیوبند کا صحافتی منظر نامہ

تصنیف: نایاب حسن قاسمی، سیتامڑھی (8392825033)

Email:nayabhasanqasmi786@gmail.com

تحریر: محمد نسیم خان قاسمی، کبیر نگری (الفلاح کمپیوٹر دیوبند)

8006065986

تقویم: ۲۰۱۳ء (۱۴۳۴ھ)

تضخیم: ۴۰۸

تجسیم: ۱۱۰۰

تشکیل: ادارہ تحقیقِ اسلامی دیوبند

توکیل: اتحاد بک ڈپو، دیوبند

قیمت: -/300

تقسیم

ادارہ تحقیقِ اسلامی دیوبند (الفلاح کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ، محلہ دیوان، دیوبند)۔

مجاہد لائبریری، بدھ نگرا، ضلع سیتامڑھی (بہار)۔

اتحاد بک ڈپو دیوبند، مکتبہ دار المعارف دیوبند اور دیوبند کے تمام مشہور کتب خانے۔

Darul Uloom Deoband Ka Sahafati Manzarnama

By: Nyab Hasan Qasmi

Rs.300/-

Idara Tahqueeq-e-islami Deoband.

Email: tahqueeqeislami@yahoo.com

پہلی سطریں

اپنی والدۂ محترمہ کی نذر، جن کی اتھاہ شفقت ومحبت میرے شب روز کو خوشیوں سے نہال کرتی اور جن کی دعاہاے اشک آلودہ میری زندگی کی تاریکیوں کو اُجالتی ہیں۔ (متَّعَنِي اللّٰهُ بِطُوْلِ حَيَاتِهَا)

گلوں پہ شبنم، فضا میں جگنو، فلک پہ خورشید و ماہ و انجم
کہاں نہیں ہیں ہمارے آنسو؟ کوئی بھی دامن بچا نہیں ہے

عنوانیہ

مضمون | صفحہ

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

دعائیہ

حضرت مولانا محمد عمران القاسمی ☆

فضلاے دار العلوم دیوبند نے ہمیشہ جہاں مختلف النوع علمی، دینی، تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دی ہیں، وہیں میدانِ تحریر و صحافت میں بھی کارہاے نمایاں انجام دیے ہیں۔

الحمدللہ نایاب حسن قاسمی سلمہ، جنھوں نے تعلیم کا ایک لمبا سفر جامعہ اسلامیہ قاسمیہ دار العلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی (بہار) میں طے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، پچھلے دنوں ان کی ''ورق ورق درخشاں'' نامی کتاب منظرِ عام پر آکر قبولیتِ عام حاصل کرچکی ہے۔

اب ان کی دوسری وقیع کتاب ''دار العلوم دیوبند کا صحافتی منظر نامہ'' زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے، ان شاء اللہ اسے بھی قبولیتِ تامہ حاصل ہوگی، تحریری میدان میں انھیں اچھا ذوق ملا ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو ترقیِ درجات کا ذریعہ بنائے اور شرفِ قبول عطا کرے۔ (آمین)

فقط

محمد عمران القاسمی

خادم دار العلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی

۲/۴/۱۴۳۴ھ

☆ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ قاسمیہ دار العلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی (بہار)

قاضیِ شریعت ضلع سیتامڑھی (بہار)

مدیرِ تحریر سہ ماہی ''شفا'' دار العلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی (بہار)

حرفِ مسرت

حضرت مولانا کفیل احمد علوی ☆

نایاب حسن عظیم علمی و دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ ہیں، فراغت کے بعد عربی ادب کا کورس کیا، اس کے بعد دوسال تک شیخ الہند اکیڈمی میں داخل رہ کر سیرتِ پاک، تاریخ و جغرافیہ اور اردو ادب کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کرتے رہے اور اکیڈمی کے ضابطہ کے مطابق مضمون نگاری کی بھی مشق کرتے رہے، اس طرح ان کے قلم میں پختگی اور روانی پیدا ہوگئی، ان کی ایک کتاب ''ورق ورق درخشاں'' طبع ہوکر منصۂ شہور پر آچکی ہے، جسے ادبی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جارہا ہے، ان کی یہ دوسری کتاب ''دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظرنامہ'' ہے، توقع ہے کہ اسے بھی مقبولیت حاصل ہوگی۔

اکیڈمی میں آنے کے بعد ان کی محنت، سنجیدگی اور ذوقِ مطالعہ کو دیکھ کر ان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوگیا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ علم و ادب کے افق پر ایک روشن ستارے کی طرح ابھریں گے، کہا جاتا ہے ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' یہی بات عملی طور پر نایاب کی شکل میں سامنے آرہی ہے، ان کی زیرِ نظر کتاب، جس میں اردو صحافت کی مکمل اور مبسوط تاریخ اور مشہور اسلامی فرقے بریلوی، اہلِ تشیع، مکتبِ اہلِ حدیث اور ندوۃ العلما کی صحافت کے تشفی بخش جائزوں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کی صحافتی خدمات کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی دارالعلوم سے کسبِ فیض کرنے والے ادیبوں، صحافیوں، شاعروں اور قلم برداشتہ لکھنے والوں کا تعارف اور ادب وصحافت کے حوالے سے ان کی گوناگوں خدمات کی جھلک پیش کی گئی ہے، یہ ایک ایسا قدم ہے، جس کی ضرورت تھی، عام طور سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مولویوں کو اردو ادب نہیں آتا، وہ اس معاملے میں کورے ہیں، ان کے اشعار بھی پھیکے پھیکے ہوتے ہیں، نایاب حسن نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی یہ کوشش ہم سمجھتے ہیں کہ کامیاب ہے، کتاب کے مطالعے سے قارئین کو اندازہ ہوجائے گا کہ قدرت نے دینی درس گاہوں میں تعلیم و تربیت پانے والوں کو بھی اپنی پوری فیاضیوں سے نوازا ہے، یہ لوگ جس میدان میں قدم رکھتے ہیں، قائدانہ

☆ ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

کردار ادا کرتے ہیں، سیاسی میدان ہو یا علمی وادبی میدان یا پھر شعروشاعری کا میدان، ہر میدان میں ان کی نمایاں صلاحیتوں کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مسجد کے منبروں سے لے کر سیاسی اسٹیجوں اور مشاعروں کی دنیا میں بھی ان کے اعلیٰ شعور، گہرے فکر اور بلند تخیل کو دیکھا جاسکتا ہے، اردو ادب کا موجودہ بہترین اسلوبِ تحریر بھی ایک مولوی ہی کی دین ہے، جس کا اسمِ گرامی ہے الطاف حسین حالی، حالی کے بعد بڑے بڑے نقاد، نازک خیال ادیب اور پختہ گو شاعر آئے، مگر حالات شاہد ہیں کہ کسی ایک نے بھی اس اسلوبِ تحریر کو بدلنے یا اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی آیندہ کوئی ایسا کرسکتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں اور ٹھیک سمجھتے ہیں کہ نایاب حسن کی یہ کتاب ادبی وصحافتی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرے گی اور اسے واضح طور پر خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا۔

بڑھتا رہے اس رہ پہ قدم اور زیادہ
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

کفیل احمد علوی

۲۷ر فروری ۲۰۱۳ء

تشجیع

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی ☆

نایاب حسن قاسمی دارالعلوم دیوبند میں قائم شیخ الہند اکیڈمی کے ایک ہونہار، سنجیدہ اور محنتی طالبِ علم ہیں، مطالعہ اور تحریر کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، مختلف مجلات اور جرائد میں ان کے مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کا صحافتی منظر نامہ'' ان کی تازہ تصنیف ہے، جس میں دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور سے حال تک تعلق رکھنے والے اکابر علما، فضلا اور منتسبین کی صحافتی خدمات کا استقرائی جائزہ لیا گیا ہے، قدیم وجدید جرائد، اخبارات اور مجلات کی فہرست سازی اور جائزہ بھی ہے؛ لیکن اصل عنوان پر گفتگو سے قبل خود صحافت کے تعلق سے بہت مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں، جن میں صحافت کی تعریف، صحافت کی ابتدا و ارتقا، ہندوستان میں صحافت کے مختلف ادوار اور مذہبی صحافت کی تاریخ سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔

مجموعی طور پر صحافت اور بالخصوص متعلقینِ دارالعلوم دیوبند کی صحافتی خدمات کے سلسلے میں یہ ایک معلومات افزا کتاب ہے۔

ان معلومات کو جمع کرنے کے لیے مرتب کو کتنے کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑی ہوگی اور انھوں نے کتنے اوراق کا مطالعہ کیا ہوگا، اس کا اندازہ مآخذ ومراجع اور کتاب میں درج اخبار و جرائد اور مجلات وصحف کی فہرست پر نگاہ ڈالنے سے کیا جاسکتا ہے۔

حال کی ان کامیاب کوششوں کی روشنی میں بہ جا طور پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ موصوف ان شاءاللہ ایک پختہ کار مصنف اور صحافی بن کر ابھریں گے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

۲۶/۴/۱۴۳۴ھ

☆ مہتمم واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

سلسلۂ زریں

مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری ☆

دارالعلوم دیوبند نام ہے ایک فکر کا، دارالعلوم دیوبند نام ہے ایک تحریک کا، دارالعلوم دیوبند منسوب ہے ایک جذبۂ خالص سے، یہ ابتدائی مدرسہ، جس کا آغاز ایک استاذ اور ایک شاگرد سے ہوا اور جن بنیادوں پر قائم ہوا، وہ خلوص وللہیت پر مبنی تھیں، جس نے آگے چل کر ایک شجرِ ثمر بار کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایسے شجرِ طوبیٰ کی صورت میں ڈھل گیا، جس کی شاخیں علومِ الٰہی اور علومِ نبوی سے ہمیشہ تروتازہ رہیں، ڈیڑھ صدی پر مشتمل یہ سفر اتنی سمتوں اور جہتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے کہ ہر سمت اجلی، نکھری اور پاکیزہ دکھائی دیتی ہے، ہر جہت میں علم وعمل اور فضل وکمال کی کہکشاں روشن ہے اور اس کے سینے پر بے شمار ایسے آفتاب و ماہ تاب چمک رہے ہیں، جن کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں، تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے ایسے لعل و گہر اور زمرد و یاقوت اس کے دامن پر ٹنکے ہوئے ہیں، جنھوں نے خود ایسی تاریخ کو وجود بخشا اور ایسی روایتیں قائم کیں کہ خیر القرون کی یادیں تازہ ہوگئیں اور اسلام کی گزشتہ کئی صدیاں سامنے آکر کھڑی ہوگئیں، جنھیں ہم اسلام کی زندہ جاوید صدیاں کہہ سکتے ہیں۔

خود دیکھ لیجیے کہ علم ہر میدان میں یہاں کی عظیم وسر برآوردہ شخصیات اپنا تعارف کراتی ہیں، علمِ تفسیر ہو یا علمِ حدیث، معقولات ہوں یا منقولات، فقہ ہو یا ادب، منطق ہو یا فلسفہ؛ ایسے ایسے جبالِ علم نظر آتے ہیں کہ تاریخ نے انھیں امانت کے طور پر اپنے سینے میں محفوظ کرلیا ہے، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف، آپ کے مناظرے، پادریوں اور آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی سے آپ کے علمی معرکے، وقت کی طلب بھی تھے اور احوالِ وقت کا تقاضا بھی، ان تصانیف میں علم ومعارف اور کلام کی ایسی نکتہ آفرینیاں ہیں کہ جن کی روشنی میں اسلامی تعلیمات و اعتقادات کو بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے، ایسی بے شمار تحریکات، جنھیں وقت نے ابھارا اور امتِ مسلمہ کو ذہنی، فکری اور اعتقادی خلفشار میں مبتلا کیا، ان سب کا کامیاب تعاقب علمائے دیوبند کا عظیم

☆ شیخ الحدیث: دارالعلوم وقف و جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند۔

کارنامہ ہے، قادیانیت کا استیصال جس تن دہی اور دینی تڑپ کے ساتھ علماے دیو بند نے کیا اور خاص طور پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو جو بے چینی اور اضطراب اس ضمن میں تھا، وہ ان کی تصانیف اور جدو جہد سے عیاں اور ظاہر ہے، کہنا چاہیے کہ علماے دیو بند نے جہادِ حریت ہی میں حصہ نہیں لیا؛ بلکہ ہر محاذ پر اس کا ثبوت بھی بہم پہنچایا، کہ اللہ نے علماے دیو بند کو فکری سلامتی، عقیدے کی پختگی اور فکر کی نظافت سے خوب نوازا تھا، ان کی زندگی کا بنیادی مشن اور مقصد اعلاے کلمۃ اللہ تھا، جسے ہر دور میں انجام دیا گیا۔

اعلاے کلمۃ اللہ کا یہ کام تدریسی، تحقیقی، تقریری، تحریری؛ ہر طرح اس خوبی سے کیا گیا کہ کہیں کوئی جھول نہیں نظر آتا، قلم کی وہ صلاحیت، جو من جانب اللہ علماے دیو بند کو عطا ہوئی تھی، وہ اکابر سے لے کر موجودہ دور تک اپنے تقاضوں کے ساتھ برسرِ کار ہے، کتنے نامور اہلِ قلم ہیں، کتنے صاحبِ تصنیف لوگ ہیں، کتنے انشا پرداز اور ادیب ہیں، کتنے صحافی اور تبصرہ نگار ہیں، جنھوں نے اپنی فکر کی روشنی سے علم وادب کی راہوں کو اُجلا کر رکھا ہے، فرزندانِ دار العلوم نے پورے ملک میں اور ملک کی سرحدوں سے نکل کر مختلف ممالک میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں، انتہا یہ ہے کہ طنز ومزاح، افسانہ نگاری اور تنقید کا میدان بھی ان سے خالی نہ رہا۔

دیو بند کی صحافت کا کامیاب سفر ایک صدی سے زائد پر محیط ہے، اس کا جائزہ، اس کی تاریخ، اس کی سلسلہ وار ترتیب، ایک ایسا کام ہے، جس میں بڑی محنت اور جاں کاہی کی ضرورت ہے، مدتوں سے یہ گوشہ خالی چلا آرہا تھا، کسی نے ہمت نہ کی کہ اس جانب قدم بڑھائے اور نہ کسی کو یہ احساس ہوا کہ وہ افرادِ دیو بند کی زندگی کے اس رخ سے نقاب اٹھائے اور گفتگو کرے، عزیزم نایاب حسن قاسمی سلمہ نوجوان اور اچھی صلاحیتوں کے مالک ہیں، ان کی محنت اور شب روز کی بھاگ دوڑ کا یہ خوب صورت نتیجہ "دار العلوم دیو بند کا صحافتی منظر نامہ" کے نام سے منظرِ عام پر آرہا ہے، جس میں انھوں نے دیو بند کی صحافتی تاریخ کے ہر دور کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور ان مقامات اور جگہوں تک رسائی حاصل کی ہے، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے اور وقت کی گردان کے چہروں کو چھپا رہی تھی، مجھے یقین ہے کہ عزیزم سلمہ کا یہ کام آنے والوں کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کرے گا اور جب کوئی دیو بند کی صحافتی تاریخ کو نئے نقوش اور خدو

خال میں ڈھالے گا، تو اس کے لیے یہ کتاب ایک بہترین مرجع ثابت ہوگی، میں نے اپنی بات کو مختصر طور پر کہنے کی کوشش کی ہے، ورنہ یہ عنوان اتنا جاذبِ نظر اور حقائق کا حامل ہے کہ اس پر تفصیلی گفتگو ہو اور ان جزئیات کو سامنے رکھا جائے، جو یہاں کی صحافتی زندگی کا اہم ترین پہلو ہیں، عزیزم موصوف نے اس کام کو بہترین اور مکمل طریقے پر انجام دیا ہے، جس کی وجہ سے اس کتاب کے قاری کو کسی تشنگی کا احساس نہیں ہوگا اور جب کوئی تصنیف یہ احساس دلانے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ مکمل ہے، تو اس کی پذیرائی کے مواقع اور آثار بھی اسی طرح بڑھ جاتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب نہ صرف حلقۂ دیوبند کے لیے؛ بلکہ ادبی وصحافتی دنیا سے وابستہ دوسرے افراد کے لیے بھی دل چسپی اور مطالعہ کا سبب بنے گی، خدا کرے کہ اسے قبولیتِ عام حاصل ہو؛ تاکہ اس نوجوان کی محنت ٹھکانے لگے۔

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری
شیخ الحدیث دار العلوم وقف
وجامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

تصدیر

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء، وإمام المرسلين محمد، وعلى آله، وأصحابه أجمعين:

فخرِ ہندوستان دار العلوم دیوبند کی تاریخ بہت ہی روشن، جامع اور قابلِ تقلید ہے، یہاں کے روشن ضمیر اہلِ علم و معرفت نے سیاست و شریعت کی جامعیت اور'' در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق'' کی ایسی مثال اسلامیانِ ہند کے سامنے پیش کی ہے، جو ایک نقشِ دوام بن کر تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے، انگریزوں کی غلامی اور ان کے قبضۂ اثر سے ملک کو آزاد کرانے میں شہادت و فدائیت کے ایسے نمونے قائم کیے ہیں، جو نہ صرف ہندوستان جیسے عظیم ملک کے لیے راہِ حق کی رہنمائی کرتے ہیں؛ بلکہ پورے عالمِ اسلام اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک زندۂ جاوید پیغام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دار العلوم دیوبند نے اسلامی سیاست کا نمونہ پیش کر کے اور انگریزی سامراج سے نبرد آزما ہو کر علمائے حق کے لیے صراطِ مستقیم کا تعین کیا ہے؛ بلکہ باطل سے لڑنے کے لیے بھی سچے ایمانی جذبات کی عملی مثال پیش کی ہے؛ اس لیے اس اہم فریضہ کو انجام دینے کے لیے طاقتِ ایمانی کے ساتھ قلم و قرطاس کی ساحرانہ طاقت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور فریقِ مخالف اگر بے پناہ تاثیر رکھنے والے وسائل کی طاقتوں سے لیس ہے، تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کم سے کم زبان و قلم کی ضرورت و تاثیر ایک بڑا ہتھیار تصور کیا جاتا ہے، اسی بنا پر صحافت کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک اہم اجتماعی ذمہ داری ہے اور انسانی معاشرہ کو مثبت یا منفی رجحان عطا کرنے کا ذریعہ ہے، دنیا کے حالات کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کے حالات سے اجتماعی طور پر لوگوں کو باخبر کرنے کا یہ ایک اہم ترین، سہل اور روشن طریقہ ہے، رائے عامہ کو ہموار کرنے اور سیاسی حالات سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں اس کا ایک عظیم کردار ہے، سب سے پہلے سولہویں

☆ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ۔

مدیر ماہ نامہ ''البعث الاسلامی''، ندوۃ العلما، لکھنؤ۔

صدی میں ہالینڈ، جرمنی اور اٹلی میں صحافت کا آغاز ہوا۔

دارالعلوم نے اس اہم ترین ضرورت کی طرف بھی توجہ کی اور صحافت کے میدان میں روزِ اول سے داخل ہو کر ایک نئی صحافتی تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اس سے فریقِ مخالف کے ناپاک عزائم اور اس کی معاندانہ اور رازدارانہ اسٹراٹیجی (Strategy) کو طشت از بام کر کے اس کے حوصلوں کو پاش پاش کر دیا۔

دارالعلوم دیوبند نے ملک وملت کی ضرورت کے مطابق اردو صحافت کا آغاز ماہنامہ ''القاسم'' سے کیا، اس کا پہلا شمارہ ربیع الاول ۱۳۲۸ء (اپریل ۱۹۱۰ء) میں شائع ہوا، اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت علامہ تھانویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ ہوئے اور ادارت کی ذمہ داری حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لی تھی، ماہنامہ ''القاسم'' نے دارالعلوم کے پیغام کو عام کرنے اور ملک وملت کو دین ودنیا کے حالات سے واقف کرانے کا قابلِ فخر کارنامہ انجام دیا۔

القاسم کے جاری کرنے کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے لکھا ہے:

> ''اس رسالہ کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے مذہبی، علمی اور تاریخی معلومات کا صحیح محققانہ ذخیرہ بہم پہونچانا اور نرم ومتانت کے لہجے میں غلط خیالات (جو بہ وجہِ لاعلمی ذہن نشین ہو گئے ہیں) کو مٹانا ہے۔
>
> ''القاسم'' کے مقاصد میں یہ بھی تھا کہ اسلام کے نام پر مختلف فرق باطلہ کی پھیلائی ہوئی ہفوات ولغویات کا جواب دیا جائے؛ تاکہ سیدھے سادے مسلمان ان کی زہرناکیوں سے محفوظ رہ سکیں اور ان کے دین وایمان کی حفاظت ہو سکے۔

ماہنامہ ''القاسم'' کا دورِ اول دس سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے، پھر اس کی اشاعت ملتوی ہو گئی اور چار سال بعد ۱۹۲۵ء میں ماہنامہ ''القاسم'' کی نشأتِ ثانیہ کا دور شروع ہوا، جو حضرت تھانوی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کی سرپرستی میں چار سال تک اپنی صحافتی خدمات انجام دے کر بند ہو گیا اور اس کی جگہ ماہنامہ ''الرشید'' نے لے لی اور پورے سات سال تک وہ اپنی صحافتی خدمات انجام دیتا رہا، پھر ایک عرصے تک دارالعلوم کا صحافتی

میدان اپنے کسی ترجمان سے خالی رہا، پھر تقریباً ۲۰ رسال بعد ماہنامہ ''دارالعلوم'' کا اجرا ہوا اورعرصۂ دراز تک وہ ایک بامقصد صحافت کے ترجمان کی حیثیت سے دارالعلوم کے تمام حلقوں میں مقبول رہا،اس کے بعد شیخ الھند اکیڈمی کا قیام ۱۹۸۴ء میں حضرت شیخ الھند کے نام سے ہوا، جوایک علمی، تصنیفی ادارہ قرار پایا،اس کے مدیرِ اعلیٰ مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ مقرر ہوئے، شیخ الھند اکیڈمی کے مقاصد حسبِ ذیل تھے:

''ا۔تفسیر وحدیث اورفقہ، ہرموضوع پر منصفانہ تحقیقات پیش کرنا۔

۲۔ایسی کتابوں کی اشاعت،جن میں اسلام اور مسلمانوں کودرپیش جدید چیلنجوں کو پوری وقت نظری اور ایمان داری کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کرنا۔

۳۔نادر ونایاب کتابوں کا حصول اوران کی تحقیق کر کے انھیں عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع کرنے کا اہتمام کرنا۔

۴۔فضلائے دارالعلوم کی عربی تصنیفات کو اردو میں ترجمہ کرانا، اور اردو کتابوں کو عربی کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنا۔

۵۔ اسلام کے آفاقی پیغام کو پھیلانے کے لیے مناسب ذرائع اختیار کرنا، اور اس مقصد کے حصول کے لیے اردو وعربی رسائل جاری کرنا''۔(کتاب ہذا)

صحافت کے بارے میں اس معلومات افزا کتاب کے مصنف نایاب حسن قاسمی کی یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں''اردو صحافت: عہد بہ عہد'' کے عنوان سے صحافت کی تعریف وضرورت کے ساتھ ہندوستان میں اس کے آغاز وارتقا کی تاریخ، آزادیِ ہند تک، نہایت تفصیل اور حقائق وارقام (**Facts&Figars**) کی روشنی میں بیان کر کے ملک کی صحافتی تاریخ میں بیش قیمت اضافہ کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں،''اسلامی مدارس: صحافتی سیاق وسباق'' کے عنوان سے ملک کے اسلامی مدارس کے اردو دوزبان کے تعلق سے روشن کردار اور دارالعلوم دیوبند کی اردو کو فروغ دینے میں خصوصی توجہات، اسی طرح اسلامی مدارس میں اردو صحافت کی ابتدا، مذہبی صحافت کا آغاز اوراس کا پس منظر، دیگر مکاتبِ فکر سے نکلنے والے جرائد ومجلات، ندوۃ العلما کا اردو اور عربی صحافت سے گہرا تعلق، ''الندوہ''، ''تعمیرِ حیات''، ''الضیاء''، ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' کا ذکرِ خیر، ایک قابلِ تعریف اسلوب وانداز میں، اسی سیاق میں دارالعلوم سے اردو اور عربی میں شائع ہونے

والے جرائد ومجلّات کا تذکرہ، ''القاسم'' کے بعد ''الرشید'' کا دارالعلوم سے اجرااور اس کے معنوی فوائد کے ساتھ دونوں زمانوں کے صحافتی اسلوب کے میدان میں ان کا کردار، اسی طرح دارالعلوم کا عربی صحافت سے گہرا تعلق، ''دعوۃ الحق'' اور ''الداعی'' کا تاریخ صحافتِ عربی میں ایک بلند مقام، اسی کے ساتھ طلبۂ دارالعلوم کے صحافتی ذوق کی عکاسی اور موجودہ دور میں دارالعلوم سے نکلنے والے رسائل وجرائد کا تفصیلی تذکرہ اوران کی علمی اورادبی اہمیت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

تیسرا باب ''آسمانِ صحافت کے تابندہ ستارے'' کے عنوان سے دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک گوشۂ رفتگاں، جس میں مولانا سید ممتاز علی دیوبندی سے لے کر مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی تک کا مفصل ذکر موجود ہے، دوسرا گوشۂ قائماں ہے، جس میں مولانا صادق علی بستوی، مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری، مولانا کفیل احمد علوی، مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا عبدالعلی فاروقی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا ندیم الواجدی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اعجاز عرفی قاسمی، مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی، مولانا نسیم اختر کشمیری اور دیگر بہت سے اسمائے گرامی کے ذکر کے ساتھ آن لائن صحافت اور دارالعلوم، آن لائن صحافت: پس منظر وپیش منظر، انٹرنٹ پر پہلا اردو اخبار، فضلائے دیوبند وآن لائن صحافت، جملہ تفصیلات کے ساتھ اس باب میں مذکور اور معلومات سے بھرپور ہیں۔

چوتھا باب فکرِ دیوبند کے ترجمان مجلّات ورسائل کے تعارفی تذکرے پر مشتمل ہے، اس میں ماہنامہ ''ندائے شاہی''، ماہنامہ ''مظاہر علوم''، ''آئینہ مظاہر علوم''، سہ ماہی ''احوال وآثار''، ماہنامہ ''تحقیقاتِ اسلامی''، ماہنامہ ''رضوان''، ماہنامہ ''نوارالعلوم''، سہ ماہی ''المآثر''، سہ ماہی ''المفتاح''، ماہنامہ ''نوائے ہادی''، ماہنامہ ''ریاض الجنۃ''، سہ ماہی ''نشانِ راہ''، ماہنامہ ''ترجمان دارالعلوم''، ماہنامہ ''معارف قاسم''، ماہنامہ ''ملی اتحاد''، سہ ماہی ''حسن تدبیر''، ماہنامہ ''ندائے قاسم''، یہ اہم ترین رسائل ومجلّات شمار کیے جاتے ہیں؛ اس لیے یہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے، یوں تو تقریباً سو (۱۰۰) رسائل ومجلّات کا پورا تعارف کتاب کے اندر موجود ہے، اس میں بعض انگریزی زبان میں بھی شائع ہونے والے جرائد ومجلّات بھی ہیں، جیسے ''ایسٹرن کریسنٹ'' (EasternCrescent) ''اسلامی تجارہ'' (IslamiTijara) ماہنامہ ''معلم''،

اور ہندی میں ماہنامہ ''جانبِ منزل'' وغیرہ کے ضروری تعارف کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اس حیثیت سے رسائل ومجلّات کی یہ فہرست قابلِ استفادہ ہونے کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ صحافت کا ایک روشن پہلو بھی ہے اور ہندوستانی صحافت کی تاریخ لکھنے والوں کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ بھی۔

پانچواں باب ''ذمہ دارانِ مجلّات ورسائل کی خدمت میں چند گذارشات اور تجاویز'' کے عنوان سے ہے، اس میں دینی رسائل کے ذمے داروں کی خدمت میں قیمتی تجویزیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً قارئین کی توقعات کو پورا کرنا، تمام دانش گاہوں میں خواہ اسلامی یا عصری درسگاہیں ہوں، ان میں میڈیا لائبریری کا قیام، ایڈیٹرس ایسوسی ایشن کا قیام، طلباے مدارس کو عوامی میڈیا کے صحافیوں سے استفادے کا موقع فراہم کرنا، انٹرنیٹ سے معاونت حاصل کرنا، منظم کالم سازی اور اس پر مداومت، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کے شروع میں کتاب کے مصنف عالی مقام جناب نایاب حسن قاسمی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بعینہ نقل کردیا جائے:

''معاصر دنیا کے دم بہ دم تغیر پذیر حالات پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی باشعور شخص اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں ہوسکتا کہ آج سائنس اور انفارمیشن ٹیکنالوجی اور جدید فلسفۂ تمدن نے حصول یابیوں اور ترقیات کے جو منازل طے کرلیے ہیں، گزشتہ صدیوں؛ بلکہ چند دہائی پیشتر بھی اُن کا تصور تک ایک عجوبے سے کم نہیں تھا، برقی مقناطیسی لہروں کے ذریعے ابلاغ ومواصلات کے میدان میں جو تیز تر مراحل تقدم وترقی طے ہوئے ہیں، ہواؤں میں اڑنے اور زمین پر دوڑنے والے ذرائع ووسائل کی ایجادات کا جو سیل رواں ہے، اور عصرِ جدید کی مشینی رفتار کے ساتھ بھاگتی دوڑتی زندگی نے جو اپنے لیے نت نئی سہولیات مہیا کرلی ہیں، ان سب نے طویل تر خطۂ ارضی کو محیط اس دنیا کو عالمی گاؤں (globalvillage) میں بدل کر رکھ دیا ہے، مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے فاصلے سمٹ کر انگشت ہاے انسانی کی معمولی دبش تلے آگئے ہیں؛ چنانچہ آج جہاں اقصاے شرق سے اقصاے غرب تک رسائی چند گھنٹوں میں ممکن ہے، وہیں دنیا کے کسی بھی گوشے میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعے کی تمام تر روداد کا لمحے بھر میں پورے عالم میں پہنچ جانا انتہائی آسان اور معمول کی بات ہے، اس میں کوئی دورائے نہیں ہوسکتی کہ آج کا دور ابلاغی تقلبات اور ٹیکنیکل دھماکوں (Explosions) کا دور ہے۔

گزشتہ کسی بھی زمانے سے زیادہ؛ بلکہ بہت زیادہ موجودہ میڈیا خود مکتفی بن چکا ہے،

یہاں تک کہ آج کے جمہوری نظام حکم رانی کے عروج کے اس دور میں اسے جمہوریت کے چوتھے ستون کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے اور اس کے قبضے میں سیاست و معاشرت کی ہر دھکتی ہوئی رگ ہے، حکومتوں کے اقبال وادبار، عالمی وملکی سیاست میں برپا ہونے والے مدوجزر، خاک نشینوں کی تاج پوشی اور بالانشینوں کی خاک بوسی، قوموں اور ملکوں کی فکری واخلاقی زندگی میں برپا ہونے والے تغیرات وتموجات اور تہذیبی وسماجی سطح پر واقع ہونے والی اتھل پتھل میں عصری میڈیا ایک مؤثر ترین عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مگر عالمی سطح پر اہل اسلام کی شومیِ قسمت یہ ہے کہ وسائل علم ومعیشت وترقی کے دیگر شعبوں میں پس روی کے ساتھ میدان صحافت میں بھی وہ بری طرح پچھڑے پن کا شکار ہیں؛ چناں چہ دیگر ترقیاتی وسائل کی مانند میڈیا کی باگ ڈور بھی ایسے عناصر کے قبضہ وتصرف میں ہے، جن کی ماضی کی پوری تاریخ اسلام سے بغض وعناد اور حسد وکینہ پروری سے عبارت ہے، مسلمانوں میں ایسے اہلِ صحافت بہت ہی کم یاب ہیں، جو ایک طرف علم وعمل، پیشہ ورانہ تعلیم وامور میں مہارت اور جدید صحافت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہوکر ہم عصر صحافت پر اثر انداز ہونے کے جتن کریں، اور دوسری طرف اسلام، اس کی شفاف تعلیمات اور روشن ہدایات سے انہیں والہانہ تعلق اور اپنے دین، قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ کے لائے ہوئے سرمدی پیغامات کی ابدی سچائیوں پر ایسا زلزلہ فگن یقین ہو کہ وہ زمانے کی تبدیلی کا نعرہ لگا کر اساسیاتِ اسلام سے برگشتگی اور اس کے بنیادی عقائد سے انحراف کا شکار ہونے کی بجائے خود زمانے کو اُن اسلامی اصول وعقائد کا پابند بنانے کی پوزیشن میں ہوں"۔(از کتاب ہذا)

بلا شبہ موجودہ دور سابقہ زمانہ کے مقابلے میں ترقی یافتہ صحافت کی وجہ سے ممتاز ہے، صحافت نے آج قارئین کو دلچسپی کے غیر معمولی سامان فراہم کر دیے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ عوام وخواص پہلے کے مقابلے میں آج زیادہ صحافت کی طرف متوجہ ہیں، صحافت زندگی کی ترقی کے ساتھ روبہ ترقی ہے، اس میں غذا بھی ہے، اور تفریحِ طبع کا سامان بھی، معلوماتِ عامہ بھی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کی بھرپور نمایندگی بھی؛ اسی وجہ سے صحافت معنوی خوبصورتی کے ساتھ ظاہری کشش کی بھی حامل ہے، بعض ترقی یافتہ ممالک میں صحافت اپنی جاذبیت کی وجہ سے عوام کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی ہے؛ لیکن معنوی اعتبار سے وہاں کوئی ایسی چیز یا ایسا علم نہیں ہے، جو قابل استفادہ ہو، وہ صحافت بظاہر پر کشش؛ لیکن بباطن کھوکھلی ہے، جو زندگی کے کسی شعبے میں معاون نہیں ہو سکتی، اس صحافت کا نمایاں پہلو بے حیائی، بے شرمی اور اخلاق باختگی ہے، یہ صحافت نیم عریاں تصویروں کو

شائع کر کے اپنی تجارت کو سودمند بناتی ہے، کبھی مخرب اخلاق کہانیوں اور افسانوں کو شائع کر کے نئی نسل کو شہوت پرستی کی دبے انداز میں دعوت دیتی ہے اور کبھی اس کو برملا بغاوت اور کردارکشی پر ابھارتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نئی نسل تجرباتی مرحلہ سے گزر کر جانوروں کی صف میں آجاتی ہے۔

آج کی مروجہ صحافت کا یہی رنگ وآہنگ ہے، لوگ اس پر اس طرح ٹوٹے پڑ رہے ہیں، جیسے پیاسے ٹھنڈے پانی پر، خاص طور سے نوجوان طبقہ اسی کو انسانی زندگی میں آبِ حیات تصور کر رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ لاعلاج روحانی امراض کا شکار ہے، معاشرہ ان نوجوانوں کی وجہ سے فسق وفجور کا اڈہ اور ظلم وتعدی کا مرکز بنتا جارہا ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ نایاب حسن قاسمی صاحب نے صالح اور بامقصد صحافت پر ایک جامع کتاب تحریر فرما کر ایک عظیم فریضہ انجام دیا ہے، اس کتاب میں ایسے نمونے موجود ہیں، جن کو پیشِ نظر رکھ کر معاشرے کے اندر تعمیری اور مثبت کام کیے جاسکتے ہیں اور مسلم معاشرے کو لاحق خطرات سے نکالا جاسکتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کا فائدہ عام وتام ہو۔ (آمین)

وَماذٰ لک علی اللّٰہِ بعزیز.

راقم سطور

سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ - ۱۱ مارچ ۲۰۱۳ء

مدیر البعث الاسلامی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

تقدیم

حقانی القاسمی

دشواریاں دروازے کھولتی ہیں اور آسانیوں سے دریچے بند ہو جاتے ہیں، عوامی عنایتوں نے اہلِ مدارس کو اتنا تن آساں بنا دیا کہ ہزار دستکوں کے بعد بھی ان کی عافیت کی نیند نہ کھل سکی اور وہ خوش فہمیوں کے شیش محل میں قید رہے، اُنھیں یہی احساس مطمئن کرتا رہا کہ وہ بہت مضبوط قلعے میں ہیں، دنیا و مافیہا سے بے خبر اسی احساس کے ساتھ زندگی کے شب و روز گزرتے رہے؛ لیکن وقت کو بدلتے دیر نہیں لگتی اور پھر وقت نے دکھا دیا کہ ماضی کے حسین تصورات کی عمارت ایک ساعت میں منہدم ہو سکتی ہے اور ہوا وہی، جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ انگریزی اخبارات کی یہ شہ سرخیاں نظروں کے سامنے آنے لگیں:

Madrasas are Dens of Terror and anti nationalism

Madrasas are hub of terror and nursery of hate

یہ 9/11 کے بعد کی وہ سرخیاں تھیں، جو بیش تر انگریزی عالمی اخبارات میں چھپ رہی تھیں اور وہ مدارس، جو اسلام کے مضبوط قلعے سمجھے جاتے تھے، دہشت گردی کے اڈوں میں تبدیل کیے جا رہے تھے، گلوبل میڈیا نے مدارس کی ایک ایسی امیج بنا دی کہ اب ان کے لیے جاگنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں بچ گیا تھا، دیر تو بہت ہو چکی تھی، مگر دفاع ضروری تھا؛ کیوں کہ میڈیا میں مفروضوں اور واہموں پر یقین کی عمارت کھڑی کی گئی تھی، ایک **prejudice** کے تحت مدارس کی کردارکشی کی جا رہی تھی، جزوی، ناقص اور ادھ کچرے معلومات پر مبنی خیالات کی تشہیر کی جا رہی تھی اور اس کے پس پشت صہیونی میڈیا کی پوری قوت تھی، جس نے **globalhegemon y** کے لیے مدارس کو نشانہ بنایا، مگر یہاں بھی صہیونیوں کی شاطرانہ چال کامیاب نہ ہو سکی اور پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے جیسی صورت پیدا ہو گئی، **MadrasaMyth** کے عنوان سے **PeterBergen** کی ایک رپورٹ شائع ہوئی، جس میں بتایا گیا کہ 75 دہشت گردوں کے تعلیمی پس منظر کے جائزے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ زیادہ تر دہشت گرد یونیورسٹی اور کالج کے سند یافتہ ہیں اور مدارس سے امریکہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے، دوسری طرف **WilliamDal**

rymple نے اپنے آرٹیکل ***NoMadrasaLinktoLondonattack*** میں یہ لکھا کہ مدرسہ ایجوکیشن تکنیکی طور پر تعلیم یافتہ دہشت گرد پیدا نہیں کر سکتا اور یہ حقیقت جگ ظاہر ہے کہ مدارس میں دین کی تبلیغ کی جاتی ہے، دہشت گردی کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے، یہاں فکری فنڈامنٹلزم کے لیے تھوڑی بہت جگہ ضرور ہے، مگر ملیٹینسی کے لیے ذرا بھی جگہ نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے دروازے صرف مسلمانوں کے لیے کھلے ہوئے ہوں، ابتدا سے ہی مدارس میں سبھی مذاہب اور طبقات کو تعلیم دی جاتی رہی ہے، ایسا نہ ہوتا، تو راجہ رام موہن رائے مدرسہ عالیہ کی تعلیم سے بہرہ ور نہ ہو پاتے، اور تازہ رپورٹیں بھی اس کی توثیق کرتی ہیں کہ مدارس میں تعلیم کی سطح پر کوئی امتیاز اور تفریق نہیں ہے، انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس میں شیو سہائے سنگھ کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ کلکتہ سے ایک سو دس کیلو میٹر دور بردوان میں ایک مدرسہ ہے، جس میں **883** طلبا میں سے **555** کا تعلق غیر مسلم فرقے سے ہے اور اساتذہ میں گیارہ میں سے چھ ہندو ہیں، اسی طرح کی ایک اور رپورٹ ہے، جو ملک کے مختلف انگریزی اور اردو اخبارات میں بہار کے مدرسہ بورڈ کے تعلق سے شائع ہوئی ہے، جو اور بھی حیرت انگیز ہے کہ ہیم لتا حافظِ قرآن ہیں اور بہت سے ہندو طلبا اور طالبات نے فوقانیہ مولوی اور عالم کے امتحانات دیے اور اچھے نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

ان حقائق کے باوجود نو گیارہ کے بعد امریکہ کی تقلید میں ہندوستانی مدارس پر بھی دہشت گردی کے فروغ کے الزامات لگے اور وہ، جنہیں چہار دیواری سے باہر کی کوئی خبر نہیں ہوتی، کہ اخبار اور ٹی وی ان کے لیے ممنوعات میں داخل ہیں، انہیں ایسے جبر سے جوڑ دیا گیا، جن کی ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں، جنہیں فصولِ اکبری سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی، انہیں بھی فساد کا مجرم قرار دیا گیا۔

9/11 کا واقعہ نہ ہوتا، تو شاید مدارس کے حوالے سے بہت سی حقیقتیں پردۂ خفا میں ہی رہ جاتیں، گو کہ مسلم معاشرے پر اس کا منفی اثر پڑا، مگر اہلِ مدارس کے لیے یہ ایک مثبت پہلو لیے ہوئے سامنے آیا کہ اس نے مدارس کے منجمد وجود کو تحرک بخشا اور وہ اپنے محدود سمٹے ہوئے دائرے سے باہر نکل آئے، **9/11** کا زہر اہلِ مدارس کے لیے کارِ تریاقی ثابت ہوا۔

اہلِ مدارس کے لیے یہ ایک نقطۂ تغیر تھا، وہ اپنے کیکون میں قید تھے، اگر اس طرح کے واقعات نہ ہوتے، تو شاید وہ اصحابِ کہف کی طرح گہری نیند میں ہی ہوتے۔

نو گیارہ کے بعد دیوبندی طرزِ فکر کے مدارس ہی زیاں کی زد میں آئے، کہ یہی وہ ادارہ ہے، جس نے ماضی میں باطل قوتوں کو شکستِ فاش دی تھی اور جس نے سیاست اور اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں، یہ وہ ادارہ ہے، جو اپنے زمانۂ قیام سے ہی ایک مشن اور ایک مقصد کے تحت آگے بڑھ رہا تھا، یہ ادارہ 40 سال سے کم عمر کے جوانوں کے جوش و جنون کا نتیجہ تھا، انھوں نے وہاں کی مٹی میں علم کی خوشبو محسوس کی تھی، دیوبند 150-100 دو یا تین سو گز پر پھیلا ہوا کوئی رقبہ نہیں ہے؛ بلکہ دیوبند ایک وژن کا نام ہے، جس کے سلسلے پوری دنیا کی دانش و آگہی سے جڑے ہوئے ہیں، یہ متخالف نظریات اور متصادم افکار کے ساتھ اپنی مذہبی راسخ الاعتقادی کے ساتھ سیاسی روشن خیالی اور ترقی پسندی کے راستے پر گامزن رہا، سیاست اور معاشرت کے باب میں دیوبند کی روشنی ہمیشہ عوام کے لیے خضرِ راہ ثابت ہوئی اور پوری دنیا کے لوگوں نے دیوبند سے علمی فیضان حاصل کیا اور اس ادارے نے ہی بہت سے مشکل محاذ پر ہندوستانی عوام کی قیادت کی، وہاں کے لاکھوں فارغین آج بھی کسی نہ کسی سطح پر ملک اور معاشرے کو متحرک اور منور کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اب یہ مسلک کی شکل اختیار کرچکا ہے، بحیثیت مسلک دیوبند میرے قلب و نظر کا کبھی مرکز و محور نہیں رہا، مگر دیوبند نے جس طرزِ فکر اور احساس کو فروغ دیا ہے، اس سے میرا ذہنی رشتہ ہے؛ کیوں کہ دیوبند کے طرزِ فکر میں ایک نوع کی ترقی پسندی اور کشادہ نظری رہی ہے، مسلک کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے مجھے ہمیشہ وحشت رہی ہے؛ اس لیے مسالک کے تنگ نائے سے میں ہمیشہ گریزاں رہا، دیوبند کا دائرۂ فکر اتنا وسیع ہے کہ اسے محدود مسلک سے منسلک کرنا اس بحرِ بیکراں کو جوئے کم آب میں بدلنے کے مترادف ہے، دیوبند کی خدمات کا تناظر بھی بہت وسیع ہے اور اس کا کینوس اتنا بڑا ہے کہ اسے خاص طبقے یا حلقے میں قید نہیں کیا جاسکتا، دیوبند نے مذہبیت کے ساتھ وطنیت کو بھی شامل رکھا ہے اور ملی قیادت کے ساتھ ساتھ ملکی قیادت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔

تحریکِ آزادی میں بھی دیوبند کا قائدانہ رول رہا ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ

الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جیسی شخصیتیں اسی ادارے سے وابستہ رہی ہیں، جنھوں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کا نعرہ بلند کیا اور اپنی مٹی اور ملک سے بے پناہ محبت کا ثبوت دیا، ان کے جذبۂ پرخلوص اور نیک نیتی پر شک نہیں کیا جاسکتا، انہوں نے یقیناً اپنی مٹی کا قرض ادا کرنے کے لیے انگریزوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا، مگر تقسیم ہند کے بعد آج کے تناظر میں تقابلی مطالعہ کی بنیاد پر ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جو یہ سوچتا ہے کہ تحریکِ آزادی میں شمولیت علما کی سیاسی بے بصیرتی یا فراست کی کمی کی دلیل ہے؛ کیوں کہ آزادی کے بعد مسلمانوں کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہوگئی، جیسا کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کہتی ہے، جب کہ انگریزوں کے دور میں مسلمان بڑے سرکاری عہدوں پر فائز تھے، کہیں کلکٹر، کہیں ڈپٹی کلکٹر، کہیں ناظم سررشتہ تعلیمات، جاگیریں تھیں، تعلقے تھے، بڑے بڑے علما صدر الصدور کے عہدوں پر فائز تھے، عدالتوں کے قاضی القضاۃ تھے، اردو عدلیہ اور انتظامیہ کی زبان تھی اور انگریزوں نے مشرقی علوم کے فروغ کے لیے کئی ادارے قائم کیے تھے، کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کا قیام بھی انگریز گورنر جنرل آف انڈیا وارن ہسٹنگز کا رہینِ منت ہے، وہ مسلمانوں کو خصوصی مراعات دینا چاہتے تھے، مگر جیمس او کینلی کے کلکتہ ریویو 1870 کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ جب مسلمانوں کو پست حالت سے ابھارنے کی بات کی جاتی تھی، تو ایک مخصوص مذہب کے افراد مسلمانوں کی غیر وفاداریوں کی کہانیاں سنانے لگتے تھے، اس طرح انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک سازش کے تحت خلیج بڑھائی گئی اور مسلمانوں نے سوچے سمجھے بغیر انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی، جب کہ اس جنگ کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا؛ کیوں کہ اگر مخالفت کی وجہ انگریزوں کا غیر ملکی ہونا تھا، تو پھر مغلوں کے دورِ حکومت کو کیوں برداشت کیا گیا، جب کہ وہ بھی غیر ملکی تھے اور پھر آزادی ملنے کے بعد جن لوگوں کے حصے میں اقتدار آیا، وہ بھی آرین تھے، جو باہر سے آکر بسے تھے، حقیقی ہندوستانی اقتدار سے پہلے بھی محروم تھے اور جس ہندوستانی قومیت کے نام پر جنگ لڑی گئی تھی، اس قومیت کے حقیقی پیکر اب بھی جنگلوں اور ویران بستیوں میں بھٹک رہے ہیں، ہندوستان کے حقیقی باشندے تو وہ آدی باسی قبائل اور پسماندہ ذاتیں ہیں، جو حاشیے پر ہیں، جنہیں وہ حقوق بھی میسر نہیں، جو آزاد شہریوں کو ملتے ہیں، تو پھر یہ سوال بالکل صحیح ہے کہ علما نے آزادی کے لیے جن بنیادوں پر جنگ لڑی تھی، وہ

بنیادیں ہی کمزور تھیں، یہ ایک طرح سے بڑی سیاسی غلطی تھی، جس کا خمیازہ تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں اور دلتوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے،ان کا یہ بھی خیال ہے کہ 1857 میں جنگ آزادی کے لیے لڑی جارہی تھی، 1947 تک آتے آتے وہ اقتدار کی جنگ میں بدل چکی تھی اور اس کا ثبوت وہ اختلاف اور انتشار ہے، جو کانگریس اور مسلم لیگ کی شکل میں سامنے آیا، دونوں ہی ایک دوسرے کو انگریزوں کا ایجنٹ کہتے تھے، کانگریس کو اس لیے کہ اس کی تشکیل ایک انگریز اوہیوم نے کی تھی اور مسلم لیگ کو اس لیے کہ اس کا اشرافیہ سے تعلق تھا، جو انگریزوں کے وفادار سمجھے جاتے تھے، جب تک نوآبادیاتی دور کے سارے دستاویزات سامنے نہیں آجاتے، تب تک کسی کو موردِ الزام ٹھہرانا صحیح نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ جب وہ تحریریں سامنے آئیں گی،تو ہماری فکری منطق بدل جائے اور انگریزی استعماریوں کو مسیحا سمجھنے لگیں، کہ ان ہی کی عنایتوں سے ہمیں ریلوے، ٹیلی فون اور پوسٹل سروس کی سہولیات حاصل ہوئیں،تو ہمات سے گھرے ہوئے ہندوستان کی ترقی میں برطانیہ کا اہم رول رہا ہے،اس نے جو انفرااسٹرکچر دیا،اس سے ہندوستان کو آگے بڑھنے میں بہت مدد ملی، برطانوی اقتدار کو پرامن ماحول مل جاتا،تو ہندوستان کی تقدیر اور تصویر بدل جاتی۔

تحریکِ آزادی کا معاملہ ہنوز تحقیق کا محتاج ہے، پھر بھی علماے دیوبند نے تحریکِ آزادی میں جو رول ادا کیا ہے،اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا، یہ اور بات کہ آزادی کے بعد کسی بھی باب میں ان کا تذکرہ تک نہیں ہوتا؛ اس لیے کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا لہو رائیگاں گیا اور ان کی ساری محنت اکارت گئی، کہ انگریزوں کے دور میں ہندوستانی مجاہدین 1857 کے دہشت گرد سمجھے جاتے تھے اور آج بھی صورت حال وہی ہے، اقتدار اور سیاست جہاد اور دہشت گردی کے مفہوم تبدیل کرتی رہتی ہے، اگر انگریزی اقتدار میں انصاف کی آواز بلند کرنے والے مجاہد تھے،تو پھر آج کے دور میں ناانصافی کے خلاف اٹھنے والی آواز دہشت یا بغاوت میں کیسے بدل جاتی ہے؟

بہت سے سوالات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہورہے ہیں اور ان سوالوں کے جوابات ہندوستان کے کسی مورخ کے پاس نہیں ہیں؛ کیوں کہ آج کے الکٹرانک میڈیا یا پہ نشر ہونے والی تاریخ کی طرح پہلے بھی تاریخوں کے تیقن کی بنیاد مفروضوں پر تھی، دیوبند کے بارے میں بھی تاریخ نے اسی تعصب کا ثبوت دیا، برطانوی دور میں انگریزوں کا اتنا منفی رویہ نہیں رہا؛ لیکن تقسیمِ

ہند کے بعد ہندوستانی اقتدار کا جو منفی رویہ رہا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، کہ دارالعلوم دیو بند جیسے مقدس ادارے کی تلاشی انگریزوں کے زمانے میں نہیں؛ بلکہ آزادی کے بعد لی گئی، دوقومی نظریے کی شدت سے مخالفت کرنے والے ادارے کا یہ حال ہوا، تو اوروں کے بارے میں کیا کہا جائے؟

●

نایاب حسن کی کتاب کے چند اوراق پلٹے، تو ماضی سے مصافحہ اور یادوں سے معانقہ کی ایک صورت نکل آئی، یہ اس کتاب کے تعارف کی تمہید ہے اور خفقانی کیفیت میں لکھی گئی لمبی تمہید اور اس کا مقصد عملی طور پر یہ بتانا ہے کہ نایاب حسن نے دیو بند کے جس صحافتی منظر نامہ کو اپنے ڈسکورس کا حصہ بنایا ہے، اس میں ویسے تو خوبیاں بہت سی ہیں، مگر خامی ہے، تو بس اتنی سی کہ ان اربابِ مدارس کی صحافت تمہید کی طوالت میں کھو جاتی ہے اور بے جا خطابت کا نمونہ بن جاتی ہے، یہ قارئین کا عمومی ادراک ہے اور آج کے قاری اساس دور میں اس تاثر کو سنجیدگی سے نہ لینے کا مطلب اپنے دائرۂ اثر کو محدود کرنا ہے، نثری ارتقا کے ساتھ ساتھ صحافتی اسالیب میں بھی تبدیلیاں آئی ہیں، اب جدید ترین اسلوب یہ ہے کہ اصلی مدعا پہلے ہی پیرا میں واضح کر دیا جائے اور غیر ضروری تمہید سے گریز کیا جائے اور اسی کا التزام نہ کرنے کی وجہ سے باتیں اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔

نئی صحافتی زبان کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، مدارس کے طلبا کی صحافتی تربیت نہیں ہو پاتی؛ اس لیے جدید صحافتی تقاضوں کی تکمیل میں وہ ناکام رہ جاتے ہیں، ان کے پاس الفاظ اور مترادفات کا بیش بہا خزانہ ہوتا ہے، مگر محلِ استعمال اور طریقۂ استعمال میں غلطی کی وجہ سے بھاری بھرکم الفاظ بھی مضمون کو قوت اور کشش عطا نہیں کر پاتے، ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ روزمرہ کی زبان **synchronic** کے بجائے **diachronic** یعنی ماضی کی زبان استعمال کرنے کی وجہ سے ان کی زبان جادو جگا نہیں پاتی، ماضی کی مردہ زبان کی جگہ حال کی زندہ نامیاتی زبان استعمال کی جائے، تو وہ زیادہ اثر انگیز ہوتی ہے، صحافت صرف لفظوں کا کھیل نہیں ہے، یہ لفظوں کے جادوئی استعمال کا ہنر ہے، کبھی کبھی صحافت میں معمولی الفاظ بھی غیر معمولی کردار ادا کرتے ہیں، ایک متروک لفظ بھی وہ کرشمہ دکھا جاتا ہے، جو مروّج الفاظ نہیں دکھا پاتے۔

نایاب حسن نے یہ اچھا کیا کہ دیو بند کی صحافت کا جائزہ لیتے ہوئے صحافت کی پوری تاریخ ہی بیان کردی اور ہندوستانی صحافت کے آغاز وارتقا پر گفتگو کرتے ہوئے آزادی کے بعد کی اخباری صحافت کے احوال بھی درج کر دیے۔

مدارس کی مجموعی صحافت کے لیے انھوں نے ایک پورا باب ہی مختص کیا ہے اور اس میں انھوں نے یہ قابلِ تحسین التزام کیا ہے کہ تمام مسالک اور مکاتبِ فکر کے مجلات کا ذکر کیا ہے، بریلوی، اہلِ تشیع اور اہلِ حدیث کے رسائل وجرائد پر گفتگو بہت اہمیت کی حامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے زیادہ تر رسالے صحافتی اصول وضوابط کا پاس رکھتے ہیں، صرف چند ہی رسائل ایسے ہیں، جن سے مسلکی کثافت، تعنت اور عناد کی بو آتی ہے، دار العلوم دیو بند کے صحافتی منظر نامہ پر بہت ہی مبسوط گفتگو ہے "القاسم"، "الرشید" اور ماہنامہ "دار العلوم" کا تفصیلی ذکر ہے، یہ تینوں رسائل بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں علمی وتحقیقی نوعیت کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، ضرورت ہے کہ ان رسائل کے توضیحی اشاریے مرتب کیے جائیں اور ممکن ہو، تو ان رسالوں میں شائع شدہ مضامین کے انتخابات شائع کیے جائیں؛ تاکہ ان نوادرات سے علمی دنیا استفادہ کر سکے۔

آسمانِ صحافت کے تابندہ ستارے کو نایاب نے دو گوشوں میں تقسیم کیا ہے، رفتگاں کے تحت مولانا سید ممتاز علی، مولانا مظہر الدین شیر کوٹی، علامہ تاجور نجیب آبادی، شائق احمد عثمانی، سید فضل الرحمٰن قاسمی، عامر عثمانی، سید محبوب رضوی، مولانا عبد الوحید صدیقی، سعید احمد اکبر آبادی، ازہر شاہ قیصر، جمیل مہدی، حامد الانصاری غازی، منظور نعمانی اور دیگر اکابر کا تذکرہ ہے، ان میں سے بیشتر شخصیات صحافتی حلقے میں مستحکم شناخت رکھتی ہیں، دوسرا گوشۂ قائماں ہے، جس میں کئی اہم نام ہیں، مگر کم ہی ایسے ہیں، جن کی شناخت عالمی یا قومی سطح پر ہو، یہ گوشہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں صحافت میں شناخت کے لیے کوشاں نسل کا بطورِ خاص ذکر ہے، کتاب کا چوتھا باب فکرِ دیو بند کے ترجمان مجلات پر محیط ہے، اس میں 90 سے زیادہ اُن رسائل کا تعارف ہے، جو ہندوستان کے مختلف مدارس سے شائع ہو رہے ہیں، ان میں بعض رسالے مشمولات کے انتخاب اور پیش کش کے اعتبار سے معیاری کہے جا سکتے ہیں۔

دیوبند کے علمی حلقے کا زیادہ تر ارتکاز معقولات، منقولات اور شروحات پر رہتا ہے، اس نوع کے موضوعات دیوبند کی داخلی دانش کا حصہ نہیں بن پاتے؛ اس لیے نایاب حسن کا یہ کام الگ طور وطرز کا ہے، یہ دیوبند کی ایک ایسی جہت سے روشناس کرانے کی کوشش ہے، جس سے عامۃ الناس کی اکثریت اور اہلِ دانش وبینش کی اقلیت کو دلچسپی ہوسکتی ہے، موجودہ تناظر میں یہ موضوع اس لیے اور بھی اہم ہوجاتا ہے کہ صحافت پر تحقیق کرنے والے زیادہ تر اسکالرز مدارس کی صحافت کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

میڈیا کی ہائپر رینٹلٹی کا نشانہ مسلمان اور مدارس ہی بنتے ہیں؛ اس لیے صرف صحافت کے موضوع پر کام کرنے کی نہیں؛ بلکہ اس میدان میں مکمل تحرک کے ساتھ داخل ہونے کی بھی ضرورت ہے، مدارس کے بارے میں میڈیا نے جس نئے کلامیے کی تشکیل اور تشہیر کی ہے، اس کی تردید کے لیے مختلف سطحوں پر بیدار ہونے کی ضرورت ہے، مدارس کو دہشت گردی یا بنیاد پرستی کا سرچشمہ قرار دینے کی ہر کوشش کا مسکت جواب دینا ہوگا اور یہ ذمے داری ان افراد کی ہے، جو باضابطہ صحافت سے جڑے ہوئے ہیں، ماشاء اللہ دیوبند کے فارغین کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے، جو یہ کام بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے، نایاب حسن نے اس کتاب کے ذریعے ایک نئے تحرک کی لہر تو پیدا کردی ہے؛ لیکن المیہ یہ ہے کہ اہلِ مدارس میں بے نیازی اس قدر ہے کہ وہ کبھی اس کا ادراک ہی نہیں کرپاتے کہ مدارس کے تعلق سے عوامی احساس میں کافی تبدیلی آچکی ہے، نایاب کی کتاب مدارس کے تعلق سے انٹلکچوئل کے **perception** کو بدل سکتی ہے، مگر سوال پھر ان افراد کا ہے، جو دیوبند سے آگاہ نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندی یا دیگر علاقائی زبانوں میں دارالعلوم دیوبند کا تعارفی لٹریچر موجود نہیں ہے اور اربابِ دارالعلوم نے اس کی ضرورت یوں نہیں سمجھی کہ انھیں یہ احساس ہو چلا ہے کہ دیوبند پوری دنیا میں متعارف ہے، ان کے لیے اطلاعاً یہ عرض کرنا شاید گستاخی ہو کہ آج بھی ہندوستان کا ایک معتد بہ طبقہ دیوبند کو مکہ کے بعد دوسرا بڑا دھرم استھل سمجھتا ہے، جس کی طرف رخ کر کے مسلمان نماز پڑھتا ہے، اردو میں لکھی نایاب کی یہ کتاب اس غلط فہمی کا ازالہ نہیں کرسکتی؛ اس لیے اس نوع کی کتابیں مختلف زبانوں میں شائع ہونی چاہییں، جن سے دیوبند کا مکمل تعارف ہوسکے، نایاب حسن کی کتاب بھی دیوبند کا ایک اچھا

تعارف نامہ ہے؛ لیکن یہ صرف صحافتی جہت سے روشناس کراتا ہے اور اس جہت پر توجہ دینے کی ضرورت بھی تھی، نایاب نے اس ضرورت کی بہت ہی خوبصورتی سے تکمیل کی ہے۔

دارالعلوم کی صحافت کے حوالے سے یہ دوسرا اہم کام ہے، اس سے قبل معروف شاعر ڈاکٹر نواز دیوبندی نے اس موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا ہے، مگر دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نایاب کے دائرۂ تحقیق میں نئی نسل کے صحافیوں کے علاوہ مدارس کے مجلات بھی شامل ہیں اور پھر اس میں تازہ ترین معلومات اور اطلاعات بھی ہیں، نایاب کی کتاب میں آن لائن صحافت اور فضلاے دیوبند کی اس سے وابستگی کا بھی خصوصی ذکر ہے، دیوبند کی صحافت کے حوالے سے یہ وقیع کام ہے، اگر بے حسی اور جمود کی فضا دیوبند سے تعلق رکھنے والوں کے ذہنوں پر طاری نہیں رہی، تو یقیناً اس کتاب سے صحافتی حلقوں میں ایک نئی بحث کا آغاز ہوگا اور آیندہ صحافت پر لکھی جانے والی کتابوں کا ایک جلی عنوان دیوبند کی صحافت بھی ہوگا۔

haqqanialqasmi@gmail.com

cell:9891726444

پیش رس

دار العلوم دیوبند کے قیام کو ڈیڑھ صدی بیت چکی ہے اور اس طویل عرصے میں اس نے ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ پوری اسلامی دنیا کو اپنی متنوع اور وسیع تر خدمات سے متاثر کیا ہے، روزِ اول سے ہی اس کی آغوش میں ایسے ایسے باکمال فرزندوں نے جنم لیا، جن کی علمی یکہ تازی تسلیم کی گئی اور جن کی فکری بلند پروازی اور سیاسی تدبر کو ایک دنیا نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے، خود بانیانِ دار العلوم میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ کا علمی سراپا کس قدر بلند و بالا تھا، وہ کسی سے مخفی نہیں، پھر دار العلوم سے کسبِ فیض کرنے والوں میں اس کے اولین طالبِ علم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا جو علمی مقام و مرتبہ تھا اور ہندوستانی سیاست پر ان کے فکر و خیال کی جو گہری چھاپ پڑی، وہ بھی جگ ظاہر ہے، پھر جب اس ایک چراغ سے چراغوں کے روشن ہونے کا سلسلہ شروع ہوا، تو دنیا نے بہ چشمِ خویش دیکھا کہ اس درس گاہ سے کیسے کیسے علم و فضل کے امام اور دانش و بینش کے سرخیل اٹھے اور پوری دنیا پر چھا گئے، اسی دیوبند کے فیض یافتہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے قرآن کریم کی عظیم الشان خدمت انجام دی، جاہلانہ رسم و رواج اور بدعات و خرافات میں جکڑے ہوئے ہندی مسلمانوں کے سرمایۂ دین و ایمان کے تحفظ کا سامان کیا اور احسان و تزکیۂ نفس کے باب میں گراں بہا تجدیدی کارنامے انجام دیے، اسی دیوبند کے پروردہ کشمیر کے مایۂ صد افتخار فرزند علامہ انور شاہؒ نے علمِ حدیث اور اس کے متعلقات کو اپنے بیش قیمت نتائجِ فکر سے مالا مال کیا اور اِسی دیوبند کی درس گاہ میں تربیت پانے والے مولانا حسین احمد مدنیؒ نے نہ صرف دس سال سے زائد تک حرمِ نبوی میں درسِ حدیث دینے کا شرف حاصل کیا اور اس کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک دار العلوم دیوبند کی مسندِ حدیث ان کے دم سے روشن رہی اور بیعت و سلوک کی راہ سے بے شمار مسلمانوں کے قلوب کی صیقل گری کی؛ بلکہ کشاکشِ آزادی میں بھی انھوں نے نمایاں اور سربراہانہ طور پر حصہ لیا اور ان کے علاوہ بھی دار العلوم دیوبند امتِ مسلمہ کو مسلسل ایسے رجالِ کار فراہم کرتا رہا، جنھوں نے علم و دین کے تقریباً تمام شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دیے اور پوری دنیا ان سے مستفیض ہوتی رہی۔

اسلامی ادب و صحافت کے فروغ و ارتقا میں بھی دیوبند کا کردار نمایاں اور روشن ہے،

دار العلوم سے جاری ہونے والے رسالے ''القاسم''، ''الرشید''، جن سے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا سراج احمد رشیدی اور مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جیسی شخصیتیں وابستہ رہیں اور جن کے کالم نگاروں میں جید علما و فضلا رہے، ان کی صحافتی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ۱۹۴۱ء میں جاری ہونے والا رسالہ ''دار العلوم'' بھی، جو اب بھی مسلسل شائع ہو رہا ہے اور مسلمانوں کی علمی، ادبی و دینی خدمات میں مصروف ہے، غیر معمولی وقعت رکھتا ہے، اس رسالے کا آغاز مولانا عبد الوحید صدیقی غازی پوریؒ نے کیا تھا، جنھوں نے بعد میں اردو صحافت کو بام عروج پر پہنچایا، ''ہدیٰ''، ''ہما'' اور ''پاکیزہ آنچل'' جیسے مقبولِ عام اسلامی و معاشرتی ڈائجسٹ نکالے اور ہفت روزہ ''نئی دنیا'' جاری کیا، یہ سب ان کے صاحب زادوں کی ادارت میں اب بھی جاری ہیں اور خاص و عام میں بے انتہا مقبول و مشہور بھی ہیں، اسی طرح اردو کے معروف صحافی اور صاحبِ اسلوب ادیب سید ازہر شاہ قیصرؒ بھی اس رسالے سے وابستہ رہے ہیں اور تیس سال سے زائد عرصے تک اُنھوں نے اس کی کامیاب ادارت کی ہے۔

صحافت و ادب کے میدانوں میں فضلاے دیوبند نے بھی اپنے گہرے نقوش قائم کیے ہیں اور اس حوالے سے بھی ان کی خدمات بڑی وقیع اور قابلِ قدر ہیں، مولانا سید ممتاز علی دیوبندیؒ، علامہ تاجور نجیب آبادیؒ، مولانا شائق احمد عثمانیؒ، مولانا مظہر الدین شیرکوٹیؒ، مولانا عامر عثمانیؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا عمر دراز بیگؒ، مولانا عبد الباقی خاںؒ، مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ اور مولانا رضوان القاسمیؒ وغیرہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے ادب کو ایک خاص اسلوب اور صحافت کو ترقی و عروج کی نئی سمتیں عطا کی ہیں اور جن کی قلمی فتوحات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

ماضی کے مقابلے میں عصرِ حاضر کے فضلاے دیوبند میں اس حوالے سے زیادہ بیداری آئی ہے، بہ طورِ خاص ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت اور ۲۰۰۲ء میں گجرات کے مسلم کش فسادات ان کے لیے نقطۂ تحول ثابت ہوئے ہیں، نائن الیون کے خونیں حادثے کے بعد مدارس اور فضلاے مدارس کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے اور معاصر قومی و مغربی میڈیا کی طرف سے تعصّبات کے مسلسل اظہار نے بھی انھیں کافی بیدار و ہوشیار کر دیا ہے: چناں چہ فی الحال ملکی و علاقائی سطح کے تقریباً تمام اردو اخبارات اور بہت سے ہندی و انگریزی کے اخباروں سے بھی مدارس، بالخصوص دار العلوم دیوبند کے فضلا وابستہ ہیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کی ترجمانی و دفاع کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

اخباری صحافت کے علاوہ مجلاتی و مذہبی صحافت کے فروغ میں بھی دیوبند کا کردار قابلِ لحاظ رہا ہے، جہاں ماضی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ''الفرقان''، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کے ''برہان''، مولانا عامر عثمانیؒ کے ''تجلی''، مولانا عمر دراز بیگؒ کے ''الحرمین'' اور مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ کے ''ندائے حرم'' اور دیگر بہت سے رسائل و مجلات نے قابلِ ذکر علمی، ادبی و تحقیقی خدمات انجام دی ہیں، وہیں فی الوقت بھی دیوبند کے فیض یابوں کی ایک بڑی تعداد ملک کے طول وعرض سے ماہانہ، دوماہی، سہ ماہی اور چہار ماہی رسائل نکال رہی ہے، موجودہ رسائل کی خاص اہمیت یہ ہے کہ وہ حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کی دینی رہ بری اور اسلامی تعلیمات و ہدایات سے انھیں واقف کرانے پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، ان میں بعض ایسے بھی ہیں، جو خالص علمی و تحقیقی مضامین کی اشاعت پر زور دیتے ہیں، اسی طرح کچھ خالص ادبی وطبی رسالے بھی فضلاے دیوبند کی ادارت میں نکل رہے ہیں، ان کے علاوہ ممبئی، دہلی، بنگلور اور راجستھان سے ان کے زیرِ ادارت متعدد ہندی وانگریزی میگزینس بھی شائع ہورہی ہیں، یہ ایک خوش آیند اقدام ہے اور عصری تناظر میں نتیجہ خیز بھی۔

تفسیر، حدیث اور فقہ کے شعبوں میں دارالعلوم کی خدمات پر کافی کچھ کام ہوا ہے، البتہ اس کی ادبی وصحافتی خدمات کے تعلق سے اب تک کوئی منظم کام منظرِ عام پر نہیں آسکا ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے معروف شاعر ڈاکٹر نواز دیوبندی نے ایک تحقیقی مقالہ تیار کیا تھا، جس پر میرٹھ یونیورسٹی سے ۱۹۹۰ء میں انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی تفویض کی گئی ہے، مگر وہ مقالہ تاہنوز طبع نہیں ہوا ہے، اسی موضوع پر ۲۰۱۲ء میں بھی اسلامیہ ڈگری کالج، دیوبند کے پرنسپل ڈاکٹر اسجد ترکی نے تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے، جس پر ان کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے، مگر وہ بھی غیر مطبوع ہے، دارالعلوم دیوبند کی ادبی خدمات پر ستر کی دہائی میں ایک کتاب ''علماے دیوبند اور اردو ادب'' کے نام سے لکھی گئی تھی، اس کے مصنف مولانا عبداللہ حیدرآبادی ہیں اور یہ چھوٹے سائز کے ۱۶۲ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے لے کر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تک کل پچیس مشاہیر علماے دیوبند کی نثری وشعری تخلیقات کے نمونے دیے گئے ہیں، ان پر مختصر تاثراتی نوٹس لکھے گئے ہیں اور ان میں

سے ہر ایک کی تصانیف کی فہرست بھی دی گئی ہیں، ویسے تو اس کتاب میں معروضیت کی بہ جائے عقیدت کی جلوہ گری زیادہ ہے، مگر اس اعتبار سے یہ اہم ہے کہ یہ علماے دیوبند کی علمی خدمات کو ادبی ولسانی تناظر میں دیکھنے کی پہلی کوشش ہے، اس سلسلے کی دوسری کتاب ''دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ'' ہے اس کے مصنف عصرِ حاضر کے سحر نگار ادیب وتنقید نگار حقانی القاسمی ہیں اور یہ ۲۰۰۶ء میں آل انڈیا تنظیمِ علماے حق، دہلی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے، اس کتاب میں بھی گو اختصار نویسی سے کام لیا گیا ہے اور درمیانے سائز کے ۱۸۴ اس کے کل صفحات ہیں، جن میں دیوبند کی علمی وفکری اور ادبی وثقافتی روایات کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، مگر اختصار کے باوصف اس میں دیوبند کی علمی، فکری، ادبی، تنقیدی وصحافتی خدمات کا اطمینان بخش تذکرہ اور اس حوالے سے ایسے اشارات آ گئے ہیں کہ ان کی روشنی میں اس موضوع پر کام کرنے والوں کی بہت سی دشواریاں آسان ہوسکتی ہیں، پھر حقانی صاحب کے جادو جگانے والے اسلوبِ نگارش نے کتاب کی ادبی قدر وقیمت کو بھی دوچند کر دیا ہے۔

راقم الحروف کی یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کی صحافتی خدمات کے تحقیقی جائزے پر مشتمل ہے، میں نے حتی الامکان موضوع کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، کتاب کو کل پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، جن میں سے پہلے باب میں معتبر ومستند مآخذ کی روشنی میں صحافت کی تعریف وتاریخ، ہندوستان میں صحافت کے آغاز وارتقا، ہندوستان میں اردو صحافت کی ابتدا اور اس کے پس منظر کے بیان کے ساتھ جنگِ آزادی میں اہم رول ادا کرنے والے بعض اردو اخبارات مثلاً ''دہلی اردو اخبار''، ''الہلال'' و''البلاغ''، ''ہمدرد'' و''کامریڈ'' اور ''زمیندار'' کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے اور باب کے آخر میں آزادی کے بعد کی اخباری صحافت پر بھی اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے، دوسرے باب میں اسلامی مدارس کی صحافتی خدمات کا تذکرہ ہے اور اس ذیل میں ہندوستان میں مذہبی صحافت کے آغاز اور اس کے محرکات وعوامل کو بیان کرنے کے ساتھ تاریخی تسلسل کی تشریح کی غرض سے مختلف اسلامی فرقوں: مسلکِ بریلویت، اہلِ تشیع اور اہلِ حدیث کے مدارس ومراکز سے نکلنے والے جرائد کا بھی اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ ندوۃ العلما کی صحافتی خدمات اور وہاں سے جاری ہونے والے مختلف رسائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند کی صحافت کا تجزیہ کرتے ہوئے، وہاں سے جاری ہونے والے اردو رسائل ''القاسم''، ''الرشید'' رسالہ

"دارالعلوم" اور عربی رسائل "دعوۃ الحق" اور "الداعی" کا مکمل، بھرپور اور مفصل تذکرہ کیا گیا ہے، شیخ الہند اکیڈمی، اس سے شائع ہونے والے دو رسالے پندرہ روزہ "آئینۂ دارالعلوم" اور سہ ماہی "الدرسات الاسلامیہ" کی حیات وخدمات کے احاطے کے ساتھ اکیڈمی کے نمایاں فضلا اور اس سے شائع ہونے والی علمی وتحقیقی کتابوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، باب کے اخیر میں طلبۂ دارالعلوم اور وقف دارالعلوم کے صحافتی مذاق کی وضاحت اور ہندوستان بھر کے مختلف اضلاع، صوبوں اور شعبہ ہائے تعلیم کے طلبہ کی انجمنوں سے اردو، عربی، انگریزی، بنگالی وتمل زبان میں نکلنے والے دیواری پرچوں کی فہرست کے ساتھ خود دیوبند سے اب تک جاری ہونے والے رسائل واخبارات کی اُن کے مدیروں کی نشان دہی کے ساتھ فہرست درج کردی گئی ہے، ساتھ ہی دیوبند کے موجودہ رسالوں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔

تیسرے باب میں تذکرۂ شخصیات ہے اور یہ دو گوشوں میں منقسم ہے، پہلے گوشے میں مرحومین کا تذکرہ ہے اور تقدیم وتاخیر میں سنینِ وفات کو ملحوظ رکھا گیا ہے، دوسرے گوشے میں موجودین کا تذکرہ ہے اور ترتیب اسما میں سنینِ پیدائش کا لحاظ رکھا گیا ہے، رفتگاں تو تقریباً سبھی مشاہیر اہلِ صحافت ہیں، مگر قائماں میں بھی اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ زیرِ تذکرہ شخصیت قومی یا علاقائی سطح پر سرگرم صحافتی رول ادا کرنے والی ہو اور اس کا دارالعلوم یا وقف دارالعلوم دیوبند سے بہ راہِ راست افادے یا استفادے کا تعلق رہا ہو اور دارالعلوم کے ساتھ دارالعلوم وقف کے اہلِ قلم فضلا ومستفیدین اور وہاں کے طلبہ کی صحافتی سرگرمیوں کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ دونوں کی حیثیت یک جان و دو قالب کی ہے، ہجری سنین کی تخریج میں "تقویم ہجری وعیسوی" مرتبہ: ابوالنصر خالدی ایم اے، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، ہند، نئی دلی (۲۰۰۹ء) پر اعتماد کیا گیا ہے، شخصیات کے باب میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بھی نام چھوٹنے نہ پائے، پھر بھی بہت سے ناموں کے چھوٹ جانے کا قوی امکان ہے، کہ انسانی علم کی نارسائی میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے جن اربابِ قلم کا نام تذکرے سے رہ گیا ہو، راقم الحروف اُن سے اس وعدے کے ساتھ معذرت خواہ ہے کہ آیندہ ایڈیشن میں ان کا تذکرہ ضرور شامل کیا جائے گا۔

اس باب کے ضمیمے کے طور پر آن لائن صحافت کی اجمالی تاریخ، دارالعلوم دیوبند کی ویب

سائٹ اوراس کے مشمولات کا تذکرہ، متعدد رسائل کی ویب سائٹس اوران فضلاے دیوبند کی بھی نشان دہی کی گئی ہے، جوای میگزین نکالتے یا ملک و بیرونِ ملک کی ای میگزینس اوراخبارات میں جن کی تحریریں چھپتی ہیں۔

چوتھے باب میں ہندوستان بھر سے نکلنے والے دیوبندی فکر کے ترجمان رسائل ومجلّات کا اُن کے موادومشمولات کی روشنی میں تعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے، اُن رسائل کی تعدادنوے سے زائد ہے، جنھیں بڑی جہدوکاوش کے بعد حاصل کیا جاسکا ہے، مگر ہوسکتا ہے کہ بہت سے رسالوں کی خبر مجھے نہ لگ سکی ہواوران کا تذکرہ چھوٹ گیا ہو؛ اس لیے ایسے ذمہ دارانِ رسائل کی خدمت میں بھی اعتذاراور یہ وعدہ کہ آیندہ اُنھیں بھی شاملِ تذکرہ کرلیا جائے گا۔

کتاب کے آخری باب میں دینی رسائل کے ذمے داروں کوعصرِ حاضر میں میڈیا کی غیر معمولی اثر انگیزی کا ادراک کرنے اوران رسائل کے معیار و ہیئت کو پہلے سے زیادہ پرکشش و جاذبِ قلب ونگہ بنانے کی دعوت دی گئی اوراس حوالے سے ان کی خدمت میں چند مفید تجاویز پیش گئی ہیں؛ اس لیے کہ آج کے برقی ترقیات کی بے پناہی کے اِس دور میں روایتی طرزواسلوب میں اسلام کی تبلیغ کرنا بہت زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوسکتا، جب کہ خود ہمارے سامنے یہ قرآنی حقیقت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کوحکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ تبلیغِ دین کی تلقین کی تھی (أدع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة) اورہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی پاکؐ کی پوری حیاتِ طیبہ حکمت اور حسنِ موعظت کا اعلیٰ نمونہ تھی؛ اس لیے ہمیں بھی تبلیغِ دین (خواہ خطابت کے ذریعے ہو یا صحافت کے ذریعے) کے لیے اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں حکیمانہ ذرائع اختیار کرنے ہوں گے، پھر طرزِ پیش کش میں حسن وکشش بھی پیدا کرنی ہوگی، تبھی ہماری بات اثر دار ثابت ہوسکے گی۔

ویسے تو یہ کتاب راقم الحروف کی دوسالہ جہدِ مسلسل کا ثمرہ ہے اوراس نے بھرپور کوشش کی ہے کہ موضوع کسی بھی اعتبار سے تشنہ نہ رہنے پائے، نیز یہ بھی کہ حتی الامکان درست رموزِ املا اورجدید اصولِ تحقیق کو برتا جائے؛ لیکن اس کے باوجود اگرکوئی خامی رہ گئی ہو، تواہلِ نظرقارئین کی توجہ دہانی کا انتظار رہے گا؛ تاکہ ان کے شکریے کے ساتھ آیندہ اس خامی کو دور کیا جاسکے۔

تشکر نامہ

اس کتاب کی تشکیل میں میری محنتوں کے ساتھ بہت سی جانی ان جانی اعانتیں، محبتیں، دعائیں اور حوصلہ افزائیاں بھی شامل رہی ہیں، جن کا شکرادا کرنا میں اپنے لیے واجب سمجھتا ہوں، گو جذبات کے تموج کو الفاظ کا پیکر نہیں دیا جا سکتا اور احساسات کی کما حقہ تعبیر سے الفاظ کی دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ہنوز قاصر ہے۔

اولاً میں جناب حقانی القاسمی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، اس لیے بھی کہ مجھے اپنی کتاب کی خاکہ سازی اور موضوع سے متعلق مواد، مآخذ اور مراجع تک رسائی میں ان کی کتاب ''دار العلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ'' سے کافی تعاون ملا اور اس لیے بھی کہ انھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوصف میری طالب علمانہ درخواست قبول کی، کتاب کے بیش تر مقامات پر نظر ڈالی اور اس پر ایسا وقیع اور فاضلانہ مقدمہ تحریر فرمایا کہ'' کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید''۔

استاذِ گرامی قدر حضرت مولانا کفیل احمد علوی کا بھی مشکور ہوں، کہ انھوں نے کتاب کے اکثر حصے کو حرف بہ حرف پڑھا، اپنی قیمتی اصلاحات اور نافع مشوروں سے نوازا اور تشجیعی کلمات تحریر فرمائے۔

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی (استاذِ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند) کا بھی شکر گزار ہوں، کہ انھوں نے ہی محض خرد نوازی کے جذبے سے میرا پہلا مضمون ۲۰۱۰ء میں اپنے رسالے ''محدثِ عصر'' میں شائع کیا، جس کے بعد میرا جنونِ خامہ فرسائی یکا یک جوان ہو گیا اور تب سے اب تک مولانا جیسے دسیوں کشادہ ظرف ذمے دارانِ جرائد و اخبار میری طفلانہ تحریریں شائع کر چکے ہیں، اس کتاب کی تحریر و ترتیب میں بھی مولانا کی حوصلہ افزائیاں میرے شاملِ حال رہی ہیں۔

ان کے علاوہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی، دار العلوم وقف و جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری اور استاذِ محترم مولانا محمد عمران القاسمی شیخ الحدیث دار العلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی کی خدمت میں بھی نذرانۂ تشکر، کہ ان سبھوں نے اپنی قیمتی آرا اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔

دارالعلوم ندوۃ العلما، لکھنؤ کے مہتمم اور ممتاز اسلامی اہلِ قلم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے، کہ انھوں نے دیوبند کی صحافت پر لکھی گئی اس کتاب کو نہ صرف بہ نظرِ غائر دیکھا؛ بلکہ بیش قیمت تصدیری کلمات بھی تحریر فرمائے۔

مفتی محمد انصار قاسمی مظفر پوری (استاذ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، سپول، بہار) کا شکریہ، جنھوں نے جنوبی ہند میں مقیم بہت سے اہلِ قلم فضلاے دیوبند کی نہ صرف نشان دہی کی؛ بلکہ ان کے سوانحی خاکے بھی ارسال کیے اور اس طرح میرے حصے کی محنت میں کچھ نہ کچھ وہ بھی شریک ہو گئے۔

دیوبند کے معروف صحافی و ادیب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند) کا بھی بہت بہت شکریہ، جن کے قیمتی مشوروں اور مخلصانہ رہ نمائیوں سے میں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔

برادرانِ گرامی مولانا شاہ نواز بدر قاسمی (نمایندہ ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی) اور مولانا سعید ہاشمی (نمایندہ روزنامہ ''انقلاب'' میرٹھ) کا بھی شکر گزار ہوں، کہ بہت سے اشخاص تک رسائی ان ہی کے ذریعے ہو پائی۔

مولانا نسیم خان قاسمی کبیر نگری کا بھی شکریہ، جنھوں نے کتاب کی کتابت سے لے کر طباعت تک میری معاونت کی، میری ہر گزارش کو بہ خندہ پیشانی قبول کیا اور تحریر و ترتیب میں بھر پور قابلیت کا مظاہرہ کیا۔

اپنے والدِ گرامی قدر جناب عبدالخالق صاحب (بی ایس سی، بہار یونیورسٹی، مظفر پور) کا تہِ دل سے شکریہ، کہ میں جو کچھ ہوں، ان کی پر خلوص تربیت اور سحر گاہی دعاؤں کی بہ دولت ہوں، اگر ان کی عنایت و توجہ اور اپنے ایک ناتواں فرزند کے لیے خداوندِ قدوس سے مانگی گئی اشکوں میں ڈوبی ہوئی دعائیں ہمہ دم مجھ پر سایہ فگن نہ رہتیں، تو عین ممکن تھا کہ میں جہل و سفاہت کے اندھیاروں میں پیچ و تاب کھا رہا ہوتا۔

اپنے محترم و موقر اساتذہ مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا حسین احمد قاسمی ندوی، مفتی ثناء اللہ عابد قاسمی، مولانا شوکت علی قاسمی، مولانا امتیاز احمد قاسمی، مفتی محمد احمد قاسمی، مولانا عبدالقدیر قاسمی، مولانا قاری عبدالسمیع (اساتذۂ دارالعلوم، بالا ساتھ سیتامڑھی، بہار) اور مولانا محمد دبیر

القاسمی کا شکرگزار ہونا بھی میرے لیے ضروری ہے، کہ میری علمی، ادبی وفکری پرداخت میں ان سب کا خونِ جگر اور سوزِ دروں شامل ہے، یہ ایسے لوگ ہیں، جو بہ ظاہر گم نامی کے گوشے میں رہتے ہیں، مگر ان کی کیمیا اثر تربیتیں اور زمین کو آسمان کر دینے والی دعائیں ذروں کو گہر ہائے آب دار اور خزف ریزوں کو رشکِ مہ و پرویں بنانے کا کام کرتی ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں، جن کے خلوص کی قسم کھائی جا سکتی ہے اور جن کے صدقِ نیت پر حلف اٹھایا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم بالاساتھ کے مہتمم مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی خدمت میں بھی امتنان و تشکر کا اظہار، کہ میری علمی وادبی نشو ونما اور اخلاقی وفکری تربیت کے اہم ترین چھ سال ان کی حوصلہ بخشیوں اور ہمت افزائیوں کے سایے میں گزرے ہیں۔

اپنے احباب و رفقا مولانا اسجد مدنی قاسمی، مولانا محمد رضوان، قاری مظفر کمال، ابوطلحہ قاسمی ندوی، محمد افضل قاسمی، عالم گیر ندوی، مفتی عامر مظہری قاسمی، محمد آصف اقبال قاسمی رانچوی، نیر رضا احمد دربھنگوی، سالم انظر قاسمی، دلشاد احمد قاسمی، مفتی آصف اقبال قاسمی، مفتی عبدالواحد قاسمی، مفتی توحید عالم قاسمی مظاہری، محمد سراج الدین، عبدالباری صدیقی، رضوان احمد دربھنگوی، سعید الرحمٰن سعدی، عبدالماجد ارریاوی، محمد شاہد ارریاوی، شاداب ارریاوی، محمد سلیم پورنوی، ابواللیث دہلوی اور ابوامامہ ممبئی کا بھی مشکور ہوں، کہ ان سب کی دعائیں، محبتیں، عنایتیں، اعانتیں اور حوصلہ افزائیاں بھی کسی نہ کسی طور مجھے حاصل رہی ہیں۔

اخیر میں دیوبند کے نوزائیدہ ادارہ تحقیقِ اسلامی کا شکریہ ادا کرنا بھی ناگزیر ہے، جس نے میری کتاب کی طباعت کی ذمے داری لی اور اسے بہ کمالِ خوش اندازی نبھایا، دیوبند کے عام روایتی شروحاتی کلچر میں یہ واحد ادارہ ہے، جو خالص علمی، ادبی و تحقیقی کتابوں کی اشاعت کا عزم رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے یگانوں کے حسد اور بے گانوں کی ریشہ دوانیوں سے مامون و مصئون رکھے اور اسے اپنے مقصد میں کامیابیوں سے ہم کنار کرے۔

نایاب حسن قاسمی

۹ر اپریل ۲۰۱۳ء = ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

پہلا باب

اردو صحافت: عہد بہ عہد

صحافت کی تعریف:

فنِ صحافت کے ماہرین نے اس کی الگ الگ تعریفیں کی ہیں، کچھ تعریفیں اس کے وقار واعتبار کی بلندی کو ظاہر کرتی ہیں، جب کہ کچھ تعریفوں سے اس کی تحقیر وتنقیص ہویدا ہوتی ہے، مثلاً: مشہور انگریزی ادیب ''آرنالڈ'' کے یہ قول:

''صحافت عجلت میں لکھا گیا ادب ہے''

(Journalism Is A Literature In A Hurry)

مگر بہ وجوہ دنیائے صحافت اس تعریف سے متفق نہیں ہے، البتہ فنِّ صحافت کی ایک اور مستند ومعتمد علیہ کتاب ''ایکسپلورنگ جرنلزم'' کے امریکی مصنفین رولینڈ ای اولز لے اور لارنس آرکیمپ بیل نے صحافت کی جو تعریف کی ہے، وہ مختصر بھی ہے، جامع بھی اور صحافت کے پیشے سے وابستہ افراد کے لیے اطمینان بخش بھی، انھوں نے صحافت کی تعریف یوں کی ہے:

''صحافت جدید وسائلِ ابلاغ کے ذریعے عوامی معلومات، رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے''۔

(Journalism Is The Sistematic & Reliable Dissemination Of Public Information,Public Opinion And Public Intertenment By Modern MassMedia Of Communication)(1)

صحافت کیا ہے؟

صحافت کی لغوی تعریف اور معنوی تحقیق سے قطعِ نظر اگر اس سے منسلک ہونے والے افراد کے حوالے سے اس کا تعارف کرایا جائے، تو اس سے صحافت کی اہمیت کا اصل اندازہ ہوتا ہے۔

کیوں کہ صحافت ایک ایسا فن ہے، جس میں انسان کو اپنے خلاق ذہن اور وقاد طبیعت کو کما حقہ استعمال کرنا پڑتا ہے، صحافت کا پیشہ اگر معزز وموقر ہے، تو ساتھ ہی متعدد قربانیوں کا طالب بھی، اسے مطلقاً ایک آرام بخش اور راحت افزا وظیفہ سمجھ لینا بڑی غلط اندیشی ہے، یہ ایک ایسا فن

---

(۱) سید اقبال قادری، رہبرِ اخبار نویسی، ص:۲۱، مطبوعہ: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۲۰۰۰ء۔

ہے کہ جب تک اسے سنجیدگی سے نہ اپنایا جائے، اس میں کامیابی کا حصول خام خیالی ہے، قلم فرسائی کا فن نظر بہ ظاہر بہت ہی آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے، مگر درحقیقت یہ بڑی جگر کاویوں اور پاکوبیوں کا طالب ہے، یہاں اچھے اچھے جگرداروں کا پتہ پانی ہوجاتا اور بالا بلند حوصلہ رکھنے والوں کے حوصلے بھی ذرا سی سہل انگاری اور کسل مندی برتنے سے پست ہوجاتے ہیں۔

انسانی معاشرے پر صحافت کی اثراندازی:

انسانی معاشرے پر صحافت کی اثراندازی بھی غیر معمولی رہی ہے اور ہے؛ چناں چہ قوموں اور ملکوں کے درمیان باہمی رابطے کا ذریعہ صحافت ہی ہے، اسی کے ذریعے لوگوں کو دنیا بھر کے بدلتے حالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے، اسی کے ذریعے قومی وملکی؛ بلکہ عالمی سطح پر برپا ہونے والے حادثات، سانحات اور واقعات کا علم ہوتا ہے، نیز انسانوں کے سماجی، سیاسی اور اخلاقی کیریکٹر کی ساخت وپرداخت میں بھی اس کی غیر معمولی حصے داری ہے۔

صحافت اور ادب:

صحافت اور ادب میں بنیادی طور پر ایسی خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھی جاتی ہے، مثلاً: صحافیانہ تحریریں ہمیشہ اندرونی اثرات کے تابع ہوتی ہیں، جب کہ ادبی تحریروں میں اکثر وبیش تر خارجی مظاہر کی عکس بندی ہوتی ہے، گو ادیب کے ذہن واحساس کے عمل سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، ادب کی مختلف صنفوں مثلاً: ڈرامہ نویسی، افسانہ نگاری یا ناول نویسی میں اُصول پسندی پر جس شدت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے، وہ صحافت میں اُتنی شدت کے ساتھ نہیں پایا جاتا، صحافی ہمیشہ لکھتے رہتے ہیں اور ہر قسم کے لوگوں کے لیے لکھتے ہیں، ادیب کے مقابلے میں صحافی کو ایک گونہ آزادی حاصل رہتی ہے۔

ادیب بعض اوقات یا اکثر وبیش تر ایک خاص طبقے کو پیش نظر رکھ کر لکھتا ہے، جب کہ صحافی کا دائرہ لامحدود ہوتا ہے؛ چناں چہ صحافی کو قبول عام حاصل کرنے کے لیے ایسا اسلوب تحریر اختیار کرنا پڑتا ہے کہ کم استعداد رکھنے والے قاری بھی اس کی تحریر کو بہ آسانی سمجھ سکیں اور اسی وجہ سے صحافیانہ تحریر میں سادگی، سلاست اور راست بیانی پر توجہ زیادہ مرکوز رکھنی پڑتی ہے۔

ادب کی تخلیق سے ادیب کو ذہنی طور پر ایک قسم کی طمانیت اور آسودگی حاصل ہوتی ہے، جب

کہ صحافت کی مصروفیت سے عہدہ برآ ہونے کے بعد صحافی کو اپنے فرائض سے سبک دوشی سے تشفی ہوتی ہے، ادب کی دنیا محسوسات کی دنیا کہی جاسکتی ہے، جب کہ صحافت کا تعلق محسوسات سے برائے نام ہوتا ہے، ادب میں قاری کے جذبات واحساسات کی تسکین ممکن ہے، جب کہ صحافت میں احساسات وجذبات کی رعایت پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی، ادب کے ذریعے قاری کی حسّیات میں تلاطم خیزی لائی جاسکتی ہے، جب کہ صحافت کے ذریعے قاری کی معلومات میں اضافہ پیشِ نظر رہتا ہے، ادبی تحریر سے قاری پر ہمیشہ ایک خاص نفسیاتی کیفیت طاری ہوتی ہے، جب کہ صحافتی تحریر سے قاری کے سازِ دل میں کوئی ارتعاش پیدا نہیں ہوتا، ایک ادیب مخصوص ادبی طرز فکلی وچاشنی کے ذریعے قاری کو محظوظ کرنا چاہتا ہے، جب کہ ایک صحافی کا ارتکاز ذریعۂ اظہار کو سادہ اور قابلِ فہم بنانے پر ہوتا ہے، صحافی اور ادیب دونوں الفاظ کے جادوگر ہوتے ہیں، ادیب ادائے مطلب کے ساتھ ساتھ طرزِ ادا پر بھی توجہ مبذول رکھتا ہے، جب کہ صحافی الفاظ کی بازی گری سے زیادہ سادہ انداز میں مطالب کی ادائیگی پر زور دیتا ہے، ادبی تحریر میں ایمائیت، رمزیت، حسن وجمال اور نزاکت کے اوصاف نمایاں رہتے ہیں، جب کہ صحافت میں مقصدیت، حق گوئی، بے باکی، سہل نگاری اور اختصار نویسی کے اجزا جلوہ فگن رہتے ہیں، ادب میں دُروں بینی اور بصیرت ہوتی ہے، جب کہ صحافت میں حقائق کی سطح پر واقعات کو من وعن بیان کرنے کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے، ہر ادیب اپنا ایک انفرادی طرز اختیار کرنے کی تگ ودو میں رہتا ہے، جب کہ ہر صحافی پیرایۂ بیان کی سلاست اور روانی کو ترجیح دیتا ہے، ادیب قاری کے ذہن ودماغ کو مسخر کرنے کی فکر میں رہتا ہے، جب کہ صحافی ترسیل وابلاغ کی صلاحیت کو بہ روے کار لانے کو زیادہ ضروری سمجھتا ہے، صحافت کو دائماً اور لازماً وقت اور زمانے کی سرعتِ رفتار سے ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے؛ چناں چہ ایک ادیب چاہے، تو ایک ہی موضوع پر مہینوں میں ایک مقالہ لکھے، ایک شاعر ایک ہی غزل میں ہفتوں صرف کردے اور ایک افسانہ نگار ایک افسانہ لکھنے میں ساری عمر کھپا دے، مگر اس کے برعکس صحافت میں وقت کی بڑی قدر وقیمت ہے، ایک منٹ؛ بلکہ ایک سکنڈ کی تاخیر سے بھی کام کے بگڑنے کا امکان رہتا ہے، اس میں ایک ایک لمحہ اور ایک ایک ساعت گراں مایہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صحافت وقت کے ساتھ برپا شدہ ایک دائمی جنگ ہے، جو لڑی جارہی ہے۔

ادب اور صحافت کے درمیان ان ہی فروق کی وجہ سے کسی شخص کا بہ یک وقت صحافی وادیب ہونا ناممکن تو نہیں، مگر دشوار امر ضرور ہے اور ایسا شخص، جو اپنی ادبی تحریروں سے بھی لوگوں کے اذہان وقلوب پر حکم رانی کررہا ہو اور ساتھ ہی دنیاے صحافت میں بھی اس کی عبقریت مسلم ہو، کم دیکھنے میں آیا ہے، مگر بہ ہر حال اردو صحافت کی تاریخ میں کئی ایسی شخصیات گزری ہیں، جن کے جولانِ قلم سے ادب وصحافت دونوں کو آبرومندی نصیب ہوئی، مثلاً: مولانا ابوالکلام آزادؒ، کہ انھیں اردو ادب میں امامت وسیادت کا مقام حاصل ہے اور ان کے قلم سے نکلنے والا لفظ اردو ادب کا شہ پارہ ہے اور ساتھ ہی ان کی صحافتی جدوجہد بھی لازوال اور بے مثال ہے، انھوں نے بیسویں صدی کے سرِ آغاز میں ''الہلال'' کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں حصولِ آزادی کا شرارہ بیدار کیا، جو بالآخر شعلۂ جوالہ میں تبدیل ہوگیا اور خرمنِ سامراج کو خاک ورماد میں بدل کر رکھ دیا، اسی طرح مولانا محمد علی جوہرؒ (صاحبِ ہمدرد) مولانا ظفر علی خاںؒ (صاحبِ زمیندار) آغا شورش کاشمیریؒ (صاحبِ چٹان) اور مولانا دریابادیؒ (صاحبِ سچ، صدق وصدقِ جدید) وغیرہ کے اسما بھی ناقابلِ فراموش ہیں، جو بلند پایہ ادیب ہونے کے ساتھ مستند صحافی بھی تھے۔

صحافت کی ابتدا وارتقا:

صحافت کی ابتدا چھوٹی موٹی کتابوں کے ذریعے ہوئی، جنھیں عرفِ عام میں کتابچہ یا پمفلیٹ اور اس شعبے سے جڑنے والے کو پمفلیٹیر (**pamphaleteer**) یعنی ''پمفلیٹ باز'' کہا جاتا تھا، شروع میں مختصر کتابوں کے ذریعے عوام تک خبر رسانی کا کام لیا جاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ بڑی کتابوں سے بھی یہ کام لیا جانے لگا، پہلے کسی بھی مسئلے پر راے عامہ ہموار کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابیں فروخت کی جاتیں اور پڑھے لکھے عوام وخواص ان کتابچوں کے ذریعے گردوپیش سے متعلق تفصیلات معلوم کرتے، اکثر وبیش تر ایسے رسالے اور کتابچے عیسائیوں کے متنازع امور کو بڑے زور وشور سے اُچھالتے، پھر ایک زمانے کے بعد یہ رسائل ان متنازع فیہ امور سے نکل کر عام سماجی، علمی اور ثقافتی امور پر توجہ دینے لگے۔

پہلے یہ رسالے عموماً مذہبی امور میں یک طرفہ ہوا کرتے تھے، مگر جب خبروں کی اشاعت

عام ہونے لگی، تو یہ ضروری ہو گیا کہ جو خبر چھاپی جائے، پوری دیانت داری کے ساتھ چھاپی جائے اور تعصب یا جانب داری سے پاک ہو اور جب کبھی بحث طلب معاملے کی اشاعت کی ضرورت ہو، تو دیانت داری سے مسئلے کے دونوں رخ پیش کر دیے جائیں اور اس طرح یہ اخباری رسائل غیر متعصب اور زیادہ افادیت کے حامل ہو گئے، پھر ایک عرصے کے بعد لندن کے ناشروں نے ۱۶۲۲ء میں اپنی ایک انجمن ترتیب دی اور یہ اہتمام کیا کہ ایک دوسرے میں خبروں کا تبادلہ ہو اور اس طرح ہر پبلشر کو خبریں زیادہ سے زیادہ دست یاب ہونے لگیں اور وہ ہر ہفتے اخبار نکالنے میں کامیاب ہو گئے، شروع شروع میں اُن اخبارات میں غیر ملکی خبروں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، مگر دھیرے دھیرے مقامی اور سیاسی خبروں کو بھی جگہ ملنے لگی اور پہلے زبانی گفت وشنید سے مقامی خبریں پراگندہ ہوا کرتی تھیں، جب مطبوعہ تفصیلات آنے لگیں، تو عوام وخواص؛ سبھی اہم معاملات میں دل چسپی لینے لگے، نیز ان معلوماتی وافادی رسالوں کی سیلنگ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا اور اس طرح گویا روزانہ اخبار کی راہیں ہموار ہو گئیں، لندن کا پہلا روزانہ اخبار ''دی لندن ڈیلی کورانٹ'' **(The London Daily Courant)** کے نام سے ۱۷۰۲ء میں منظر عام پر آیا، پھر اٹھارہویں صدی میں ابلاغ وترسیل کے وسائل میں غیر معمولی ترقی ہوئی، جس کی وجہ سے خبروں کی اشاعت بھی روز بہ روز بڑھتی گئی؛ لیکن اس زمانے کے اربابِ اقتدار اور حکم راں طبقہ صحافت کی اِس بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ناخوش تھے، اُن کا خیال تھا کہ اُس کے ذریعے ایسی خبریں بھی طشت ازبام ہو جاتی ہیں، جنھیں ایوانِ اقتدار اور حکم رانوں کے محلاّت سے باہر نہیں نکلنا چاہیے؛ اس لیے انھوں نے پہلے تو مدیرانِ اخبار کو رشوت دہی کے ذریعے رام کرنا چاہا، مگر جب کامیاب نہ ہوئے، تو اُنھیں پابندِ سلاسل کرنے لگے، کئی ممالک میں یہ قانون رائج کر دیا گیا کہ بغیر لائسنس کوئی بھی اخبار شائع نہیں ہو سکتا، اسی طرح اخبارات پر بھاری ٹیکس لگائے گئے؛ تاکہ ان کی گرانی میں اضافہ ہو جائے اور عام لوگ اُنھیں نہ خرید سکیں۔

انیسویں صدی میں کچھ خوش گوار انقلابات رونما ہوئے، سیاسی آزادی کے رجحانات تیزی سے بڑھنے لگے، عوام میں کچھ انقلابی شعور بیدار ہوا اور انھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اخبارات پر لگائے گئے بھاری ٹیکس ختم کیے جائیں اور بالآخر حکومت کو مطالبۂ جمہور کے سامنے

جھکنا پڑا، پھر ریڈیو اور ٹیلی گراف کی ایجاد نے خبروں کے ارسال وترسیل میں کافی برق رفتاری پیدا کردی، ریلوے لائنوں میں اضافہ بھی ممد ومعاون ثابت ہوا اور اس طرح اخبارات، جو پہلے بڑے بڑے شہروں تک ہی پہنچ پاتے تھے، گاؤں اور قصبات تک بھی ان کی رسائی ہوگئی، کناڈا میں پائے جانے والے وسیع جنگلات سے کاغذ بنانے والی لکڑیاں وافر مقدار میں حاصل کی جانے لگیں اور اخباری کاغذ بنانے والی صنعت گاہوں نے بھی مستعدی سے کام کیا، نتیجتاً نیوز پیپرس کافی مقدار میں بہ آسانی دستیاب ہونے لگے، پھر یورپ اور امریکہ میں اشتہارات کے فروغ نے اخبارات کی آمدنیوں کو دوچند کردیا، اخبارات کی کثرتِ اشاعت نے اس کی لاگت میں خاطر خواہ کمی پیدا کردی اور اس طرح اخبارات اتنے ارزاں ہوگئے کہ معمولی آدمی بھی بہ آسانی خرید کر پڑھ سکتا تھا۔

بیسویں صدی میں اخبارات کی اشاعت اور ان کی خرید وفروخت میں مزید ترقیاں ہوئیں؛ چناں چہ لندن کے روزانہ اخبارات چالیس پینتالیس لاکھ کی تعداد میں فروخت ہوتے، جاپان کا روزنامہ ''اساہی شمبن'' روزانہ ایک کروڑ سے زیادہ بکتا، روس کے اخبار ''پراودا'' اور ''ازوستیا'' کی اشاعت بھی کروڑ سے اوپر تھی، اسی طرح مغربی ومشرقی بعید کے ممالک میں بھی اخباروں کی اشاعت وفروخت میں حد درجہ اضافہ ہوا اور اس میں فوٹو آفسیٹ کی ایجاد اور اس کی نت نئی حصول یابیوں کا بھی خاصہ دخل رہا، ماضی کے مقابلے دورِ حاضر میں اشاعت کے ذرائع نے اور زیادہ اور حیرت ناک ترقیاں حاصل کرلی ہیں؛ اس لیے ان ممالک میں جہاں اخبارات بہ کثرت شائع ہوتے اور بکتے ہیں، وہیں ان میں تنوّع، دل فریبی اور جاذبیت بھی غایت درجہ پائی جاتی ہے، جو ہر آن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

ہندوستان میں صحافت کا آغاز وارتقا:

ہندوستان میں صحافت کے آثار یوں تو مغلیہ دور ہی سے ملتے ہیں، البتہ اس وقت اس کا دائرۂ کار محض کاروباری تھا، برطانوی عہد میں اس کی شکل عوامی ہوگئی اور اخبار حکام کی بہ جائے عوام کے لیے نکلنے لگے، مغلوں کے زمانے میں ان کی شکل قلمی خبرناموں کی تھی اور خطاط لکھا کرتے تھے، مغلوں کے زمانۂ انحطاط میں، جب کہ ان کی حکومت کا دم واپسیں تھا، انگریزی اخباروں

میں دربارِ معلی اور سکھ درباروں کی خبریں چھپ جایا کرتی تھیں؛ لیکن اردو کی حد تک انیسویں صدی کے نصفِ اول تک کا دور قلمی خبروں کا تھا، جہاں تک طباعت کا تعلق ہے، تو اس کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر رہے؛ لیکن یورپ کے مادی واستعماری اور تہذیبی وصنعتی غلبے کی بہ دولت طباعت و صحافت کی ہمہ گیری کا غلغلہ بلند ہوا، یورپ ہی سے طباعت کی مشین اور صحافت کا سامان ہندوستان آیا، برطانوی حکومت نے بلوغ بخشا، شروع میں انگریزی اخبار میرِ لشکر تھے اور ان ہی کی بہ دولت دوسری زبانوں میں صحافت کے چراغ روشن ہوئے، ہندوستان میں طباعت کا آغاز ۱۵۵۰ء میں پرتگالیوں نے کیا، ان کا پہلا چھاپہ خانہ گوا میں تھا، پھر سترہویں صدی کے وسط میں ایک پارسی بھیم جی نے گجراتی رسم الخط ڈھالا اور سورت میں چھاپہ خانہ قائم کیا، انگریزوں نے اپنا پہلا مطبع ۱۶۷۴ء میں ممبئی میں قائم کیا، پھر ۱۷۷۹ء میں کلکتے میں اپنا پریس جاری کیا، اسی سال ''جیمز ہکی'' نے بھی کلکتے میں اپنا چھاپہ خانہ کھولا، ۱۷۸۲ء کے لگ بھگ ''سر چارلس ولکنز'' نے فارسی رسم الخط کا ٹائپ ڈھالا، اس کا پہلا نمونہ ۴؍مارچ ۱۷۸۴ء کو سامنے آیا، پھر عربی ٹائپ ایجاد ہوا، اردو ٹائپ کا نمونہ ۸؍جولائی ۱۷۹۰ء میں دیا گیا، ۱۸۰۱ء میں کلکتے کے چار انگریز چھاپہ خانوں میں اردو و فارسی کی کتابیں چھپتی تھیں، ۱۸۰۳ء میں ''ہندوستانی پریس'' کے نام سے کلکتے میں فارسی رسم الخط کی چھپائی کے لیے چھاپہ خانہ قائم ہوا اور ۱۸۳۶ء میں لیتھو (*litho*) کی طباعت کا آغاز ہوا۔

۱۶۰۰ء میں جب انگریزوں کے منحوس قدم ہندوستان پر پڑے اور ۱۷۵۱ء میں انہوں نے باضابطہ بنگال میں اپنی حکومت قائم کر لی، تو انھوں نے جہاں ہندستان کے مال ومتاع کو لوٹا کھسوٹا، وہیں یہاں کے باشندوں پر ظلم و جور اور جبر وقہر کے پہاڑ بھی ڈھانے شروع کر دیے، نتیجتاً ان ہی کے ایک ملازم ''ولیم بولٹس'' نے حکومت کی ناانصافیوں اور ستم ایجادیوں کی نقاب کشائی کے لیے ۱۷۶۶ء میں اخبار نکالنا چاہا؛ لیکن اربابِ حکومت تاڑ گئے اور اسے ہندستان سے نکل جانے کا حکم دے دیا، اب اس کے دل میں حکومت کے خلاف سلگتی ہوئی چنگاری دہکتے ہوئے شعلے میں تبدیل ہوگئی؛ چناں چہ اس نے یہاں سے انگلینڈ پہنچ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی وحشیانہ لوٹ مار اور ظالمانہ استحصال کا پردہ چاک کرنے کے لیے پانچ سو صفحات کی ضخیم کتاب لکھی، جس کا نام (**ConsideratonOfIndianAffairs**) تھا اور اس کے دو حصے تھے: پہلا حصہ ایسٹ

انڈیا کمپنی کی تاریخ ،اس کے شیوۂ جور واستبداد، غاصبانہ تصرف اور قاہرانہ حکمتِ عملی کے بیان پر مشتمل تھا، جب کہ دوسرے حصے میں ان معاہدات کی تفصیل تھی، جو کمپنی نے ۱۷۷۱ء تک وقتاً فوقتاً ہندی حکم رانوں سے کیے تھے، محمد عتیق صدیقی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

''ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ پہلی تاریخ ہے، جو پلاسی کی لڑائی کے صرف سترہ سال بعد عین اس وقت لکھی گئی ،جس وقت بنگال میں انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ اپنے شباب پر تھی ،ایک طرف ہندستان کی قومی دولت کے سوتے بند کیے جارہے تھے اور دوسری طرف ملک کی دولت ڈھل ڈھل کر انگلستان جارہی تھی''۔(۱)

اس واقعے کے بارہ سال بعد کمپنی کے پرنٹر جیمز آگسٹس ہکی نے ۲۹ جنوری ۱۷۸۰ء کو ''ہکیز بنگال گزٹ'' یا'' کلکتہ ایڈورٹائزر'' نکالا ،اس کا یہ اخبار ہفت روزہ تھا، جس کا سائز ۱۲×۸ تھا، اس کے سرورق پر جلی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''یہ ہفتہ وار سیاسی اور تجارتی اخبار ہے، جس کے صفحات ہر پارٹی کے لیے کھلے ہیں؛ لیکن اخبار کا کسی پارٹی سے تعلق نہیں''۔(۲)

ہکی کا قلم جراح کا نشتر اور قصاب کا چھرا تھا، اس نے کمپنی کے اربابِ بست وکشاد کو اپنے نقد ونظر کی آماج گاہ بنالیا، چرچ کے پہلے مشنری کو لتاڑا اور ہندوستانیوں پر حکومت کے ظلم وتشدد کی کھلے عام مخالفت کی، کمپنی نے اس کی اس طرح کی شدید نکتہ چینیوں سے نمٹنے کے لیے پہلے تو ڈاک سے اخبار کی ترسیل کی سہولت ختم کردی؛ لیکن جب وہ باز نہیں آیا، تو اسے چار ماہ قید اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی ،مگر وہ اب بھی دبا نہیں ؛ بلکہ اپنی قلمی رزم آرائیوں کو اور تیز تر کردیا، بالآخر کمپنی نے اسے بھی ملک بدر کردیا اور بہ قول محمد عتیق صدیقی:

''اس طرح مارچ ۱۷۸۲ء کو ہندوستان کا یہ پہلا باغی اخبار اپنی جلاوطنی کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا''۔(۳)

---

(۱) ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) ص:۵۸، مطبوعہ: انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔

(۲) عبدالسلام خورشید (ڈاکٹر)، صحافت پاکستان وہند میں، ص:۲۴، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، اسلام آباد ۱۹۸۸ء۔

(۳) ہندوستانی اخبار نویسی، ص:۶۹۔

جس سال ہکی نے ''بنگال گزٹ'' نکالا تھا، اسی سال بی میزنک (B.messinik) اور پیٹر ریڈ (Peterreed) نامی دو تاجروں نے (جو ہکی کے حریف بھی تھے) کلکتے ہی سے ''انڈیا گزٹ'' نامی ہفت روزہ اخبار جاری کیا، یہ اخبار مجموعی طور پر حکومت کی ترجمانی کرتا اور ہکی کی مخالفت کرتا تھا؛ چناں چہ یہ بہت جلد کامیابی کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اپنے اجرا کے چوتھے سال ہی یہ اخبار ہفت روزہ سے سہ روزہ، پھر روزنامہ ہوگیا، اس میں ہندوستان کے علاوہ یورپ کی خبریں بھی چھپتی تھیں، ''بنگال گزٹ'' کے اختتام تک یہ اخبار اپنے اسلوب اور طرزِ بیان میں حریف کا مدمقابل ہی رہا؛ لیکن بعد میں اس نے اپنے اندازِ بیان میں تبدیلی پیدا کرلی، دونوں اخباروں میں نمایاں فرق یہ تھا (اور اسی وجہ سے اول الذکر اخبار کے مدیر کو نوع بہ نوع سزاؤں سے دوچار ہونا پڑا اور بالآخر اسے ہندوستان ہی سے نکال دیا گیا) کہ ہکی کا اخبار کمپنی مخالف تھا اور اس اخبار کو کمپنی موافق پالیسی کی وجہ سے اس کی باضابطہ سرپرستی حاصل تھی اور اس کا محصول ڈاک بھی معاف کردیا گیا تھا۔(۱)

۴/مارچ ۱۷۸۴ء کو حکومت کے زیرِ سرپرستی ''کلکتہ گزٹ'' جاری ہوا، اس کا ایڈیٹر ''فرانس گلیڈون'' تھا، جس نے فارسی کی بے شمار کتابوں کا انگریزی ترجمہ کیا تھا اور ایک فارسی-انگریزی لغت بھی لکھی تھی، یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور ہر جمعرات کو شائع ہوا کرتا تھا، اس میں خبروں کے علاوہ مراسلے اور نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں، کمپنی کے حکام کی ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں کے ساتھ ہوئی دعوتوں کی خبریں، سپریم کورٹ کی کارروائیاں اور فیصلے، نیز ولایتی اخباروں کے اقتباسات بھی چھاپے جاتے تھے، ہندوستان کے درباروں اور شہروں کے حالات کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی اور بنگلہ زبان میں اشتہارات بھی شائع ہوتے تھے، یورپین اور اینگلو انڈین حضرات کی دل چسپی کا خیال رکھتے ہوئے خبریں چھاپی جاتی تھیں، اس اخبار کی فائلوں کے مطالعے سے اس دور کے علمی، سیاسی اور سماجی حالات کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، بعض شماروں میں ابوطالب کلیم کی غزلیں اور بہارستان جامی کی حکایات انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع ہوئی ہیں، اس اخبار کا ایک مستقل کالم بہ عنوان ''خلاصۂ اخبارِ دربارِ معلّٰی بہ دارالخلافت شاہ جہاں آباد'' تھا،

---

(۱) نادر علی خاں، اردو صحافت کی تاریخ، ص:۱۲، مطبوعہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۱۹۸۷ء۔

دوسرے کالم میں اس کا انگریزی ترجمہ ہوتا تھا، مسٹر گلیڈون کو اداریہ لکھنے کے لیے سرکاری طور پر بھی مواد فراہم کیا جاتا تھا، الغرض یہ ایک ایسا مکمل اخبار تھا، جس کے مطالعے سے اس دور کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں۔(۱)

فروری ۱۷۸۵ء میں ٹامس جانسن نے ایک ہفت روزہ اخبار ''بنگال جنرل'' شروع کیا، چھ سال تک یہ اخبار اسی کی ادارت میں چلتا رہا، پھر ۱۷۹۱ء میں ولیم ڈوان نے ڈنکن اور کاسان نامی دو وکیلوں کی شراکت میں اس اخبار کو خرید لیا، ہکی کے بعد ولیم ڈوان دوسرا شخص تھا، جس نے ایڈیٹر کی حیثیت سے حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا اور اس کی ظالمانہ سرگرمیوں کو واشگاف کرنا شروع کیا حکومت ایک دفعہ پھر حواس باختہ ہوگئی اور اسے لگام کسنے کے جتن کرنے لگی، آخر کار اخبار کی اشاعت کے آغاز کے چند مہینوں بعد ہی لارڈ کارنوالس (جو اس وقت مرہٹوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا) کی موت کی غلط خبر شائع کرنے پر حکومت نے اس کے لیے جلاوطنی کی سزا تجویز کی؛ لیکن ایک فرانسیسی ایجنٹ (*M.Fumeron*) کی سفارش پر معذرت کے بعد اخبار کی ملکیت و ادارت سے دستبردار ہونے کی شرط پر اسے ہندوستان میں قیام کی اجازت مل گئی، مگر اس کے بعد بھی اس نے اپنی صحافتی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے ۱۷۹۱ء میں ایک نیا اخبار ''انڈین ورلڈ'' جاری کیا اور پھر اپنی حکومت مخالف پالیسیوں کا بے باکانہ اظہار شروع کر دیا، نتیجتاً اس جرأتِ رندانہ کے باعث اسے ۱۷۹۴ء میں گرفتار کر کے انگلینڈ جانے والے جہاز میں بٹھا کر ہندوستان بدر کر دیا گیا اور اس کی بیس ہزار کی جائے داد بھی ضبط کر لی گئی، بعد میں وہ انگلینڈ سے امریکہ پہنچا اور صحافت میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔(۲)

۱۷۹۹ء میں چارلس کے بروس (*CharlesK.Bruce*) کی ادارت میں ایک ہفت روزہ اخبار ''ایشیاٹک مرر'' کے نام سے جاری ہوا، چارلس نے اپنے ایک مضمون میں کمپنی اور دیسی رجواڑوں کی عسکری طاقت کا تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے دونوں فوجوں کے اعداد و شمار بھی پیش کیے۔(۳)

---

(۱) ایضاً، ص: ۱۲-۱۳۔

(۲) ایضاً، ص: ۱۴۔

(۳) ہندوستانی اخبار نویسی، ص: ۸۸۔

اس مضمون کے مشمولات کا جائزہ لیتے ہوئے نادر علی خاں نے لکھا ہے کہ:

''اس میں ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ کی بعض تفصیلات درج تھیں''۔(۱)

اس وقت لارڈ آف ویلزلی دکن میں ٹیپو سلطان کے ساتھ آخری جنگ لڑ رہا تھا، اس مضمون سے لارڈ ویلزلی کو غیر معمولی ذہنی چڑ کہ لگا اور اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو لکھا کہ:

''آپ اس اخبار (ایشیا ٹک مرر) کے ایڈیٹر اور اس قسم کے اخباروں کے ایڈیٹروں کو اگر روک نہیں سکتے، تو ان اخباروں کا خاتمہ کر کے ان کے ایڈیٹروں کو یورپ روانہ کر دیجیے''۔(۲)

ان کے علاوہ ''مارننگ پوسٹ''، ''ٹیلی گراف'' اور ''اورینٹل اسٹار'' نامی تین اخبار بھی کلکتہ ہی سے جاری ہوئے اور یہ تینوں بھی ہفت روزہ ہی تھے، پہلے اخبار کا ایڈیٹر مسٹر بش، دوسرے کا ہالٹ میکلس اور تیسرے کا ایڈیٹر و مالک رچرڈ فلیمنگ تھا۔

اخبارات کی اشاعت کا یہ سلسلہ کلکتہ ہی تک محدود نہ تھا؛ بلکہ دیگر شہروں سے بھی اخبارات نکلنے شروع ہو گئے تھے؛ چناں چہ ۱۲/اکتوبر ۱۷۸۵ء کو مدراس سے ''مدراس کوریر'' جاری ہوا، اس کا ایڈیٹر اور مالک رچرڈ جانسٹن (*Richardjohnston*) تھا، یہ کل چار صفحات پر مشتمل ہوتا تھا، اس میں ولایتی خبروں کا خلاصہ، ہندوستانی خبریں، مراسلے، نظمیں، ادبی مضامین اور اشتہارات شائع ہوتے تھے، یہ نیم سرکاری اخبار تھا اور اس پر کمپنی کی مہر لگی ہوتی تھی، اس کی ماہانہ قیمت ایک روپیہ تھی، جب کہ کمپنی کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے اس کا محصول بھی معاف تھا، ۱۷۸۹ء میں اس اخبار کی پالیسی میں حکومت مخالفت کی بو محسوس کی گئی اور رچرڈ کے بجائے ہیوگ بوآئڈ (*Hugboyd*) اس کا ایڈیٹر بنا دیا گیا؛ لیکن مؤخر الذکر بھی حکومت کی وفاداری میں کامل نہ اترا اور اسے بھی اس اخبار سے علیحدہ ہونا پڑا۔

۱۷۹۳ء میں ہیوگ نے ''مدراس ہرکارو'' نکالا، جو ایک سال کی قلیل مدت کے بعد اپنے مالک کے ساتھ ہی متوفی ہو گیا۔

جنوری ۱۷۹۵ء میں آر ولیمس (*R.williams*) کی ادارت میں ہفت روزہ ''مدراس گزٹ'' جاری ہوا؛ لیکن حکومت اس کی شدید نکتہ چینی کی تاب نہ لا سکی اور اس پر قدغن لگانے کے

---

(۱) اردو صحافت کی تاریخ، ص:۱۵۔

(۲) ہندوستانی اخبار نویسی، ص:۸۸۔

لیے اسی سال سے سنسر کا آغاز کیا اور ڈاک کی مراعات بھی سلب کر لی، اس کے چند ماہ بعد ہی ہم فیریز (Humphreys) نے ''انڈیا ہیرالڈ'' کے نام سے ایک اخبار حکومت کی اجازت وحمایت کے بغیر جاری کیا اور اس نے بھی حکومت کی کج رویوں کو طشت از بام کرنے اور کمپنی کے ظالمانہ اقدامات سے لوگوں کو روشناس کرانے میں اپنے قلم کو وقف کر دیا؛ بلکہ اس نے اپنے قلم کی انی سے پرنس آف ویلزلی کی تمام تر عزت وشہرت کو مجروح کر ڈالا، بالآخر کمپنی نے اسے بھی جلا وطنی کا پروانہ تھما دیا، نادر علی خان نے لکھا ہے:

''انھیں کچھ سپاہیوں کے ساتھ انگلستان جانے والے جہاز میں بٹھایا گیا؛ لیکن وہ جہاز سے نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے، نہ انگلستان پہنچے اور نہ ہندوستان''۔(۱)

کلکتہ اور مدراس کے بعد بمبئی پریسیڈنسی سے بھی اخبارات جاری ہوئے، یہاں سے اخبارات کا اجرا نسبتاً تاخیر سے تو ضرور ہوا؛ لیکن بعد میں بمبئی اخباروں کا ایک اہم مرکز ثابت ہوا، بمبئی سے نکلنے والا پہلا اخبار ''بمبئی گزٹ'' ہے، جسے ڈبلیو ایس کوپر (W.S.cooper) نے ۲۵/جون ۱۷۹۰ء میں جاری کیا، اس میں بمبئی کی تجارتی اور تفریحی خبروں کے علاوہ ڈچ اور پرتگالی نو آبادیات کی خبریں بھی درج ہوتی تھیں، باوجودیکہ یہ اخبار کمپنی کے اشارۂ چشم وابرو کا رہین تھا، ایک دفعہ محکمۂ پولیس پر نکتہ چینی کرنے کے جرم میں سنسر کا شکار ہو کر بند ہو گیا۔(۲)

محمد عتیق صدیقی کی تحقیق کے مطابق بمبئی سے جاری ہونے والا پہلا اخبار ''بمبئی ہیرالڈ'' ہے، جس کے اجرا کی تاریخ انہوں نے ۱۷۸۹ء لکھی ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ولیم کیری کے مطابق بھی ''بمبئی گزٹ'' کا سن اشاعت ۱۷۹۰ء ہی ہے نیز ۲۹/جون ۱۷۹۰ء کے ''کلکتہ گزٹ'' میں شائع ہونے والے ''بمبئی گزٹ'' کے اشتہار سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے، البتہ عام شہرت یہ ہے کہ ''بمبئی ہیرالڈ'' اور ''بمبئی کوریر'' دونوں ۱۷۹۰ء میں جاری ہوئے اور یہ بمبئی سے بالترتیب جاری ہونے والا دوسرا اور تیسرا اخبار تھا، ان دونوں اخباروں کے مدیر لیوک آشبرنر (Lukeash burner) اور مالک ڈگلس نکلسن (DouglesNicholson) تھے، ان دونوں اخبارات میں انگریزی کے علاوہ اردو گجراتی، مرہٹی اور کنٹری زبانوں کے اشتہارات بھی شائع ہوتے تھے، ۱۷۹۱ء

---

(۱) اردو صحافت کی تاریخ، ص: ۱۵-۱۶۔

(۲) ایضاً، ص: ۱۶۔

میں ایک اور اخبار ''بمبئی آبزرور'' (*BombayObserver*) بھی جاری ہوا تھا۔(۱)

۱۷۹۸ء تک کی ہندوستانی صحافت پر مجموعی تبصرہ:

۱۷۷۷ء سے لے کر ۱۷۹۸ء تک ملک کے طول وعرض میں کئی اخبارات جاری ہوئے ،مگر عام طور پر ان کی حکومت مخالف پالیسی نے انھیں عہدِ طفولیت سے بھی نہ نکلنے دیا اور وہ حکومت کی سنسر شپ کا شکار ہوتے گئے ،اس عرصے میں جو بھی اخبار جاری ہوئے ،وہ ہندوستان میں صحافت کا آغاز ضرور تھے؛ لیکن عموماً ان کے مدیران کمپنی بہادر کے برطرف کردہ ملازمین ہوتے ،جو ذاتی خلش ورقابت کے زیر اثر حکومت کے عیوب اور بدعنوانیوں کو اُچھالتے اور نتیجتاً اس کی گرفت کا شکار ہوجاتے اور ان کے برخلاف جو اخبار حکومت سے وفاداری کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ،وہ مالی منفعت اٹھاتے اور حکومت کے الطاف وعنایات سے متمتع ہوتے ،اس زمانے میں کوئی صحافتی قانون بھی نہ تھا؛ اس لیے حکومت کو جوں ہی پتہ چلتا کہ فلاں شخص اخبار نکالنا چاہتا ہے اور حکومت سے پرخاش رکھتا ہے، اسے فوراً دھر لیتی ،کوئی اخبار اس کے مزاجِ خسروانہ کو ہدفِ تنقید بناتا ،تو اولاً ڈاک کی سہولتوں سے محروم کرتی ،ثانیاً سنسر شپ عائد کرتی ،اگر ایڈیٹر تب بھی باز نہ آتا ،تو اسے جلاوطن اور اس کے اخبار کو بند کردیتی۔

انیسویں صدی کا آغاز اور ہندوستانی وانگریزی صحافت:

انیسویں صدی کی پہلی دو دہائیاں کئی اعتبار سے ہندوستان کی صحافت کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں ،اس عرصے میں میدانِ صحافت میں کئی ایسی شخصیات ابھریں ،جنھوں نے صحافت کے مزاج ومنہاج کو بدل کر رکھ دیا۔

انیسویں صدی کے ابتدائی سترہ سال ہندوستانی صحافت کے لیے ماضی ہی کی طرح پُر آشوب رہے اور اس کی ارتقا نت نئی پابندیوں میں جکڑی ہونے کی وجہ سے خاصی سست روی کا شکار رہی ،۱۸۰۱ء سے لے کر ۱۸۱۷ء تک پانچ مرتبہ اخبارات کو نو بہ نو پابندیوں ،سرزنشوں اور گھیرا بندیوں کا شکار ہونا پڑا ،اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دور سیاسی اعتبار سے کمپنی کے لیے تاریخی اہمیت کا

(۱) اردو صحافت کی تاریخ ،ص:۱۶۔

حامل تھا؛ کیوں کہ وہ سلطان ٹیپو کو شکست دینے کے بعد مرہٹوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھی؛ اس لیے وہ صحافت کو آزادی دے کر اپنے لیے کوئی خطرہ مول لینے کی قطعاً روادار نہ تھی اور اسی لیے اس نے محکمۂ سنسر میں جان ایڈم جیسے سخت گیر افسر کو تعینات کر رکھا تھا، جس نے پیہم پابندیاں عائد کر کے ہندوستانی صحافت کے ناک میں دم کر رکھا تھا، ۱۸۳۱ء میں جب لارڈ منٹو کی جگہ لارڈ ہیسٹینگز گورنر جنرل بن کر آیا، تو کچھ امید کی کرنیں نظر آنے لگیں؛ چناں چہ اس نے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۸۱۸ء میں سنسر کے محکمے کو توڑ ڈالا، جس سے صحافت کے میدان میں ایک نیا جوش وخروش پیدا ہو گیا اور اسی سال پے در پے کئی اخبارات جاری ہوئے، جن میں "کلکتہ جنرل"، "دی کلکتہ ایکسچینج پرائس کرنٹ" اور "دی کلکتہ نیو پرائس کرنٹ" تھے؛ لیکن ان سب میں "کلکتہ جنرل" کا اجرا خاص اہمیت کا حامل تھا؛ کیوں کہ اس نے اس وقت کی ہندوستانی صحافت پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔

اس اخبار کا مالک و مدیر جیمز سلک بکنگھم تھا، ۲/ اکتوبر ۱۸۱۸ء کو اس کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، اس شمارے میں بکنگھم نے اپنے نظریۂ صحافت کا کھل کر اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"اخبار نویس کا فرض ہے کہ وہ حکم رانوں کو ان کا فرض برابر یاد دلاتا رہے اور ان کی غلطیوں پر ان کو متنبہ کرتا رہے، نیز حق گوئی، جو تلخ ہوتی ہے، اخبار نویس کا شعار ہونا چاہیے"۔

یہ اخبار آٹھ صفحات پر مشتمل ہوتا اور ہفتے میں دو مرتبہ چھپتا تھا، اپنے مشمولات اور پیش کش کو معیاری بنانے کی غرض سے بکنگھم نے انگلستان، فرانس اور اٹلی وغیرہ سے بھی خبروں کے حصول کا بندوبست کرلیا اور ہندوستان کے مشہور شہروں مدراس، بمبئی، سیلون، مالابار یہاں تک کہ چین میں بھی اس نے اپنے نامہ نگار متعین کر دیے، جس کی بنا پر اس کے اخبار کو خاطر خواہ مواد ملنے لگا اور اس کو مصدقہ حقائق کی روشنی میں کھل کر لکھنے میں مدد ملی؛ چناں چہ اس نے پوری جرأت و ہمت کے ساتھ لکھنا شروع کیا، اس نے جیمس ہکی کی طرح حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا اور اس کے تمام تر نقائص ومعائب کو عالم آشکارا کر کے رکھ دیا، اس کی اس صاف گوئی وحق نگاری کی وجہ سے چند مہینوں میں ہی "کلکتہ جنرل" کلکتے کا سب سے مقبول اخبار بن گیا، جس کے چار سو خریدار تھے اور اس کی مانگ بیرونِ ہند میں بھی تھی، نیز اس کی خبریں اور تبصرے برطانوی اخبارات میں بھی نقل کیے جاتے تھے، اس اخبار کی بڑھتی ہوئی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے بکنگھم نے اگلے سال اس کو

روزنامہ کردیا اور اب تو اس کے قلم کی تیغ بازیاں ہر روز حکومت کی بے راہ رویوں کی خبر لینے اور اس کی چنگیزانہ کارروائیوں کا پردہ چاک کرنے لگیں، حکومت کب تک برداشت کرتی؟ بالآخر ماضی کی طرح بکنگھم کے اخبار کو بھی ۱۸۲۳ء میں بند اور اسے جلاوطن کر دیا گیا۔(۱)

ہندوستان میں اردو صحافت: آغاز وارتقا:

اس تحقیقی بحث سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کہ اردو کا پہلا اخبار کون سا تھا؟ اور کب جاری ہوا؟ عام طور پر ''جامِ جہاں نما'' کلکتہ (۲۷ر مارچ ۱۸۲۲ء) کو فارسی کا پہلا اخبار قرار دیا جاتا ہے، اس کے مالک ہری ہر دت اور مدیر سدا سکھ لعل تھے، اسی اخبار نے اپنی اشاعت کے اگلے سال اردو ضمیمہ جاری کیا اور وہ پانچ سال تک جاری رہا، ''جامِ جہاں نما'' کے متعلق ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ یہ ابتداءً اردو ہی میں نکلا تھا؛ لیکن قارئین کی بے توجہی کا شکار رہا، نتیجتاً فارسی میں منتقل ہو گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسلم حکمرانوں کی بہ دولت عام نوشت وخواند کی زبان فارسی ہی تھی اور کمپنی بہادر فارسی کو ختم کر کے اردو یا ہندوستانی زبان لانا چاہتی تھی؛ لیکن عوام اس کے لیے قطعاً تیار نہ تھے؛ اس لیے ''جامِ جہاں نما'' کو اردو چھوڑ کر فارسی زبان اختیار کرنا پڑا، البتہ کچھ عرصہ بعد اردو ضمیمہ نتھی کر دیا گیا؛ لیکن پھر اسے چھوڑنا پڑا۔

''جامِ جہاں نما'' کے تین ہفتے بعد ہندوؤں کے بہت بڑے مصلح، برہمو سماج کے بانی اور عربی وفارسی کے فاضلِ اجل راجہ رام موہن رائے نے کلکتے ہی سے ۲۰ر اپریل ۱۸۲۲ء کو ''مرآۃ الاخبار'' جاری کیا، یہ اخبار ہفت روزہ تھا اور ہر جمعہ کو شائع ہوتا تھا، راجہ رام موہن رائے اپنے علم وفضل کی بے کرانی کے باوجود انتہائی سادہ دل، منکسر المزاج اور نرم طبیعت کے حامل تھے، مگر اپنے حق کے مطالبے میں انتہائی جری و بے باک بھی، انھوں نے اخبار کے اجرا کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا:

> ''اس اخبار کی ذمہ داری لینے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ عوام کے سامنے ایسی چیزیں پیش کی جائیں، جن سے ان کے تجربوں میں اضافہ ہو اور ان کی سماجی ترقی ہو سکے، اربابِ حکومت کو بھی رعایا کا صحیح حال بتلایا جائے اور رعایا کو ان کے حکم رانوں کے قانون اور رسم ورواج سے آگاہ کیا

---

(۱) طاہر مسعود (ڈاکٹر)، اردو صحافت انیسویں صدی میں، ص: ۶۵-۶۸ ملخصاً، مطبوعہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی ۲۰۰۹ء۔

جائے: تاکہ حکم رانوں کو اپنی رعایا کی تکلیفیں دور کرنے کا موقع ملے اور رعایا کی دادرسی ہو سکے"۔(۱)

انہوں نے ہندوؤں کی ستی کی رسم کی پرزور مخالفت کی اور سماج کی دیگر برائیوں کے خلاف لگاتار لکھا؛ بلکہ ستی کی ظالمانہ رسم پر حکومت سے پابندی لگانے کا بھی مطالبہ کیا، حکومت کو ان کی اس نوع کی تحریروں سے انتشار اور انارکی پھیلنے کا خطرہ محسوس ہوا؛ چناں چہ جان ایڈم نے صحافت کو محدود و پابند کرنے کی خاطر ۱۸۲۳ء میں پریس کے حوالے سے درج ذیل قوانین بنائے:

(۱) بغیر لائسنس اخبار یا کتاب کی طباعت پر ایک ہزار روپے جرمانہ اور چھ ماہ تک کی سزا دی جائے گی۔

(۲) مجسٹریٹ کو اختیار ہوگا کہ بغیر لائسنس کے جو پریس قائم ہوں، انہیں ضبط کر سکتا ہے۔

(۳) مطبوعہ اخبار و کتاب کے پہلے اور آخری صفحے پر چھاپنے والے کے نام اور مقام کا اندراج ہوگا اور اس کی ایک کاپی قیمتاً حکام کو مہیا کرنا ہوگی۔(۲)

ان قوانین کے نفاذ سے دنیائے صحافت میں ہنگامہ برپا ہوگیا؛ کیوں کہ اس طرح اخبارات کی آزادی کا گلا گھونٹا جا رہا تھا، علم و تہذیب کے ذرائع پر بند باندھا جا رہا تھا اور عوام کو حکام کی لغزیدہ پائیوں سے باخبر کرنے کے وسائل پر شب خون مارا جا رہا تھا، راجہ رام موہن رائے نے ان سنگ دلانہ قوانین کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی، مگر اسے یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ:

"دنیا میں کوئی مقام ایسا نہیں ہے، جہاں اتنی سیاسی آزادی دی گئی ہو، جتنی کلکتہ میں دی گئی ہے؛ اس لیے قانون میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جاسکتی"۔(۳)

مگر اس کے باوجود انھوں نے خاموشی اختیار نہ کی؛ بلکہ حب الوطنی اور اصلاحِ معاشرہ کے جذبۂ بے پایاں کے زیرِ اثر انھوں نے سپریم کورٹ کے بعد شاہِ برطانیہ سے ان قوانین کی تنسیخ کا مطالبہ کیا اور انھیں لکھا:

"ملکِ معظم کی وفادار رعایا عاجزانہ درخواست کرتی ہے کہ مذکورہ بالا قواعد، آرڈیننس

---

(۱) امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، ج: اول، ص: ۲۶، مطبوعہ: جدید پرنٹنگ پریس گلی کبابیان، جامع مسجد دہلی ۱۹۵۳ء۔

(۲) ...نہ خاتون، دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ، ص: ۴۹، مطبوعہ: عاکف بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔

(۳) اردو صحافت کی تاریخ، ص: ۲۶۔

اور ریگولیشن کا نفاذ روک دیا جائے اور اس ملک کے حاکموں کو حکم دیا جائے کہ آپ کی وفادار رعایا کو جو مراعات حاصل ہیں، ان میں تخفیف کرنے اور ان کے حقوق پامال کرنے کے لیے قوانین نہ بنائیں اور حضور اپنی لاکھوں کی تعداد میں رعایا کو وحشیانہ طور پر پامال اور برباد کرنے کی اجازت نہ دیں"۔(۱)

مگر ان سب کے باوجود بھی جب حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور بہ ظاہر ان قوانین کے منسوخ ہونے کی تمام تر امیدوں پر پانی پھر گیا، تو موہن رائے نے ۱۸۲۳ء ہی میں احتجاجاً اپنا اخبار بند کر دیا۔

متذکرہ بالا دونوں اخبارات کے علاوہ اردو کا پہلا مکمل اخبار "دہلی اردو اخبار" دہلی تھا اس کے ایڈیٹر اردو کے نام ور ادیب مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر تھے، یہ اخبار جاری کب ہوا؟ اس سلسلے میں قدرے اختلاف ہے، امداد صابری نے تو یہ لکھا ہے کہ:

"پرنسپل مسٹر اسپرنگر سے مولانا باقر نے یہ پریس خریدا اور اس کا نام مطبع جعفریہ اور مطبع اثنا عشری رکھا، بعد میں "دہلی اردو اخبار" پریس ہو گیا، جس میں ۱۸۳۶ء سے "دہلی اردو اخبار" چھپنے لگا"۔(۲)

اسی طرح مولانا محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں کہ:

"۱۸۳۶ء میں اردو کا اخبار دہلی میں جاری ہوا اور یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا کہ میرے والدِ محترم کے قلم سے نکلا"۔(۳)

جب کہ پروفیسر اشتیاق قریشی نے اس اخبار کا سن اجرا ۱۸۳۷ء مانتے ہوئے استدلالاً لکھا ہے کہ:

"۳؍جنوری ۱۸۴۱ء کے نمبر ۲۰۲ کے حساب سے ۱۸۳۷ کو یہ اخبار جاری ہوا"۔(۴)

اسی طرح اس کے نام میں بھی متعدد بار تبدیلیاں ہوئیں؛ چناں چہ شروع سے ۱۰؍مئی ۱۸۴۰ء تک یہ اخبار "دہلی اخبار" کے نام سے شائع ہوا، اس کے بعد "دہلی اردو اخبار" ہو گیا، پھر ۱۲؍جولائی ۱۸۵۷ء کو اس کا نام "اخبار الظفر" رکھ دیا گیا۔

یہ اخبار اپنی علمی افادیت کے حوالے سے کافی معنی یاب تھا، اس کے صفحات ملکی، غیر ملکی،

---

(۱) ایضاً، ص: ۲۸۔

(۲) تاریخِ صحافت اردو، ج: اول، ص: ۲۰۴۔

(۳) محمد حسین آزاد (مولانا)، آبِ حیات، ص: ۱۲۳، مطبوعہ: اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ ۱۹۹۳ء۔

(۴) تاریخ صحافتِ اردو، ج: اول، ص: ۱۲۳۔

مقامی، سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی، ادبی، الغرض ہر نوع کی خبروں پر مشتمل ہوا کرتے تھے، خبروں کو من وعن شائع کرنے اور کسی بھی طرح کے تحفظ سے کام نہ لینے کے حوالے سے بھی یہ اخبار مقامِ ممتاز کا حامل تھا، حالاں کہ مولانا محمد باقر سرکاری ملازم تھے اور تحصیل دار کے عہدے پر فائز تھے، اس کے باوجود قلعۂ معلّٰی کی خبر ہو یا ایسٹ انڈیا کمپنی کی یا کسی ملازم اور عہدے دار کی؛ ہر ایک کی خبر کو بعینہ شائع کرتے؛ بلکہ لال قلعہ اور دہلی کے حکام اور ہندوستانی ریاستوں کی بدانتظامیوں پر کھلے بندوں تنقید کرتے، اس میں علمی، ادبی اور تفریحی موضوعات کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔

اس اخبار نے ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں بھی پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، سب سے پہلے اسی اخبار نے ۷/ستمبر ۱۸۵۷ء کو کمپنی کے خلاف علمائے ہند کے متفقہ فتوائے جہاد کو شائع کیا، جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے عزمِ خفتہ میں یکایک برق دوڑا دی، سارے ملک میں ہنگامۂ رستخیز برپا ہو گیا اور پورا ہندوستان شرق سے تا غرب اور شمال سے تا جنوب دہل گیا، آزادی کے متوالوں نے انجام سے لاپروا ہو کر حصولِ آزادی کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، تختہ ہائے دار کو چوما اور طوق وسلاسل سے ہم آغوش ہوئے ''دہلی اردو اخبار'' نے قوم ووطن کے ان شعلہ بہ جاں سپوتوں کا اپنے صفحات میں ذکر کر کے جہاں اُنھیں بقائے دوام بخشا، وہیں تاریخ تحریکِ آزادی میں خود اپنے لیے بھی مقامِ بلند اور ذکرِ جمیل حاصل کر لیا۔

مولانا باقر نے پوری دلیری وجرأت مندی کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ اور اس دوران پیش آنے والے واقعات کو مفصلاً ذکر کیا؛ بلکہ اس زمانے میں وہ اپنے اخبار میں مجاہدین کی ہمت بڑھانے اور جنگ میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کے لیے انتہائی اثر انگیز، مبرہن اور جذبات واحساسات کو اچھالنے والی اپیلیں اور نصیحتیں بھی شائع کرتے رہے۔

مولانا باقر کی یہی جرأت، بے باکی اور خوے اسد اللّٰہی نے انہیں مقامِ شہادت سے سرفراز کیا، وہ ۱۴/اور ۱۶/ستمبر کے درمیان کسی وقت گرفتار کر لیے گئے، جب انہیں ظالم گورنر ہڈسن کے سامنے پیش کیا گیا اور مولانا نے دلی کالج کے پروفیسر مسٹر ٹیلر کے دستخط شدہ ڈیڑھ لاکھ روپے اور وہ تحریر، جو ٹیلر نے لکھی تھی (اس میں لکھا تھا کہ: ''یہ رقم میں نے بہ طیبِ خاطر مولوی صاحب کو دی ہے'') ہڈسن کے روبہ رو پیش کی، تو اس نے غصے سے آگ بگولا ہو کر پوچھا: ''ٹیلر کہاں ہے؟''

تو مولانا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ”جب تک وہ میرے پاس رہے، زندہ رہے، جب میرے مکان سے نکل کر بھاگے، تو لوگوں نے انھیں مارڈالا“ اتنا سنتے ہی ہڈسن برافروختہ ہوگیا اور ان کی سزائے موت کے ساتھ تمام جائے داد کے ضبط کیے جانے کا فرمان جاری کردیا، وہ غصے سے اس قدر بے قابو ہوگیا تھا کہ اس نے اپنی میز پر رکھے ہوئے ریوالور سے اسی وقت مولانا کو شہید کردیا اور مولانا کی شہادت کے ساتھ ان کا اخبار بھی غفرلہ ہوگیا۔(۱)

انیسویں صدی کے نصف اول تک پڑھے لکھے طبقوں کی زبان فارسی تھی اور یہ صرف مسلمانوں ہی کی زبان نہ تھی؛ بلکہ ہندو اہل علم وقلم کا ذریعۂ اظہار بھی فارسی ہی تھی، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے مطابق ۱۸۵۷ء کی ساڑھے تی سے پہلے فارسی زبان میں کل انیس اخبار جاری ہوئے، ان میں سے ایک ”مفرح القلوب“ ۱۸۵۵ء میں دہلی سے جاری ہوا، دوسرا ”مطلع خورشید“ سکھر سے، تیسرا ”مرتضائی“ پشاور سے، ان کے علاوہ مدراس سے بھی ایک فارسی کا اخبار نکلتا تھا؛ لیکن فارسی صحافت کا سب سے بڑا مرکز کلکتہ تھا، جہاں سے فارسی کے کل نو اخبار نکلتے تھے، دوسرا مرکز دہلی تھا، جہاں فارسی کے دو اخبار تھے، ان انیس اخباروں میں سے صرف چار حکومت کے طرف دار تھے، مگر عام لوگوں کے لیے اخبار کی خرید قریب قریب ناممکن تھی، صرف رؤسا اور امرا ہی خریدتے اور پڑھتے تھے اور جہاں تک ان کی تعدادِ اشاعت کا تعلق ہے، تو ”جامِ جہاں نما“ کی اشاعت صرف ۲۶؍ پرچے تھی اور ”سراج الاخبار“ (۱۸۴۱ء) کی چونتیس، غرض کسی بھی اخبار کی اشاعت ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھی۔(۲)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے فارسی زبان کو کالعدم قرار دینے کے لیے جب فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی اور اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا، تو اسی پس منظر میں اردو صحافت کا اصل دور شروع ہوا، اس کے اولاً دو مراکز تھے: دہلی اور لاہور، دہلی میں جن اخباروں کو شہرت وعروج حاصل ہوا، ان میں مولانا محمد باقر کا ”دہلی اردو اخبار“ (جس کا تفصیلی تذکرہ آچکا ہے) سرِ فہرست تھا، سرسید احمد خان کے بھائی سید محمد خان نے ۱۸۳۷ء میں ”سید الاخبار“ جاری کیا، مگر یہ ۱۸۵۰ء میں بند ہوگیا، اسی طرح

---

(۱) عبدالحق (مولوی)، مرحوم دلی کالج، ص: ۱۷، ط: انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۸۹ء۔

(۲) صحافت پاکستان وہند میں۔

دہلی میں ''صادق الاخبار'' نامی چار اخبار جاری ہوئے اور یکے بعد دیگرے بند ہوتے گئے، پہلے ''صادق الاخبار'' کے مدیر کا نام شیخ امداد حسین تھا، ان کی ادارت میں یہ اخبار ۲۴/اپریل ۱۸۴۷ء تک جاری رہا، دوسرے کے ایڈیٹر کا نام مصطفیٰ خان تھا، گارساں دتاسی کے مطابق ''یہ اخبار ۱۸۵۳ء میں مطفی خاں، مصطفائی پریس سے نکالا کرتے تھے''، تیسرے کے مدیر کا نام جمیل الدین خاں تھا، جمیل الدین خاں کی ادارت میں یہ اخبار ۱۸۵۴ء میں جاری ہوا اور یہ ہر دوشنبے کو کبھی آٹھ اور کبھی چار صفحات کا نکلتا تھا، یہ اخبار ۱۸۵۷ء تک جاری رہا، چوتھے ''صادق الاخبار'' کے ایڈیٹر کا نام شیخ خدا بخش تھا، ان کی ادارت میں یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا اور ۱۸۵۷ء میں مرحوم ہو گیا۔(۱)

اسی طرح مولوی کریم الدین نے، جو دلی کالج میں استاذ تھے اور ایک ذی استعداد عالم وادیب کی حیثیت سے ان کی خاصی شہرت تھی، ایک اخبار ۱۸۴۵ء میں ''کریم الاخبار'' نامی جاری کیا، مزید برآں دہلی سے اور کئی اردو اخبارات ورسائل پے بہ پے نکلتے رہے، جن سے اردو صحافت کو نشو و بلوغ حاصل ہوتا رہا۔

پھر ۱۴/جنوری ۱۸۵۰ء کو لاہور سے ''کوہِ نور'' جاری ہوا، یہ واحد اخبار ہے، جو پچپن سال تک جاری رہا اور اس دوران اس نے بے حساب صحافی پیدا کیے، اس کی دیکھا دیکھی کئی اخباروں نے اپنے نام کے آگے ''نور'' کا لاحقہ لگایا مثلاً: ''دریائے نور'' اور ''باغِ نور'' وغیرہ، ''کوہِ نور'' کے بانی ہر سکھ رائے تھے، وہ سکندر آباد سے لاہور منتقل ہو گئے تھے، ''کوہِ نور'' کا مزاج و نہاد حکومت کی حمایت ووفاداری کا تھا، مگر ایک مرتبہ قلم کے جھروکے سے ایک ایسی غلطی سرزد ہو گئی کہ ہر سکھ رائے دھر لیے گئے اور انھیں تین سال کے لیے قید بھی کیا گیا تھا۔

''کوہِ نور'' کے بعد لاہور سے پہلا آزاد اخبار ''دریائے نور'' نکلا، ۱۸۵۵ء میں ''لاہور گزٹ'' نکلا، مگر سال بھر کے اندر اندر بند ہو گیا، ایک اور اخبار ''پنجاب جنرل'' جاری ہوا، ۱۸۵۶ء میں ''پنجابی اخبار'' جاری ہوا، ایک نیم سرکاری اخبار ''مفادِ ہند'' بھی تھا، جس کی سرپرستی ڈپٹی کمشنر لاہور کرتا تھا۔

لاہور کے بعد پنجاب کا اخباری مرکز سیالکوٹ تھا، اس کا پہلا اخبار ''ریاض الاخبار'' تھا، اس کے علاوہ ''چشمۂ فیض'' اور ''خورشیدِ عالم'' بھی دو مقامی ہفتہ وار اخبار تھے، ایک آدھ پندرہ روزہ

---

(۱) دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ ص: ۶۶-۶۷۔

اور دو تین ماہنامے بھی وہاں سے نکلتے تھے۔

ادھر ملتان سے ۱۸۵۲ء میں ''ریاض الاخبار'' جاری ہوا، ڈیڑھ سال بعد ''شعاع الشمس'' نکلا، دونوں میں چشمکیں تیز ہوئیں، تو مؤخر الذکر اخبار بند ہوگیا، ان کے علاوہ گوجرانوالہ، راولپنڈی، گجرات، شملہ، لدھیانہ، بٹالہ اور امرتسر وغیرہ سے بھی کئی اخبارات نکلے اور ان سے اردو صحافت پھلتی پھولتی رہی۔

۱۸۴۶ء میں آگرہ کالج کے زیر اہتمام ''صدر الاخبار'' نکالا گیا، پھر اس کا نام بدل کر ''اخبار الحقائق'' رکھ دیا گیا، آگرہ ہی سے ایک اور صاحب محی الدین نے ''اسد الاخبار'' جاری کیا، ان کے علاوہ بعض دوسرے اخبارات بھی آگرہ سے نکلے، جن میں منشی نول کشور کا ''سفیرِ آگرہ'' نمایاں تھا۔

ادھر لکھنؤ میں چھاپہ خانے تو مدت سے قائم تھے؛ لیکن پہلا جریدہ ''لکھنؤ اخبار'' ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا، پھر ''طلسمِ لکھنؤ'' اور ''سحرِ سامری'' نکالے گئے، اسی زمانے میں شمالی ہند کے بعض دوسرے شہروں مثلاً: بنارس، بریلی اور علی گڑھ وغیرہ سے بھی متعدد اخبارات نکل رہے تھے۔

بہار کے شہر آرہ سے ۱۸۵۲ء کو ''نور الانوار'' نامی اخبار جاری ہوا، اس کے مالک سید محمد ہاشم بلگرامی اور مینیجر سید خورشید احمد تھے، رخشاں ابدالی کے مطابق بہار کا یہ پہلا اخبار تھا، ۲؍اپریل ۱۸۵۵ء کو خواجہ کلاں پٹنہ سٹی سے ''پٹنہ ہرکارہ'' جاری ہوا، کمپنی کے زیر سرپرستی ایک اخبار ''خیر خواہِ سرکار'' نکلتا تھا، جو یکم مارچ ۱۸۵۶ء تک جاری رہا، خورشید پرویز صدیقی نے اسی کو بہار کا پہلا اخبار قرار دیا ہے، یکم ستمبر ۱۸۵۶ء کو پٹنہ سے ''اخبارِ بہار'' نکلا، اس کے مدیر لالہ بندا پرساد تھے، ایک اور اخبار ''ویکلی رپورٹ'' صاحب گنج گیا سے یکم مئی ۱۸۵۶ء کو جاری ہوا، پٹنہ سے باہر جاری ہونے والا یہ دوسرا اخبار تھا۔(۱)

مدراس کا پہلا اردو اخبار ''اعظم الاخبار'' تھا، جو ۱۸۴۸ء میں جاری کیا گیا، ۱۸۴۹ء میں ''آفتابِ عالم تاب'' نکلا، اسی سال ایک اور ''تبصر الاخبار'' جاری ہوا، پھر ۱۸۵۶ء میں ''مظہر الاخبار'' نکلا، ۱۸۵۰ء میں ''مدراس پنچ'' آیا، اسی طرح ''جامع الاخبار'' اس وقت مدراس کے اہم اخباروں میں تھا۔(۲)

---

(۱) بہار میں اردو صحافت کے ۱۴۵ سال، مشمولہ: افکارِ ملی، دہلی، جولائی ۲۰۰۰ء۔

(۲) اردو صحافت انیسویں صدی میں، ص: ۲۵۳-۲۷۵ ملخصاً۔

۱۸۵۷ء تک کی اردو و فارسی صحافت کا خلاصہ:

۱۸۵۷ء تک کی اردو و فارسی صحافت کا خلاصہ یہ ہے کہ اخباروں کی اشاعت تو محدود تھی؛ لیکن ان کے قارئین بلا شبہ بااثر طبقے کے لوگ تھے، انقلاب سے کوئی دو تین مہینے پہلے بعض اخباروں نے جرأت دکھائی اور وہ اجنبی راج کے خلاف خبریں دینے لگے اور اس پر تبصرہ کرنے میں دلیری کا اظہار کیا، اس میں اردو و فارسی کے متعدد اخباروں کے ساتھ ساتھ دوسری دیسی زبانوں کے بھی اخبارات تھے؛ لیکن ۱۸۵۷ء کے حشر بہ داماں ہنگامے میں ان میں سے کوئی اخبار بھی کمپنی کے زیرِ عتاب تو نہ آیا، البتہ اردو و فارسی کے تقریباً تمام اخبارات موردِ عتاب وعقاب گردانے گئے، ہاں لارڈ کیننگ اور ان کے رفقا کو (جو اپنے انگریزی اخباروں میں حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے) معتوب ٹھہرایا گیا، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں دہلی کے اخبار مقدمۃ الجیش تھے؛ چناں چہ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کی ناکامی اور خاتمے کے بعد ان کا بھی خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کی ادارت سلب کرلی گئی ۱۸۵۳ء میں اردو کے کل پینتیس اخبارات تھے، ۱۸۵۸ء میں صرف بارہ رہ گئے، جن میں سے صرف ایک کی ادارت کسی مسلمان کے ہاتھ میں تھی۔

۱۸۵۷ء کے بعد اردو صحافت کی نشأتِ ثانیہ:

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان نہ صرف اجتماعی طور پر مفلوج ہو گئے؛ بلکہ ان کی معنوی طاقت کو بھی اس طرح کچل ڈالا گیا کہ وہ من حیث المجموع ایک خوف زدہ جماعت بن کر رہ گئے؛ چناں چہ نئے صحافتی دور کا آغاز اس طرح ہوا کہ ۱۸۵۸ء میں منشی نول کشور نے لکھنؤ سے ''اودھ اخبار'' جاری کیا، جو چند سالوں بعد روزنامہ ہوگیا، اور تقریباً نوے سال تک زندہ رہا، ''اودھ اخبار'' ایک غیر فرقہ وارانہ اخبار تھا اور اس کا لسانی سراپا مسلمانوں ہی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

۳؍مارچ ۱۸۶۶ء کو علی گڑھ سے اخبار ''سائنٹیفک'' (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) جاری ہوا، پہلے یہ ہفت روزہ تھا، پھر سہ روزہ ہوگیا، اس کا ایک کالم انگریزی میں ہوتا، دوسرا اردو میں، سر سید احمد خان اس میں سیاسی مسائل پر مقالات وشذرات لکھتے تھے، اخبار کا مقصد انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ رکھنا تھا اور سر سید انگریزوں سے جس موالات کے حامی تھے، یہ اخبار اس کا حامی وآئینہ دار تھا۔

سرسید نے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی سطح پر اصلاحی تحریک کی جو نیو اٹھائی، اس کی تکمیل کے لیے یورپ سے واپسی کے بعد ۲۱/دسمبر ۱۸۷۰ء کو ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا، جو مہینے میں تین بار نکلتا تھا اور اس کے دو نام تھے: ایک ''تہذیب الاخلاق'' دوسرا ''دی محمڈن سوشل ریفارمر''، اس رسالے کی بہ دولت اردو ادب نے ایک انقلابی کروٹ لی، اردو شاعری کا رخ پلٹا، مذہبی ادب میں تنوع پیدا ہوا، عام تحریروں میں سادگی اور سہل نگاری کی روش عام ہوئی، محمڈن کالج (مسلم یونیورسٹی) قائم ہوا، مسلمانوں میں جدید تعلیم کے حصول کا شوق ابھرا؛ لیکن سرسید نے مذہباً جو نظریات وافکار پیش کیے، وہ جمہور اسلامیانِ ہند؛ بلکہ خود مسلّماتِ اسلام سے متصادم تھے؛ اس لیے ملک بھر میں احتجاج ومدافعت کا طوفانِ بلاخیز برپا ہوگیا، نتیجتاً سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' کے مذہبی حصے کو منسوخ کردیا۔

۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان جو روز نامے ملک کے طول وعرض سے نکلے، ان میں ''اردو گائیڈ'' جو ۱۸۷۴ء میں کلکتہ سے جاری ہوا، ''اودھ اخبار'' جو ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ سے نکلا، اور ''روز نامچہ'' جس کا اجرا ۱۸۷۵ء میں پنجاب سے ہوا، قابلِ ذکر ہیں، ان کے علاوہ ۱۸۸۴ء میں لاہور سے دو روز نامے ''شامِ وصال'' اور ''نسیمِ صبح'' کی شکل میں نکلتے رہے، ''رہبرِ ہند'' جاری ہوا، اسے بعض لوگ ۱۸۵۷ء کے بعد لاہور کا پہلا اردو روز نامہ قرار دیتے ہیں، اسی سال پندرہ دسمبر کو کلکتے سے ''آئینۂ نمایش'' تین ماہ کے لیے جاری ہوا، ۲۴/اپریل ۱۸۸۵ء کو کلکتے سے ''پیکِ صبا'' نکلا اور یکم مئی ۱۸۸۵ء کو ''روز نامچۂ ملک''۔

ادھر لکھنؤ سے ''اودھ اخبار'' کے علاوہ ۱۸۸۲ء میں ''روز نامچۂ لکھنؤ'' جاری ہوا، پھر ۱۸۸۵ء میں کئی ایک روز نامے جاری ہوئے، یکم نومبر ۱۸۷۷ء کو ''قیصر الاخبار'' کا روزانہ ایڈیشن شروع کیا گیا۔

دکن سے بھی کئی روز نامے نکلے، ۱۸۷۸ء میں نارائن راؤ نے اپنی ادارت میں ''آصف الاخبار'' نکالا، یہ اخبار ہفت روزہ تھا اور نارائن راؤ سب سے پہلے ایسے شخص تھے، جنھوں نے اردو زبان میں اخبار نکالا، حالاں کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی، ۱۸۸۷ء میں کشن راؤ نے اپنی ادارت میں ''دکن پنچ'' جاری کیا، ۱۸۹۲ء میں اسی کو ''مشیرِ دکن'' کا نام دے دیا گیا، اس اخبار نے طویل عمر پائی اور برصغیر کی آزادی تک نکلتا رہا، مدراس کا پہلا روز نامہ ''آغاز'' تھا، جو ۱۸۸۴ء

میں نکلا، رنگون سے ''حدیقۂ روزگار'' (۱۸۸۴ء) بمبئی سے ''خادمِ ہند'' (۱۸۸۳ء) اور پٹنہ سے ''انیسِ بہار'' (۱۸۷۶ء) جاری ہوئے۔

یہ روزنامے ضرور تھے؛ لیکن ان میں کوئی ایسی چیز نہ تھی، جو ان کے رشحات کو باقی رکھتی یا کسی تحریک کا نقطۂ آغاز ہوتی، ان کی سرگزشت بس اتنی ہے کہ کسی زمانے میں ان ناموں کے بھی اخبار نکلے تھے۔

انیسویں صدی کی آخری دو دہائی سے لے کر بیسویں صدی کی پہلی ڈیڑھ دہائی تک لاہور سے ''اخبارِ عوام'' اور پیسہ اخبار'' نکلے، امرتسر سے ''وکیل'' نکلا، مؤخر الذکر کے ادارۂ تحریر میں مولانا عبداللہ عمادی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ آخری دور میں مولانا عبداللہ منہاس بھی رہے۔

۱۹۰۳ء میں مولانا حسرت موہانی نے ''اردوے معلّیٰ'' کے نام سے ایک رسالہ علی گڑھ سے جاری کیا، اس رسالے نے جدوجہدِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور کھل کر کمپنی کے خلاف خامہ فرسائی کی، اسی کے ذریعے مولانا نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا اور مسلسل ایسی تحریریں لکھیں، جن سے تحریکِ آزادی میں غیر معمولی حرارت پیدا ہوئی، ان کی اس طرح کی تحریروں کی وجہ سے ۱۹۰۹ء میں انھیں دو سال قیدِ بامشقت اور پانچ سو روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی، رہائی کے بعد انھوں نے پھر وہی سرفروشانہ تحریریں لکھنی شروع کردیں، نتیجتاً تین ہزار روپے جرمانہ عائد کیا گیا اور پریس بھی ضبط کرلیا گیا، پھر ان کی اہلیہ کے تعاون سے پریس آزاد ہوا اور ۱۹۱۵ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک ان کا یہ رسالہ مسلسل نکلتا رہا۔(۱)

اسی طرح الہلال والبلاغ (مولانا آزاد) کامریڈ و ہمدرد (مولانا محمد علی جوہر) زمیندار (مولانا ظفر علی خاں) زمانہ (دیا نرائن نگم) مدینہ (مولانا حامد الانصاری غازی) آزادی سے قبل کے قابلِ ذکر اخبار ہیں؛ بلکہ الہلال والبلاغ، کامریڈ و ہمدرد اور زمیندار کا جدوجہدِ آزادی میں زبردست اور روشن کارنامہ رہا ہے؛ اس لیے آئندہ سطور میں ان کا قدرے مفصل تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مولانا آزاد (۱۸۸۸ء-۱۹۵۸ء) کے ''الہلال'' کا مسلمانوں میں جذبۂ حریت بیدار کرنے اور فدائیانِ آزادی کے ہم دوش ہوکر سامراجی حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا

---

(۱) دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ، ص:۱۲۲۔

جنون پر خلوص پیدا کرنے میں سب سے زیادہ اور غیر معمولی کردار ہے، باوجودے کہ اس کی مدت اشاعت طویل نہ رہی، اس کے پیغام میں ایسی مقناطیسیت تھی کہ ہر کہ ومہ کے کانوں کا جھومر بن گیا اور اس کے اسلوب میں ایسا شکوہ ودبدبہ تھا کہ انگریزوں کو اپنے تمام تر رعب وداب کے پرخچے اڑتے ہوئے محسوس ہونے لگے اور کمپنی بہادر کے ہوش وحواس کا توازن بگڑنے لگا، ''الہلال'' اپنی گوناگوں خوبیوں اور متنوع امتیازات کی وجہ سے ایک اخبار نہیں، ایک عہد تھا، ایک تاریخ تھا، ایک دعوت تھا، ایک تحریک اور اکیڈمی تھا۔

اس کی اشاعت کے دو دور ہیں: پہلا دور ۱۳/جولائی ۱۹۱۲ء سے لے کر نومبر ۱۹۱۴ء تک ہے، ۱۹۱۴ء میں ضمانت ضبط ہوگئی، تو مولانا نے ''البلاغ'' جاری کیا، جو اپنے رنگ وآہنگ کے اعتبار سے ''الہلال'' ہی کا نقشِ ثانی تھا، اس کا پہلا شمارہ ۱۲/نومبر ۱۹۱۵ء کو نکلا، یہ اصلاً ہفتہ وار تھا؛ لیکن نکلتا پندرہ روز میں تھا، اس اخبار کا آخری شمارہ ۲۴/مارچ تا ۳۱/اپریل ۱۹۱۶ء کا شمارہ تھا، مارچ میں مولانا کو حکم ملا کہ وہ حدودِ بنگال ترک کردیں؛ چناں چہ وہ رانچی چلے گئے، جہاں ۳۰/مارچ ۱۹۱۶ء سے یکم جنوری ۱۹۲۰ء تک نظر بند رہے، اس نظر بندی نے ''البلاغ'' کا خاتمہ کردیا؛ ''الہلال'' کا دوسرا دور ۱۰/جون ۱۹۲۷ء سے شروع ہوکر ۲۵/شماروں کی حیاتِ مستعار کے بعد دسمبر ۱۹۲۷ء میں ختم ہوگیا، اس طرح اگر ''الہلال'' و''البلاغ'' کی عمرِ طبیعی کا حساب لگائیں، تو مجموعی طور پر کل دو سال اور تین مہینے ہوتے ہیں؛ لیکن اگر اس کی اثر انگیزی کو دیکھیں، تو ایسی قوی ہے کہ بہت سے رسائل واخبارات میں پچاسوں سال میں بھی وہ قوتِ تاثیر پیدا نہ ہوسکی۔

پھر ''الہلال'' کا کمال صرف یہی نہیں تھا کہ اس نے اپنے زلزلہ افگن اور رعب دارانہ اسلوب کے ذریعے اسلامیانِ ہند کے قلوب واذہان کی دنیا بدل ڈالی؛ بلکہ اس کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی تھا کہ اس کے فیضانِ تربیت نے اردو دنیا کو ایک سے بڑھ کر ایک فن کار وقلم کار سے مالامال کیا۔

اردو کے نامور ادیب وشاعر وصحافی آغا شورش کاشمیری نے ''الہلال'' کے انقلابی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

> ''الہلال'' مبارزت کی دعوت تھا، اس دعوت کے لیے وہی زبان تیر بہ ہدف تھی، جو ''الہلال'' نے استعمال کی اور مسلمان صدیوں سے جس کے وارث تھے؛ ''الہلال'' نے خلافت کے

زمانے کی نصف لیڈر شپ پیدا کی اور اس زمانے کی خطابت کو نئے بال و پر دیے، اس ضمن میں ''الہلال'' کا عظیم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ملک میں نہ صرف جلیل القدر صحافی پیدا کیے، مثلاً: مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، اور قاضی عبدالغفار وغیرہ، جو مولانا سے غایت درجہ عقیدت رکھتے تھے؛ بلکہ سید سلیمان ندوی، علامہ عبداللہ العمادی، مولوی حامد علی صدیقی عبدالواحد کان پوری اور مولانا عبدالسلام ندوی کے رشحاتِ قلم کا آغاز بھی ''الہلال'' ہی سے ہوا''۔(۱)

اور الہلال کی نثر کے حوالے سے بھی وقت کے چوٹی کے ادبا و اہل علم وقلم کے اعترافات سے اجمالی واقفیت بھی دل چسپی سے خالی نہیں، سجاد انصاری نے الہلال کی نثر کے تعلق سے کہا کہ:

''میرا عقیدہ ہے کہ اگر قرآن کریم نازل نہ ہوا ہوتا، تو ابوالکلام کی نثر اس کے لیے منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم، میرے نزدیک ابوالکلام اور اقبال حقیقی معنوں میں فوق البشر ہیں''۔

مولانا غلام رسول مہر، جو خود بھی برصغیر کے جلیل القدر صحافی تھے، اپنے مضمون ''نادرۂ روزگار شخصیت'' میں لکھا:

''الہلال کے دورِ اول ہی میں دنیا نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ علم وفضل میں ایسا آدمی صدیوں میں نہیں پیدا ہوا''۔

پنجاب کے مشہور ریڈیائی ڈرامہ نگار رفیع انور نے کہا:

''ان کے رشحاتِ قلم پر سینکڑوں اسپنسر اور ہزاروں میکالے بے دریغ نچھاور کیے جا سکتے ہیں''۔

مولانا محمد علی جوہر، جو خود بھی انگریزی و اردو؛ ہر دو زبان کے عظیم صحافی تھے، کہا کرتے:

''میں نے لیڈری ابوالکلام کی نثر اور اقبال کی شاعری سے سیکھی ہے''۔

مولانا حسرت موہانی نے الہلال ہی کی نثر سے متاثر ہو کر کہا تھا۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں وہ مزا نہ رہا

علامہ سید سلیمان ندوی علامہ شبلی نعمانی کا یہ قول نقل کرتے کہ:

''میں ایجاز کا بادشاہ ہوں اور ابوالکلام اطناب کا بادشاہ ہے''۔

---

(۱) شورش کاشمیری (آغا) ابوالکلام آزاد: سوانح و افکار، ص:۴۱۱، ط: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، اردو بازار لاہور ۲۰۰۹ء۔

آغا شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ ۱۹۴۶ء کی ایک مجلس میں مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے الہلال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''الہلال اُس زمانے کے مسلمانوں کی دینی خواہشوں اور سیاسی آرزوؤں کا آئینہ تھا، ابوالکلام نے اس کو صورِ اسرافیل بنادیا، اخبار تو اب بھی ہیں؛ لیکن ایڈیٹروں میں کوئی ابوالکلام نہیں، بادل ہیں، رعد نہیں''۔

اور اردو کے رفیع المرتبت صحافی، انقلابی شاعر اور مجاہدِ آزادی مولانا ظفر علی خاں نے ایک دفعہ مولانا آزاد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اردو ادب ''الہلال'' کی اداؤں سے بالا بلند ہوگیا، دینِ قیم کے چہرے پر اس کی صداؤں سے رونق آگئی اور سیاست کا بازار اس کے ولولوں سے معمور ہوگیا، الہلال قرنِ اول کی آواز تھا''۔(۱)

جہادِ آزادی کے عظیم رہنما تحریکِ خلافت کے روحِ رواں اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۹ء-۱۹۳۱ء) کا نام بھی ہندوستان کی صحافتی تاریخ میں رخشندہ وتابندہ ہے، مولانا نے یکم جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتہ سے انگریزی اخبار ''کامریڈ'' نکالا، پھر جون ۱۹۱۳ء میں دہلی سے اردو جریدہ ''ہمدرد'' جاری کیا، مولانا کا وجود سامراجی حکومت کے لیے برقِ تپاں سے کم نہ تھا، وہ جہاں ہندوستان کے طول وعرض کے دوروں اور اپنی زلزلہ افگن تقریروں کے ذریعے برطانوی حکومت کے تار و پود بکھیرتے اور کاروانِ حریت کے جذبہ وہمت کو مہمیز کرتے، وہیں ان کا شرربار قلم بھی پیہم آگ اگلتا اور سامراجی خرمن کو خاکستر کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتا، ویسے تو مولانا ''کامریڈ'' و''ہمدرد'' دونوں میں لکھتے تھے، مگر ''کامریڈ'' انگریزی انشاپردازی پر ان کی غیر معمولی قدرت کا عظیم الشان شاہ کار تھا۔

۴/اگست ۱۹۱۴ء کو جب پہلی عالم گیر جنگ شروع ہوئی، تو ایک طرف جرمنی، ہنگری اور آسٹریا تھے اور دوسری طرف روس، انگلستان اور فرانس، جنگ کے آغاز کے دو مہینے بعد ترکی حکومت بھی جرمنی کی حلیف کی حیثیت سے شامل ہوگئی، اسی زمانے میں لندن کے ایک اخبار ''ٹائمس'' نے (Choice Of The Turks) کے زیرِ عنوان مضمون میں ترکوں کو یہ مشورہ

---

(۱) ابوالکلام آزاد: سوانح وافکار ص ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵ متفرقاً۔

دیا کہ وہ اس جنگ میں انگلستان کے حلیف بن جائیں، اس کے جواب میں مولانا نے ایک لمبا چوڑا مضمون لکھا اور ترکوں کو اپنے انتخاب میں معذور قرار دیا'' کامریڈ'' میں شائع ہونے والا یہ مضمون مولانا کی انگریزی انشا پردازی، قوتِ استدلال اور اسلوب کی عمدگی کے حوالے سے اس قدر اعلیٰ تھا کہ خود لندن کے کئی اخبارات نے جی کھول کر اس کی تعریف وتوصیف کی، مگر ہندوستان کی برٹش حکومت بوکھلا گئی اور مولانا کو چھندواڑہ میں نظر بند کر دیا گیا، مولانا کی نظر بندی کے ساتھ ہی'' کامریڈ''و''ہمدرد'' کی اشاعت بھی بند ہوگئی۔

دسمبر ۱۹۱۹ء کو مولانا کی رہائی ہوئی، مگر پھر ستمبر ۱۹۲۱ء میں کراچی کے خلافت کے اجلاس کو جاں بازانہ خطاب کرنے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا اور کراچی کا مشہور مقدمہ چلایا گیا، اس مقدمے کے ماخوذین میں مولانا محمد علی کے علاوہ ان کے برادر بزرگ مولانا شوکت علی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا نثار احمد کانپوری، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور پیر غلام مجدد صاحب بھی تھے، اب کی دفعہ ۱۹۲۳ء کی ستمبر کو رہائی ہوئی اور ۳۱/ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو'' کامریڈ'' جب کہ ۹/ نومبر ۱۹۲۴ء کو''ہمدرد'' کا نقشِ ثانی جلوہ گر ہوا، مگر مالی خستہ حالی نے جلد ہی دونوں پرچوں کو مرحوم کر دیا ،۲۲/ جنوری ۱۹۲۶ء کا شمارہ'' کامریڈ'' کا آخری شمارہ ثابت ہوا اور ۲۹/ اپریل ۱۹۲۹ء کو''ہمدرد'' کا خاتمہ ہوگیا۔(۱)

اگر حساب لگایا جائے، تو''الہلال''و''البلاغ'' کی طرح'' کامریڈ''و''ہمدرد'' کی مدتِ اشاعت بھی نہایت ہی قلیل ہے،'' کامریڈ'' کی مجموعی عمر چھ سال اور''ہمدرد'' کی بھی تقریباً اتنی ہی بنتی ہے؛ لیکن اگر ان دونوں بالخصوص کامریڈ کے اثرات کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی بیشتر حکومت مخالف سرگرمیوں میں اس کے پیام ودعوت کا غیر معمولی اثر رہا۔

مولانا دریابادی نے'' کامریڈ'' کی انقلاب انگیز تحریروں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''محمد علی کا اصل جوہر تحریر اردو کا نہیں، انگریزی کا تھا، ساتھ ہی قوتِ استدلال غضب کی، بیان کی دل آویزی، زبان کی شگفتگی، دلائل کی قوت، بحث کے اطراف وجوانب کی جامعیت؛ سب ملا کر عجب سماں پیدا کر دیتے!''۔(۲)

---

(۱) عبدالماجد دریابادی (مولانا)، محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق، ط: صدق فاؤنڈیشن، لکھنؤ ۲۰۰۵ء۔

(۲) محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق، ص:۱۹۴۔

آغا شورش کاشمیری نے بھی مولانا کی اصل تحریری عظمت کا نشان ''کامریڈ'' ہی کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

''ان کی عظمت کا باعث کامریڈ تھا، جس کے لیے خود وائسرائے بھی مضطرب رہتا اور ہر ہفتہ بالاستیعاب پڑھتا تھا، برنارڈ شا نے محمد علی کی موت پر کہا تھا کہ: ''ان کا قلم میکالے کا، ان کی زبان برک کی اور ان کا دل نپولین کا تھا''، کامریڈ نے ہندوستان کے انگریزی پڑھے لکھے مسلمانوں کو کس حد تک متاثر کیا، اس کا اندازہ یوپی کے ان انگریزی خواندہ مسلمانوں سے ہوسکتا ہے، جو تحریکِ خلافت میں شامل ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو لبیک کہا''۔(۱)

''کامریڈ''، ''ہمدرد'' اور ''الہلال''، ''البلاغ'' کے معاصر اخبار ''زمیندار'' کی بھی تحریکِ آزادی میں قابلِ قدر قربانیاں اور کارنامے ہیں، جن کے ذکر واعتراف کے بغیر اس دور کی صحافتی؛ بلکہ آزادی کی تاریخ بھی ناتمام سمجھی جائے گی، ''زمیندار'' کا اجرا مولوی سراج الدین نے کرم آباد پنجاب سے کیا تھا اور یہ ہفت روزہ تھا، ۱۹۱۰ء میں ان کے صاحب زادے مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۰ء-۱۹۵۶ء) نے اس کی ادارت سنبھالی، مئی ۱۹۱۱ء کو مولانا کرم آباد سے لاہور آ گئے اور ''زمیندار'' وہیں منتقل ہوگیا، مولانا ظفر علی خاں کو ''زمیندار'' کے لاہور منتقل کرنے کا مشورہ علامہ اقبال نے دیا تھا۔(۲)

اکتوبر ۱۹۱۱ء سے ''زمیندار'' روز نامہ ہوگیا اور پھر تو اس اخبار نے قربانی، جاں سپاری، حق گوئی اور جرأت و بے باکی کی نئی کائنات بسائی، ''زمیندار'' کے صفحات پر مولانا ظفر علی خاں کا قلم کیا چلتا تھا، گویا میدانِ کارزار میں ایک مجاہد کی تیغ زنی ہوتی اور برطانوی سروں کی پکی ہوئی فصلیں کاٹی جاتی تھیں، مولانا کو اس راہ میں زندگی کے تقریباً پندرہ سال پسِ دیوارِ زنداں کاٹنے پڑے اور لاکھوں روپے جرمانہ دینے پڑے، مگر کوئی سی تعذیب یا ترہیب انہیں لغزیدہ پائی کا شکار نہ کرسکی، ہر سزا کے بعد ان کے پائے استقامت میں مزید توانائی آئی اور ہر حادثے کے بعد ان کا جذبۂ حریت اور فراواں و فروزاں ہوتا گیا؛ کیوں کہ اُن کا تو مسلک یہ تھا کہ

تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب
ہوتا ہے ذوقِ جرم سوایاں سزا کے بعد

''زمیندار'' کا ایک اور قابلِ رشک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے اردو صحافت کو بڑے بڑے قلم کش اور ایڈیٹروں سے فیض یاب کیا، مولانا غلام رسول مہر یہیں پروان چڑھے، مولانا عبدالمجید

---

(۱) ابوالکلام آزاد: سوانح وافکار ص: ۴۵۵۔

(۲) عبداللہ چغتائی، روایاتِ اقبال، ص: ۹۷، ط: اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۹ء۔

سالک کے قلم کا جوہر ''زمیندار'' ہی میں کھلا اور آغا شورش کاشمیری کے شعر و ادب اور صحافت وخطابت کا سارا سرمایہ تو ''زمیندار'' ہی کا منت کش ہے، ''زمیندار'' کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی تھا کہ اس نے پنجاب جیسے اردو کے لیے نامانوس علاقے میں اس کی ایک منفرد شناخت قائم کردی اور ہر وہ شخص، جو ''زمیندار'' کا مطالعہ کرتا تھا، اردو زبان وادب کا رمز شناس ہوگیا، ماہر القادری نے بجا طور پر مولانا ظفر علی خاں کو اردو ادب وصحافت میں ''امامت'' کا درجہ دیا ہے۔(۱)

''زمیندار'' اور اس کے ہمہ گیر اثرات کے تعلق سے آغا شورش کاشمیری کی یہ تحریر بڑی حقیقت افروز ہے کہ:

''زمیندار'' ملک کے ویرانے میں نعرۂ رستخیز تھا، اس نے مسلمانوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ پنجاب، جو قلعۂ استعمار تھا، ایک انقلابی آواز سے پہلی دفعہ آشنا ہوا اور مسلمان، جو برطانوی حکومت ہی کے ہو کے رہ گئے تھے، ان کی صفوں میں استعمار کے خلاف ہلچل پیدا ہوئی، ''زمیندار'' نے خیبر سے دہلی تک ان تمام بتوں کو پاش پاش کیا اور ان کے تقدس کو ہدفِ قلم بنایا، جو برطانوی عمل داری کے ''زلّہ ربا'' اور مسلمانوں کے آقائے ولیِ نعمت کہلاتے تھے، پنجاب ''کاسہ لیس خاندانوں'' کی نگری اور ان کے تابع عوام کا خطہ تھا، مولانا ظفر علی خاں نے ''زمیندار'' کے محاذ سے ان پر وہ تابڑ توڑ حملے کیے کہ ان کا پتہ پانی ہوگیا اور وہ چلاّ چلاّ کر سر مائیکل اڈوائر کو عرض داشتیں بھیجتے تھے کہ ''زمیندار'' کا احتساب کیا جائے اور انھیں اس سے بچایا جائے، اُس کی ہمہ گیری سے حکومت کی خوف زدگی کا یہ عالم تھا کہ ''زمیندار'' اسلامی ہندوستان میں پہلا اخبار تھا، جس سے ضمانت ضبطی اور ضمانت طلبی کا آغاز ہوا، جس کے مطابع ضبط کیے گئے، جس کے اکثر ایڈیٹر قید ہوتے رہے اور جسے کئی دفعہ تعطل و تنسیخ کی مدتیں گذارنا پڑیں، ''زمیندار'' کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اُس نے ملک کے لیے نامور ایڈیٹر پیدا کیے؛ اس لحاظ سے وہ صحافت کا سب سے بڑا دبستان تھا، ''زمیندار'' نے کئی تحریکیں اٹھائیں، کئی جماعتیں پیدا کیں اور مسلمانوں کو نہ صرف جری راہ نماؤں کی جماعت دی؛ بلکہ بے شمار ایسے سیاسی کارکن پیدا کیے، جو برِ عظیم کی آزادی کے آخری مرحلے تک کانگریس، مسلم لیگ، مجلسِ احرار، اور جمعیت علماے ہند کی روحِ رواں رہے''۔(۲)

''الہلال'' و ''کامریڈ'' کے بالمقابل ''زمیندار'' نے بڑی طویل عمر پائی اور برصغیر کی آزادی کے بعد تک اپنی اسی مجاہدانہ تب وتاب اور جرأت مندانہ خو کے ساتھ جاری رہا۔

آزادی کے بعد ہندوستان کی اخباری صحافت:

آزادی کے بعد ہندستان میں اخباری صحافت نے غیر متوقع طور پر حیرت ناک ترقی

---

(۱) ماہر القادری، یادِ رفتگاں، ج: اول، ص: ۴۰۵، ط: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ۲۰۰۳ء۔

(۲) ابوالکلام آزاد: سوانح وافکار، ص: ۴۵۵۔

حاصل کی ہے، پانچویں دہائی کے بعد برقی صحافت کی تیز تر حصول یابیوں اور نئے نئے نیوز چینلز کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو دیکھتے ہوئے لوگوں کے ذہن ودماغ میں یہ اندیشہ گھر کرنے لگا تھا کہ الیکٹرانک میڈیا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور نیوز چینلوں کی بہتات پرنٹ میڈیا کی ریڑھ مار دے گی اور اخباری صحافت پس منظر میں چلی جائے گی، مگر حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور لوگوں نے دیکھا کہ جہاں نئے نئے خبر رساں چینلوں کو شائقین وناظرین کی ایک بڑی تعداد حاصل ہے، وہیں اخباری صحافت بھی موضوعات کے تنوع، مشمولات کی رنگارنگی اور جاذبیت ودل کشی کے گوناگوں اسباب اختیار کر کے قارئین کی معتد بہ تعداد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔

فی الوقت ہندوستان میں مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے صرف روزنامہ اخبارات ہزاروں میں ہیں ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہانہ رسائل واخبارات ان پر مستزاد ہیں، آر، این، آئی کی شائع شدہ رپورٹ کے مطابق سال ۱۱-۲۰۱۰ میں شائع ہونے والے اخباروں میں ہندی روزنامے سب سے آگے ہیں، پورے ملک میں ان کی کل تعداد سات ہزار نوسودس (۷۹۱۰) ہے اوران کا مجموعی سرکولیشن پندرہ کروڑ، چون لاکھ، چورانوے ہزار، سات سوستر (۱۵،۵۴،۹۴،۷۷۰) ہے، دوسرے نمبر پر انگریزی کے اخبارات ہیں، جن کی کل تعداد چودہ سو چھ (۱۴۰۶) ہے اوران کا مجموعی سرکولیشن پانچ کروڑ ترپین لاکھ، سترہ ہزار ایک سو چوراسی (۵،۵۳،۱۷،۱۸۴) ہے، تیسرے نمبر پر اردو کے اخبارات ہیں، جن کی تعداد نوسو چودہ (۹۱۴) ہے اوران کا مجموعی سرکولیشن دوکروڑ، سولہ لاکھ ،انتالیس ہزار، دوسوتیس (۲،۱۶،۳۹،۲۳۰) ہے چوتھے نمبر پر گجراتی (۷۶۱) پانچویں نمبر پر تیلگو (۶۰۳) چھٹے نمبر پر مراٹھی (۵۲۱) اور ساتویں نمبر پر بنگالی اخبارات (۴۷۲) ہیں۔(۱)

غیر اردو اخباروں میں دینک جاگرن (ہندی) دینک بھاسکر (ہندی) امراجالا (ہندی) ہندوستان (ہندی) نوبھارت ٹائمز (ہندی) دی ہندو (انگریزی) ٹائمز آف انڈیا (انگریزی) ہندوستان ٹائمز (انگریزی) اور انڈین ایکسپریس (انگریزی) ملکی سطح کی شہرت ومقبولیت رکھتے ہیں اوران میں سے بیش تر کئی کئی مقامات سے شائع ہوتے ہیں۔

اردو کے مشہور ومقبول اخباروں میں سہارا گروپ کا راشٹریہ سہارا اپنی ٹھوس اور دیانت دارانہ پالیسی کی وجہ سے اول نمبر پر ہے، بہ یک وقت دس شہروں سے شائع ہونے والے اس اخبار نے جس جرأت مندی اور بے جگری کے ساتھ ملک کی فسطائی طاقتوں کے سیاہ کارناموں اورانسانیت سوز حر

---

(۱) ماہ نامہ اردو دنیا، نئی دہلی، فروری، ۲۰۱۲ء۔

کتوں کو طشت از بام کیا ہے، وہ بس اسی کا حصہ ہے، گجرات کے مظالم ہوں، ممبئی دہشت گردانہ حملہ ہو یا بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر؛ ان سب معاملوں میں تمام معاصر اردو اخبارات سے زیادہ اس نے صدائے احتجاج بلند کی ہے اور اس کی آواز کافی حد تک مؤثر بھی ثابت ہوئی ہے، دوسرے نمبر پر اردو کا موجودہ سب سے پرانا اخبار ''انقلاب'' ہے، ۱۹۳۸ء سے شائع ہونے والے اس اخبار کی اپنی علیحدہ شناخت ہے، مضامین کے تنوع، عالمی وملکی سطح کی خبروں کے عمدہ انتخاب اور دینی وادبی موضوعات پر خصوصی گوشوں کی اشاعت میں یہ اخبار ممتاز سمجھا تا ہے، ۲۰۱۱ء میں گو اس اخبار کو جاگرن گروپ نے خرید لیا ہے، مگر پھر بھی اس کا اپنا معیار وموقف برقرار ہے؛ بلکہ اس سے مزید فائدہ یہ ہوا کہ ممبئی کے ساتھ ساتھ اس اخبار کے دہلی، لکھنؤ، میرٹھ، کان پور، گورکھپور، الہ آباد، وارانسی، بریلی، مرادآباد، میرٹھ، آگرہ اور علی گڑھ ایڈیشن بھی شروع کیے گئے ہیں اور اس کے قارئین کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہوتا جا رہا ہے، جالندھر سے شائع ہونے والا ''ہند سماچار'' بھی، جسے ۱۹۸۴ء میں لالہ جگت نارائن نے جاری کیا تھا، گذشتہ چند سال پہلے تک اردو کا سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار تھا اور اپنی بے لوث خدمات اور غیر جانب دارانہ رویے کی بنا پر کافی مقبول بھی تھا اور اب تو ویسے اس کا ڈھانچہ ہی بدل گیا ہے، مگر پھر بھی پنجاب، ہریانہ، ہماچل پردیش اور جموں وکشمیر میں اسے کچھ نہ کچھ اعتبار حاصل ہے، اردو کے دیگر اخباروں میں ''ہمارا سماج'' (دہلی، پٹنہ) ''ہندوستان ایکسپریس'' (دہلی) ''جدید میل'' (دہلی) ''جدید خبر'' (دہلی) ''سیکولر قیادت'' (دہلی) ''اخبارِ مشرق'' (کلکتہ، دہلی، رانچی) سیاسی تقدیر'' (دہلی) ''آزاد ہند'' (کلکتہ) ''اردو ٹائمز'' (ممبئی) ''منصف'' (حیدرآباد) ''سیاست'' (حیدرآباد) ''سالار'' (بنگلور) ''اردو ایکشن'' (بھوپال) ''ندیم'' (بھوپال) ''آگ'' (لکھنؤ) ''متاعِ آخرت'' (کانپور) ''قومی تنظیم'' (پٹنہ، رانچی، لکھنؤ) ''فاروقی تنظیم'' (رانچی) ''کشمیرِ عظمیٰ'' (کشمیر) ''آفتاب'' (سری نگر) ''عمارت'' (جموں) وغیرہ ہیں۔

اردو کے ہفت روزہ جرائد واخبارات کی بھی بڑی تعداد ہے، ان میں ''نئی دنیا'' (دہلی) ''الجمعیۃ'' (دہلی) ''چوتھی دنیا'' (دہلی) ''عالمی سہارا'' (دہلی) ''دی سنڈے انڈین'' (دہلی) ''خبردار جدید'' (دہلی) ''حقیقت'' (لکھنؤ) ''اکبری'' (دہلی) ''گواہ'' (حیدرآباد) ''نشیمن'' (بنگلور) ''نقیب'' (پٹنہ) چند مشہور اور قابلِ ذکر ہفتہ وار اخبارات ہیں، ان کے علاوہ اردو کے ماہ نامہ رسائل کی بھی لمبی فہرست ہے، ان میں بیشتر خالص ادبی نوعیت کے ہیں، کچھ سیاسی ہیں، کچھ طبی اور کچھ تجارتی طرز کے ہیں۔

دوسرا باب

اسلامی مدارس

صحافتی سیاق و سباق

اسلامی مدارس اور اردو زبان:

یہ ایک ایسا سچ ہے، جس کو نکارنے کی جرأت کوئی سر پھرا ہی کرسکتا ہے کہ اردو زبان کی ترویج واشاعت میں مدارس کا غیر معمولی رول رہا ہے، یہ مدارس ہی کی دَین ہے کہ اردو زبان ایک ننھی سی آب جو سے بحرِ ناپیدا کنار اور ایک چھوٹے سے پودے سے ایسے تناور درخت کی شکل اختیار کر چکی ہے، جس کی گھنیری چھاؤں کا دائرہ ایشیا کی سرحدوں سے گزر کر عالم عرب کے متعدد ملکوں، یورپ وامریکہ، افریقہ اور چین وجاپان تک وسیع ہو چکا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو زبان کی صرفی ونحوی ساختیات، اس زبان کے استعارات، تلمیحات، کنایات، مترادفات اور لفظیات میں نت نئے اضافے ان ہی مدرسوں کی دین ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اردو کا سب سے پہلا غزل گوشاعر ولی دکنی اور اردو شاعری کے کج کلاہ غالب، میر، مومن کسی رسمی یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ نہ تھے؛ بلکہ مدرسوں ہی کی خاک نے ان کو ذرے سے گہر بنایا تھا، اسی طرح اردو نثریات کی نابغہ ہستیاں، جن کی معجزانہ قلم رانیوں نے اردو زبان وادب کو الفاظ ومعانی کے تازہ بہ تازہ جہانوں سے روشناس کرایا، ان میں سے بیش تر ان ہی مدرسوں کے بوریہ نشین تھی۔

دارالعلوم دیوبند اور اردو زبان:

اردو زبان کے فروغ وتوسیع میں دیگر تمام عصری جامعات، اردو اداروں اور اکیڈمیوں؛ بلکہ دینی واسلامی مدارس ومراکز سے بھی دارالعلوم دیوبند کا حصہ زیادہ ہے، اس نے اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے تدریسی میڈیم اردو رکھا، حالاں کہ اس کے قیام کے چند سالوں بعد ہی سے ہندوستان کے غیر اردو علاقوں کے طلبہ سمیت ایشیا وافریقہ کے متعدد ممالک کے طلبہ کا بھی اس کی طرف غیر معمولی رجوع ہونے لگا تھا، اُنھیں ابتدا میں اردو زبان سے یکسر ناواقفیت کی بنا پر کچھ دشواریاں پیش آتیں، مگر وہ نصابی کتب میں استعداد بہم پہنچانے کی غرض سے اردو کو بھی نصابی مضمون ہی کی مانند پڑھتے اور اسے سیکھنے میں محنت کرتے، یہاں تک کہ وہ اردو پڑھنے اور سمجھنے ہی نہیں؛ بلکہ اس زبان میں بہترین مقالہ نگاری وخطابت پر بھی قادر ہو جاتے اور پھر دارالعلوم سے نکل کر اپنے اپنے خطوں میں جانے کے بعد اپنی قوم تک دیوبند کی دی ہوئی علمی، فکری وروحانی

امانتوں کو پہنچانے کے ساتھ اردو زبان کو بھی وہاں شناسائی عطا کرنے کی بھرپور کوششیں کرتے اور اس طرح جہاں اردو ہندوستان کے اردو کے لیے نامانوس خطوں میں معروف ومتعارف ہوتی گئی، وہیں ایشیا وافریقہ کے دیگر ممالک میں بھی پھیلتی گئی۔

اس حوالے سے اورینٹل کالج، لاہور کے پروفیسر اور اردو کے منفرد نقاد عبدالصمد صارم ازہری (فاضلِ دیوبند) کی یہ تحریر انتہائی حقیقت افروز ہے، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں چند اُن فضلاے دیوبند کی نشان دہی کرنے کے بعد، جنھوں نے اردو ادب وتنقید وصحافت میں نمایاں کارنامے انجام دیے، لکھا ہے:

”سب سے بڑی خدمت، جو دارالعلوم نے اردو ادب کی کی ہے اور جو بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، یہ ہے کہ اس نے برما، بنگال، دکن، رنگون، کابل، بخارا، ایران، سماٹرا، جاوا، کشمیر اور نہ جانے کہاں کہاں دور دراز مقامات تک اردو زبان کو پھیلا دیا۔

اس درس گاہ میں دور دور سے تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھانے آتے تھے، چوں کہ یہاں شروع سے اردو زبان ہی ذریعۂ تعلیم رہی ہے؛ لہٰذا وہ اردو سے شناسا ہو جاتے تھے، نہ صرف شناسا؛ بلکہ اردو کے بہترین مقرر اور خطیب بن جاتے تھے، بہت سے شاعر اور ادیب بھی بن جاتے تھے، بنگال کی شاید ہی کوئی مسجد ایسی ہو، جہاں دیوبند کا پڑھا ہوا امام نہ ہو، افغانستان و پشاور اور سرحد وغیرہ کے بہت سے فارغ التحصیل ہندوستان اور پاکستان وغیرہ میں بڑے مشہور مدرس ہوئے، خود دارالعلوم دیوبند میں مولانا رسول خاں صاحب ہزاروی منطق کے مدرس رہے، وہ اہلِ زبان علما کی طرح اردو نہایت صاف اور شستہ بولتے تھے، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا عزیر گل اور مولانا نافع گل وغیرہ دارالعلوم کے بڑے اساتذہ میں سے تھے اور ہندو پاک کے بیش تر مدارس میں افغانی، گجراتی، سرحدی، مدراسی اور برمی وغیرہ اساتذہ وخطیب ہوتے ہیں۔

ان علما کے بہت سے شاگردوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اردو اخبارات ورسائل کی ایڈیٹری، نگرانی یا سرپرستی کی اور بہت سے مصنف اور مضمون نگار پیدا کیے، پھر اگر ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے جرائد واخبارات وتصانیف وغیرہ سے کتنے لوگوں نے اردو سیکھی اور ان کی تقریروں سے کتنے عوام نے زبان سے آشنائی پیدا کی، تو یہ دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔“(۱)

اس حوالے سے ان واقعوں کا ذکر بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا، جنھیں دیوبند کے

---

(۱) عبدالصمد صارم ازہری، اردو کے فروغ میں دارالعلوم کا حصہ، مشمولہ: ماہ نامہ دارالعلوم، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۴ء۔

معروف مؤرخ وصحافی سید محبوب رضویؒ نے اپنی کتاب ''تاریخِ دیو بند'' کے صفحہ ۴۴۰ اور ''تاریخِ دار العلوم''، جلد اول کے صفحہ ۳۶۵-۳۶۶ کے حاشیے پر ذکر کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق:

''ایک صاحب جنھوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی، وہ دار العلوم دیو بند میں آئے تھے، وہ کہتے تھے کہ ''میں جب بخارا پہنچا، جو وسطِ ایشیا کا مشہور مقام ہے، تو وہاں ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی، جس نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہم دردانہ لہجے میں اردو میں مجھ سے گفتگو کی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اس قدر دور دراز اسے اتنی صاف اردو کیوں کر آئی ہوگی؟! میرے دریافت کرنے پر اس نے بتلایا:

''یہ دار العلوم دیو بند کا تعلیمی فیض ہے اور میں ہی نہیں؛ بلکہ یہاں کا علمی حلقہ بالعموم اردو بولتا اور سمجھتا ہے''۔

اس شخص نے نہایت اخلاق اور محبت سے مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شان دار پارٹی دی، جس کی یہ خصوصیت میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس میں جس نے بھی تقریر کی، وہ میری خاطر اردو میں کی''۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ ان کے دورۂ روس کے دوران پیش آیا، پنڈت نہرو کو تاشقند کے ہوائی اسٹیشن پر پر وہاں کے باشندوں کی طرف سے جو سپاس نامہ پیش کیا گیا، وہ اردو میں تھا، جسے وہاں کے ایک ازبک نے پڑھ کر سنایا، پنڈت نہرو نے سپاس نامہ کا جواب بھی اردو میں ہی دیا، جسے بیان کے مطابق حاضرین نے بہ خوبی سمجھا اور جواب کے دوران انھوں نے متعدد مرتبہ تالیاں بجائیں''۔

تحریکِ ریشمی رومال کے روحِ رواں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی نے جو ہندوستان کی آزادی کا ذہنی خاکہ مرتب کیا تھا اور اس میں رنگ بھرنے کے لیے اپنے جاں بہ کف شاگردوں اور نیاز کیشوں کے وفود جو مختلف ممالک میں بھیجے، اُن کے ذریعے نہ صرف ہندوستان کے لیے سامراجی حکومت سے استخلاص کی راہیں ہموار ہوئیں؛ بلکہ اُن وفود نے اردو زبان کو براعظم ایشیا سمیت افریقہ و یورپ تک رسائی بخشنے میں بھی کلیدی کردار ادا کیا، ان میں پہلا وفد دو ارکان (مولانا مقبول الرحمٰن سرحدی اور مولانا شوکت علی بنگالی) پر مشتمل تھا، جو چین بھیجا گیا تھا، ان دونوں نے مل کر شنگھائی کی سیرت کمیٹی کے تحت اپنی سرگرمیاں شروع کیں اور وہیں سے انھوں نے اردو اور چینی زبان میں ایک ماہانہ رسالہ ''العین'' جاری کیا، جو ۱۹۰۹ء تک مسلسل شائع

ہوتا رہا،اس کے بعد وہ دونوں اپنے استاذ کی ہدایت پر رسالہ بند کر کے برما چلے گئے تھے(۱) یہ رسالہ نہ صرف چین میں اردو صحافت کا نقش اولیں ہے؛ بلکہ چین کی حدود میں اردو زبان کا سب سے پہلا ''تعارف نامہ'' بھی ہے۔

حضرت شیخ الہند نے دوسرے مشن کا رہنما مولانا برکت اللہ بھوپالی (جو اس وقت امریکہ میں مقیم اور دینی علمی وصحافتی خدمات میں مصروف تھے) کو بنایا اور ان کے ساتھ پانچ دیگر ارکان کو شامل کر کے انھیں جاپان بھیجا، مولانا بھوپالی کی صلاحیتیں بے پناہ تھیں،جن سے جاپان کا علمی حلقہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور ان کوٹوکیو یونیورسٹی کے شعبۂ اورینٹل لینگوئجز میں اردو کا پروفیسر مقرر کرلیا گیا، مولانا اس کے فوراً بعد اپنی سرگرمیوں میں منہمک ہو گئے،اسلامک فریٹرنیٹی (The Islamic Fraternity) کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اسی نام سے ایک اخبار جاری کیا، جو انگریزی اور جاپانی کے علاوہ اردو میں بھی شائع ہونے لگا، یہ اخبار بہت جلد مقبولیت کی انتہائی منزلوں تک پہنچ گیا اور اس کی کاپیاں مشرقِ بعید، جزائرِ شرق الہند انڈوچائنا ، برما، سنگاپور، کولمبو اور ہندوستان تک پہنچنے لگیں،مولانا نے اپنی پوری جماعت کے ساتھ مل کر زبردست اور انقلاب آفریں تحریریں لکھیں اور اس اخبار کے ذریعے برطانوی حکومت کی خوب خبر لی، نتیجتاً برطانوی قونصل جنرل (جو ٹوکیو میں ہی مقیم تھا) کے زبردست احتجاج کی بنا پر مولانا بھوپالی کو یونیورسٹی کی ملازمت سے برطرف کردیا گیا،البتہ یہ اخبار ۱۹۱۱ء تک جاری رہا۔

تیسرا مشن فرانس روانہ کیا گیا اور اس کی قیادت چودھری رحمت علی کے سپرد کی گئی،اس وفد نے بھی فرانس پہنچتے ہی اپنی سرگرمیوں کا آغاز کردیا اور اپنے افکار وخیالات کے اظہار کے لیے میڈیا کا سہارا لیتے ہوئے''الانقلاب'' نامی اخبار جاری کیا،بعد میں حضرت شیخ الہند کی ہدایت پر مولانا برکت اللہ بھوپالی بھی فرانس آگئے تھے،یہ اخبار تقریباً تین سال جاری رہا۔(۲)

ایک اور مشن، جسے افغانستان روانہ کیا گیا تھا،اس کے سربراہ مولانا عبیداللہ سندھی تھے ،

---

(۱)ضمیر نیازی،صحافت پابندِ سلاسل،مترجم :اجمل کمال،ص:۳۴۸،ط:پاکستان اسٹڈی سینٹر،جامعہ کراچی،۲۰۰۴ء۔

(۲)محمد یوسف رحمت اللہ،مولانا برکت اللہ بھوپالی،ص:۱۶-۱۸،ط:ٹیپو سلطان ریسرچ سینٹر،حیدرآباد ۱۹۹۹ء۔

انھوں نے آزادیِ ہند کے لیے مختلف انقلابی کارروائیاں سرانجام دینے کے ساتھ اُس وقت کی افغان گورنمنٹ کے زیرِ انتظام ایک ہندوستانی اردو یونیورسٹی کے قیام میں بھی محرکِ اول کا رول ادا کیا، یہ ادارہ قائم بھی ہوا اور اس کا ذریعۂ تعلیم اردو قرار پائی، اس وقت اس کا نام ''مدرسۂ سلطانی'' تجویز ہوا، بعد میں ''کابل یونیورسٹی'' سے اس کی شہرت ہوئی، اس یونیورسٹی کے اولیں سربراہ بھی دارالعلوم ہی کے فاضل اور افغانستان میں انقلابی تحریکوں کے روحِ رواں مولانا حاجی عبدالرزاق پشاوری تھے، رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

''مُلّائے حضور، امیر (حبیب اللہ خان) کے دربار کا بڑا ملا، مدرسۂ سلطانی یعنی کابل یونیورسٹی کا سربراہ، جس میں وہ فلکیات پر لکچر دیتا ہے، دیوبند میں تعلیم پائی...... برطانیہ کے سخت خلاف ہے، کچھ عرصے تک سردار عنایت اللہ خان کا اتالیق رہا...... کابل میں ہندوستان کی انقلابی پارٹی کا پشت پناہ ہے، سرحد پار جتنی بھی متعصبانہ کارروائیاں ہوتی ہیں، ان سب کی ڈور یہی شخص ہلاتا ہے'' (۱)

دارالعلوم کے غیر اردو ممالک کے فضلا نے بھی زبانِ اردو کو فروغ دینے کے حوالے سے اہم کارنامے انجام دیے، وہ جب دارالعلوم سے اردو سیکھ کر اپنے وطن گئے، تو اُنھوں نے اردو زبان میں متعدد رسائل واخبارات جاری کیے، ستر کی دہائی میں کینیا کے صدر مقام 'نیروبی' سے ایک روزانہ اخبار ''آبزرور'' کے نام سے دارالعلوم ہی کے فاضل نے جاری کیا تھا، اس کے علاوہ رنگون (برما) سے بھی کئی ایک رسالے اور اخبار اُنھوں نے نکالے۔

پھر اس کے فضلا نے صرف عملی طور پر ہی اردو کو فروغ نہیں دیا؛ بلکہ نظریاتی اور فکری اعتبار سے بھی اسے کمک پہنچائی اور اسے سیکھنے اور پھیلانے کو مذہبی فریضے کا درجہ دے دیا؛ چناں چہ بیسویں صدی کے مجدد، کثیر التصانیف عالمِ دین اور دیوبند کے مایۂ صد افتخار فاضل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا:

''جس طرح فارسی زبان کو عربی کے ساتھ مناسبت ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اور چوں کہ اس فضیلت کا اثر احکامِ دینیہ میں بھی ظاہر ہو چکا ہے؛ اس لیے وہ فضیلتِ دینیہ ہے، اسی

---

(۱) سید محمد میاں (مولانا)، تحریکِ ریشمی رومال، ص: ۳۷۳-۳۷۴، ط: مکتبہ جاوید، دیوبند ۲۰۰۲ء، سید محبوب رضوی، تاریخِ دارالعلوم دیوبند، جلد: دوم، ص: ۸۸، حقانی القاسمی، دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص: ۴۹، ط: آل انڈیا تنظیم علمائے حق، دہلی ۲۰۰۶ء۔

طرح بلاشبہ اردو کو بھی عربی اور فارسی کے ساتھ قوی مناسبت ہونے کی وجہ سے فضیلتِ دینیہ حاصل ہے؛ بلکہ فارسی کو تو عربی سے صرف مشابہت ہی کی مناسبت ہے اور اردو کو فارسی اور عربی سے جزئیت کی مناسبت ہے، جیسا کہ ظاہر ہے کہ اردو میں کثرت سے فارسی اور عربی کے الفاظِ مفردہ استعمال ہوئے ہیں؛ بلکہ بہت سے جملے تو ایسے ہوتے ہیں کہ روابط ''کا'' اور'' کی'' اور'' ہے'' اور ''نہیں'' کے سوا پورا مادہ فارسی اور عربی ہی کا ہوتا ہے۔

دوسری فضیلت اس میں یہ ہے کہ علومِ دینیہ کا اس زبان میں غیر محدود ذخیرہ ہے، جس کو علما و مشائخ نے صدیوں کی مشقت اور اہتمام سے جمع فرمایا ہے، خدانخواستہ اگر یہ زبان ضائع ہوگئی، تو یہ تمام ذخیرہ ضائع ہوجائے گا، بالخصوص عوامِ مسلمین کے لیے تو علمِ دین کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہے گا؛ کیوں کہ ان کا استفادہ عربی نہ جاننے کی وجہ سے اسی پر موقوف ہے، کیا کوئی مسلمان اس کو گوارہ کرسکتا ہے؟

تیسری فضیلت اس (اردو زبان) کا سلیس ہونا ہے، اسی تیسُّر کو آیاتِ قرآنیہ میں موضعِ امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کما قال تعالیٰ ''فانما یسرناه بلسانک'' واشباهه''۔

اردو زبان کی فضیلتوں کے بیان اور اُن کے اثبات کے بعد آپ نے بہ صراحت ووضاحت فرمایا کہ:

> ''اِس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے؛ اسی بنا پر یہ حفاظت حسبِ استطاعت واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجبِ مؤاخذہ ہوگا''۔(۱)

اسی طرح خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ، جو ایک زمانے تک اردو زبان سے بہت حد تک متوحش رہے اور ان کا خیال تھا کہ اس زبان میں کوئی علمی ذخیرہ نہیں پایا جاتا، مگر جب انھوں نے حضرت تھانویؒ کی معرکہ آرا تفسیر ''بیان القرآن'' دیکھی، تو ان کا نقطۂ نگاہ بدل گیا اور وہ اردو زبان کے باثروت ہونے کے قائل ہوگئے اور انھوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ اگر ہندوستان میں دین کی خدمت انجام دینی ہے، تو اردو زبان میں دست گاہ پیدا کرو۔(۲)

پھر ان کے شاگردوں میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ نے بھی موقع بہ موقع اپنی تقریروں میں بھی اور تحریروں

---

(۱) البدائع، ص: ۱۵۔

(۲) سید انظر شاہ کشمیری (مولانا)، نقشِ دوام، ص: ۲۶۹، ط: شاہ اکیڈمی، دیوبند ۱۹۹۶ء۔

کے ذریعے بھی زبانِ اردو کی ترویج اور اسے فروغ دینے کو شرعی و عقلی دلائل کی روشنی میں لازم قرار دیا اور ان کی ایک بڑی تعداد اس حوالے سے ملکی و عالمی سطح پر ہر دور میں عملی جدوجہد میں بھی مصروف رہی۔(۱)

آج تقریباً اہلِ علم ودانش کا ہر طبقہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگا ہے کہ اردو کو ملکی حدود سے گزار کر بین اقوامی سطح پر فروغ وعروج بخشنے میں دارالعلوم دیوبند اور اس کی ایک شاخ ''تبلیغی تحریک'' کا سب سے نمایاں اور اہم کردار ہے۔

اسلامی مدارس اور اردو صحافت:

اردو صحافت کے فروغ اور اس کی ترویج وترقی میں بھی مدارس کا کردار انتہائی روشن ہے، البتہ شروع سے لے کر اب تک مدرسوں کی صحافت کا عمومی ارتکاز مذہبی امور پر رہا ہے، جو خاص طور سے اِس وقت کے مغرب کے متعصب میڈیا کے تیزی سے پھیلتے منفی اثرات کے ازالے اور پوری مشرقی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہوئی اس کی زہرناکی سے نمٹنے کے لیے حد درجہ ضروری بھی ہے؛ کیوں کہ آج جو عالم اسلام پوری طرح مغرب کی تہذیبی وثقافتی یلغار کی زد میں ہے اور اسلامیانِ عالم کے دلوں سے روحِ محمدی کو نکال دینے کے لیے جو نت نئے حربے اپنائے جارہے ہیں، ان میں مؤثر ترین اور سریع الاثر حربے کی حیثیت مغربی میڈیا کو حاصل ہے؛ اسی وجہ سے مدارس کی صحافت میں عموماً اسلامی اقدار وروایات اور اخلاق واطوار کی تعلیم، احکام ونواہیِ شرعیہ کی وضاحت، قرآنی آیات کی تشریح وتوضیح اور احادیثِ نبویہ کی تفہیم کے اہتمام کے ساتھ آئے دن مسلمانوں کو پیش آنے والے سلگتے مسائل سے روشناس کرانے اور پھر ان سے عہدہ برآ ہونے کے قرآنی واسلامی نسخوں کی تجویز پر زور دیا جاتا ہے، ویسے اب متعدد اداروں سے شائع ہونے والے رسائل ومجلّات میں عالمی وملکی سطح کے سیاسی مسائل اور دیگر عصری موضوعات پر بھی انتہائی

(۱) مولانا اکبرآبادی کی اس نوعیت کی تحریروں کے لیے، اُن کے رسالہ ''برہان'' کی فائلوں، حکیم الاسلام کی تحریروں کے لیے ان کی مستقل تصنیف ''اردو زبان کا مسئلہ'' اور مجاہدِ ملت کی اُس تقریر کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے، جو اُنھوں نے اردو زبان کے مسئلے پر انتہائی مفصل اور مبرہن انداز میں پارلیمنٹ میں کی تھی، یہ تقریر ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کی مرتب کردہ کتاب ''مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: ایک سیاسی مطالعہ''، ص: ۳۸۹-۴۰۷، مطبوعہ فرید بک ڈپو ۲۰۱۱ء پر موجود ہے۔

بصیرت مندانہ تجزیے نظر آنے لگے ہیں، جن سے فضلاے مدارس کی عصری آگہی اوران کے فکری افق کی وسعت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح ہندستان کی اخباری صحافت میں بھی فضلاے مدارس کی اچھی خاصی تعداد نظر آرہی ہے، جن کی وجہ سے ایک طرف تو بہت حد تک اردو صحافت ''زعفرانی اثرات'' سے محفوظ نظر آنے لگی ہے، حالات وواقعات سے بعینہ واقفیت حاصل ہونے کی راہیں آسان ہوئی ہیں، تقریباً ہر مسئلے پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے غور کرنے اوراس کا اسلامی حل پیش کرنے کی خوش گوار فضا قائم ہوئی ہے اور دوسری طرف نام نہاد صحافیوں کی لسانی ''فحش کاریوں''اور فکری انحرافات سے بھی بہت حد تک چھٹکارا ملا ہے، فضلاے مدارس کا میڈیا کی طرف بڑھتا ہوا رجحان وقت کی اہم ضرورت؛ بلکہ عصرِ حاضر میں ایک اہم ''دینی فریضے'' کوانجام دینے کی طرف پیش رفت اور ماضی کی روایت سے حال کو ہم آہنگ کرنے کی عمدہ کوشش ہے؛ کیوں کہ ماضی میں بھی جہاں خود مدرسوں نے اسلامی اور مذہبی صحافت کی ترویج کے لیے رسائل ومجلّات نکالے ہیں، وہیں ان سے نکلنے والے ایسے فضلا کی بھی ایک لمبی تعداد رہی (جن میں سے بہت سوں کا تذکرہ آیندہ آئے گا) جنھوں نے اخباری صحافت میں بڑا نام کمایا، اسلامی افکار وتعلیمات کی تبلیغ کی، معاصر مسائل کے حل کرنے کے قابلِ قدر جتن کیے، اپنے قلم کی تیغ رانی سے باطل کی پنپتی ہوئی قوتوں کو دھول چٹادی اور اردو زبان وادب کو نوبہ نو اداؤں سے بہرہ ور کیا ہے۔

مذہبی صحافت: آغاز اور پس منظر:

چوں کہ مدارس کے رسائل ومجلّات کا ارتکازی موضوع مذہب اور مذہبیات ہوتے ہیں؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مذہبی صحافت کے آغاز، اس کے ظاہری اسباب، پھر بہ تدریج ترقی کرنے کے مراحل کا تاریخی جائزہ لے لیا جائے، ہندوستان میں مذہبی صحافت کے آغاز کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر طاہر مسعود نے لکھا ہے کہ:

''آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم نے جب سندھ کو تسخیر کیا، تو اسلام اس خطے میں قدیم مذاہب کے درمیان ایک جدید اور روشن خیال مذہب کی حیثیت سے پھیلا، پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں واسکوڈی گاماں نے ہندوستان تک پہنچنے کا سمندری راستہ تلاش کرلیا، یہ واقعہ اس سرزمین پر عیسائیت کی تبلیغ کا باعث بنا، انیسویں صدی میں تینوں مذاہب، یعنی ہندومت، اسلام اور

عیسائیت ایک دوسرے کے حریف بن کر سامنے آئے؛ چناں چہ یہ صدی ان کی باہمی کش مکش اور تصادم سے عبارت ہے اور اس صدی کی مذہبی صحافت اسی مبارزت آرائی کا نتیجہ ہے، اردو صحافت میں مذہبی اخبارات کے اجرا کے رجحان نے عقائد کے ٹکراؤ سے جنم لیا''۔(۱)

ہندوستان میں مذہبی صحافت کا باضابطہ آغاز ویسے تو بیسویں صدی سے ہوا، مگر اس سے بھی بہت پہلے انیسویں صدی کی چوتھی دہائی سے لے کر اخیر تک ایسے متعدد رسائل جاری ہوئے، جن کا رنگ و آہنگ مذہبی تھا اور پیش قدمی عیسائی مشنریز کی طرف سے ہوئی تھی، اس دور میں شائع ہو نے والے بین المذاہب اخبارات ورسائل میں ڈاکٹر طاہر مسعود کے مطابق عیسائی رسائل میں ''خیر خواہِ ہند'' بنارس (۱۸۳۷ء) ''خیر خواہِ ہند'' مرزا پور (۱۸۳۷) ہفت روزہ ''مفید الانام'' فتح گڑھ (۱۸۶۰ء) پندرہ روزہ ''کوکب ہند'' لکھنؤ (۱۸۶۹ء) ہفت روزہ ''نور افشاں'' لدھیانہ (۱۸۷۳ء) ہفت روزہ ''وکیلِ ہندوستان'' امرتسر (۱۸۷۳ء) ہفت روزہ ''سفیر ہند'' امرتسر (۱۸۷۷ء) وہ مشہور رسالے ہیں، جو متحدہ ہندوستان میں عیسائی نظریات وافکار پھیلاتے اور مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کے عقائد ونظریات پر بھی چھینٹا کشی کرتے تھے، ان رسائل کے مسموم اثرات کے ازالے اور اسلامی معتقدات وتصورات کی پہرے داری کے لیے یکے بعد دیگرے کئی رسالے جاری ہوئے، ان میں ہفت روزہ ''خیر المواعظ'' دہلی (۱۸۶۸ء) دس روزہ ''منشورِ محمدی'' بنگلور (۱۸۷۲ء) ہفت روزہ ''مہرِ درخشاں'' دہلی (۱۸۷۴ء) پندرہ روزہ ''ضیاء الاسلام'' دہلی (۱۸۷۵ء) ماہنامہ ''اشاعۃ السنۃ'' لاہور (۱۸۷۸ء) ہفت روزہ ''شحنۂ ہند'' میرٹھ (۱۸۸۳ء) دس روزہ ''حامیِ اسلام'' دہلی (۱۸۸۳ء) ہفت روزہ ''اخبار الاخیار'' دہلی (۱۸۸۷ء) ہفت روزہ ''اخبارِ اسلام'' (۱۸۹۲ء) پندرہ روزہ ''نوائے اسلام'' سیالکوٹ (۱۸۹۸ء) قابلِ ذکر رسائل ہیں، ہندوؤں کی طرف سے بھی عیسائی مشنریز کی ہفوات کا جواب دینے کے لیے کئی میگزین جاری کیے گئے، ان میں مشہور صحافی راجہ موہن رائے کا ''برہمونکل میگزین'' خاصی اہمیت رکھتا ہے۔(۲)

ایک عرصے کے بعد ہندوستان کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں باہمی کشاکش بھی

---

(۱) اردو صحافت انیسویں صدی میں، ص: ۸۷۔

(۲) ایضاً ص: ۸۷۵-۹۰۱ ملخصاً۔

شروع ہوگئی؛ چناں چہ ہندوؤں میں برہموسماج اور آریہ سماج والے ایک دوسرے سے بھڑ گئے، اسی طرح مسلمانوں میں بھانت بھانت کے فرقے پیدا ہوئے، جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہمہ دم کوشاں رہتے، کبھی فریقِ مقابل کو مناظرے کا چیلنج کرتے، تو کبھی مباہلے کے لیے بلاتے، کبھی خطابی رزم آرائیاں ہوتیں، تو کبھی قلمی تیغ بازیاں اور ہندوستان کی مذہبی صحافت اس طرح بھی ارتقا کے منازل طے کرتی رہی۔

کسی مدرسے سے جاری ہونے والا پہلا رسالہ:

عیسائی مشنریز کے منفی اثرات کی توڑ کے لیے جاری کردہ جن مجلّات ورسائل کا ذکر ہوا، ان میں سے کوئی بھی کسی مدرسے سے متعلق نہ تھا؛ بلکہ یہ سب شخصی رسائل تھے، جو مختلف وقتوں میں الگ الگ جگہوں سے جاری کیے گئے اور سب کا مقصد وہدف ایک تھا یعنی مسیحی اثرات کا ازالہ۔

کسی بھی اسلامی مدرسے سے جاری ہونے والا پہلا رسالہ ''تحفۂ حنفیہ'' ہے، جسے بریلوی مکتبِ فکر کے ایک بڑے عالم قاضی عبدالواحد عظیم آبادی نے ۱۸۹۷ء میں مدرسہ حنفیہ، پٹنہ سے جاری کیا تھا، پھر ۱۹۲۰ء میں اس مکتبِ فکر کے متعدد اداروں سے کئی رسالے جاری ہوئے، جن میں ماہنامہ ''الفقیہ'' امرتسر ''الرضا'' بریلی، ہفت روزہ ''دبدبۂ سکندری'' رام پور، ماہ نامہ ''السواد الاعظم''، ''انوار الصوفیہ'' اور ''نوری کرن'' بریلی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، یہ سب آزادی سے قبل جاری ہوئے اور کچھ تو آزادی سے قبل ہی بند ہوگئے اور بعض آزادی کے بعد تک نکلتے رہے، اس مکتبِ فکر کے رسائل میں اصل اضافہ اسّی کی دہائی کے بعد ہوا، اس سے پہلے ممتاز بریلوی عالم ارشد القادری نے ۱۹۶۶ء میں کلکتے سے ''جامِ کوثر'' جاری کیا، جو دو سال کے بعد ''جامِ نور'' ہوگیا اور اس کے دو سال کے بعد بند ہوگیا، مجموعی طور پر اس رسالے کی کل عمر چار سال رہی، پھر ۲۰۰۲ء میں مولانا ارشد القادری کے پوتے خوشتر نورانی نے دہلی سے اس کا احیا کیا اور تب سے یہ مسلسل نکل رہا ہے۔

اہلِ تشیُّع کے رسائل وجرائد:

اہلِ تشیّع کے رسائل وجرائد کا آغاز بھی صوبۂ بہار کے ضلع سیوان کے شیعہ مرکز کھجوا سے ہوا، جہاں سے ان کا سب سے پہلا رسالہ ''الاصلاح'' ۱۸۹۸ء میں جاری ہوا، یہ مولانا سید اظہر

علی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا اور ادارت ان کے صاحبزادے سید حیدر علی کے ذمے تھی، اسی ادارے سے ایک اور رسالہ ''الشمس'' بھی جاری ہوا، پھر ۱۹۲۸ء کے آس پاس ''الکلام '' نکلا، ''الاصلاح'' کا دفتر بعد میں لکھنؤ منتقل ہوگیا اور تب سے یہ رسالہ وہیں سے شائع ہوتا رہا، آزادی کے بعد ستر کی دہائی میں ان کی طرف سے ایک اور رسالہ ''سرفراز'' جاری ہوا، جو اسی کی دہائی میں بند ہوگیا، اس کا مرکزی دفتر لکھنؤ تھا اور یہ ہفتہ وار رسالہ تھا، اس کے علاوہ ایک ویکلی اخبار ''نظارہ'' نکلا، ایک جریدہ ''روشنی'' کے نام سے بھی جاری ہوا، اِس وقت اہلِ تشیع کے جرائد و رسائل میں ''شعاعِ عمل''، ''تنظیم المکاتب''، ''طوبیٰ''، ''الواعظ''، ''ذکریٰ''، ''مدینۃ العلم''، ''الناصر''، ''باب العلم'' اور ''حکیم الامت'' قابلِ ذکر ہیں۔

مکتبِ اہلِ حدیث کے رسائل و جرائد:

اردو کی مجلاتی و مذہبی صحافت کے ارتقا میں مکتبِ اہلِ حدیث کے رسائل وجرائد کا بھی خاصا کردار رہا ہے، سب سے پہلے اس مسلک کے ایک بڑے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری (جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند کے شاگردوں میں تھے) نے امرتسر سے ۱۹۰۳ء میں ''اخبارِ اہلِ حدیث'' جاری کیا، جو ۱۹۴۸ء تک جاری رہا، برطانوی ہندوستان میں عیسائی مشنریز کی اسلام مخالف سرگرمیوں کو ناکام بنانے، نیز قادیانی مذہب کے تاروپود بکھیرنے میں مولانا کے اس اخبار کا ناقابلِ فراموش کردار ہے، اس کے علاوہ اس اخبار میں اصلاحی، سماجی اور سیاسی و ادبی موضوعات پر بھی دل چسپ مضامین شائع ہوتے تھے، پھر ۱۹۲۳ء میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی سے دوماہی رسالہ ''محدث'' شروع ہوا، جو بعد میں سہ ماہی ہوگیا، یکے بعد دیگرے اس کے کئی مدیر ہوئے اور یہ ۱۹۴۸ء تک جاری رہا، یہ علمی و مذہبی نوعیت کا رسالہ تھا، آزادی کے بعد ۱۹۵۱ء میں دہلی سے حکیم عبد الشکور نے ''اخبار اہل حدیث'' شروع کیا، جو ۱۹۶۴ء میں ان کی وفات کے ساتھ ہی بند ہوگیا، پھر ۱۹۷۶ء میں حکیم اجمل خاں نے شکراوہ، ہریانہ سے اس کی نشأۃ ثانیہ کی اور یہ اب بھی جاری ہے، ۱۹۵۲ء میں جماعتِ اہلِ حدیث کے آرگن ''ترجمان'' کا اجرا ہوا، جو ماہ نامہ تھا، ۱۹۵۷ء میں اسے پندرہ روزہ کردیا گیا، پھر ۱۹۸۰ء میں اسے ''جریدہ ترجمان'' کا نام دیا گیا، ۱۹۹۰ء میں ہفت روزہ کیا گیا، مگر پھر پندرہ روزہ ہوگیا اور

تب سے اب تک اس کی اشاعت پندرہ روزہ ''جریدہ ترجمان'' کے نام سے ہی ہو رہی ہے، اس رسالے کے پہلے مدیرِ اعلیٰ مولانا عبدالوہاب آروی، جب کہ مدیر مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی تھے، فی الوقت اس کے مدیرِ اعلیٰ مولانا اصغر امام مہدی سلفی اور مدیر مولانا عبدالقدوس اطہر نقوی ہیں، اہلِ حدیث کے موجودہ رسالوں میں سب سے قدیم مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار) سے شائع ہونے والا پندرہ روزہ ''الہدیٰ'' ہے، جو ۱۹۴۰ء میں شروع کیا گیا تھا، دوسرا سری نگر جموں وکشمیر سے نکلنے والا ہفت روزہ ''مسلم'' جو ۱۹۴۲ء میں جاری ہوا تھا، تیسرا قدیم رسالہ ریاض العلوم جامع مسجد دہلی کا ماہ نامہ ''الاسلام'' ہے، جس کا اجرا ۱۹۵۵ء میں ہوا تھا۔ (۱)

ندوۃ العلما کا صحافتی کردار:

اردو کی علمی، مذہبی، ادبی و تحقیقی صحافت کے فروغ و ارتقا میں ندوۃ العلما کا رول بھی انتہائی اہم اور قابلِ قدر ہے اور اس کے ذکر سے اغماض کر کے کوئی بھی تحقیق نگار اپنی تحقیق کے ساتھ انصاف کرنے والا نہیں کہا جا سکتا، ندوے نے اپنے قیام کے بعد پے در پے کئی ایک اردو و عربی رسالے نکالے، جن کے ذریعے سے جہاں علم و دین کی گراں مایہ خدمات انجام پائیں، وہیں بہت سے ایسے نام بھی ابھر کر سامنے آئے، جنھیں قلم و تحریر کی دنیا میں نبوغیت حاصل ہوئی اور ان کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔

ندوۃ العلما کا پہلا رسالہ:

۲۲ر جولائی ۱۹۰۲ء (ربیع الاول ۱۳۲۰ھ) کو جو ندوے کا جلسۂ انتظامی ہوا، اس میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی تحریک اور مولانا عبدالحی (جو اس وقت ندوے کے مددگار ناظم تھے) کی تائید سے پہلی بار ندوۃ العلما کے ماہانہ رسالے کے اجرا و انتظام کی تجویز حسبِ ذیل قواعد کے ساتھ پیش کی گئی:

(الف) ترتیب و انتخابِ مضامین مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے ذمے ہوں گے۔

(ب) طباعت و اشاعت ندوۃ العلما کے ذمے ہوگی۔

(ج) ابتداءً پانچ سو رسالے ماہ وار چھپوائے جائیں گے۔

---

(۱) سہیل انجم، میڈیا، اردو میڈیا اور جدید رجحانات، ص: ۱۲۳-۱۲۴، ۱۳۱-۱۳۳، ط: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۱۰ء۔

(د) شروع میں رسالے کا حجم ۴۰ صفحات تک رہے گا۔

(ہ) شوال ۱۳۲۰ھ سے رسالہ جاری کیا جائے گا۔(۱)

اس رسالے کا نام ''الندوہ'' تجویز ہوا اور ادارت میں مولانا شیروانی کے ساتھ مولانا شبلی نعمانی بھی شریک کیے گئے اور اس کا پہلا شمارہ شوال ۱۳۲۰ھ کی بہ جائے کسی وجہ سے جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (اگست ۱۹۰۴ء) میں نکل سکا۔

یہ رسالہ بنیادی طور پر ان تمام اصولوں اور افکار و خیالات کا آئینہ دار تھا، جو ندوۃ العلما کے بانیین کے ذہنوں میں کارفرما تھے؛ چناں چہ اس میں علومِ اسلامیہ کی تجدید، عقل و نقل کی تطبیق، معقول و منقول اور قدیم و جدید کے موازنہ اور اس وقت کے رائج عربی نصابِ تعلیم کی اصلاح وغیرہ سے متعلق مضامین شائع کیے جاتے تھے، گو اس کے اعتراف کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کہ ''الندوہ'' کے اسٹیج سے بہت سی ایسی چیزیں بھی اشاعت پذیر ہوئیں، جن سے اہلِ علم و فکر کے ایک بڑے طبقے کو دلائل کی روشنی میں اختلاف تھا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس رسالے نے عمومی طور پر طبقۂ علما میں حرکیت پیدا کی، ان کے خیالات کو بدلنے اور ان کے افکار کو نئے بال و پر دینے کی کوششیں کیں، انھیں جدید علمی و تحقیقی مباحث سے روشناس کرایا، اسلام اور علومِ اسلام کی خدمت کے نئے طریقوں اور زبان و اسلوب کے نئے انداز اور پیرایوں سے انھیں متعارف کرایا۔

''الندوہ'' کے تیار کردہ اہلِ قلم:

بہ طورِ خاص دارالعلوم ندوۃ العلما کے طلبہ کو اس سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا، اس وقت کے جن ندوی فضلا نے بعد میں تحریر و انشا کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کی تحریری زندگی کی ابتدا اسی دبستان میں ہوئی۔

معروف محقق، ادیب اور مؤرخ علامہ سید سلیمان ندویؒ کا پہلا مضمون علمِ حدیث پر ''الندوہ'' میں اُس وقت شائع ہوا، جب کہ وہ طالبِ علم تھے، اُسے جب خواجہ الطاف حسین حالیؔ نے پڑھا، تو جھوم اٹھے اور مولانا شبلی نعمانیؒ کو لکھا:

''سب سے زیادہ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ دارالعلوم نے اپنی تعلیم کا نہایت عمدہ نمونہ

---

(۱) محمد اسحاق جلیس ندوی (مولانا)، تاریخِ ندوۃ العلما، ص: ۲۶۹، ط: مجلسِ صحافت و نشریات ۲۰۱۱ء۔

پہلی بار پیش کیا ہے "فبارک الله فیها، وفي طلبتها، وفي تعليمها" مجھے امید نہیں، یقین ہے کہ عربی کی کامل تعلیم اور انگریزی کی بہ قدرِ ضرورت تعلیم ہماری قوم میں ایسے لائق مضمون نگار اور مصنف پیدا کرے گی کہ محض انگریزی تعلیم آج تک ویسا ایک بھی پیدا نہیں کر سکی"۔

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزادؒ کو جو بعد میں ادب وصحافت اور معاشرت وسیاست کے میدانوں میں بلندترین مقام حاصل ہوا، اس میں بھی "الندوہ" کا کچھ نہ کچھ حصہ تھا، اکتوبر ۱۹۰۵ء سے لے کر اپریل ۱۹۰۶ء تک مولانا آزاد "الندوہ" کے سب ایڈیٹر رہے، اس وقت گوان میں چمکنے اور ابھرنے کے جوہر بہ خوبی طور پر پائے جاتے تھے، مگر ہنوز انھیں علمی حلقوں میں قابلِ ذکر روشناسی حاصل نہیں ہوئی تھی، ندوے میں قیام، مولانا شبلی نعمانیؒ کی سرپرستی اور اپنی خداداذ ہانتوں کے استعمال کی بہ دولت ان کی شہرت ومقبولیت کا سلسلہ شروع ہوا، "الندوہ" میں شائع ہونے والے ان کے مضامین نے انھیں پورے ملک میں اُجال دیا، پھر ۱۹۰۶ء میں وہ "وکیل" امرتسر سے وابستہ ہوگئے، اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں اپنا شہرۂ آفاق اخبار "الہلال" نکالا، اتحادِ اسلامی اور سیاسی نظریات میں ندوے کے قیام کے زمانے میں انہوں نے مولانا شبلی نعمانیؒ کی صحبت سے جو اثر لیا تھا، اس کی چھاپ ان پر زندگی کے آخر تک برقرار رہی۔

علمی وصحافتی دنیا کی ایک اور معروف شخصیت مولانا عبداللہ عمادیؒ کی قلمی تربیت بھی ۱۹۰۵ء میں ندوے کی اقامت گزینی اور "الندوہ" کی ادارت کے دوران ہوئی، اس کے بعد وہ "وکیل" امرتسر، "زمیندار" لاہور اور مولانا آزاد کے "الہلال" سے وابستہ ہوئے، ایک طویل عرصے تک دارالترجمہ، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد کے مترجم اور وہاں کے علمی حلقوں کے اہم رکن بھی رہے۔

مشہور عالمِ دین، تاریخ نگار اور محقق مولانا عبدالسلام ندویؒ بھی اپنے عنفوانِ شباب میں "الندوہ" کے نائب مدیر رہے، اسی دوران اُنھوں نے اپنا ایک انتہائی علم ریز اور محقق مضمون "تناسخ" کے موضوع پر لکھا، جسے مولانا شبلی نعمانیؒ نے بہت پسند کیا اور اپنے دوست احباب میں ان کی قابلیتوں کی تعریفیں بھی کیں، اکتوبر ۱۹۰۶ء کو انہوں نے مہدی افادی کے نام ایک خط میں لکھا:

"ہمارے یہاں یعنی ندوے میں عبدالسلام نہایت قابل لڑکا ہے، جو غالباً خالی ہونے والی کرسیوں کا مستحق ہوگا"۔

اسی سال کے دسمبر کے ایک خط میں انھیں لکھا:

''عبدالسلام نہایت ہونہار ہے، وہ پورا مصنف ہوسکتا ہے اور ہوگا''۔

مولانا شبلی نعمانیؒ کی پیش گوئی کے مطابق مولانا عبدالسلام ندویؒ نے واقعتاً پورا مصنف ہونے کا بھرپور ثبوت فراہم کیا اور اُن کے قلم سے بیش قیمت تاریخی، علمی، ادبی و تحقیقی تصنیفات و مقالات معرضِ وجود میں آئے۔

''الندوہ'' کے مختلف ادوار:

''الندوہ'' کا پہلا دور اگست ۱۹۰۴ء میں شروع ہو کر مئی ۱۹۱۲ء میں ختم ہوا، اس دور کے ایڈیٹر مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی اور علامہ شبلی نعمانی تھے، اس کے بعد ''الندوہ'' کی ادارت کی ذمے داری ندوے کے ایک استاذ مولانا عبدالکریم کے سپرد ہوئی، ان کی ادارت میں صرف ایک یا دو شمارے نکلے (۱)، مولانا عبدالکریم کے بعد مولانا اکرام اللہ خان ندوی نے اس کی ادارت سنبھالی اور بالآخر دسمبر ۱۹۱۶ء کو اس کا دوسرا دور اختتام پذیر ہوگیا، پھر ۲۲ سال کے عرصے کے بعد جنوری ۱۹۴۰ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کی نگرانی و سرپرستی اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی و مولانا عبدالسلام ندوی کی ادارت میں اس کا دوبارہ اجرا ہوا، مگر اس بار اس کی عمر دراز نہ ہوسکی اور جولائی ۱۹۴۲ء میں یہ ہمیشہ کے لیے مرحوم و مغفور ہوگیا۔ (۲)

''الندوہ'' کے علمی نتائج:

''الندوہ'' کی کل مدتِ اشاعت تقریباً ۱۴ سال کے عرصے کو محیط ہے، اِس دوران اُس نے معاصر علمی دنیا کے سامنے جو نتائج پیش کیے، وہ علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں مختصراً یہ تھے:

(۱) اردو زبان میں علمی مباحث کا ایک بڑا ذخیرہ پیدا کردیا۔

---

(۱) کیوں کہ انھوں نے جون ۱۲-۱۹۰ء کے شمارے میں جہاد پر ایک مضمون لکھا، جس میں حکومت مخالف خیالات کا اظہار کیا گیا تھا، ادارے کے لیے ان کا یہ مضمون مضرت رساں ثابت ہوسکتا تھا؛ اس لیے ندوہ کی انتظامیہ نے احتیاطی اقدام کرتے ہوئے اُنھیں چھ ماہ کے لیے معطل کردیا تھا، یہ بات خرم علی شفیق نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''اقبال: تشکیلی دور، ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۳ء تک''، مطبوعہ: اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی ۲۰۱۲ء کے صفحہ ۴۴۴ اور ۴۴۶ پر ایس ایم اکرام کی کتاب ''یادگارِ شبلی''، مطبوعہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۴ء کے صفحہ ۴۰۶-۴۰۸ کے حوالے سے لکھی ہے۔

(۲) تاریخِ ندوۃ العلما، ج: اول، ص: ۳۰۹-۳۱۲، بہ تلخیص و تغیر۔

(۲) جدید تعلیم یافتوں کو اسلام کے مذہبی اور علمی کارناموں سے آشنا کیا۔
(۳) علما کو جدید مسائل سے روشناس کیا۔
(۴) عربی خواں طلبہ میں اپنے پرانے ذخیرہ سے کام لینے کا سلیقہ پیدا کیا۔
(۵) اسلام اور تاریخِ اسلام سے بہت سے اعتراضات کو دفع کیا۔
(۶) قوم میں ندوے کے مقاصد کی تبلیغ کی، اصلاحِ نصاب کی ضرورت سمجھائی اور عربی تعلیم کی اہمیت ذہن نشیں کی۔(۱)

پندرہ روزہ ''تعمیرِ حیات'':

''الندوہ'' کو بند ہوئے ایک زمانہ بیت چکا تھا اور اس کے بعد عربی کے ساتھ کسی اردو رسالے کے اجرا کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی، جس کی تکمیل کے طور پر ۱۰ رنومبر ۱۹۶۳ء کو ایک پندرہ روزہ رسالہ ''تعمیرِ حیات'' کے نام سے شروع کیا گیا اور اس کی ادارت مولانا محمد الحسنی کے سپرد کی گئی (جو ندوے کے عربی رسالہ ''البعث الاسلامی'' کے بھی مدیر تھے)، اصل مذاق تو اُن کا عربی انشا کا تھا، مگر اردو میں بھی ان کی صاف، شیریں اور ڈھلی ڈھلائی نثر اپنے آپ میں لاجواب ہوتی تھی؛ چناں چہ جاری ہوتے ہی اس کی مقبولیت کا دور شروع ہوگیا، ۱۹۷۳ء کی اپریل تک مولانا محمد الحسنی ہی اس کے مدیر رہے، عملی طور پر بھی اور رسماً بھی، مئی ۱۹۷۳ء سے اس کے مدیرِ مسئول مولانا محمد اسحاق جلیس ندوی بنائے گئے، جو غیر معمولی قلمی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے؛ بلکہ بہ قول مولانا علی میاں ندوی ''ایک پیدائشی ایڈیٹر اور صحافی تھے''۔(۲)

چناں چہ انہوں نے اس رسالے سے وابستہ ہوتے ہی پوری محنت اور لگن کے ساتھ اس کی ادارت شروع کی اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ چناں چہ اس کی مقبولیت و شہرت میں اضافے کا عمل مسلسل جاری رہا، جون ۱۹۷۹ء میں مولانا محمد الحسنی کا انتقال ہوا، جو ''البعث الاسلامی'' کے نابغہ مدیر ہونے کے ساتھ مولانا اسحاق جلیس ندویؒ کے شریکِ قلم اور ''تعمیرِ حیات'' کی ترتیب وتہذیب میں ان کے معاون بھی تھے اور بوقلمونیِ قدرت کہ ان کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد ہی مولانا اسحاق جلیس ندوی کا بھی ورقِ حیات پلٹ گیا اور اس

---

(۱) سید سلیمان ندوی (علامہ) حیاتِ شبلی، ص:۴۴۷، ط: دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

(۲) ابوالحسن علی میاں ندوی (مولانا)، پرانے چراغ، جلد: دوم ص:۴۱۲، ط: مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ ۱۹۸۰ء۔

طرح ''تعمیرِ حیات'' کا ایک زریں دور ختم ہو گیا۔

مگر چوں کہ اس وقت تک ندوے نے اہلِ قلم فرزندوں کی ایک بڑی جماعت پیدا کرلی تھی؛ اس لیے اس کی اشاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے پائی اور یہ پرچہ بہ دستور جاری اور اسلامی ادب وصحافت کی قابلِ قدر خدمات میں مصروف رہا، نومبر ۲۰۱۲ء میں یہ رسالہ اپنی عمر کے پانچویں دہے میں داخل ہو چکا ہے، اس کے موجودہ مدیرِ مسئول مولانا شمس الحق ندوی اور نائب مدیر مولانا محمود حسن حسنی ندوی ہیں، یہ رسالہ آج بھی اپنے بانیوں کے طے کیے ہوئے خطوط پر گام زن اور اعلیٰ مقاصد وعزائم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بہترین خدمات میں مصروف ہے اور اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر برصغیر کے مشہور ومقبول ترین رسالوں کی صفِ اول میں رکھے جانے قابل ہے۔

ندوۃ العلما اور عربی صحافت:

ندوۃ العلما نے اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے عربی ادب وانشا کے حوالے سے جس بیداری وہوش مندی کا ثبوت دیا، اس کا تقاضا تھا کہ اس کے اردو ترجمان ''الندوہ'' کی مانند عربی میں بھی کوئی رسالہ اس کی ترجمانی کرے اور اس کے ذریعے وسیع تر پیمانے پر عالمِ اسلام میں اسلامی فکر ودعوت کو عام کرنے کی راہیں بھی ہموار ہوں، ان ہی مقاصد کے تحت، ڈاکٹر سید عبد العلی (فاضلِ دیوبند) ناظم ندوۃ العلما کے عہدِ نظامت میں، علامہ سید سلیمان ندوی اور شیخ تقی الدین ہلالی کے زیرِ نگرانی اور مولانا مسعود عالم ندوی کی ادارت میں محرم ۱۳۵۱ھ (مئی ۱۹۳۲ء) میں ''الضیاء'' کے نام سے عربی رسالے کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا، سید صاحب نے اس رسالے کا اداریہ ''طلوع الضیاء'' کے عنوان سے لکھا، جو عربیت وسلاست کا دل کش نمونہ تھا، یہ رسالہ تقریباً چار سال تک جاری رہا، پھر بند ہو گیا، مگر ہندوستان سمیت عالمِ عربی واسلامی کی ہم عصر صحافت پر اس کی گہری چھاپ محسوس کی گئی اور اس کے پیغامات کی اہمیت پر توجہ دی گئی، مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی اس کی شہرت ومقبولیت پر اجمالی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''محرم ۵۱ھ سے ''الضیاء'' کا اجرا ہوا، رسالہ کے مضمون نگار اگرچہ بہت محدود تھے اور پرچہ پتھر پر چھپتا تھا، جو عرب قارئین کے مذاق کے خلاف اور ان کی نگاہوں پر بار ہوتا ہے؛ لیکن زبان

کی صحت، حسن انشا اور مضامین کی بلندی کی وجہ سے وہ ممالک عربیہ کے سنجیدہ علمی و ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوا اور اس کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور موقر و وقیع رسائل، اخبارات نے دل کھول کر اس کی تعریف کی، لبنان کے امیر ناصر الدین، جو اپنی ادبی تنقید اور ادبی ذکاوت حس میں بدنامی کی حد تک نام ور تھے، اپنے اخبار ''الصفا'' میں بڑے بلند کلمات کے ساتھ تبصرہ کیا، غالباً اسی میں تھا کہ یہ ہندی رسالہ اپنی صحتِ زبان اور عربیت میں خود ممالک عربیہ کے بہت سے رسالوں پر فوقیت رکھتا ہے، اسی طرح صیدا (شام) کے مشہور ادبی رسالہ ''العرفان'' نے بڑا زوردار تبصرہ کیا، بغداد کا عیسائی محقق ''انستاس کرملی'' نے، جو اپنی ادبی گرفتوں میں بہت خوردہ بیں واقع ہوا تھا، مسعود صاحب کو ایک خط میں ''علامہ'' کے لفظ سے خطاب کیا اور لکھا کہ اگرچہ آپ کم عمر ہیں لیکن آپ کے علم وفضل کی وجہ سے میں مجبور ہوں کہ آپ کو ''علامہ'' کے لفظ سے خطاب کروں''۔(۱)

ماہ نامہ ''البعث الاسلامي'':

''الضیاء'' کے بند ہونے کے تقریباً انیس سال بعد، اکتوبر ۱۹۵۵ء میں مولانا محمد الحسنی کی ادارت وملکیت میں ایک اور عربی رسالہ ''البعث الاسلامی'' کے نام سے جاری ہوا (مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی معاون مدیر تھے) اور اس نے تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی الفکر عربی صحافت میں نمایاں مقام حاصل کرلیا، عرب قومیت، الحاد ودہریت، تجدد و مغربیت، سرمایہ داری واشتراکیت اور خدا بیزار تحریکوں کے احتساب وتعاقب اور صحیح اسلامی فکر کی اشاعت وتبلیغ میں اس رسالے نے جو گراں قدر حصہ لیا، اس کا اعتراف و اقرار تمام عالمِ عربی و اسلامی میں کیا گیا، مسلکِ حق کی تائید وتصویب اور باطل افکار ونظریات کی تردید میں اس کے جواں مرگ مدیر مولانا محمد الحسنیؒ کے بصیرت افروز، ولولہ انگیز وزلزلہ بردوش اداریوں کا خاصا حصہ تھا، ''البعث الاسلامي'' میں شائع ہونے والے ان کے اداریے اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کی زندگی میں ہی ان کا ایک مجموعہ ''الاسلام الممتحن'' کے نام سے عرب ممالک میں چھپا اور ان کے دوسرے مجموعے بھی ان کی وفات کے بعد ''الاسلام بین لا ونعم'' اور ''مصر تتنفس'' کے عنوان سے طبع ہوئے اور انھیں بے پناہ پسند کیا گیا۔

۱۹۶۰ء کی فروری تک یہ رسالہ مولانا محمد الحسنی کی ادارت وملکیت میں ہی نکلتا رہا، اس کے

---

(۱) پرانے چراغ، ج: اول، ص: ۳۲۱۔

بعد مدیر تو مولانا ہی رہے، البتہ اس کی طباعت کی ذمے داری ندوۃ العلما کی انتظامیہ نے لے لی، مارچ-اپریل ۱۹۶۰ء (رمضان-شوال ۱۳۷۹ھ) میں شائع ہونے والا ''البعث الاسلامی'' کا وہ پہلا شمارہ تھا، جس پر ''تصدرہا ندوۃ العلماء'' لکھا ہوا تھا، اپنی وفات تک مولانا ہی اس کے مدیر رہے، ان کی وفات کے بعد مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کو اس کی ادارت سونپی گئی، اُس وقت سے تا حال مولانا اعظمی ہی اس کے مدیرِ تحریر ہیں اور اپنے قلم کی ادبی رعنائیوں اور فکری گیرائیوں کے ساتھ عالمِ اسلام کے ممتاز اہلِ قلم کی پیہم تحریری معونتوں کے ذریعے اس رسالے کی تمام تر خصوصیات وامتیازات کو نباہنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

پندرہ روزہ ''الرائد'':

یہ رسالہ ۱۹۵۹ء میں ندوے ہی سے جاری ہوا، شروع سے اس کے مدیر مولانا سید رابع حسنی ندوی اور معاون مدیر مولانا سید واضح رشید ندوی ہیں، یہ رسالہ بھی آغاز ہی سے ظاہری وباطنی خوبیوں کا حامل، اسلامی افکار وتعلیمات کا مبلغ اور باطل ومسموم افکار ونظریات کی بہ قوت تردید میں سرگرم ہے، اس رسالے کی ایک اور اہم خصوصیت اس کے مشمولات میں برتی جانے والی سہل وسبک زبان اور عمدہ عربی تعبیرات ہیں، جو عربی ادب وانشا کے نو آموزوں کی خاص طور پر معاونت کرتیں اور ان کے ذوقِ تحریر وتکلم کو مہمیز کرتی ہیں، ندوے سے ۱۹۹۹ء سے ایک انگریزی ماہ نامہ ''دی ایسٹرن فریگرینس'' اور مارچ ۲۰۰۲ء سے ہندی ماہ نامہ ''سچا راہی'' بھی نکلتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند: صحافتی منظر نامہ:

فی الوقت ایسے مجلّات ورسائل کی تعداد اچھی خاصی ہے، جو دارالعلوم کے فکر ومزاج کے مطابق سرگرمِ عمل ملک کے طول عرض میں پھیلے ہوئے مدارسِ اسلامیہ سے شائع ہو رہے ہیں اور جن سے مسلمانانِ ہند کی دینی، اخلاقی اور مذہبی رہنمائی کے ساتھ اردو زبان وار دو صحافت کی مشاطگی کا فریضہ بھی انجام پاتا ہے؛ لیکن ان میں سب سے قدیم رسالہ ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند ہے، جو دارالعلوم کے استاذِ حدیث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی ادارت میں ہر انگریزی ماہ کے اواخر میں منظرِ عام پر آتا ہے، یہ رسالہ ماہ وسال کی طویل ترین مسافت طے کر چکا ہے اور ایک

قابل تحقیق تاریخی پس منظر رکھتا ہے؛ لیکن اس سے پہلے دار العلوم سے دو رسالے ''القاسم'' و ''الرشید'' نکل چکے تھے اور ان کا بھی ہندوستانی مسلمانوں کے فکر و نظر کی تقلیب میں خاصا اثر رہا ہے اور ان رسالوں نے اسلامیانِ ہند کے اخلاقی و معاشرتی فساد و اعوجاج کی اصلاح کا کام اس وقت کیا ہے، جب کہ ہندوستان کے مسلمان سخت اخلاقی و معاشرتی بحران کا شکار تھے اور سیاسی افلاس کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی دیوالیہ پن ان کا مقدر بن کر رہ گیا تھا؛ لہٰذا پہلے ہم ان ہی دونوں رسالوں کے آغاز، ان کی مدتِ اشاعت اور متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات کا قدرے تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ماہ نامہ ''القاسم'':

دار العلوم کے قیام (۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ- ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) سے لے کر ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (مارچ ۱۹۱۰ء) تک کسی رسالے کا اجرا عمل میں نہیں آیا تھا اور نہ اربابِ بست و کشا نے اس طرف توجہ دی، جب کہ دار العلوم کے محبین، معتقدین اور منتسبین کی یہ شدید خواہش تھی کہ یہاں سے ایک ایسا رسالہ جاری ہونا چاہیے، جو صاف شفاف دینی تعلیمات مسلمانوں تک پہنچائے اور دینی و دنیوی امور میں ان کی رہبری کرے، بہت سے لوگوں نے دار العلوم کو اس حوالے سے خطوط لکھے، کئی ایک نے اس وقت کے مہتمم (مولانا حافظ احمدؒ) سے اسی غرض سے ملاقات کی اور انہیں اس کی طرف توجہ دلائی، بالآخر مسلمانوں کے شدید اصرار اور ان کی پیہم توجہ دہانیوں نے انتظامیہ کو اس پر آمادہ کیا اور انہوں نے بانیِ دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یاد میں ایک ماہ نامہ ''القاسم'' کے نام سے جاری کرنے کا فیصلہ کیا؛ لیکن چوں کہ دار العلوم کا مالیاتی نظام اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ اس پر آنے والے صرفے کو برداشت کرتا؛ اس لیے شروع میں اس کے اخراجات کی ذمے داری مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (جو اس وقت مددگار مہتمم تھے) نے لی (البتہ چند شماروں کے بعد اس کا صرفہ دار العلوم برداشت کرنے لگا تھا) اور مولانا ہی کی ادارت میں پہلا پرچہ بہ طور نمونہ کے ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (اپریل ۱۹۱۰ء) میں شائع ہوا، نائب مدیر مولانا سید اصغر حسینؒ، جب کہ سرپرست حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت شیخ الہندؒ تھے، بعد میں مولانا مفتی احمد حسن امروہویؒ، مولانا خلیل احمد انبیہٹویؒ اور مولانا حافظ احمدؒ نے بھی اس

رسالے کی سرپرستی فرمائی، نیز اجراے رسالہ کے تین سال بعد نائب مدیر مولانا سراج احمد رشیدیؒ بنادیے گئے ،مولانا سید اصغر حسینؒ اپنے تدریسی مشاغل کی بنا پر سبک دوش ہو گئے تھے،درمیان میں دو سال (۳۵-۱۳۳۴ھ/ ۱۷-۱۹۱۶ء) مولانا مناظر احسن گیلانیؒ بھی ''القاسم'' و ''الرشید'' کے معاون مدیر رہے۔

اس پرچے کا حجم ۳۲ صفحات کا تھا اور اس میں مدیر رسالہ، حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ کے مضامین تھے ،اس میں قارئین کی آرا طلب کی گئی تھیں کہ اگر وہ اس کی اہمیت وافادیت کو محسوس کریں ،تو مطلع کریں اور رسالے کی اعانت کی ہامی بھریں؛ تا کہ آیندہ ماہ سے اسے باضابطہ جاری کر دیا جائے ،توقع کے خلاف کثیر تعداد میں لوگوں نے اس اقدام کی نہ صرف تحسین کی ؛ بلکہ متعدد حضرات نے کئی کئی رسالوں کی قیمتیں پیشگی بھیج دیں ؛لیکن کئی ایسے موانع پیش آ گئے ،جن کی وجہ سے ''القاسم'' کا پہلا شمارہ اگلے ماہ کی بہ جاے شعبان ۱۳۲۸ھ (اگست ۱۹۱۰ء) میں نکل سکا۔

مقاصدِ اجرا:

اس شمارے میں ''القاسم'' کے مقاصدِ اجرا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مدیر مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے لکھا:

> ''اس رسالہ کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے مذہبی ،علمی اور تاریخی معلومات کا صحیح ،محققانہ ذخیرہ بہم پہنچانا اور نرم ومتانت کے لہجے میں غلط خیالات (جو بہ وجہِ لاعلمی ذہن نشیں ہو گئے ہیں) کو مٹانا ہے''۔(۱)

''القاسم'' کے مقاصد میں یہ بھی تھا کہ اسلام کے نام پر مختلف فرقِ باطلہ کے پھیلائی ہوئی ہفوات ولغویات کا جواب دیا جائے ؛ تا کہ سیدھے سادے مسلمان ان کی زہرناکیوں سے محفوظ رہ سکیں اور ان کے دین وایمان کی حفاظت ہو سکے۔

''القاسم'' کے مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبد الرحمٰن سیوہارویؒ (عمِ محترم مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ) رکن مجلس العلما، بھوپال نے ۳۲ اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ

---

(۱) القاسم ،شمارہ:۱،ص:۱۔

تیار کیا تھا، جسے رسالے کے پہلے شمارے میں شائع کیا گیا، یہ قصیدہ مولانا کی عربی زبان و ادب پر قدرت تامہ اور نبوغ کامل کا حسین مرقع ہونے کے ساتھ "القاسم" کے مقاصد پر بھی بھرپور روشنی ڈالتا ہے، اس کے چند اشعار یہ ہیں:

(۱) "القاسم "الحامي لكل حقيقة
ولملة الاسلام خير هداتها

(۲) "القاسم "الماحي لبدعات فشت
كالشمس تمحو في الورى ظلماتها

(۳) "القاسم "الهادي الى سبل التقى
من يتقي النيران حق تقاتها

(٤) "القاسم "المحيي قلوبا ميتة
او سنة في الدين بعد مماتها

(٥) "القاسم "الخيرات في كلماته
فاغنم نصيب الخير من خيراتها

(٦) "القاسم "الروض النضير دراية
تسقيه سحب العلم من ديماتها

(۷) "القاسم "السفر الذي حاولان
واع العلوم ،وجامع لشتاتها (۱)

(۱) "القاسم" ہر حق کی حمایت کرے گا اور امتِ مسلمہ کی عمدہ رہبری کرے گا۔

(۲) "القاسم" (معاشرے میں) پھیلی ہوئی برائیوں کو اس طرح دور کر دے گا، جیسے خورشیدِ عالم تاب کائنات کی تاریکیوں کا صفایا کر دیتا ہے۔

(۳) "القاسم" ان لوگوں کو تقویٰ کی راہیں دکھلائے گا، جو واقعۃً جہنم کی شعلہ سامانیوں سے ڈرتے ہوں۔

---

(۱) القاسم، شمارہ:۱،ص:۵۱۔

(۴) ''القاسم'' (اپنی تعلیمات وتوجیہات کے ذریعے) ان قلوب کو حیاتِ نو سے ہم کنار کرے گا، جو دین ومذہب کے حوالے سے مردنی کا شکار ہیں یا غفلت وبے خبری نے انہیں جکڑ رکھا ہے۔

(۵) ''القاسم'' کی تمام باتیں خیر ہی خیر ہیں؛ لہٰذا تمہیں اس سراپا خیر سے اپنا حصہ ضرور لینا چاہیے۔

(۶) ''القاسم'' علم ودرایت کا فردوس بہ داماں باغ ہے، جسے علم وفضل کے بادل اپنی بارانیوں سے سیراب کرتے ہیں۔

(۷) ''القاسم'' ایک ایسا (رسالہ) ہے، جو مختلف علوم وفنون کو جامع ہے۔

''القاسم'' نے جاری ہوتے ہی ظاہری ومعنوی خوبیوں کی وجہ سے اپنا ایک منفرد وممتاز مقام بنالیا، حالاں کہ اس وقت متحدہ ہندوستان میں روزنامہ اخبارات کی غیر معمولی کثرت کے ساتھ ہفت روزہ، پندرہ روزہ اور ماہ نامہ رسائل وجرائد کا بھی اِک انبوہ تھا؛ چناں چہ سرکاری رپورٹ کے مطابق ۱۱-۱۹۱۰ء میں شمالی ہند سے جاری ہونے والے اردو کے دسیوں نئے اخبارات ورسائل میں صرف دو رسائل قابل ذکر تھے، جن میں ایک ''ادیب'' الہ آباد تھا اور دوسرا ''القاسم'' دیوبند، ماہ نامہ ''ادیب'' کے اپریل ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس حوالے سے مولوی فضل احمد ہیڈ مولوی، ہاترس کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، جسے ''القاسم'' کے شمارہ: ۴، ج: ۳، ص: ۴ پر نقل کیا گیا تھا، اس مضمون میں لکھا تھا کہ:

''حال میں صوبہ جاتِ متحدہ وآگرہ کی سرکاری رپورٹ بابت ۱۱-۱۹۱۰ء شائع ہوئی ہے، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ سال زیرِ رپورٹ میں علمی تصانیف میں روز افزوں ترقی جاری ہے، یعنی تعدادِ اشاعت ۱۹۸۸ سے ۲۱۴۵ پر پہنچ گئی، حامیانِ اردو کو خوش ہونا چاہیے کہ خاص طور سے کثرتِ اشاعت اردو تصنیفات وتالیفات میں ہوئی ہے، جس کی زیادتی اشاعت کا اوسط ۲۵ فیصدی رہا۔

اخبارات کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا، اردو میں ۸۲، ہندی میں ۵۶ اور انگریزی میں ۱۱۴ اخبارات ورسائل شائع ہوئے، جدید اخبارات ورسائل مندرجہ قابل ذکر ہیں:

انگریزی	میں	''ویدک میگزین''،''مسلم ریویو''
اردو	//	''ادیب''الہ آباد،''القاسم''دیوبند
ہندی	//	''مریادا''،''کام دھینو''،''گورکھل سماچار''

''القاسم'' کے اربابِ قلم:

''القاسم'' (دوراول) کی کل عمر گیارہ سال (۱۳۲۸ھ-۱۳۳۹ھ/ ۱۹۱۰ء-۱۹۲۰ء) ہوئی اور اس عرصے کے اربابِ قلم میں مدیرونائبین مدیر کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامتؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا شائق احمد عثمانیؒ (جنہوں نے بعد میں کلکتہ، پھر کراچی سے مشہور اخبار ''عصر جدید'' نکالا) مولانا مظہر الدین شیرکوٹیؒ (بعد کے جلیل القدر ادیب وصحافی وایڈیٹر ''وحدت''،''الامان''،دہلی و''مدینہ''بجنور) مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ (اردو کے لاثانی محقق واسکالر) مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادیؒ (جوآگے چل کر شمس العلما وادیب الملک ہوئے اور اردو کے کئی ایک ادبی رسائل کی ادارت کی؛ بلکہ اردو دانوں،اور خوانوں اور اردو کے ادبا وشعرا کی ایک پوری نسل تیار کی) مولانا اعزاز علی امروہویؒ (شیخ الادب والفقہ) مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ، مولانا ناظر حسن دیوبندیؒ، مولانا نورالہدی قیس دربھنگویؒ، مولانا عبدالحق پورقاضویؒ (رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) مولانا حافظ محمد احمدؒ (خلف الرشید حضرت نانوتویؒ ومہتمم خامس دارالعلوم دیوبند) مولانا قاری محمد طیبؒ (زمانہ نصف صدی سے زائد تک جن کی نکتہ وری وژرف نگاہی سے فیض اٹھاتا رہا) علامہ محمود شہاب آلوسیؒ، مولانا حبیب احمد کیرانویؒ (صاحبِ حل القرآن) مولانا عبدالحفیظ دربھنگویؒ (ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند) مولانا سید مصطفیٰ علوی کاکورویؒ، مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ (مفتی اعظم پاکستان وصاحبِ معارف القرآن) مولانا محمد انیس نگرامیؒ، مولانا مسلم دیوبندیؒ، مولانا سید میرک شاہ کشمیریؒ (عربی واردو کے بہترین ادیب ومحشی مشکوٰۃ وغیرہ) مولانا ابراہیم مسقطیؒ، مولانا فخرالدین احمدؒ (جو بعد میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث، صدر مدرس وصدر جمعیت علمائے ہند ہوئے) مولانا فضل ابن احمد مونگیریؒ، مولانا محمد ادریسؒ (صاحب التعلیق الصبیح ومعارف القرآن وغیرہ) اور مولانا عبدالقدیر امروہویؒ تھے۔

ان میں سے بیشتر کا قلمی سفر''القاسم''ہی سے شروع ہوا اور بعد میں وہ قلم وقرطاس کی دنیا میں انتہائی مقبولیت وشہرت کو پہنچے، جو بلاشبہ''القاسم'' کی تربیت کا فیضان کہا جاسکتا ہے۔

مضامینِ ''القاسم'' کی نوعیت:

چوں کہ اس کے اجرا کا مقصد مسلمانوں کی دینی و اخلاقی رہ نمائی کرنا تھا، اس لیے اس کے مضامین خالص علمی و مذہبی انداز کے ہوتے تھے، نیز باطل افکار و نظریات کی تردید میں بھی کبھی کبھی لکھا جاتا تھا، البتہ متانتِ اسلوب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، تقریباً ہر مہینے دارالعلوم کے احوال اور اس کی نئی سرگرمیوں سے بھی قارئین کو باخبر کیا جاتا تھا، ''تقریظاتِ کتب'' کا مستقل کالم تھا، جس میں مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی نئی کتابوں پر تبصرے کیے جاتے تھے، ان میں فرقِ باطلہ کی تردید و تغلیط میں شائع ہونے والی کتابیں بھی ہوتی تھیں، سیر و سوانح پر مشتمل بھی اور اخلاقی و ادبی و نوعیت کی کتابیں بھی، اسی طرح نئے جاری ہونے والے اخبارات و رسائل کے اشتہارات بھی بلاعوض شائع کیے جاتے تھے۔

''القاسم'' کے دو مضامین :

ویسے تو ''القاسم'' میں شائع ہونے والا ہر مضمون اپنے موضوع پر محقق، معلومات افزا اور زبان و بیان کے اعتبار سے دل چسپ و اثر انگیز ہوتا تھا، کہ اس کا ہر لکھنے والا علم و تدبر اور زبان و ادب کا شناور تھا؛ لیکن ''اسلام کیوں کر پھیلا؟'' کے عنوان سے مدیرِ رسالہ کے قلم سے مسلسل چھ سال تک قسط وار شائع ہونے والے مضمون کو قابلِ رشک حد تک پذیرائی حاصل ہوئی، اس مضمون میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے تاریخی واقعات کی روشنی میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ اسلام کی اشاعت و ترویج میں کبھی بھی جبر و اکراہ اور تیغ و تفنگ کی کارفرمائی نہیں رہی؛ بلکہ ہر جگہ اور ہر دور میں اس کی اشاعت اقتدارِ اعلیٰ کی نرم خوئی، عامۃ المسلمین کی شگفتہ روئی اور علماے امت کی حق نوائی و حق گوئی کی منت کش رہی، اس طویل الذیل مضمون میں جہاں مولانا کے علم و تحقیق کی بے کرانی پورے عروج پر نظر آتی ہے، وہیں ان کے اسلوبِ نگارش کی دل فریبی و سحر کاری بھی قاری پر حیرت انگیز اثر کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ گو مولانا اپنی دانست میں اس مضمون کی تکمیل نہ کر سکے، مگر بعد میں جب اسے ''اشاعتِ اسلام'' کے نام سے کتابی شکل دی گئی، تو لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور تب سے اب تک اس کے سیکڑوں ایڈیشن چھپ کر قبولِ عام حاصل کر چکے ہیں۔

''القاسم'' کے صفحات پر شائع ہوکر اپنی لسانی وادبی خوبیوں اور علمی وتحقیقی نکتہ طرازیوں کے حوالے سے بقاے دوام حاصل کر لینے والا دوسرا مضمون وہ تھا، جو سلطان القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے خامۂ گہر بار سے نکلا اور حلقۂ خاص وعام میں اس کی دھوم مچ گئی، یہ مضمون مشہور صحابیِ رسول حضرت ابوذر غفاریؓ کی حیاتِ مبارکہ، ان کی خصوصیات اور عادات واطوار سے متعلق تھا، مولانا کا یہ مقالہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (جنوری ۱۹۱۷ء) سے چھپنا شروع ہوا اور ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (جنوری ۱۹۱۹ء) میں اس کی آخری قسط شائع ہوئی، مولانا نے عام طریقے سے ہٹ کر ایک منفرد انداز اور طرب ناک اسلوب میں اللہ کے نبیؐ کے اس محبوب صحابیؓ کے حالات لکھے ہیں، اس مضمون کو پڑھنے سے اگر ایک طرف قاری پر تحقیق واکتشاف کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں، تو دوسری طرف وہ مولانا کے طرزِ بیان کی جودت، تعبیرات کی جدّت اور استعارات وتمثیلات کی رو میں جذب ہوکر رہ جاتا ہے، یہی وہ خوبیاں تھیں کہ مضمون کے پایہ تکمیل کو پہنچتے ہی کئی ایک طباعتی اداروں نے اسے یک جا کر کے چھاپا اور خوب شہرت ودولت سمیٹی، اب تک برِّصغیر ہند وپاک کے سیکڑوں اداروں سے اس کے بے شمار ایڈیشن نکل کر بے انتہا مقبولیت حاصل کر چکے ہیں اور ہنوز اس کی اشاعت کا دور جاری ہے۔

''القاسم'' کے دورِ اول کا اختتام:

یہ تو حقیقت تھی کہ ''القاسم'' اپنے پر مغز مشمولات اور دل چسپ علمی، ادبی، تاریخی واخلاقی مقالات کے ذریعے مسلمانانِ ہند کی قابلِ تحسین خدمت انجام دے رہا تھا، جس کا لوگوں کو اعتراف بھی تھا، مگر چوں کہ دارالعلوم اس پوزیشن میں نہ تھا کہ اس کی طباعت وغیرہ کے لیے باضابطہ عملہ رکھتا؛ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی شخص اس رسالے کا مدیر بھی تھا اور مدرسے کا مدرس ونائب مہتمم بھی، یہی حال نائب مدیر کا بھی تھا کہ اس کے ذمے رسالے کی ترتیب اور اس کی طباعت اور ترسیل بھی تھی ساتھ ہی تدریسی فرائض بھی؛ چناں چہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ رسالے کی اشاعت میں ایک ایک مہینہ تاخیر ہو جاتی اور اس ماہ کا شمارہ اگلے ماہ نکل پاتا، بالآخر ان ہی وجوہ کی بنا پر گیارہ سال بعد ''القاسم'' کی اشاعت تھم گئی، جمادی الثانیہ ۱۳۳۹ھ (مارچ ۲۹۲۰ء) کا شمارہ آخری تھا۔

''القاسم'' کا دورِ ثانی:

چار سال بعد محرم الحرام ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵ء) کو اس کی نشأۃِ ثانیہ ہوئی، دورِ ثانی کے مدیر بھی مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ہی رہے، البتہ نائب مدیر مولانا قاری محمد طاہرؒ بنائے گئے اور معاون مدیر عتیق احمد صدیقی اور سرپرست حضرت حکیم الامتؒ وعلامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ رہے، اس کے مشمولات کی نوعیت بھی وہی تھی، جو ''القاسم'' دورِ اول کی تھی، البتہ اصول وضوابط میں کچھ جزوی ترمیمات کی گئی تھیں۔

دورِ ثانی کے اہلِ قلم:

دورِ ثانی کی کل مدتِ اشاعت میں جن لوگوں کے مقالات شائع ہوئے، ان میں مدیر ونائب مدیر کے علاوہ مولانا معظم علی نجیب آبادی، مولانا نجم الدین اصلاحی، مولانا مشیت اللہ دیو بندی، مولانا عبد الاحد نگینوی، مولانا یعقوب الرحمٰن عثمانی، مولانا منصور انصاری، مولانا حسن سنبھلی، مولانا فیض الرحمٰن، عتیق احمد صدیقی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، جمیل احمد فاروقی اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تھے۔

دورِ ثانی کا اختتام:

''القاسم'' (دورِ ثانی) کی کل مدتِ اشاعت صرف چار سال رہی اور ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۸ء) میں یہ ہمیشہ کے لیے مرحوم ہو گیا۔

ماہ نامہ ''الرشید'':

''القاسم'' میں چوں کہ عموماً اہلِ علم کی رعایت کی جاتی تھی اور اس کے مضامین خالص علمی نوعیت کے ہوتے تھے، جب کہ ہندوستانی مسلمانوں میں متوسط اور اس سے بھی کم تر قابلیت کے افراد کی تعداد خاصی تھی، جن کے ذہنی وفکری مستویٰ کی رعایت بھی ضروری تھی؛ چناں چہ رجب ۱۳۳۲ھ (مئی ۱۹۱۴ء) سے ایک اور رسالہ بہ یادگار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (اولین سرپرست دار العلوم دیو بند) جاری کیا گیا، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مدیر اعلیٰ اور مولانا سراج احمد

رشیدیؒ نائب مدیر بنائے گئے،اس کے سرپرستوں میں حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ،حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مولانا حافظ احمدؒ شامل رہے،مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ نے''القاسم'' کے شمارہ:۹، ج:۴،ص:۳-۴پر''الرشید'' کے اعلان کے ذیل میں اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

''القاسم'' کے تمام مقاصد ومضامین''الرشید''میں ملحوظ رہیں گے،البتہ زبان نسبتاً عام فہم اور سلیس ہوگی،افادۂ عام کے لیے مسائلِ فقہیہ کارآمدِ روزمرہ وفتاوے ضرور یہ شائع ہوں گے۔

طریقت وتہذیب اخلاق کا سلسلہ خصوصیت کے ساتھ جاری رہے گا،حالاتِ بزرگانِ دین شائع کیے جائیں گے۔

مسائلِ مختلفہ کی تحقیق منصفانہ ہوگی،اسلام پر حملہ کرنے والوں اور اس کو ضعف پہنچانے والوں کو تہذیب ومتانت سے جواب دیے جائیں گے۔

معارف القرآن اور علوم الحدیث پر مضامین لکھے جائیں گے،اسلامی تعلیمات کا مستقل عنوان ہوگا،جس میں اسلام کی تمام تعلیمات خواہ عقائد واصول کے ہوں یا احکام ومعاملات کے یا اخلاق وآداب کے؛سب نہایت خوبی سے بہ وضاحت بیان کیے جائیں گے،اسلام کی برتری ثابت کی جائے گی''۔

ان ہی اضافوں اور ترمیمات کے ساتھ''الرشید'' کا اجرا عمل میں آیا اور اس طرح جہاں دیوبند کی تحریکِ اصلاح پہلے سے زیادہ تیز تر ہوگئی،وہیں اردو ادب وصحافت میں ایک اور وقیع اضافہ ہوا،''الرشید''میں مقاصدِ اجرا کے تمام گوشوں کا مکمل احاطہ کیا جاتا تھا؛چناں چہ اس کا آغاز فتاویٰ دارالعلوم سے ہوتا،اس کے بعد مختلف علمی،دینی،اخلاقی وتاریخی موضوعات پر مستند اہلِ علم وقلم کی تخلیقات شائع کی جاتیں،''الرشید'' کے قلم کار بیشتر وہی ہوتے،جو''القاسم''میں چھپتے،کچھ نئے مقالہ نگاروں کو بھی جگہ دی جاتی تھی،اس کے علاوہ وقفے وقفے سے مختلف موضوعات پر اربابِ سخن کی عربی واردو شعری تخلیقات بھی اشاعت پذیر ہوتی تھیں،یہ سلسلہ''القاسم''میں بھی جاری رہتا تھا،''تقریظِ کتب'' کے عنوان سے جدید مطبوعات پر تبصرے اور جدید رسائل و اخبارات کے اشتہارات''الرشید''میں بھی شائع کیے جاتے تھے۔

''الرشید'' کی کل مدتِ اشاعت:

چوں کہ ''القاسم'' کی طرح ''الرشید'' بھی دار العلوم ہی کے تحت نکلتا تھا اور اس کا بھی سارا صرفہ دار العلوم ہی برداشت کرتا تھا، نیز اس کے مدیر و نائب مدیر بھی وہی تھے، جو ''القاسم'' کے مدیر و نائب مدیر تھے؛ اس لیے جب ''القاسم'' چند در چند اشاعتی بحرانوں سے دوچار ہوا، تو ''الرشید'' کا ان کی لپیٹ میں آنا یقینی تھا؛ چناں چہ کل سات سال کی حیاتِ مستعار گزار کر ''الرشید'' بھی غفرلہ ہو گیا اور جمادی الثانیہ ۱۳۳۹ھ (مارچ ۱۹۲۰ء) کا شمارہ آخری ثابت ہوا۔

''الرشید'' کے کالم نویس:

اس کے پورے عرصۂ اشاعت میں جن اہلِ علم وقلم کے مقالات اور ذوقِ سخن رکھنے والوں کی شعری تخلیقات ''الرشید'' میں شائع ہوئیں، ان میں مدیرِ رسالہ کے علاوہ حضرت حکیم الامت، مولانا احمد حسن امروہوی، سید مکارم احسن، ابو الظفر سید محمد بہاری، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الستار گیلانی، مولانا عبد الحفیظ در بھنگوی، مولانا سید حسین بہاری، مولانا مشیت اللہ بجنوری، مولانا ''ی محمد طیب، مولانا محمد علی حیدر آبادی، مولانا محمد ادریس، مولانا یاور حسین کوپا مئوی، مولانا عبد القدیر امروہوی، مفتی محمد شفیع عثانی اور مولانا عبد السمیع دیو بندی رحمہم اللہ تھے۔

ماہنامہ ''دار العلوم'' کا اجرا:

''القاسم'' کو بند ہوئے سولہ سال اور ''الرشید'' کو بند ہوئے بیس سال کا عرصہ گذر چکا تھا، اس طویل دورانیے میں دار العلوم پے بہ پے ایسے ناگفتہ بہ حالات وانقلابات میں گھرا رہا کہ اربابِ انتظام کسی رسالے کے اجرا کی فکر نہ کر سکے، حالاں کہ اس مدت میں دار العلوم کے مخلصین ومتوسلین کی طرف سے مسلسل ایک مجلّے کے اجرا پر اصرار کیا جاتا رہا؛ بلکہ خود اکابرِ دار العلوم بھی اس کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کر رہے تھے؛ لیکن کوئی نہ کوئی ایسا حادثہ پیش آجاتا کہ وہ عملی اقدام نہ کر پاتے تھے، بالآخر بیس سال بعد ہمت وحوصلہ کو بہ روئے کار لا کر مولانا قاری محمد طیبؒ (مہتمم سابع) کے زیرِ نگرانی اور مولانا عبد الوحید صدیقی غازی پوریؒ کے زیرِ ادارت ''دار العلوم'' کے نام

سے ایک ماہ نامہ جاری کیا گیا، اس کا پہلا شمارہ جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ (مئی - جون ۱۹۴۱ء) کو منظر عام پر آیا، مدیرِ رسالہ نے اس شمارے میں ''دارالعلوم'' کے مقاصدِ اجرا کو بہ تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا:

''دارالعلوم'' ایسے طریقے پر علومِ الٰہیہ اور تعلیمات نبویہ کو پیش کرے گا، جن کے ذریعے خاص وعام ہر طبقہ کے اشخاص نفع اٹھا سکیں، اسلام کے صحیح اصول وقواعد، علمِ کلام کے مسائل، مستند تاریخی واقعات اور جدید وقدیم مخالفانِ اسلام کے اعتراضات کے جوابات سہل اور دل نشیں انداز کے ساتھ اصولِ اسلام کی روشنی میں پیش کرے گا اور اسلام کی خوبیاں دوست ودشمن سب کے ذہن نشیں کرانے کی کوشش کرے گا، الغرض مسلمانوں میں صحیح مذہبی ذہنیت پیدا کر کے اس دورِ الحاد و بے دینی میں اسلام کی سب سے ضروری اور اہم خدمت انجام دے گا''۔

آگے مولانا نے رسائل ومجلّات کی غیر معمولی بھیڑ میں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کے امتیازی خصائص کی نشان دہی کرتے ہوئے تحریر کیا:

''ہندوستان میں مسلمانوں کے علمی رسالے معدودے چند ہیں، جو محنت اور قابلیت کے ساتھ مرتب کیے جاتے ہیں؛ لیکن شاید اس خیال کی بنا پر کہ اگر علمی مسائل کو اتنے سادہ اور سہل انداز میں پیش کیا جائے کہ وہ عام خاص سب کے فہم کے مطابق ہو جائیں، تو رسالہ معیار سے گر جائے گا، عموماً ان رسالوں میں علمی زبان اور دقیق اندازِ بیان اختیار کیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان قیمتی مضامین سے صرف اہلِ علم ہی استفادہ کر سکتے ہیں، متوسط درجے کی قابلیت کے لوگ ان سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کر سکتے۔

رسالہ ''دارالعلوم'' چوں کہ ہر طبقے تک علم اور دین کی صحیح روشنی پہنچانا چاہتا ہے؛ اس لیے وہ اس مصطلحہ علمی معیار کی پابندی اپنے لیے غیر مفید اور غیر ضروری خیال کرتا ہے، ''دارالعلوم'' اگر ایک طرف اہلِ علم کے بلند علمی ذوق کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا، تو دوسری طرف عام مسلمانوں کی علمی صلاحیت کی بھی رعایت رکھے گا اور علمی مسائل کو سہل سے سہل انداز میں پیش کرنے کی سعی کرے گا اور اس کی بھی سعی کرے گا کہ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے، اس کے بعد خواہ اسے علمی رسائل کی صف میں جگہ دی جائے یا اس سے خارج کر دیا جائے، ہم رسالہ ''دارالعلوم'' کے معیاری ہونے کی سند حاصل کرنے سے زیادہ اس کے افادہ کو عام کرنا ضروری سمجھتے ہیں، یہی اس کے اجرا کی اصل غرض وغایت ہے۔

رسالہ ''دارالعلوم'' کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہوگی کہ اس میں وقتاً فوقتاً ان اہم مسائل

کے متعلق، جن میں مسلمانوں کو عموماً مذہبی رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، علماے دیوبند کے مستقل فتاوی شائع کیے جائیں گے۔

...... مختصر یہ ہے کہ ''دارالعلوم'' مسلمانوں کے جملہ مذہبی امور کی حتی الامکان پوری پوری کفالت کرے گا اور اس نازک ترین دور میں، جب کہ مسلمانوں کے دین پر طرح طرح کے دل کش اور نظر فریب طریقوں سے ڈاکے ڈال کر ان کی عاقبت کو برباد کر دینے کی بے پناہ کوششیں ہو رہی ہیں ، باطل کی تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے انہیں صراطِ مستقیم دکھاتا رہے گا''۔(۱)

ان تمام مقاصد وخصوصیات کے ساتھ ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کا آغاز ہوا اور صحیح وصحت مند اسلامی صحافت کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ ہونے لگا۔

''دارالعلوم'' کے مشمولات:

''دارالعلوم'' کا آغاز پر مغز، معلومات آفریں اور بصیرت افروز اداریے سے ہوتا تھا، جسے مدیرِ رسالہ ''رشحات'' کے عنوان سے تحریر کیا کرتے تھے، اس اداریے میں جہاں دینی ومذہبی مسائل پر بھرپور تجزیے ہوتے تھے، وہیں ملکی وعالمی حالات پر بے لاگ تبصرے بھی، اس کے بعد ملک وبیرون ملک کے چوٹی کے اہلِ علم وقلم کے محققانہ مقالات ہوتے تھے، رسالہ کے آخری صفحات میں دارالعلوم کے مہتمم (مولانا قاری محمد طیبؒ) کے تازہ اسفار کی تفصیلات اور ''کوائفِ دارالعلوم'' کے عنوان سے احاطۂ دارالعلوم کے احوال وسرگرمیاں درج کی جاتی تھیں۔

''دارالعلوم'' کے مستقل مقالہ نگار:

''دارالعلوم'' کے علمی وتحقیقی وادبی سراپا کی وقعت ومنزلت کا اس سے بہ خوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ دورِ آغاز ہی سے اس کے مستقل مقالہ نگاروں میں مدیرِ رسالہ کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا اعزاز علی امروہوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مفتی محمد شفیع عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا یوسف بنوری، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہم اللہ جیسی نابغہ (genius) ہستیاں تھیں، جن کی معجزانہ قلم رانیوں سے صفحاتِ ''دارالعلوم'' مرصع رہتے تھے۔

---

(۱) ماہ نامہ ''دارالعلوم''، شمارہ:۱، ج:۱، ص:۳-۴۔

مدیر ''دارالعلوم'' کی تبدیلی:

مولانا عبدالوحید صدیقی شروع سے لے کر ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۴ء) تک ''دارالعلوم'' کے مدیر رہے اور انہوں نے اسے ایک اچھی اور قابل تعریف شروعات دی، چار سال بعد مولانا دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر دہلی میں اقامت گزیں ہو گئے، جہاں رہ کر انھوں نے اردو صحافت کی نا قابلِ فراموش خدمات انجام دیں اور اس میدان میں بڑا نام کمایا۔

مولانا کے چلے جانے کے بعد قاضی خلیق احمد صدیقی سردھنویؒ ''دارالعلوم'' کے مدیر بنائے گئے، موصوف بھی اعلیٰ علمی و قلمی استعداد کے مالک تھے؛ چناں چہ انہوں نے سابق مدیر کی کمی کو پورا کرنے کی کامیاب کوششیں کیں اور ''دارالعلوم'' اسی آب و تاب کے ساتھ نکلتا رہا، اس کے مضامین و مشمولات کا معیار بھی وہی رہا، جو پہلے تھا، البتہ قاضی صاحب اپنی گوناگوں مشغولیات کی بنا پر اداریہ نویسی کا وہ اہتمام نہ کر سکے، جو سابق مدیرِ محترم کے عرصۂ ادارت میں ہوتا تھا، چار سال بعد ۱۳۶۸ھ (۱۹۴۸ء) میں قاضی خلیق احمد صدیقیؒ کی ادارت کا دور بھی اختتام پذیر ہو گیا۔

ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کے تیسرے مدیر اور اس کا اشاعتی بحران:

صفر المظفر ۱۳۶۸ھ (دسمبر-جنوری ۱۹۴۹ء) سے مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ کا عرصۂ ادارت شروع ہوا اور صرف سات شماروں پر اس رسالے کی بھی اشاعت ملتوی ہوگئی، وجہ وہی مالیاتی بحران تھا، جس کے سبب گزشتہ دو رسالوں (''القاسم'' و ''الرشید'') کی اشاعت رک گئی تھی۔

ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کا احیا اور اس کے چوتھے مدیر:

سال کے اخیر میں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کے حوالے سے دو فیصلے کیے گئے: ایک یہ کہ اسے ماہ نامے سے سہ ماہی کر دیا گیا، دوسرا یہ کہ اس کی علمی حیثیت ختم کر کے صرف ایک تعارفی کتابچے کی شکل دے دی گئی اور ترتیب کی ذمے داری مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ کے سپرد ہوئی، اس تعارفی رسالے کا پہلا شمارہ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ (ستمبر-اکتوبر ۱۹۴۹ء) کو منظرِ عام پر آیا۔

پھر جب وسائل ہم دست ہوئے، تو اس رسالے کی ماہ نامے والی شکل دوبارہ بحال کر دی گئی اور سید ازہر شاہ قیصر کی ادارت میں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' کا پہلا شمارہ رجب المرجب

۱۳۷۰ھ (اپریل ۱۹۵۱ء) کو منظرِ عام پر آیا، سید صاحب چوں کہ ادب وصحافت کے شہ سواروں میں شمار ہوتے تھے، جس کی بنا پر وقت کے بڑے بڑے ادیب، یگانہ تاز شاعر اور کہنہ مشق صحافیوں سے ان کی راہ ورسم بڑی گہری تھی، اُدھران کے بافیض اور لاثانی محقق ومحدث والد علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے شاگردوں کی بھی ایک لمبی فہرست تھی، جو ان سے عقیدت کی حد تک محبت کرتے اور قلبی تعلق رکھتے تھے اور اپنا ہر ممکن تعاون دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے؛ چناں چہ انھوں نے ''دارالعلوم'' کی ادارت سنبھالتے ہی اسے شہرت ومقبولیت کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچادیا، پہلے اس رسالے کی رسائی عام طور پر اہلِ علم ونظر اور دینی ومذہبی طبقوں ہی تک محدود تھی، اب اس کی پہنچ جدید تعلیم یافتہ طبقے سے نکل کر ادبا وشعرا تک اور عام قارئین سے لے کر بڑے بڑے صحافت پیشہ حضرات تک ہونے لگی۔

ماہ نامہ ''دارالعلوم'' (نقشِ ثانی) کے مشتملات:

رسالے کا آغاز از ہر شاہ قیصر اپنے علمی، فکری، تحقیقی، ادبی وسیاسی اداریوں سے کرتے، جسے وہ ''حرفِ آغاز'' کے عنوان سے لکھا کرتے تھے (بعد میں تقریباً سترہ سال تک ''حرفِ آغاز'' مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی اور دوایک دفعہ مولانا ندیم الواجدی نے بھی لکھا) اس کے بعد ''مقالات'' کے کالم کے تحت ملک کے شہرۂ آفاق علما، محققین، اسکالرس، ادبا اور صحافیوں کی نگارشات کا نمبر ہوتا، ''ادبیات'' کا مستقل گوشہ تھا، جس کے تحت ہر ماہ ماہر القادری، حمید صدیقی لکھنوی زائرِ حرم، روش صدیقی، الم مظفرنگری، نازش پرتاب گڑھی، جگر مرادآبادی اور ان جیسے دیگر بین الاقوامی شہرت وعظمت کے مالک شعرا کی تازہ بہ تازہ غزلیات شائع کی جاتیں، ''اخبار و افکار'' کے تحت ہر ماہ ملکی وعالمی پیمانے کی خاص خاص خبریں دی جاتیں، ''تنقید وتبصرہ'' بھی ایک مستقل کالم تھا، جس میں ہر ماہ نئے مصنفین کی کتابوں پر فاضلانہ اور بے باک وحقیقت افروز تبصرے کیے جاتے، تبصرے کے لیے چوں کہ بہ یک وقت کئی کئی کتابیں آتی تھیں؛ اس لیے مولانا کے علاوہ آپ کے برادرِ خُرد مولانا سید انظر شاہ، مولانا عبدالرؤف عالی، مولانا قمر احمد عثمانی (۱)

---

(۱) موصوف زبردست عالم ومحدث اور اردو کے اچھے ادیب وشاعر ہیں، عامر عثمانیؒ سے رشتہ تلمذ رکھتے ہیں، ان کا ایک مجموعۂ کلام بھی ''نور ونکہت'' کے نام سے چھپ چکا ہے اور اس پر اتر پردیش اردو اکیڈمی نے انہیں ایوارڈ بھی دیا ہے، ابھی باحیات ہیں اور وقف دارالعلوم میں تدریس حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

وغیرہ بھی تبصرہ نگاری کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، رسالے کے اخیر میں حسبِ سابق حضرت مہتمم صاحب کے اسفار کی تفصیلات اور ''کوائفِ دار العلوم'' درج کیے جاتے تھے۔

سید از ہر شاہ قیصر نے اپنے دورِ ادارت میں جہاں اپنی قلمی نوازشوں سے ''دار العلوم'' کو مثالی وقار واعتبار بخشا، وہیں وقت کے مشہور اہلِ قلم وادب وشعر کو اس رسالے میں لکھنے کی دعوت دی، جنھوں نے اپنے رشحات وتخلیقات سے اس کی مقبولیت میں چار چاند لگادیے۔

الغرض ... سید از ہر شاہ قیصر کے عرصۂ ادارت میں ماہ نامہ ''دار العلوم'' ایک مکمل اور ہمہ جہت میگزین تھا، جس میں علمی، دینی، ادبی، تنقیدی اور سیاسی: ہر قسم کے موضوعات پوری دیدہ وری کے ساتھ برتے جاتے اور اربابِ ذوق ان کا والہانہ استقبال کرتے تھے۔

مولانا سید از ہر شاہ قیصر کے دورِ ادارت کا خاتمہ:

مولانا نے ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۱ء) سے لے کر ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) تک رسالہ ''دار العلوم'' کی ادارت بہ حسن وخوبی انجام دی، مگر جب اس سال دار العلوم سخت پر آشوب حالات سے گزرا اور اس کے تعلیمی وانتظامی شعبے تشویش ناک حد تک متأثر ہوئے، تو رسالہ ''دار العلوم'' کی سرگرمیاں بھی ان حالات سے دوچار ہوئیں اور سال بھر؛ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اس کی اشاعت تعطل کا شکار رہی، پھر جب حادثات اور ہنگاموں کا طوفانِ بلا خیز تھما اور سابقہ معمولاتِ علمی وانتظامی جدید انتظامیہ کے تحت بہ حال ہوئے، تو رسالہ ''دار العلوم'' کی اشاعت کی تجدید کا بھی فیصلہ کیا گیا اور ادارت کے لیے پھر مولانا سید از ہر شاہ قیصر کو مدعو کیا گیا، مگر حالات وانقلابات کی بے انتہا سنگینی نے ان کی طبع حساس پر غیر معمولی اثر کیا تھا اور وہ حد درجہ دل گیر ہو چکے تھے؛ اس لیے انتظامیہ کے اصرار کے باوصف انہوں نے گوشۂ تنہائی ہی کو ترجیح دی اور کسی طرح بھی دوبارہ اس رسالے کی ادارت کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس طرح ''دار العلوم'' اپنے ایک عظیم، مخلص اور بے لوث خادم سے محروم ہو گیا۔

ماہ نامہ ''دار العلوم'' کے پانچویں مدیر:

ایسے وقت میں، جب کہ خود دار العلوم بھی پوری طرح سابقہ معمولات پر نہ لوٹا تھا، رسالہ ''دار العلوم'' کا اپنے ایسے قابل مدیر سے محروم ہو جانا مصیبت بالائے مصیبت کم نہ تھا۔

ان بحرانی حالات سے نمٹنے اور ''دارالعلوم'' کو سنبھالا دینے کے لیے ضروری تھا کہ فوری طور پر ایک ایسے شخص کو ''دارالعلوم'' کی ادارت سونپی جائے، جو زبان وادب میں درک رکھنے کے ساتھ ایک اچھا مدبر اور نامساعد صورتِ حال کو انگیز کرنے کی بھی قابلیت رکھتا ہو؛ چناں چہ فوری طور پر مولانا ریاست علی بجنوری کو ''دارالعلوم'' کی ادارت سپرد کی گئی اور انہوں نے پورے حوصلہ و ہمت کے ساتھ تمام تر سانحات کا مقابلہ کرتے ہوئے رسالے کو ایک اچھی اور اطمینان بخش سمت دینے کی کامیاب کوشش کی۔

چھٹے مدیر:

چند مہینوں کے بعد جب مولانا اپنی گونا گوں مصروفیتوں کی بنا پر سبک دوش ہو گئے، تو ''دارالعلوم'' کی ادارت کے لیے باضابطہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا انتخاب ہوا، وجہِ انتخاب مولانا کے بلند علمی مقام ومرتبے کے ساتھ قلم وقرطاس کے ساتھ ان کا گہرا اور دیرینہ ناطہ بھی تھا، ۸۳ء سے انہوں نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ سابق مہتمم دارالعلوم کے زیر نگرانی ''دارالعلوم'' کی ادارت شروع کی اور اب بھی مولانا ہی مدیر ہیں، البتہ دسمبر ۲۰۱۰ء کو حضرت مہتمم صاحب کی وفات کے بعد دارالعلوم کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی رسالے کی نگرانی فرما رہے ہیں۔

مولانا اعظمی کا اب تک کا زمانۂ ادارت تقریباً تیس سال کے عرصے کو محیط ہے، اس عرصے میں ''دارالعلوم'' نے خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کی ہیں، اِس طویل مدت میں اُس کی سابقہ عظمت نہ صرف بہ حال ہوئی؛ بلکہ اس میں بہت حد تک اضافہ بھی ہوا ہے اور اس کے قارئین کا حلقہ ہندوستان کی سرحدوں سے گزر کر ایشیا کے دیگر ممالک تک پھیل چکا ہے، ''دارالعلوم'' نے جو کچھ فتوحات حاصل کی ہیں، اس میں یقیناً ''دارالعلوم'' کے مشمولات کی وقعت کے ساتھ مدیرِ محترم کی ذاتی علمی، تحقیقی وادبی صلاحیتوں کا بھی خاطر خواہ دخل ہے۔

مولانا جہاں ''حرفِ آغاز'' میں مختلف عصری مسائل پر فاضلانہ اداریے تحریر کرتے ہیں، وہیں اس کا ''نگارشات'' کا کالم بھی وقت کے جید علما، ادبا، محققین اور اہلِ قلم کی تخلیقات سے مزین ہوتا ہے، مولانا اعظمی کے انتہائی وقیع علمی، تحقیقی وتاریخی مقالات، جو ماہ نامہ ''دارالعلوم''

میں اشاعت پذیر ہوئے، ان کا مجموعہ بھی تین جلدوں میں ''مقالاتِ حبیب'' کے نام سے چھپ کر اہل علم ودانش کے حلقوں میں کافی مقبول ہوا ہے، عصر حاضر میں رسائل ومجلات کے بے کراں ہجوم میں یہ تو ممکن ہے کہ کچھ رسالے ظاہری گیٹ اپ اور زیب وزینت میں رسالہ ''دارالعلوم'' پر فوقیت رکھتے ہوں، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ''دارالعلوم'' کی علمیت، ادبیت اور تحقیقیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ جس کی حالیہ تیس برس کی فائلوں سے تحقیق کی جا سکتی ہے۔

شیخ الہند اکیڈمی:

۸۲ء میں دارالعلوم کے اولین فرزند، جلیل القدر محدث اور جدوجہدِ آزادی کے عظیم سرخیل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے منسوب ایک علمی، تصنیفی واشاعتی ادارہ قائم کیا گیا، اور اس کے اولین ڈائریکٹر مولانا سعید احمد اکبرآبادی مقرر ہوئے اس کے مقاصد واہداف یہ تھے:

(۱) تفسیر وحدیث وفقہ، ہر موضوع پر منصفانہ تحقیقات پیش کرنا۔

(۲) ایسی کتابوں کی اشاعت، جن میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش جدید چیلنجوں کو پوری دقتِ نظری اور ایمان داری کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

(۳) نادر ونایاب کتابوں کا حصول اور ان کی تحقیق کر کے انہیں عربی، اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع کرنے کا اہتمام کرنا۔

(۴) فضلائے دارالعلوم کی عربی تصنیفات کو اردو میں ترجمہ کر کے اور اردو کتابوں کو عربی کے قالب میں ڈھال کر پیش کرنا۔

(۵) اسلام کے آفاقی پیغام کو پھیلانے کے لیے مناسب ذرائع اختیار کرنا اور اس مقصد کے حصول کے لیے اردو وعربی رسائل جاری کرنا۔(۱)

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی زیادہ دنوں زندہ نہ رہ سکے اور چند مہینوں بعد ہی، جب کہ وہ پاکستان کے ایک قومی سمینار میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے، وہیں کراچی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مولانا کی وفات کے بعد مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کو اکیڈمی کا مشرفِ عام مقرر کیا گیا اور وہ تا حیات (جولائی ۱۹۹۶ء) اکیڈمی کی نگرانی فرماتے رہے، حضرت

---

(۱) الدراسات الاسلامیہ، ج:۱، شمارہ:۱، ص:۴۔

قاضی صاحب کے عرصہ نگرانی میں جہاں اکیڈمی سے خود ان کی کئی معرکہ آرا تصنیفات شائع ہوئیں، وہیں دیگر کئی علمائے محققین کی کتابیں بھی قاضی صاحب کے زیر نگرانی شائع کی گئیں، جولائی ۱۹۹۶ء میں قاضی صاحب بھی رحلت فرما گئے، قاضی صاحب کی وفات کے بعد دارالعلوم کے ممتاز فاضل، اردو کے شگفتہ نگار اہلِ قلم اور نغز گو شاعر حضرت مولانا کفیل احمد علوی کو اکیڈمی کا، ڈائریکٹر اور مولانا بدرالدین علی اجمل القاسمی کو سرپرست مقرر کیا گیا، اسی طرح اکیڈمی کے مقاصد میں توسیع کرتے ہوئے اس کے زیر اہتمام دارالعلوم کے جدید فضلا کی تحقیقی، تصنیفی اور صحافتی تربیت بھی شامل کی گئی، شروع میں کچھ دن مولانا ریاست علی بجنوری اور مولانا حکیم عزیز الرحمٰن قاسمی مئویؒ بھی اکیڈمی سے منسلک رہے، اسی طرح ۶-۲۰۰۴ء کے عرصے میں رفیقِ تصنیف و تحقیق کی حیثیت سے مولانا عبدالحفیظ رحمانی اور بہ طور استاذِ انگریزی سینئر صحافی جناب عادل صدیقی بھی اکیڈمی سے وابستہ رہے۔

اکیڈمی سے شائع ہونے والی کتابیں:

اکیڈمی سے اب تک چالیس سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں کچھ تو عربی کتابوں کے اردو تراجم ہیں، کچھ اردو کے عربی ترجمے اور کچھ کتابیں ایسی ہیں، جن پر تحقیق و تخریج کا کام کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت مولانا سید محمد میاں کی مشہور زمانہ اور تاریخی تصنیف "تحریکِ ریشمی رومال" کا انگریزی ترجمہ بھی **Silk Letter Movment** کے نام سے اکیڈمی کے زیر اہتمام انتہائی دیدہ زیب اور خوش منظر پیراہن میں شائع ہو چکا ہے، مترجم دارالعلوم کے ویب ایڈیٹر مولانا مفتی محمد اللہ القاسمی ہیں۔

اکیڈمی نے اب تک جن گزشتہ و موجودہ علما و فضلا کی تصنیفات شائع کی ہیں، ان میں حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا ذوالفقار دیوبندیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامتؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ، حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ، شیخ ابوعبداللہ صالحی دمشقیؒ، ڈاکٹر ابو عدنان سہیلؒ، حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا ریاست علی بجنوری اور مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی وغیرہ شامل ہیں۔

اکیڈمی سے تربیت حاصل کرنے والے فضلا:

۱۹۸۷ء سے لے کر اب تک سیکڑوں فضلاے دارالعلوم نے اکیڈمی میں رہ کر اپنی قلمی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا اور تحقیق وتالیف کے حوالے سے اپنی قابلیتوں کے جوہر نکھارے ہیں مثلاً: مفتی اعجاز ارشد قاسمی، جو آج ممتاز صحافیوں میں شمار ہوتے اور جن کی ''من شاہ جہانم'' اور ''جہاد اور دہشت گردی'' نے ملک کے ہر طبقے کے اہلِ علم وقلم سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے، مولانا یوسف رامپوری، جن کی معتبر تحریریں ہندوستان کے موقر اخبارات میں چھپتیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، مولانا بختیار ثاقب قاسمی، جن کی ''ماں'' اپنے طرز کی انوکھی، دل چسپ اورا حساسات میں گداز پیدا کرنے والی تصنیف ہے اور جنھوں نے کئی سال تک ''الکاشف'' بریلی کی ادارت کی ہے، مولانا ذوالفقار احمد بہرایچی، جو اردو میں بااعتبار و سنجیدہ قلم کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ہندی صحافت میں بھی اپنا مقام بنانے کی کامیاب جدوجہد میں مصروف ہیں اور مسلسل سات سال سے ہندی میں جودھ پور، راجستھان سے ماہ نامہ ''جانبِ منزل'' نکال رہے ہیں، یہ اور ان کے علاوہ کئی ایسے مصنف، محقق اور صحافی ہیں جو اکیڈمی کے فیضان تربیت سے بہرہ ور ہو کر ملک و بیرونِ ملک میں علمی و قلمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنی انفرادیتوں کا احساس دلا رہے ہیں۔

اکیڈمی سے جاری ہونے والے رسائل:

سہ ماہی ''الدراسات الإسلامیہ'':

اکیڈمی کے قیام کے اساسی مقاصد میں اسلامی تعلیمات و پیغامات کی ترویج واشاعت کے لیے رسائل کا اجرا بھی شامل تھا؛ چناں چہ اکیڈمی کے اولین ڈائریکٹر حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے زیرادارت ایک سہ ماہی عربی مجلّہ ''الدراسات الإسلامیة'' جاری کیا گیا، اس کا پہلا شمارہ رمضان، شوال، ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ (ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۴ء) کو نکلا تھا، یہ شمارہ سو صفحات پر مشتمل تھا، اس کے آغاز میں ''الافتتاحیہ'' کے عنوان سے مدیر مجلّہ کی ادارتی تحریر تھی، جس میں اکیڈمی کے قیام کے پس منظر اور اس کے مقاصد بیان کیے گئے تھے، اس کے بعد

"فقدنا اليوم عالما كبيرا" کے عنوان سے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی وفات پر تعزیتی مضمون تھا، پھر شیخ احمد فرج سنہوری کا تلفیق بین المذاہب پر ایک تحقیقی ومعلومات آفریں مقالہ تھا، دوسرا مقالہ "الاجتهاد و نشأة المذاهب الفقهيه" کے عنوان سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تھا، اس مقالے میں اجتہاد کی تاریخ، اسلام میں اس کے مقام و مرتبے، اجتہاد کے مقاصد، مسالکِ اربعہ فقہیہ کے تعارف، اجتہادِ شرعی کی ضرورت اور بعض ازمنہ وامکنہ میں اس کی ممنوعیت کے اسباب، اجتہادِ شرعی کی حدود اور عصرِ حاضر میں اس کی حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی، تیسرا مقالہ حضرت مولانا مفتی نظام الدین کا تھا، جس میں برطانیہ میں روزے کی تفصیلی تاریخ بیان کی گئی تھی، چوتھا مقالہ "نظرة خاطفة إلى علم الفقه وعمل الفقيه" کے عنوان سے مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کا تھا، پانچواں مضمون مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تھا، جس میں خلافتِ اسلامی، اس کے خدوخال، اس کی شرعی اہمیت اور خلیفہ کے حدود و فرائض بیان کیے گئے تھے، مجلّہ کے اخیر میں ڈاکٹر ابراہیم علی شعوط، استاذ جامعہ ازہر کا وہ مضمون تھا، جو انہوں نے ڈاکٹر قاری رضوان اللہ (سابق ڈین شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے ڈاکٹریٹ کے مقالہ بہ عنوان "دار العلوم ديو بند وأثرها الإسلامي" پر بہ طور تقریظ کے لکھا تھا۔

اس رسالے کے پہلے ہی شمارے کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اسے زندگی ملتی، تو یقیناً اس سے اسلامی علوم وتحقیقاتِ اسلامی کے ذخیرے میں بیش بہا اضافہ ہوتا، مگر منشائے ایزدی کہ اس مجلّے کے چند شمارے ہی نکل سکے اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی وفات کے جاں کاہ حادثے نے جہاں اکیڈمی کی دیگر سرگرمیوں پر غیر معمولی اثر کیا، وہیں یہ مجلّہ بھی شعلہ مستعجل ثابت ہوا اور تین چار شماروں کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، بعد میں اربابِ بست وکشاد نے بھی اس کے تئیں کسی حرکیت کا اظہار نہیں کیا۔

"آئینۂ دارالعلوم":

اکیڈمی سے ایک پندرہ روزہ اخباری میگزین بھی جاری کیا گیا، جو شروع میں تقریباً دس مہینوں تک حضرت مولانا کفیل احمد علوی کے زیرِ ادارت "پیامِ دارالعلوم" کے نام سے نکلا، پھر

''آئینۂ دار العلوم'' کے نام سے اس کا رجسٹریشن ہوا اور یہ اسی نام سے نکلنے لگا، ''آئینۂ دار العلوم'' کا پہلا شمارہ اگست ۱۹۸۵ء کے وسط میں نکلا تھا۔

''آئینۂ دار العلوم'' کے مشمولات:

اس رسالے کا آغاز نو بہ نو سیاسی، سماجی اور مذہبی مسائل کے سنجیدہ اور متوازن تجزیوں پر مشتمل مدیر محترم مولانا کفیل احمد علوی کے اداریوں سے ہوتا تھا، اس کے بعد مختلف موضوعات پر مشاہیر اہل قلم کے مقالات ہوتے، بسا اوقات بعض طلبۂ دار العلوم کے وہ مقالات بھی شائع کیے جاتے، جو اس لائق ہوتے، تحفظِ ختم نبوت سے متعلق مضامین اور کل ہند مجلس تحفظِ ختم نبوت کی کار گزاریاں بھی شائع کی جاتیں، ''تعارف وتبصرہ'' کے تحت نئی شائع ہونے والی کتابوں پر تبصرے کیے جاتے اور اخیر میں ''عالمی خبریں'' میں ممالکِ عالم کی منتخب خبریں درج ہوتی تھیں، شروع میں کوائفِ دار العلوم بھی بہ اہتمام شائع کیے جاتے تھے، مگر پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔

''آئینۂ دار العلوم'' کی خدمات:

''آئینۂ دار العلوم'' نے اپنی مدتِ اشاعت میں اسلامی صحافت کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ یقیناً نا قابل فراموش ہیں، اس نے صاف شفاف اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کی، مسلمانوں کے سامنے مختلف النوع مسائل کے عام صحافیانہ سطحیت کے برخلاف انتہائی بصیرت مندانہ اور سنجیدہ تجزیے پیش کیے، عصرِ حاضر میں قومی وعالمی سطح پر تازہ بہ تازہ سلگتے مسائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں حل پیش کیا اور اسلامی خطوط پر کاربند رہ کر انقلاباتِ دہر کو انگیز کرنے کا سلیقہ سکھایا۔

''آئینۂ دار العلوم'' کی خدمات کا ایک روشن گوشہ یہ بھی ہے کہ اس نے زبان واسلوب کا تیا پانچا کر دینے والے قلم کاروں کے انبوہ اور سطحی وغیر منطقی تجزیوں سے اردو نسل کے فکر ونظر کا زائچہ بگاڑ کر رکھ دینے والے پیشہ ور صحافیوں کی بھر مار کے اس دور میں ایسے با توفیق، با بصیرت، با حوصلہ، زبان واسلوب کے خم وپیچ سے واقف اور پوری دقتِ نظری اور ژرف بینی کے ساتھ حالات ومسائل کا مطالعہ کر کے لکھنے والے اہل قلم کی ایک پوری نسل سے اردو صحافت کو آشنا کیا، ملکی پیمانے پر شہرت رکھنے والے مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، اختر امام عادل قاسمی، مفتی سلمان

منصور پوری، عابد انور، مفتی اعجاز ارشد قاسمی، مولانا اعجاز الرحمن شاہین، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی، ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی، مولانا یوسف رامپوری، مولانا ذوالفقار احمد بہرائچی، مولانا بختیار ثاقب قاسمی وغیرہ بے شمار ایسے نام ہیں، جن کے حق میں ''آئینۂ دارالعلوم'' نے ''آغوش تربیت'' کا کام کیا ہے۔

''آئینۂ دارالعلوم'' کا خاتمہ:

پچیس سال سے زائد عرصے تک بہ پابندی اوقات شائع ہونے، ملت اسلامیہ ہندیہ کی گراں مایہ خدمات انجام دینے اور صحافت اردو کے دامن میں لاتعداد لؤلؤ و لالہ بکھیرنے کے بعد نامعلوم مصلحتوں کے تحت ''آئینۂ دارالعلوم'' بند کر دیا گیا اور اب تک اس کے احیا کا امکان مفقود ہے، ''آئینۂ دارالعلوم'' کا آخری شمارہ یکم اپریل ۲۰۰۹ء (۴ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ) کو منظر عام پر آیا تھا اور اس کے آخری صفحے پر ''چھپتے چھپتے'' کے عنوان سے یہ تحریر درج تھی:

> ''مجلس عاملہ منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ، تجویز (۵) کے تحت طے پایا ہے کہ ''آئینۂ دارالعلوم'' کی اشاعت موقوف کردی جائے اور جن حضرات کا زر اشتراک ادارے کے ذمے باقی ہے، وہ عند الطلب ادا کر دیا جائے، آیندہ اخبار شائع نہیں ہوگا''۔

دارالعلوم دیوبند اور عربی صحافت:

ویسے تو شروع ہی سے دارالعلوم نے عربی زبان وادب کی تدریس کے حوالے سے ایک خاص نہج قائم کیا اور بے شمار ایسے فرزندوں کو جنم دیا ہے، جو اپنے اپنے عہد میں عربی زبان وادب پر کامل دست گاہ رکھتے تھے؛ بلکہ اکابر دارالعلوم میں حضرت مولانا ذوالفقار دیو بندیؒ (حضرت شیخ الہند کے والد ماجد) حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ کی عربی ادب وشعر میں نبوغیت تو شہرتِ عام رکھتی ہے، البتہ قیام دارالعلوم سے لے کر تقریباً سو سال تک اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی کہ عربی زبان میں بھی کوئی رسالہ جاری کیا جائے؛ تاکہ برصغیر کے علاوہ عالم عربی اسلامی بھی دارالعلوم کی خدمات سے متعارف ہو اور تبلیغ دین کا دائرہ بھی پھیلے۔

اس کا آغاز ۱۹۶۵ء سے ہوا اور اس سال دارالعلوم سے ایک سہ ماہی عربی جریدہ

"دعوۃ الحق" کے نام سے جاری کیا گیا، اس کی ادارت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (۱) کے سپرد ہوئی، اس کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء (شوال ۱۳۸۴ھ) میں نکلا اور دس سال تک مولانا پوری تن دہی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اسے نکالتے رہے، ۱۹۷۵ء میں اس کی اشاعت موقوف کردی گئی، اپریل ۱۹۷۵ء (ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ) کا شمارہ آخری تھا، ۱۰؍جون ۱۹۷۶ء کو اس کی جگہ مجلّہ "الداعي" کا اجرا عمل میں آیا، جو پندرہ روزہ تھا، اس کی ادارت و سرپرستی بھی کچھ دنوں تک مولانا کیرانوی ہی نے کی، پھر مولانا نے اس کی ادارت اپنے ایک لائق اور باتوفیق شاگرد مولانا بدرالحسن قاسمی دربھنگوی کو سونپ دی، ابھی مولانا بدر کو "الداعي" کی ادارت سنبھالے چار سال ہی گزرے تھے کہ دارالعلوم میں ایک اندوہ ناک انقلاب برپا ہوا، جس نے ماہ نامہ "دارالعلوم" کے ساتھ "الداعی" کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایک، ڈیڑھ سال کے عرصے تک اس کی اشاعت بھی موقوف رہی، پھر جب طوفان بلا خیز سکون آشنا ہوا، ہنگامہ رستخیز تھما، خدشات اور اندیشوں کے بال چھٹے اور جدید انتظامیہ کے تحت دارالعلوم کی سرگرمیاں بہ حال کرنے کا ارادہ کیا گیا، تو دیگر بہت سے اکابر اہل علم کے ساتھ حالات کی ستم ظریفی و جفا کیشی کی تاب نہ لاکر مولانا بدر بھی دارالعلوم کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

۱۹۸۲ء (۱۴۰۳ھ) میں مولانا کیرانوی نے اپنے ایک دوسرے ممتاز شاگرد مولانا نور عالم خلیل امینی کو "الداعي" کی ادارت کے لیے بلایا، مولانا اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں عربی زبان وادب کی تدریس پر مامور تھے اور وہاں تقریباً دس سال کا عرصہ گزار چکے تھے، مولانا کو ندوے کے ماحول میں بھی اپنی انفرادی صلاحیتوں کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل تھا اور وہ ان چند اشخاص میں شامل تھے، جن پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اعتماد کرتے اور اپنے مختلف تحریری کاموں میں ان سے تعاون لیتے تھے؛ لیکن مولانا کو اپنے جلیل القدر استاذ "وحید زماں" سے جو والہانہ تعلق تھا، اس نے انہیں کشاں کشاں ندوے سے دیوبند پہنچا دیا۔

---

(۱) جو برصغیر ہندو پاک میں عربی زبان وادب کے سب سے بافیض استاذ تھے اور جنھوں نے اپنی القاموس الجدید، القراءۃ الواضحہ، القاموس الوحید اور القاموس الاصطلاحی کے ذریعے بلادِ عجم میں زبانِ عربی کے فروغ کی وہ خدمت انجام دی ہے کہ اس کے سامنے عربی ادب کے حوالے سے بڑے بڑے "کارنامے" بھی ہیچ ہیں۔

مولانا امینی کی ادارت میں "الداعي" کا پہلا شمارہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء (۷ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ) کو نکلا، اور جولائی ۱۹۹۳ء (محرم ۱۴۱۴ھ) تک یہ مجلّہ پندرہ روزہ نکلتا رہا، مگر چند در چند طباعتی دشواریوں کی وجہ سے مولانا نے اسے ماہ نامہ کردیا اور اگست ۱۹۹۳ء (صفر ربیع الاول ۱۴۱۴ھ) سے اب تک یہ ماہانہ ہی شائع ہورہا ہے۔

"الداعي" کے محتویات:

"الداعي" کا آغاز مولانا امینی کے علم ریز، بصیرت افروز اور فکر انگیز اداریے سے ہوتا ہے، جسے وہ "كلمة المحرر" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں، اس کے بعد شمارے کا خاص مضمون ہوتا ہے، جسے "كلمة العدد" کے کالم کے تحت موقع اور زمانے کی مناسبت سے مولانا ہی لکھتے ہیں، "الفكر الإسلامي" میں عالمِ اسلام میں اٹھنے والے مختلف عصری مسائل کا تجزیہ کیا جاتا اور اسلام کے کسی بھی شعبے سے متعلق سرگشتہ اذہان کے اشکالات وشبہات پر تیشۂ فکر چلایا جاتا ہے، "دراسات إسلامية" میں علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی موضوعات پر نفع بخش اور معلومات افزا تحقیقات پیش کی جاتی ہیں، "الأدب الإسلامي" کے کالم میں اسلامی ادب وشعر کے قابلِ قدر فن پارے ہوتے ہیں، "إلى رحمة الله" عالمِ اسلام کی عظیم علمی، ادبی، دینی وسیاسی شخصیات کی وفات پر تعزیتی، تاثراتی مضامین کے لیے خاص ہے، "إصدارات حديثة" کے تحت ہندوستان وبیرونِ ہند میں تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب میں سے کسی بھی موضوع پر شائع ہونے والی تصانیف پر تبصرے کیے جاتے ہیں، جس کے لیے عموماً فاضل مدیر ہی کا قلم خاص ہے، "العالم الإسلامي" کا کالم اسلامی دنیا کے بدلتے منظرناموں سے روشناس کرانے کا ذریعہ ہے، "محليات" میں دارالعلوم کی کسی غیر معمولی پیش رفت، کسی اہم واقعے یا ہندوستان کی کسی خاص خبر پر لکھا جاتا ہے، یہ کالم دارالعلوم کے شعبہ عربی ادب کے طلبہ لکھتے ہیں، اخیر میں مدیر کا "إشراقة" ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے خاص مسحور کن اسلوب میں تجرباتِ زندگی بیان کرتے، طالبانِ علم؛ بلکہ کسی بھی شعبۂ حیات میں سرگرمِ عمل رہنے والے شخص سے ایک سچے ہم درد، ایک مخلص مشیر، ایک خیر اندیش بھائی اور ایک صدیقِ حمیم کی حیثیت سے بہ راہِ راست مخاطب ہوتے اور اسے کامیابی وکامرانی کی آخری منزلوں کو چھو لینے کے تیر بہ ہدف نسخے بتلاتے ہیں۔

"الداعي"....اسلامی عربی صحافت کا ایک با اعتبار نام:

مولانا امینی نے "الــداعــي" کی ادارت سنبھالتے ہی اسے شہرت و مقبولیت کی جس معراج پر دیکھنے کے حسین خواب سجائے تھے، بالآخر اپنی جاودانہ تب و تاب، تکان نا آشنا حوصلہ و ہمت، حالات و زمانے کی عدم مساعدت کی شکوہ سنجی کی بہ جائے شب و روز اور صبح و مسا مصروف عمل رہنے کی قابل رشک خو، اخلاص و دیانت داری اور اپنے زرخیز و گہر ریز قلم کی فیاضیوں کے ساتھ عالم اسلام کے معتبر ادبا، صحافی اور اسکالرس کی قلمی بخششوں سے "الداعي" کے صفحات کو مزین کرنے کے پیہم عمل کے ذریعے اس میں وہ صدفی صد کامیاب رہے؛ چناں چہ آج "الــداعــي" عالمی پیانے پر اعلیٰ عربی اسلامی ادب و صحافت کا حسین استعارہ، عالم اسلام میں پھیلائے ہوئے مغربی متعصب میڈیا کے مسموم اثرات کے ازالے اور مسلمانوں میں عربی اسلامی روح بیدار کرنے کا اہم ترین ذریعہ، اخوان عرب کو عربی اسلامی دنیا اور مقدسات اسلامیہ کے تئیں برادران عجم کے احساسات و جذبات سے واقف کرانے کا مستند ترین وسیلہ، اسلامی دنیا میں دیوبند کے مبنی بر حق واعتدال مسلک کا سچا ترجمان، دنیاے مغرب کے انسانیت سوز افکار و نظریات کے بلاخیز سیلاب میں اصل اور درست تر اسلامی افکار و تصورات کا پیغام بر اور اصول و فروعِ دین کی فہم و تطبیق کے حوالے سے جوانانِ مسلم کو افراط و تفریط کی ہلاکت ناکیوں سے محفوظ رکھنے میں مؤثر کردار رکھتا ہے، اس لحاظ سے بھی "الداعي" کی امتیازی شناخت کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے گیٹ اپ کی غیر معمولی جاذبیت اور کشش میں بھی برصغیر کے تمام عربی مجلات میں مقامِ بلند کا حامل ہے۔

طلبۂ دارالعلوم کا صحافتی مذاق:

وہ فضلاے دیوبند، جنھوں نے ماضی میں مشاطۂ ادب و صحافت کو شانہ کیا یا عصرِ حاضر میں جن کے دم سے ان کی آبرومندی قائم ہے، ان کے ادبی و صحافتی شعور کے نشو و بلوغ میں اصل عامل کی حیثیت ان کی اُس مشقِ تحریر کو حاصل ہے، جو انھوں نے احاطۂ دارالعلوم میں قیام کے دوران کی، پھر ان کا ذوقِ قلم رانی رفتارِ زمانہ کے ساتھ بڑھتا گیا اور قلم و قرطاس کی دنیا سے ان کا

رشتہ مضبوط تر ہوتا گیا، یہاں تک کہ ایک دن اُن کا نام ادب وصحافت کے اُفق کا درخشندہ ستارہ سمجھا جانے لگا۔

دارالعلوم میں ہندوستان کے تمام اضلاع سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی اپنی اپنی انجمنیں اور لائبریریاں ہیں، ان انجمنوں کے تحت ہر ہفتے کے اخیر میں خطابتی پروگرام ہوتا ہے، جس میں وہ تقریری مشق کرتے ہیں، اسی طرح ہر انجمن کی طرف سے مختلف ناموں سے ہر ماہ جداری میگزین بھی نکلتا ہے، یہ میگزین جہاں متعلقہ انجمن کا آرگن ہوتا ہے، وہیں اس سے وابستہ افراد کی قلمی تربیت گاہ بھی۔

آج جو اردو ادب وصحافت کی دنیا میں دیوبند کے فیض یافتوں کی ایک بڑی تعداد اپنا اعلیٰ وقار واعتبار قائم کیے ہوئے ہے، اس میں یقیناً ان میگزینوں کی تربیت کا اثر ہے، مثلاً: معاصر ادب وصحافت کی قدر آور شخصیت انجم عثمانی دیوبندی، اپنے جداری پرچہ ''پرواز'' سے ابھرے، ''دیوبند ٹائمز'' میں اپنی قابلیتوں کا جوہر نکھارا، آگے چل کر اردو افسانہ کو اپنی قلمی جولان گاہ بنایا اور آج جہاں وہ الیکٹرانک میڈیا میں سرگرم رول ادا کر رہے ہیں، وہیں بہ حیثیت فکشن نگار انھیں وہ مقام حاصل ہو چکا ہے کہ ان کی کہانیوں میں میر تقی میر کی شاعری کی تسریت کی کھوج لگائی جارہی ہے، اردو کے ممتاز ناقد ومحقق پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ان کے فنی امتیاز کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''انجم عثمانی نے اپنے لیے جو تخلیقی گوشہ چنا ہے، آج کی افسانے کی دنیا میں غالباً وہ انہی کا حصہ ہے اور ہنوز کوئی دوسرا اس گلی کا باسی دکھائی نہیں دیتا''۔(۱)

ہندوستان میں اردو صحافت کی آبرو مولانا اسرار الحق قاسمی کی انقلابی صحافتی زندگی کا سرِ آغاز سجاد لائبریری کا آرگن ''البیان'' ہے، اردو تنقید وتحقیق کی موجودہ بلند قامت شخصیت پروفیسر ابوالکلام قاسمی کی قلمی جولانیوں کا ''مبدأ'' دارالعلوم کے جداری رسائل ہی ہیں، اسی طرح ''نقد معتبر'' جیسی معتبر تخلیق سے اردو تنقید کو ایک نئی جہت دینے کی کامیاب کوشش کرنے والے مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی بھی طلبۂ مظفر پور، سیتا مڑھی، ویشالی وشیوہر کے ترجمان ''صبح نو'' اور ''البیان'' کی ادارت کر چکے ہیں، اپنی متوازن اور سلجھی ہوئی تحریروں کے حوالے سے ایک منفرد شناخت رکھنے

---

(۱) ادبی شناخت نامہ، بہ حوالہ: پروفیسر گوپی چند نارنگ، جدیدیت کے بعد، مدرسہ اور مولسری سے لگی کہانی۔

والے مولانا عبدالحمید نعمانی نے بھی اپنے قلمی سفر کا باضابطہ آغاز ''البیان'' ہی سے کیا تھا، یواین آئی کی اردو سروس سے وابستہ اور ہندوستان کے بیشتر موقر اخباروں میں چھپنے والے عابد انور بھی طلبہ ارریا (بہار) کے نمایندہ ''الاصلاح'' اور ''البیان'' کے مدیر رہ چکے ہیں، اپنے منفرد ادبی آہنگ اور بلند تنقیدی شعور کے حوالے سے ادبی حلقوں میں معروف حقانی القاسمی کی ادبی زندگی کا آغاز بھی ''الاصلاح'' ہی سے ہوا تھا، ان کے علاوہ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر، مولانا وارث مظہری قاسمی، مفتی اعجاز ارشد قاسمی، مولانا فضیل احمد ناصری، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا بختیار ثاقب قاسمی وغیرہ سب کے سب اپنے اپنے زمانۂ طالبِ علمی میں اپنے ضلعوں اور صوبوں کے نمایندہ جداری پرچوں سے منسلک رہے ہیں اور ان پرچوں نے ان کی مابعد کی ادبی وصحافتی زندگی کے لیے ''سمت نما'' کا کام کیا ہے۔

دارالعلوم کے جداری پرچوں کی تاریخ:

فی الوقت دارالعلوم کے تاریخی حصے ''احاطۂ مولسری'' سے لے کر صدر دروازے کے آخری سرے تک طباعت وکتابت کی جدید تر سہولتوں سے لیس رنگارنگ جداری پرچوں کی ایک لمبی ڈار لگی رہتی ہے، ان پرچوں کی تعداد سو سے زائد ہے اور یہ اردو کے علاوہ عربی، انگریزی، بنگالی اور تمل زبان میں بھی نکالے جاتے ہیں، ان میں بیشتر ماہ نامے، کچھ پندرہ روزہ اور چند ایک ہفت روزہ بھی ہیں، دارالعلوم میں جداری پرچہ نکالنے کی بنا مولانا حامد الانصاری غازی نے ڈالی ہے، انہوں نے سب سے پہلے ۱۹۲۶ء میں، جب کہ وہ دارالعلوم کے طالب علم تھے، ایک جداری پرچہ ''گل باغ'' کے نام سے جاری کیا تھا، بعد میں اس کا نام بدل کر ''بہارِ باغ'' رکھ دیا، یہ دونوں پرچے ہفتہ وار تھے اور دارالعلوم کے ہاسٹل ''احاطۂ باغ'' سے جاری ہونے کی وجہ سے ان ناموں سے موسوم کیے گئے تھے، اس کے بعد انہوں نے حضرت شیخ الہند کی یادگار کے طور پر ایک ہفت روزہ پرچہ ''المحمود'' بھی جاری کیا تھا، اگلے سال فراغت حاصل کر لینے کے بعد انہوں نے ایک ہفت روزہ رسالہ ''مہاجر'' بھی جاری کیا، جو ضخیم ہوتا اور کئی رنگوں میں چھپتا تھا۔ (۱)

---

(۱) مشتاق تجاروی (ڈاکٹر)، مولانا حامد الانصاری غازی: ایک تعارف، مشمولہ: ترجمانِ دارالعلوم، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۷ء، ص: ۵۴-۵۵۔

غازی صاحب کی اس انوکھی پیش رفت نے ایک علمی، ادبی وصحافتی تحریک کی شکل اختیار کرلی اور اُدھر وہ تو اپنے ''باغوں'' کی خوشبو سے بجنور، ممبئی اور دہلی کے گل دستہ ہائے ادب وصحافت کو معطر کرنے نکل پڑے، اِدھر طلبۂ دارالعلوم ان کی اس ''بدعتِ حسنہ'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کچھ ذاتی اور کچھ مختلف ضلعوں اور صوبوں کی انجمنوں کی طرف سے جداری پرچے نکالنے لگے، پہلے یہ قلمی ہوتے ہوتے تھے اوران کی تعداد بھی کم تھی، اب یہ کمپوز شدہ ہوتے ہیں اوران کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔

پھر جداری پرچوں کی یہ روایت صرف دارالعلوم میں ہی نہیں؛ بلکہ ہندو بیرون ہند کے تمام قابلِ ذکر مدرسوں کے طلبہ میں جاری وساری ہے اور بلا شبہ یہ غازی صاحب ہی کی برپا کردہ تحریک کا تسلسل ہے؛ کیوں کہ ان تمام مدرسوں کے ذمہ داران واساتذہ، جو اپنے طلبہ کو اس کی ترغیب وتشویق دلاتے ہیں، سب بلا واسطہ یا بالواسطہ ''تحریکِ غازی'' کے ارکان، گلشن قاسم ومحمود کے ریزہ چیں اوراس کی علمی، ادبی وفکری وراثتوں کے امین ہوتے ہیں۔

دارالعلوم کے جداری پرچوں کے مشمولات:

ان پرچوں کے مشمولات کی نوعیت علمی، ادبی، سماجی، سوانحی، ہرطرح کی ہوتی ہے، البتہ ان میں علم کی وہ پختگی، مطالعے کی وہ گیرائی، استدلال واستنتاج کی وہ قوت اورادب وانشا کا وہ حسن، جو پختہ کاراہلِ قلم اورکہنہ مشق اُدبا کے یہاں پائے جاتے ہیں، بہت حد تک ان کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا مذکورہ اوصاف سے بہ کمال وتمام متصف ہونا ممکن بھی نہیں، کہ ان کے تخلیق کار ابھی نو آموز ہوتے اوران کے فکر واحساس کے بہت سے دریچے ہنوز کھلے ہوئے نہیں ہوتے ہیں؛ لیکن ان سب کے باوصف انہیں پڑھ کر ایک حقیقت شناس قاری یہ اندازہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان تازہ واردان بساطِ قلم وقرطاس نے اپنی تخلیقات پیش کرنے میں غیر معمولی کد وکاوش اور حد درجہ جگر کاوی سے کام لیا ہے اوراگر یہ مسلسل لوح وقلم کی پرورش میں لگے رہے، تو کامرانیوں اور نیک نامیوں سے معمور مستقبل ان کے لیے چشم بہ راہ ہے۔

چند مشہور جداری پرچے:

ویسے تو دارالعلوم کا ہر جداری پرچہ کسی نہ کسی وصفِ خاص کی وجہ سے کچھ نہ کچھ دائرۂ شہرت رکھتا ہے، مگر ان میں چند ایسے ہیں، جنھیں پورے دارالعلوم میں پسند کیا جاتا اور جنھیں دارالعلوم کا ہر باذوق طالب علم ہی نہیں ؛ بلکہ ہر وارد و صادر بھی شوق و انہماک سے پڑھتا ہے، ان میں طلبۂ دارالعلوم کی ۶۶ سالہ قدیم لائبریری ''مدنی دارالمطالعہ'' کا آرگن ماہ نامہ'' آزاد'' جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی یاد میں، مولانا سید ارشد مدنی کے زیر سرپرستی نکلتا ہے اور طلبۂ بہار، جھارکھنڈ، اُڑیسہ و نیپال کی مشترکہ ۸۷ سالہ قدیم ''سجاد لائبریری'' کا ترجمان ماہ نامہ ''البیان'' (اردو) اور ماہ نامہ ''الفصیلۃ'' (عربی)، جو بہ یادگار ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ، عالم اسلام کے معروف ادیب وصحافی مولانا نور عالم خلیل امینی کی سرپرستی میں نکلتے ہیں، بہ طور خاص قابل ذکر ہیں، ان دونوں لائبریریوں سے ہفتہ وار اخباری پرچے ''البلاغ'' (اردو و عربی) اور ''آئینہ ایام'' بھی شائع ہوتے ہیں، ان پرچوں میں دینی، سیاسی اور سماجی موضوعات پر مقالات کے علاوہ دارالعلوم کی خبریں، اساتذۂ دارالعلوم کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات، مشہور شعرا اور ذوق سخن رکھنے والے طلبہ کی شعری تخلیقات، عام طلبہ کے افادے کے لیے اردو و عربی اقوال زریں اور منتخب جدید تعبیرات وغیرہ بھی بہ مواظبت شائع کی جاتی ہیں، جنھیں پڑھنے اور ان سے مستفید ہونے والوں کا ہمہ وقت جمگھٹا سا لگا رہتا ہے۔

جداری پرچوں کی فہرست:

دارالعلوم کے طلبہ کے صحافتی شعور کو سمجھنے، علم و ادب و تحقیق سے ان کی شیفتگی، قوم وملت کی محسن علمی، دینی و سیاسی شخصیات سے ان کے ذہنی قرب اور اپنے مطالعات و مشاہدات کو خوب سے خوب تر بنا کر تحریری شکل میں پیش کرنے کے حوالے سے ان کے حوصلوں اور ہمتوں کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے ان تمام جداری پرچوں پر ایک نظر ڈال لینا فائدے سے خالی نہیں ہے، جو احاطۂ دارالعلوم میں ایک عرصۂ دراز سے نکل رہے ہیں، اس لیے ذیل میں اُن پرچوں، اُن کے شائع کنندگان اور جن قدآور شخصیات کی یاد میں وہ نکالے جاتے ہیں، ان کی فہرست درج کی جاتی ہے:

وقفۂ اشاعت	نام	ناشر	بہ یادگار
ماہ نامہ	الاحد	طلبۂ دیوبند (یوپی)	مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ
〃	القاسم	〃 ضلع سہارنپور	حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
〃	المناظر	〃 〃 بجنور	مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ
〃	الفضل	〃 〃 امروہہ	مولانا فضل الرحمٰنؒ
〃	سالار	〃 〃 مظفرنگر	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
〃	الفخر	〃 〃 غازی آباد	مولانا فخرالدین مرادآبادیؒ
〃	پیغام	〃 〃 مرادآباد و سنبھل	〃
〃	نشان	〃 〃 فرّخ آباد	
	منزل		
〃	المجاہد	〃 〃 بجنور	مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
〃	البدر	〃 〃 میرٹھ	مولانا بدر عالم میرٹھیؒ
〃	القائد	〃 〃 مئو	ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
〃	پاسبان	〃 〃 اعظم گڑھ	
〃	عقاب	〃 〃 بستی و کبیر نگر	مجاہد آزادی مولانا جعفر علی بستویؒ
〃	شیراز ہند	〃 〃 جون پور	مولانا کرامت علی جون پوریؒ
〃	السلطان	〃 〃 سلطان پور	مولانا سعید احمد سلطان پوریؒ
〃	شہاب	〃 〃 سدھارتھ نگر	مولانا حکیم عبدالحمیدؒ
〃	العرفان	〃 〃 نینی تال، اودھم سنگھ نگر و بریلی	مولانا محمد عرفانؒ
〃	الجوہر	〃 〃 رامپور	رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ

//	الوہاب	// //گونڈہ وبلرامپور	مولانا قاری عبدالوہابؒ
//	المنیر	// //پرتاب گڑھ	مولانا منیر صاحبؒ
//	بزم اکبر	// //الہ آباد	لسان الہند علامہ اکبر الہ آبادیؒ
//	النعمان	// //دیوریا وکشی نگر	امام اعظم ابوحنیفہؒ
//	الفیض	// //فیض آباد وامبیڈکر نگر	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
//	الحسین	// //گورکھپور ومہراج گنج	//
//	غازی	// //بنارس وغازی پور	ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ
//	التنظیم	// //سیتاپور	علامہ فضل حق خیرآبادی
//	المشر	// //لکھیم پورکھیری	مولانا حکیم رمضان الحقؒ
//	المحفوظ	// //بہرائچ وشراوستی	مولانا محفوظ الرحمٰن نامیؒ
//	نقش دوام	//// پٹنہ، جہان آباد، نالندہ واروال (بہار)	سلطان القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
//	صبح نو	// //مظفر پور، سیتامڑھی، ویشالی وشیوہر	مولانا محمد حسین بہاریؒ
//	افکار	// //دربھنگہ، مدھوبنی وسمستی پور	
//	الحفیظ	// //سہرسہ	مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ
//	بہارنو	// //کٹیہار	
//	الحرم	// //ارریا	خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ
//	الاصلاح	// //پورنیہ	امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
//	الکلام	// //گیا، نوادہ واورنگ آباد	مولانا خیر الدین گیاویؒ
//	شمع ہدایت	// //بانکا	
//	ہلال	// //مونگیر، بیگوسرائے وکھگڑیا	بانیِ ندوۃ العلما مولانا محمد علی مونگیریؒ
//	آبشار	// //بھاگلپور	مفتی سہول احمد بھاگلپوریؒ

//	ریاض	// // چمپارن	مولانا ریاض الدین چمپارنی
//	شمعِ نو	// // کشن گنج	مولانا منور حسینؒ
//	آفتاب	// صوبہ جھارکھنڈ	مولانا رحمت اللہ صاحبؒ
//	پرواز	// ضلع گڈا	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
//	الکلام	// // رانچی	امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ
//	ماہ تاب	// // گریڈیہ و بوکارو	مولانا اسعد صاحبؒ
//	پیامِ نیپال	// نیپال	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی
//	الفلاح	// صوبہ مہاراشٹر	حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ
//	الاطہر	// // ضلع تھانہ	مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ
//	المرغوب	// // ممبئی	مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ
//	تہذیب الاخلاق	// دارالعلوم امدادیہ، ممبئی	مولانا عبدالعزیز بہاریؒ
//	المعراج	// معراج العلوم ممبئی	
//	الدعوہ	// ضلع پالن پور (گجرات)	علامہ محمد طاہر پٹنیؒ
//	انقلاب	// // سورت	مولانا احمد بزرگ سملکیؒ
//	اتحاد	// صوبہ حیدرآباد دکن	
//	المصباح	// ضلع رائل سیما، گنٹور، وجے واڑہ ونلور	
//	التبیان	// صوبہ کرناٹک	ٹیپو سلطان شہیدؒ
//	الضیاء	// ضلع دیناج پور (مغربی بنگال)	مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ
//	التبلیغ	// صوبہ میوات	بانی تحریک تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلوی
//	حیاتِ نو	// // اڑیسہ	مولانا اسماعیل کٹکیؒ
//	الوجدی	// // ایم پی	مولانا سید عابد علی وجدیؒ

//	الاحرار	// // پنجاب، ہریانہ وہماچل پردیش	رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ
//	الصابر	// ضلع ہردوار (اتراکھنڈ)	خواجہ علاؤالدین صابر کلیریؒ
//	المعین	// صوبہ راجستھان	خواجہ معین الدین چشتیؒ
//	النور	// // جموں وکشمیر	
//	الانور	// دارالعلوم دیوبند	خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ
//	اختر	// دارالعلوم دیوبند	مولانا سید اختر حسین دیوبندیؒ
//	عزم حسین	// //	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
//	الفقہ	// تدریب افتادارالعلوم دیوبند	
//	القاسم	// درجہ عربی چہارم دارالعلوم دیوبند	حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
//	الرشید	// //	فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
//	المحمود	// //	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
//	النصیر	// دارالعلوم دیوبند	شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ
//	تذکیر القرآن	// تخصص فی التفسیر دارالعلوم دیوبند	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

عربی پرچے

ماہنامہ	الروضہ	طلبۂ النادی الادبی العربی
//	النداء	// // //
/	الربیع	// // //
//	الثقافۃ	// // //
//	النادی	// // //

// القاسم // // //

// النہضہ // // //

// الیقظۃ // // //

// الزہرہ // // //

// الوحید // // //

// الادب // // //

// الکوکب // // //

// الامداد //صوبہ آندھراپردیش — سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ

// الدعوہ // //حیدرآباددکن — مولانا محمد الیاس کاندھلوی

// السلطان الشہید // //کرناٹک — ٹیپوسلطان شہیدؒ

// الثاقب //دارالعلوم دیوبند

// الحق المبین //ضلع اعظم گڑھ — شیخ المشائخ مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ

// القاضی // //دربھنگہ، مدھوبنی وسمستی پور — فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ

// المرتضی // //بجنور — مولانا مرتضی حسن چاندپوری

// الوعی الاسلامی // //امروہہ — شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہوی

// الرمضان // //لکھیم پورکھیری — مولانا حکیم رمضان الحقؒ

// البلاغ // صوبہ آسام — شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

// مینار (بنگالی) //صوبہ بنگال

// انقلاب (//) // // // //

//	اسلام جوتی (//)	//	// // //	
//	نوا چیتنا (//)	//	// //	
//	دعوت حق (//)	//	// //	
//	الدعوہ (عربی)	طلبۂ شعبۂ انگریزی زبان وادب		
//	الرشید (تیلگو)	//	صوبہ تمل ناڈو	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

دار العلوم وقف دیوبند کے جداری پرچے:

دار العلوم وقف کے طلبہ کی بھی اپنی اپنی ضلع وارا انجمنیں ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنی خطابی و صحافتی کی تخلیق و افزایش کا سامان کرتے ہیں، طلبۂ وقف دار العلوم کی مرکزی انجمن "بزمِ حجۃ الاسلام" ہے، جو بانیِ دار العلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کی یاد میں قائم کی گئی ہے، اس انجمن کے زیرِ اہتمام ہفت روزہ اخباری پرچہ "الرسالہ" اور ماہانہ اردو رسالہ "القاسم" اور عربی رسالہ "الاحمد" نکلتے ہیں، شعبۂ مناظرہ سے بھی ایک ہفت روزہ پرچہ "فکرِ فردا" کے نام سے نکلتا ہے، ان کے علاوہ دیگر ضلعی انجمنوں سے بھی مختلف زبانوں میں ماہانہ اردو وعربی رسائل نکلتے ہیں، جن کی فہرست درجِ ذیل ہے:

وقفۂ اشاعت	نام	ناشر	بہ یادگار
ماہ نامہ	المرشد	طلبۂ ضلع مظفر نگر (یوپی)	مولانا مہربان شاہ بڑوتویؒ
//	السلطان	// // غازی آباد	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ
//	بڑھتے قدم	// // شاملی	مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ
//	پیغامِ یار	// // پرتاپ گڑھ	مولانا یار محمد پرتاپ گڑھیؒ
//	الاسلام	// // بستی و کبیر نگر	
//	النظام	// // بارہ بنکی	ملا قطب الدین شہیدؒ
//	القاسم	// // سدھارتھ نگر	

//	ندائے اسلام	// // گورکھپور	
//	بزم سلامت	// // بہرائچ وشراوستی	مولانا سلامت اللہ صاحبؒ
//	المنادی	// // کشی نگر	مولانا سعید الزماں قاسمیؒ
//	المبین	// // کان پور، فتح پور وباندہ	الحاج مبین الحق صاحبؒ
//	ابوالمآثر	// // اعظم گڑھ	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
//	المحشر	// // لکھیم پور کھیری	مولانا حکیم رمضان الحقؒ
//	الوہاب	// // بلرام پور وگونڈہ	قاری عبدالوہاب گونڈویؒ
//	الحق	// // سیتاپور	علامہ فضلِ حق خیرآبادیؒ
//	الکریم	// // // سیتامڑھی، مظفرپور ویشالی وشیوہر	قطب الاقطاب مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ
//	العارف	// // دربھنگہ	مولانا محمد عارف ہرسنگھ پوریؒ
//	المنت	// // سہرسہ ومدھے پورہ	امیرِ شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
//	الدیانت	// // بھاگل پور	حافظ دیانت علیؒ
//	الجلیل	// // سپول	مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ
//	المجاہد	// // ارریہ	فقیہ العصر قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
//	الریاض	// // چمپارن	شیخ التفسیر مولانا ریاض احمد چمپارنیؒ
//	الصمد	// // مونگیر، بیگوسرائے وکھگڑیا	مولانا عبدالصمد رحمانیؒ
//	الاحمد	// // پورنیہ	مولانا حافظ احمد صاحبؒ
//	الامین	// // کٹیہار	مولانا امام الدین صاحبؒ ومولانا محمد علی مونگیریؒ
ہفت روزہ	کارواں	// // دربھنگہ	مولانا مفتی انوارالحق دربھنگویؒ
ماہ نامہ	النہضہ	// // مدھوبنی وسمستی پور	مولانا زبیر احمد قاسمی
//	الہادی (آسامی)	// // نوگاؤں ومری گاؤں	

//	المباحثہ (بنگالی)	//	صوبۂ بنگال	
//	اگردوت (//)	//	ضلع ۲۴ ر پرگنہ	
//	سنگرام	//	مشرقی بنگال	
//	الراغبی (اردو)	//	دکھن نوگاؤں	
//	البرکت	//	صوبہ مدھیہ پردیش	مولانا برکت اللہ بھوپالیؒ
//	الحیدر	//	// کرناٹک	حیدر علی والد سلطان ٹیپو شہیدؒ
//	صدائے عاقل	//	// آندھرا پردیش	مولانا حمید الدین عاقل حسامیؒ
//	ن والقلم	//	// راجستھان	خواجہ معین الدین چشتیؒ
//	التبلیغ	//	// میوات	بانی تحریکِ تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ
//	الاتحاد	//	// منی پور	مولانا عبدالرحیم منی پوریؒ
//	الطاہر	//	// مہاراشٹر	مولانا قاری محمد طاہرؒ
//	عروس البلاد	//	ممبئی	حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ
//	بوئے وفا	//	صوبۂ گجرات	مولانا غلام نبی تاراپوریؒ
//	الاشرف	//	// اڑیسہ	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
//	الوحید	//	ضلع گڈا	مولانا وحید الزماں گڈاویؒ
//	المعادن	//	صوبۂ جھارکھنڈ	
//	صدائے نیپال	//	نیپال	علامہ جلال احمد خستہؒ
//	الانور	//	صوبۂ جموں وکشمیر	علامہ انور شاہ کشمیریؒ
//	الہادی (عربی)	//	تکمیلِ ادب	

دیوبند سے نکلنے والے رسائل واخبارات:

دارالعلوم کے علاوہ خود دیوبند سے بھی اب تک خاصی تعداد میں اخبارات ورسائل شائع ہو چکے ہیں اوران میں سے تقریباً تمام کے بانی ومدیر دارالعلوم کے فیض یافتگاں ہی رہے ہیں،

ان میں کچھ وہ تھے، جو نسلاً یہیں کے پروردہ اور اسی کی خاک سے اٹھنے والے تھے اور کچھ وہ، جو ملک کے بعید المسافت خطوں سے اکتسابِ فیض کی خاطر دیوبند آئے، پھر اس کی دل کش وروح پرور علمی، تہذیبی اور روحانی فضاؤں نے ان کے قدموں کو جکڑ لیا اور وہ یہیں رہ پڑے۔

اس سے انکار کرنا شپرہ چشمی ہوگی کہ دیوبند سے ماضی میں جو اخبارات ورسائل جاری ہوئے، وہ وقت کی آواز تھے اور ان میں کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی امنگ وترنگ موجود تھی؛ لیکن ان سب کی ٹریجڈی یہ رہی کہ وہ نکلتے گئے اور کسی نہ کسی عارض کی وجہ سے بند ہوتے گئے، بہت سوں کے مدیر نے جب کسی وجہ سے دیوبند کو خیر باد کہا، تو ان کا رسالہ بھی ان کے ساتھ ہی چل بسا، بہت سے مالیاتی بحران کا شکار ہو کر جاں ہار ہو گئے، کئی ایک کے ذمے داروں کی پست ہمتی انھیں لے ڈوبی اور چند ایک اپنے مدیر کی حیات تک تو بڑی آب وتاب کے ساتھ نکلے اور دنیاے ادب وصحافت سے خوب ستایش وتحسین بھی حاصل کی، مگر اِدھر ان کے مدیر کی وفات ہوئی، اُدھر ان کا سفر اشاعت بھی تمام ہو گیا۔

دیوبند سے ماضی میں جو اخبار یا رسائل نکل چکے ہیں، ان میں ''المفتی'' (مفتی محمد شفیع ''خالد'' (مولانا سید محمد میاں) ''تجلی'' (مولانا عامر عثمانی) ''القاسم'' ومہاجر'' (مولانا وحید الزماں کیرانوی) ''تذکرہ'' (نجم الدین اصلاحی) ''سلطان العلوم'' (عتیق الرحمن آروی) ''المحمود''، ''الخلیل'' و''میقات'' (یحیٰ صدیقی تھانوی) ہفت روزہ ''انور'' وماہ نامہ ''طیب'' (سید ازہر شاہ قیصر) ''قاسمی میگزین'' (طلبۂ دارالعلوم) ماہ نامہ ''سیاست'' (مولانا اسحاق علی) پندرہ روزہ ''مرکز'' (عبداللہ جاوید) ماہ نامہ ''اسلامی دنیا'' (امتیاز نسیمی) پندرہ روزہ ''خبر نامہ'' (اظہر صدیقی) ماہ نامہ ''ہادی'' ''یثرب'' و''نقش'' (مولانا سید انظر شاہ کشمیری) پندرہ روزہ ''اشاعتِ حق'' (مولانا نسیم اختر شاہ قیصر) ماہ نامہ ''پیغام محمود'' (طیب ہردوئی)، پندرہ روزہ ''دیوبند ٹائمز'' (مولانا شاہین جمالی، مولانا اعجاز احمد قاسمی) پندرہ روزہ ''چراغِ حرم''، ماہ نامہ ''الاصغر''، پندرہ روزہ ''اجتماع'' (مولانا حسن الہاشمی، ڈاکٹر عبید اقبال عاصم)، پندرہ روزہ ''نگراسپاٹ''، پندرہ روزہ ''دیوبند ایکسپریس'' ماہ نامہ ''توحید''، ماہ نامہ ''الایمان'' (ڈاکٹر تابش مہدی) ماہ نامہ ''مشرب'' (مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی) پندرہ روزہ ''عقائد'' (مفتی فضیل

الرحمٰن ہلال عثمانی، اطہر عثمانی) ماہ نامہ ''عزمِ حسین'' (مولانا سید حبیب اللہ مدنی) اور پندرہ روزہ ''حکیم الاسلام ٹائمز'' (مولانا محمد سفیان قاسمی) لائقِ ذکر ہیں۔

ان میں کچھ پچاس اور اکثر ساٹھ اور نوے کی دہائیوں کے دوران جاری ہوئے اور چند مہینوں، چند سالوں اور دو ایک صرف ایک شمارے میں ہی دم توڑ گئے، ان میں صرف ''تجلی'' وہ واحد رسالہ ہے، جو مولانا عامر عثمانی کی ادارت میں متواتر ۳۵ سال تک جاری رہا اور نہ صرف جاری رہا؛ بلکہ اس نے اردو کی ادبی و علمی صحافت میں اپنا خاص مقام بنایا اور پورے برصغیر میں اپنے لاکھوں پرستار پیدا کیے، مولانا کی وفات (جولائی ۱۹۷۵ء) کے بعد بھی ان کے وارثین سات آٹھ سال تک کسی نہ کسی طرح اسے نکالتے رہے، مگر ع

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

دوسرا پندرہ روزہ اخبار ''دیوبند ٹائمز'' ہے، جو ایک طویل عرصے تک جاری رہا اور اپنے وقت کے مقامی اخباروں میں منفرد شناخت رکھتا تھا۔

دیوبند کے موجودہ رسائل:

فی الوقت دیوبند سے جو رسائل نکل رہے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) ''ندائے دارالعلوم''، یہ وقف دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ہے، اس کے پہلے مدیر مولانا عبدالرؤف عالی رہے اور یہ پندرہ روزہ تھا، پھر ایک عرصے تک بند رہا، دسمبر ۲۰۰۶ء سے اس کی دوبارہ ماہانہ اشاعت شروع کی گئی اور اس کے مدیرِ تحریر مولانا غلام نبی کشمیری بنائے گئے، اب بھی مولانا ہی اس کے مدیر ہیں، اس پرچے کے مشمولات تمام تر علمی و دینی نوعیت کے ہوتے ہیں، مدیر اور ملک کے دیگر اہلِ قلم کے علاوہ مولانا محمد سالم قاسمی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تحریریں اس رسالے میں پابندی سے شائع کی جاتی ہیں، وقفے وقفے سے وقف دارالعلوم کے کوائف اور سرگرمیوں کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔

(۲) ماہ نامہ ''طلسماتی دنیا''، یہ مولانا حسن الہاشمی (فاضلِ دارالعلوم) کی ملکیت وادارت میں، ان کے ادارہ ''ہاشمی روحانی مرکز'' سے گزشتہ ۱۹ سالوں سے نکل رہا ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کا مزاج ونہاد عام رسالوں سے بالکل علیحدہ اور ان کی ''روحانی'' سرگرمیوں کا آئینہ

دار ہے، البتہ مختلف عصری مسائل پر مولانا ہاشمی کے بصیرت افروز اداریے فکر و نظر کو مہمیز کرنے والے ہوتے ہیں، اسی طرح اس کا ''اذانِ بت کدہ'' کا کالم بھی خاصے کی چیز ہے، نیز اس کے سلسلہ وار شائع ہونے والے ادبی ناولوں میں بھی ادب نواز طبقے کی دل چسپی کا سامان ہوتا ہے۔

(۳) ماہ نامہ ''ترجمانِ دیو بند''، یہ رسالہ بارہ سال سے مشہور اہلِ قلم مولانا ندیم الواجدی کی ادارت میں نکل رہا ہے اور اپنے علمی، دینی، سیاسی ادبی اور تحقیقی مضامین کی وجہ سے اہل علم ونظر میں خاصا مقبول ہے۔

(۴) ماہ نامہ ''محدثِ عصر''، اس پرچے کو مولانا سید انظر شاہ کشمیری نے اپنے قائم کردہ ادارے ''جامعہ امام محمد انور شاہ'' سے ۲۰۰۱ء میں جاری کیا تھا اور تا حیات (اپریل ۲۰۰۸ء) مولانا ہی اس کے سرپرست اور مدیر رہے، ان کی وفات کے بعد سے ان کے صاحب زادے مولانا سید احمد خضر شاہ اس کے مدیر ہیں، اس کے مشمولات بھی خالص علمی و دینی ہوتے ہیں، حضرت علامہ کشمیریؒ کی تحقیقات اور مولانا سید انظر شاہؒ کی علمی و ادبی تحریریں بھی بہ کثرت شائع کی جاتی ہیں، اس کا اداریہ، جسے ''عصریات'' کے عنوان سے پہلے اس کے بانی اور اب ان کے صاحبزادے سیاسیاتِ عالم پر لکھتے ہیں، خاص اہمیت رکھتا ہے، اسی طرح اس کا ''نقد و نظر'' کا کالم بھی جدید مطبوعات پر بے لاگ و سنجیدہ اور مبنی برحق تبصروں کے حوالے سے اپنی خاص شناخت رکھتا ہے، ''نقد و نظر'' کا فریضہ مولانا فضیل احمد ناصری انجام دیتے ہیں، جو اس رسالے کے رکنِ مجلس ادارت اور مرتب بھی ہیں، ''جامعہ کی سرگرمیاں'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں ہر ماہ جامعہ امام محمد انور شاہ کی تازہ سرگرمیاں، واردین و صادرین کے تأثرات اور مدیرِ جامعہ کے اسفار کی روداد شائع کی جاتی ہے۔

(۵) ماہ نامہ ''اتباعِ سنت'' یہ خالص علمی و دینی رسالہ ہے، جو دیو بند کی قدیم ترین درس گاہ مدرسہ اصغریہ سے ۲۰۰۰ء سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرست و مدیرِ اعلیٰ مولانا سید عقیل حسین اور مدیر مولانا جاوید اختر آسی ہیں۔

(۶) سہ ماہی ''النصرۃ''، یہ رسالہ گزشتہ دو سال سے دار العلوم النصرۃ، قاسم پورہ روڈ دیو بند سے جاری ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ مولانا جمیل احمد قاسمی، نائب مدیر مولانا اسجد قاسمی اور معاون

مولانا محمد ارشد قاسمی ہیں، اس کے مضامین بھی خالص علمی و مذہبی ہوتے ہیں، فقہی سوالوں کے جوابات، دارالعلوم النصرہ کا تعارف اور مدیر جامعہ کی علمی و تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی اس میں پابندی سے چھپتی ہیں۔

(۷) سہ ماہی ''ترجمانِ تھانوی''، مولانا اشرف علی تھانوی فاؤنڈیشن کے تحت نکلنے والا یہ اپنی نوعیت کا منفرد اور معیاری رسالہ ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ وقار علی بن مختار علی، مدیرِ تحریر نایاب حسن قاسمی اور معاون مدیر مولانا ارشاد احمد عثمانی ہیں، اس کا آغاز ویسے تو اپریل ۲۰۱۰ء میں ہوا تھا، مگر بہ وجوہ اس کی اشاعت التوا سے دوچار ہوگئی تھی، اپریل ۲۰۱۳ء میں اس کی نشأتِ ثانیہ حکیم الامت حضرت تھانوی کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں کو محیط بیش قیمت تحقیقی مقالات پر مشتمل خصوصی شمارے سے ہوئی ہے، بنیادی طور پر اس کا ارتکاز حضرت تھانوی کے افکار و معارف کی توسیع پر ہے، مگر دیگر اسلامی، تاریخی، علمی و ادبی موضوعات پر تحقیقی مقالات کی اشاعت بھی اس کے اہداف میں شامل ہے۔

☆☆☆☆☆

تیسرا باب

آسمانِ صحافت کے تابندہ ستارے

مولانا سید ممتاز علی دیوبندیؒ

۱۸۶۰ء-۱۲۷۷ھ/ ۱۹۳۵ء-۱۳۵۴ھ

ہندوستان میں تعلیمِ نسواں کو تحریک کی شکل دینے والے اور خواتینِ ہند کو ان کے علمی حقوق کے حصول کا بلند تر شعور بخشنے والے مولانا سید ممتاز علیؒ نہ صرف دیوبند کے فیض یافتہ تھے؛ بلکہ ان کا ضمیر وخمیر بھی یہیں کی خاک میں گندھا تھا، آپ کے والد سید ذوالفقار علیؒ صوبۂ پنجاب میں ایکسٹرا اسسٹینٹ کمشنر تھے اور ''تحریکِ دارالعلوم'' کے اولین اعانت کنندگان میں آپ بھی شامل تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طے کردہ اصولِ ہشت گانہ کے موافق جب یہ طے کیا گیا کہ دارالعلوم کی تمام تر علمی وانتظامی سرگرمیاں عوامی چندے سے انجام پایا کریں گی، تو اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت حاجی سید عابد حسینؒ نے عملی اقدام کیا، حاجی فضل حق صاحبؒ (۱) نے حضرت نانوتویؒ کی سوانح مخطوطہ (۲) میں اس کی تفصیلی روداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ایک دن بہ وقتِ اشراق حضرت حاجی محمد عابد سفید رومال کی جھولی بنا کر اور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال چھتے کی مسجد میں تن تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم (استاذ حضرت نانوتوی) کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب (۳) اور چھ روپے اس مسکین (مصنفِ سوانح) نے دیے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالیٰ (حضرت شیخ الہند کے والدِ محترم اور عربی زبان کے

---

(۱) یہ حضرت نانوتویؒ سے بیعت تھے اور دارالعلوم کے اولین منشی اور تیسرے مہتمم بھی ہوئے۔

(۲) حضرت نانوتویؒ کی یہ سوانح دست بردِ زمانہ کی نذر ہوگئی، مولانا گیلانیؒ نے ''سوانح قاسمی'' میں جا بہ جا اس کے حوالے دیے ہیں، ''تاریخ دارالعلوم'' کے مصنف کے بہ قول اس کے شروع اور آخر کے حصے پہلے ہی ضائع ہو چکے تھے۔

(۳) دہلی کالج کے فیض یاب، اردو وفارسی کے بلند پایہ شاعر اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے یگانۂ عصر علما کے والدِ گرامی۔

ادیب بارع) کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں، فوراً بارہ روپے دیے اور حسنِ اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی دیوبندی ثانی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کیے.....‘‘۔(۱)

مولانا سید ممتاز علی دیوبندی نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد لاہور کو وطن ثانی بنایا اور وہیں ایک علمی، تصنیفی واشاعتی ادارہ ’’دارالاشاعت‘‘ قائم کیا، اسی ادارے سے مولانا نے اپنی اہلیہ محمدی بیگم کے زیرادارت یکم جولائی ۱۸۹۸ء کو خواتین کا رسالہ ’’تہذیبِ نسواں‘‘ جاری کیا، یہ رسالہ کیا تھا؟ ہندوستان کی علمی، ادبی اور صحافتی دنیا میں ایک انقلابِ عظیم، عورتوں کے تعلیمی وتہذیبی حقوق کے تحفظ کا اولیں علم بردار، قلم وقرطاس کی دنیا میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے ادبی وتخلیقی جوہروں کا آئینہ دار اور صنفِ لطیف کو احساس کہتری کی رنج دِہ صورتِ حال سے خلاصی بخشنے کا انتہائی قوی اور مثبت ذریعہ۔

’’تہذیبِ نسواں‘‘ کے یہی وہ امتیازی اوصاف تھے، جن کی وجہ سے دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں اس کی گونج سنائی دینے لگی اور اردو صحافت کی تاریخ میں ایک زرّیں باب کا اضافہ ہوا، پھر یہ رسالہ صرف معنوی خوبیوں ہی سے لیس نہ تھا؛ بلکہ اس کی ظاہری وضع بھی اپنے اندر جاذبیت ودل کشی کا پورا سامان رکھتی تھی اور اس کی غیر معمولی مقبولیت کا ایک راز یہ بھی تھا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا نے اس رسالے کے امتیازاتِ ظاہری ومعنوی کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’اس وقت نکلنے والے اردو رسائل کے مقابلے میں ’’تہذیبِ نسواں‘‘ کی وضع دل کش اور اسلوب شستہ تھا، اس رسالے نے سستے اور جنسی اشتہارات کو اپنے صفحات میں جگہ دینے سے سخت احتراز کیا، حال آں کہ ان دنوں قومی اخبارات اور رسائل میں اس قسم کی چیزوں کی بھرمار ہوتی تھی، اس کے علاوہ ’’تہذیبِ نسواں‘‘ میں قارئین کے لیے ہفتے بھر کی خبروں اور حالاتِ حاضرہ پر دل چسپ مضامین کا خلاصہ شائع کیا جاتا تھا، رسالے میں ایک حصہ بچوں کے لیے بھی مختص ہوتا تھا، ان تمام خوبیوں کی وجہ سے اس رسالے کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور جلد ہی یہ رسالہ اردو

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج:۱، ص:۱۵۱، بہ حوالہ سوانحِ مخطوطہ حضرت نانوتویؒ۔

صحافت میں ایک طاقت کی حیثیت اختیار کر گیا''۔(۱)

اردو کے نام ور صحافی مولانا غلام رسول مہر نے ''تہذیب نسواں'' کے فیضانات اور صنف لطیف پر مولانا سید ممتاز علی دیو بندی کے احسان عظیم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے، اپنے اخبار ''انقلاب'' میں لکھا:

''پشاور سے کنیا کماری تک جتنے مسلمان خاندانوں کی لڑکیاں اور عورتیں لکھنے پڑھنے کی معمولی شد بد رکھتی ہیں یا اعلیٰ تعلیم پا چکی ہیں یا پا رہی ہیں، وہ سب بلا مبالغہ شمس العلما مولانا ممتاز علی کے شرمندۂ احسان ہیں، جنہوں نے اپنی ساری عمر تعلیم و تہذیب نسواں کی نذر کر دی، وہ اس محدود دائرۂ عمل سے نکل کر قوم کی سیاسی و مذہبی رہنمائی کرتے، تو ملک کے بہترین رہ بروں کی صف اول میں ہوتے؛ لیکن قوم کے نصف کی بہتر تعلیم و تربیت معرض التوا میں پڑ جاتی؛ کیوں کہ اس دائرے میں بھی مولانا کا نعم البدل دست یاب ہونا بے حد دشوار تھا''۔

اس کے علاوہ مولانا سید ممتاز علی کی خدمات کا ایک درخشاں پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے ''تہذیب نسواں'' کے صفحات سے وقت کے بڑے بڑے فن کاروں کو ابھارا، اُجالا، ان کے قلم کو توانائی بخشی اور ان کے افکار کو بالیدگی، ڈاکٹر انور سدید نے ''تہذیب نسواں'' کی وسیع الجہات خدمات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''پنجاب میں تعلیم و بہبودی نسواں کی تحریک کو جن لوگوں نے فروغ دیا، ان میں سید ممتاز علی کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے ''تہذیب نسواں'' کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ یکم جولائی ۱۸۹۸ء کو اپنے ادارہ ''دار الاشاعت'' لاہور سے جاری کیا اور اس میں عورتوں کے ساجی، تہذیبی، مذہبی اور فکری مسائل کو زیر بحث لانے کا سلسلہ وسیع پیمانے پر شروع کیا، سید ممتاز علی کا مقصد خواتین کو صرف امور خانہ داری سے آشنا کرنا نہیں تھا، انہوں نے عورت کی ادبی صلاحیتوں کو بیدار کیا اور اپنے مسائل کو خود اپنی نظر سے دیکھنے کا ادراک عطا کیا، ان کی اس قسم کی مساعی کو سر سید احمد خاں، مولانا حالی اور نذیر احمد دہلوی کے علمی، فکری اور اصلاحی کاوشوں کا منطقی نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

''تہذیب نسواں'' ۱۹۴۹ء تک باقاعدگی سے چھپتا رہا، اس کے حلقۂ ادارت میں مولانا عبد المجید سالک، امتیاز علی تاج، اور احمد ندیم قاسمی جیسے ممتاز اُدبا شامل رہ چکے ہیں، ''تہذیب نسواں'' کو ایک ایسے ادبی پرچے کی حیثیت حاصل ہے، جسے مرد اُدبا مرتب کرتے تھے؛ لیکن جس کی

---

(۱) ڈاکٹر رفیق زکریا: *Rise Of Muslims In Indian Politics*، ترجمہ: ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج، مترجم: ڈاکٹر ثاقب انور، ص: ۳۱۰، مطبوعہ ترقی اردو بیورو ۱۹۸۵ء۔

حیثیت بہبودیٔ نسواں کی تھی ،اس نے عورتوں کی ذہنی بیداری ،شعور کی پختگی ،تعلیم میں پیش قدمی اور مسائل حیات میں بہ راہِ راست شرکت کے رجحانات کو تقویت دی ،''تہذیبِ نسواں'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ نصف صدی تک عورتوں کے حقوق کی نگہ داشت کرتا رہا اور ہر پڑھنے لکھنے گھرانے میں خواتین کے ذوق مطالعہ کا جزوِ لاینفک بن گیا، ''تہذیبِ نسواں'' نے خواتین کے قلم کو خصوصی اعتماد عطا کیا اور ثابت کر دیا کہ اعلیٰ درجے کی انشا پردازی صرف مردوں کا خاصہ نہیں ؛ بلکہ اس میں خواتین بھی اپنا تخلیقی کردار خاطر خواہ طور پر سرانجام دے سکتی ہیں، ''تہذیبِ نسواں'' اس دور میں نئی لکھنے والی خواتین کے لیے رہ نما ثابت ہوا، اس رسالے نے ان کی تخلیقی سرگرمیوں کے لیے پہلی سیڑھی کا کام کیا، اس کے صفحات سے نذر سجاد حیدر، محمدی بیگم، حجاب امتیاز علی، زبیدہ زریں، جمیلہ بیگم، سنجیدہ اشرف علی، سلطانہ آصف فیضی اور صغریٰ ہمایوں جیسے متعدد نام ابھرے''۔(۱)

مولانا نے ۱۹۰۵ء میں ایک رسالہ ''مشیرِ مادر'' کے نام سے بھی جاری کیا، پھر بچوں کے لیے ایک رسالہ ''پھول'' بھی جاری کیا، اس حیثیت سے مولانا کے ''پھول'' کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے کہ اس سے پہلے اردو میں بچوں کے ادب کا کوئی تصور نہ تھا، گویا مولانا نے اس کی خشتِ اول رکھی۔

مولانا نے تاحیات ادب وصحافت کی گیسوے گرہ گیر کو سنوارنے کے ساتھ قرآنِ کریم کو بھی اپنی علمی وفکری جولان گاہ بنایا اور انتہائی عرق ریزی سے علوم ومضامینِ قرآنی کا اشاریہ (Index) ''تفصیل البیان فی علوم القرآن'' کے نام سے تیار کیا، قرآنِ کریم کا ترجمہ بھی لکھنا شروع کیا تھا، مگر اس کی تکمیل سے پہلے ہی آپ کی حیاتِ مستعار کے ایام پورے ہوگئے اور دمِ واپسیں آ پہنچا، ترجمہ کی تکمیل بعد میں مولانا نجم الدین سیوہارویؒ نے کی۔

مولانا کی یہ کتاب چھ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی اور مولانا عبدالمجید سالک کے مطابق وقت کے قدآور علما حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی اہمیت ومنزلت کا اعتراف کیا، پانچ ہزار سے زائد عنوانات کی تعیین اور قرآنی مضامین کی تقسیم وتبویب کے اس عظیم الشان کارنامے کے

(۱) دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص: ۹۵-۹۶، بہ حوالہ: خواتین کے لیے رسائل، مطبوعہ: ماہ نامہ: ''شاعر''، ممبئی، جون ۲۰۰۳ء۔

حوالے سے سید امین الحسینیؒ، مفتی اعظم فلسطین نے فرمایا کہ:

''ایسی کتاب عرب دنیا میں بھی موجود نہیں، نجوم الفرقان اور فتح الرحمٰن وغیرہ موجود ہیں، جن کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ ایک لفظ بھی یاد ہو، تو آیت کا پتہ چل جاتا ہے؛ لیکن مسائل کی فہرست اور پھر ہر مسئلے کے متعلق تمام آیات کی یک جائی؛ یہ خوبی عربی زبان کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اس کتاب کو عربی میں چھاپنا چاہیے''۔(۱)

مولانا مظہر الدین شیرکوٹیؒ

وفات: ۱۹۳۸ء-۱۳۵۴ھ

صحافتِ اردو کے دامن کو اپنے خون سے لالہ گوں کرنے والے مولانا مظہر الدین ''شیر کوٹ''، ضلع بجنور سے وطنی تعلق رکھتے تھے، ابتدائی وثانوی تعلیم اپنے وطن اور کانپور میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں، ۱۹۰۸ء(۱۳۲۶ھ) میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی اور یہیں ایک سال تک تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔

مولانا کا ادبی وصحافتی سفر قیام دارالعلوم ہی کے دوران شروع ہو چکا تھا؛ چناں چہ ماہ نامہ ''القاسم'' میں آپ کے کئی مقالات شائع ہوئے، دارالعلوم سے نکلنے کے بعد مولوی مجید حسن کے اخبار ''مدینہ''، بجنور سے وابستہ ہوئے اور یہاں سے آپ کے قلم کی رفتار میں تیزی آئی، ۱۹۱۵ء میں مولانا آزاد کے قائم کردہ ادارہ ''دارالارشاد'' سے وابستہ ہوئے، مولانا نے آپ کو اپنے نادرۂ روزگار اخبار ''البلاغ'' کے حلقۂ ادارت میں بھی شامل کیا اور آپ نے اس میں بھی اپنے قلم کے جلوے بکھیرے، پھر جب مولانا آزاد کو ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ کے تحت نظر بند کر دیا گیا اور ''البلاغ'' بند ہو گیا، تو آپ بھی کلکتے سے نکل گئے، رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں آپ کی بابت لکھا ہے:

''مولوی مظہر الدین شیر کوٹ، ضلع بجنور کے شیخ علی بخش کا لڑکا ہے، دیوبند اور مدرسۂ الٰہیات کانپور میں تعلیم پائی ہے، تکمیلِ درس کے بعد اس نے آخر الذکر ادارے کے لیے بہت کافی تقریریں کیں اور چندہ جمع کیا، آخر میں اسے اس مدرسے میں ٹیچر مقرر کر دیا گیا، بعد میں مولانا عبید اللہ سندھی نے اس کی خدمات حاصل کر لیں اور ''جمعیۃ الانصار'' کا سفیر مقرر کر دیا، اس جماعت کی

---

(۱) عبدالمجید سالک، یاران کہن، ماہ نامہ ''الرشید'' لاہور: دارالعلوم دیوبند نمبر، مدیر: مولانا حبیب اللہ رشیدی، ص: ۵۹۴۔

جانب سے اس نے ملک میں بہت زیادہ سفر کیا، جنگ بلقان کے وقت کلکتہ میں ''قاسم المعارف'' سے بہ حیثیت مولوی وابستہ رہا، جو کلکتہ میں ''جمعیۃ الانصار'' کی شاخ تھی، جہاں اس نے ہلالِ احمر کے لیے روپیہ جمع کیا، ''جمعیۃ الانصار'' کے خاتمے کے بعد وہ دیوبند سے چلا گیا اور بعد میں یعنی اکتوبر ۱۹۱۴ء میں اسے ''نظارۃ المعارف القرآنیہ''، دلّی کا سفیر مقرر کر دیا گیا، ۱۹۱۵ء میں اس نے اس عہدے کو چھوڑ دیا، جب کہ عبیداللہ (سندھی) مفقود الخبر تھا اور اس نے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تحت ''دارالارشاد'' میں بہ حیثیت استاذ اور ''البلاغ'' میں بہ حیثیت ایڈیٹر ملازمت قبول کر لی، وہ مولانا محمود حسن کا مرید ہے اور دیوبند کے خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، جب ڈیفینس ایکٹ کے تحت مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتے سے نکال دیا گیا، تو مظہرالدین نے مختصر مدت تک ''ادیب'' اور ''رسالت'' کے شعبہ ادارت بھی میں کام کیا''۔(۱)

مولانا کی اب تک کی تمام تر سیاسی وصحافتی سرگرمیاں کانگریس کے نظریات ورجحانات کو فروغ دینے اور انھیں تقویت پہنچانے میں صرف ہوئیں، مگر پھر بہ وجوہ ان کے سیاسی افکار بدل گئے اور انھوں نے پورے اطمینانِ قلب اور سکونِ اندروں کے ساتھ مسلم لیگ کے افکار وتصوراتِ سیاسی کو قبول کر لیا اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کے مقدمۃ الجیش میں شامل ہو گئے اور دہلی سے سہ روزہ ''الامان'' اور روز نامہ ''وحدت'' جاری کیا، جو اپنے دور میں مسلم لیگ کے سرکردہ اخباروں میں شمار ہوئے، مولانا نے ان اخباروں کے ذریعے استدلال کی پوری قوت اور جذبے کی صداقت کے ساتھ لیگی نظریات کی حمایت کی اور اس کے لیے اپنی بصیرت مندانہ صحافت کے ساتھ خطابی معرکہ آرائیوں سے بھی کام لیا اور جس کو حق سمجھا، اس کے اظہار میں کوئی سا خوف ان کے لیے سدِّ راہ نہ بن سکا۔

خطابت وصحافت کے ساتھ ناول نگاری میں بھی مولانا مظہرالدین شیرکوٹی کو انفرادی شناخت حاصل تھی؛ چناں چہ اپنے وقت میں انھوں نے کئی ناول لکھے، جنھیں بے انتہا پذیرائی حاصل ہوئی۔

مخالفین آپ کے قلم کی تیغ رانی اور زبان کی شعلہ بیانی کی تاب نہ لا سکے اور ۱۹۳۸ء (۱۳۵۴ھ) کی ایک شب میں انھیں شہید کر دیا گیا، ہندوستانی ادب وصحافت کے تنگ نظر کج کُلا ہوں نے تو اس وجہ سے ان کی تمام تر قلمی وخطابی خدمات پر ''خطِّ نسخ'' پھیر دیا کہ انھوں نے کا

---

(۱) سید محمد میاں (مولانا)، تحریکِ ریشمی رومال، ص: ۴۰۵-۴۰۶، ط: مکتبہ جاوید، دیوبند ۲۰۰۲ء۔

کانگریس کی حمایت وتائید سے دست کش ہو کر مسلم لیگ کو لائق اعتنا سمجھا، جو ان کے نزدیک ایک ''ناقابلِ عفو جرم'' تھا، البتہ پاکستانی صحافت میں انہیں ''شہیدِ پاکستان'' کا خطاب دیا گیا اور یہ پاکستان کے اردو نوازوں کی احسان شناسی تھی!۔

علامہ احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادیؒ

۱۸۹۲ء-۱۳۱۱ھ/۱۹۵۱ء-۱۳۷۱ھ

اپنی گراں قدر ادبی وصحافتی خدمات کی وجہ سے ''شمس العلما'' اور ادیب الملک'' جیسے وقیع القاب سے نوازے جانے والے علامہ تاجور کا نسبی تعلق افغانستان کے روہیلہ خاندان سے تھا، ان کے اجداد ہجرت کر کے نجیب آباد، بجنور آ بسے، ان کی پیدائش یہیں ہوئی، ابتدائی وثانوی تعلیم بھی اپنے وطن ہی میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۶ء (۱۳۳۱ھ) میں فراغت حاصل کی، علامہ کے ادبی ذوق کی شستگی ورفتگی کے آثار دوران طالب علمی ہی میں ظاہر ہونے لگے تھے، دارالعلوم کے رسالہ ''القاسم'' میں ان کے کئی مقالات شائع ہوئے، جو علمی وتحقیقی رنگ کے ساتھ ادبی آہنگ بھی لیے ہوئے تھے۔

فراغت کے بعد انہوں نے اپنا کاروانی میدان ادب وصحافت ہی کو بنایا اور آغاز لاہور کے رسالہ ''مخزن'' سے کیا، یہ ایک خالص ادبی رسالہ تھا اور اس کے مالک سر عبد القادر تھے، پھر جب میاں بشیر احمد کا ''ہمایوں'' جاری ہوا، تو علامہ ''ہمایوں'' میں چلے آئے، اسی عرصے میں ان کی ادبی بلند قامتی کو دیکھتے ہوئے انہیں لاہور کے ''دیال سنگھ کالج'' میں اردو وفارسی کا لیکچرر بھی مقرر کیا گیا۔

علامہ تاجور کو اردو زبان سے جو عشق تھا، وہ زمانے کی رفتار کے ساتھ مزید شباب آشنا ہوتا گیا اور انہوں نے ''مخزن'' و ''ہمایوں'' ہی تک اپنی ادب نوازی اور اردو زبان وادب کے فروغ کے جذبۂ بے پایاں کے اظہار کو محدود نہ رکھا؛ بلکہ ۱۹۳۱ء کے اواخر میں اپنا ذاتی رسالہ ''ادبی دنیا'' اور کچھ عرصے کے بعد ''شاہ کار'' نکالا، جو اردو کی ادبی صحافت کے فروغ کا حسین استعارہ بن گئے۔

علامہ نے نئی نسل کی ادبی پرداخت کی غرض سے ''اردو مرکز'' بھی قائم کیا اور بلا تفریق مذہب وملت اُدبا وشعرا کی ایک لمبی کھیپ تیار کی، ''اردو مرکز'' نے جہاں وقار انبالوی، فاخر ہر

یانوی، روش صدیقی، اختر شیرانی، احسان دانش، سیماب اکبرآبادی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی اور جوش ملیح آبادی جیسے آسمان ادب وشعر کے درخشندہ ستاروں کو پیدا کیا، وہیں منوہر سہائے انور، سردار اودھے سنگھ شائق، کرپال سنگھ بیدار اور پنڈت میلا رام وفا سے بھی اردو دنیا کو آشنا کیا۔

علامہ نے ادب اردو کی بے لوث خدمت کے طویل سفر میں صرف ذہنی وجسمانی ہفت خواں ہی طے نہ کیے؛ بلکہ اپنا مال ودولت تک قربان کر دینے سے بھی دریغ نہ کیا، انھوں نے ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے نام ایک مکتوب میں لکھا:

''یہاں (لاہور میں) بیس سال سے اردو ادب کی رہ نُمایانہ خدمت کر رہا ہوں اور اس راہ میں بیس ہزار ذاتی سرمایہ کے علاوہ، جوانی، دماغ، طاقت؛ سب کچھ لٹا چکا ہوں، نو جوان ادبا وشعرا کا مذاق بلند کرنے میں میرا سب سے زیادہ حصہ ہے، اس وقت شعرا وادبا کے جدید طبقے میں ہندوستان گیر شہرت کے حامل میرے شاگرد اخبار نویسی، تنقید نگاری، ڈرامہ نویسی اور تصنیف وتالیف کے ذریعے خدمتِ زبان کر رہے ہیں''۔

یہی بات اورینٹل کالج، لاہور کے پروفیسر عبدالصمد صارم ازہری نے بھی لکھی:

'' تاجور نجیب آبادی کی جہاں بے شمار خدمات ہیں، ان میں مرحوم کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس ایک واحد شخص نے ہندوؤں اور سکھوں میں اردو کو مقبول بنایا، پنجاب میں اردو کی ترویج میں ان کا بڑا ہاتھ تھا، انہوں نے مسلمانوں کے علاوہ سیکڑوں ہندو اور سکھ شاعر، ایڈیٹر، مضمون نگار، افسانہ اور ڈرامہ نویس پیدا کیے اور سیکڑوں رسالوں کی ایڈیٹری کی، تلوک چند مرحوم اور موہن سنگھ دیوا کر جیسے بھی ان سے اصلاح لیتے تھے، انہوں نے ہزاروں اردو ٹیچر اور پروفیسر پیدا کیے''۔

علامہ کا اردو زبان وادب سے عشق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے ''ادبی دنیا'' جاری کیا، تو انہیں بے شمار موانع ومصائب کا سامنا کرنا پڑا، مگر صد آفریں اس مردِ جگر دار پر کہ اس نے تمام مصائب کو شکست دے دی اور سارے عوائق وموانع اس کے کوہ پیکر حوصلہ وہمت کے سامنے ''ھباءً منثورًا'' ہو کر رہ گئے۔

اردو کے یگانہ محقق ونقاد قاضی عبدالودود نے علامہ کی اردو زبان سے بے انتہا محبت اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف کو انگیز کرنے کی غیر معمولی قوت کو سراہتے ہوئے لکھا:

''اردو سے انھیں جو محبت ہے، وہ مصلحت اندیشی کی حدود سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی کے واسطے تیار رہتے ہیں، ''ادبی دنیا'' نکال کر انھیں سخت نقصان

اٹھانا پڑا تھا، کوئی اور ہوتا، تو عمر بھر کے لیے اس شغل سے باز آجاتا"۔

اس کا اعتراف "مخزن" کے ڈائریکٹر سر عبد القادر نے بھی کیا اور علامہ کے عزم و حوصلہ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کیا:

"مولانا تاجور میرے خیال میں اردو زبان اور اردو و ادب کے شائقین کے دلی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں ں نے ہر طرح کی تکالیف اٹھا کر اور کافی قربانیاں کر کے ایسا بیش بہا رسالہ جاری کیا، جو اپنی خدمات اور ظاہری شان کے لحاظ سے موجودہ رسائل کی صفِ اول میں ممتاز ہے"۔

علامہ کی اردو سے بے پناہ محبت اور اس کی خدمت کے جذبۂ بے پایاں کے نتیجے میں ان کے رسالے کی روز افزوں مقبولیت کی بنا پر لاہور میں ادب و صحافت کے نٹ کھٹوں کا ایک ایسا گروہ بھی تیار ہو گیا تھا، جو ان کی تنقیص و تحقیر اور ان کے ادبی قد و قامت کو بونا ثابت کرنے کی فکر میں لگا رہتا، مگر اس کے باوجود علامہ کا "ادبی دنیا" تمام معاصر رسائل پر بازی مار گیا اور معاندین وحُسّاد منہ تکتے رہ گئے، اس کی مقبولیت کے گراف کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ تاجور کے بہ قول:

"تمام ملک نے اسے صحافت کے لیے نشان راہ تسلیم کیا اور اس کی مانگ دنیا کے ہر اُس منطقے میں تھی، جہاں ہندوستانی پہنچ چکے ہیں" اور یہ ان کی خودستائی نہیں؛ بلکہ بیانِ حقیقت تھا۔

"ادبی دنیا" کو نواب مسعود جنگ بہادر اور ڈاکٹر سید مسعود وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ بھی ممتاز ادبی رسالوں میں شمار کرتے اور حد درجہ دل چسپی سے پڑھتے تھے۔

الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عبد الستار نے "ادبی دنیا" کے بہ سرعت ترقی کے منازل طے کرنے کے حوالے سے تحریر کیا:

"مولانا تاجور، جو برسوں سے لگاتار اردو کی خدمت میں ان تھک کوشش کر رہے ہیں، اس (ادبی دنیا) کے مدیر ہیں، اس میں شک نہیں کہ حضرتِ تاجور اردو کے عاشق ہیں، مگر عاشقِ زار نہیں، نہ عاشقِ بیمار، ہاں! عاشق سرشار کہیے، کہ محبت کا نشہ اس درجہ کا ہے کہ اس کی ترنگ میں ناکامیوں پر قہقہے اڑاتے اور موانع کو دائیں بائیں دھکیاتے، ترقی کے میدان میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں"۔

اور عربی کے نام ور محقق پروفیسر زبیر احمد نے "ادبی دنیا" کا دیگر مشہور رسائل سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا:

"جس آن بان کے ساتھ رسالہ "ادبی دنیا" نکل رہا ہے، میرے نزدیک وہ کسی اردو پر

ےچ کو نصیب نہیں، یہ نہ تو ''معارف'' کی طرح اول سے لے کر آخر تک علمیہ مضامین سے گراں بار ہے اور نہ دیگر عام پرچوں کی طرح قصوں، افسانوں اور نام نہاد ادبِ لطیف کی سحر طرازیوں کی یہ دولت سبک مایہ ہے''۔(۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علامہ تاجور تا حیات اردو زبان وادب کی قابلِ رشک اور بہ قول گوپال متل: ''شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کے بعد سب سے زیادہ خدمت کرنے والے تھے''، حکومتِ وقت نے بھی علامہ کی اس خدمت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے انھیں ''شمس العلما'' کا خطاب دیا اور اس وقت کی قدر شناس اردو نسل نے ''ادیب الملک'' کا، مگر یہ واقعہ کس قدر حیرت انگیز؛ بلکہ حد درجہ افسوس ناک ہے کہ بعد کے اردو زبان وادب کے ٹھیکیدار اور اس کی تاریخ مرتب کرنے والے جانب دارانہ ذہن کے حامل مؤرخین تاجور کی بے شمار لسانی، ادبی وصحافتی خدمات کا ذکر تو کیا کرتے، انھوں نے تاریخِ ادبِ اردو سے ان کا نام ہی کُھرچ دیا اور اس طرح ادب وصحافت کے لُقندروں کا وہ گروہ، جو علامہ کی حیات میں ان کی ادبی وصحافتی تُرک تازیوں کے سامنے چیں بول گیا تھا، اس کی وفا کیش اولادوں نے ان کی وفات کے بعد اپنا حساب بے باق کرلیا ع

انقلابات ہیں زمانے کے !

مولانا شائق احمد عثمانیؒ

۱۸۹۳ء-۱۳۱۱ھ/۱۹۵۹ء-۱۳۷۹ھ

پورنیہ، ضلع بھاگل پور سے تعلق رکھنے والے مولانا شائق احمد عثمانی نے ابتدائی وثانوی تعلیم مونگیر اور مدرسہ نعمانیہ پورنیہ میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیو بند میں پائی اور ۱۹۱۰ء (۱۳۲۸ھ) میں امتیازی نمبرات حاصل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی، ایک سال یہیں مدرسی بھی کی، حضرت شیخ الہند سے تلمذ کے ساتھ بیعت وارشاد کا بھی تعلق تھا۔

دورانِ طالب علمی ہی میں مولانا عثمانی کے قلم کے جوہر کھلنے لگے تھے؛ چناں چہ آپ نے

---

(۱) دارالعلوم دیو بند: ادبی شناخت نامہ۔

اسی زمانے میں دارالعلوم کے مجلّہ ''القاسم'' میں کئی ایک علمی، ادبی اور تحقیقی مقالات لکھے، جنھیں اہلِ علم ونظر کے حلقوں میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔

۱۹۱۲ء (۱۳۳۱ھ) میں جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی نے حضرت شیخ الہند کی تحریک پر ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' قائم کیا، تو اس سے وابستہ رہ کر مولانا عثمانی نے علومِ قرآنی میں درک کے ساتھ سیاسی تربیت بھی حاصل کی، اس تربیت کا انداز ومنہاج کیا تھا؟ خود مولانا عثمانی کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے:

> ''مولانا سندھی کبھی اس طرح کا مضمون لکھنے کے لیے دیتے تھے کہ اگر تمھیں ہندوستان کا گورنر جنرل بنادیا جائے، تو ملک کا انتظام کس طرح کروگے؟''۔(۱)

اس کے بعد مولانا عثمانی کچھ دنوں جامعہ رحمانی، مونگیر سے وابستہ رہے اور اس سے جاری ہونے والے ''مجلّہ'' کی ادارت بھی نبھائی، مگر جب بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہندی مسلمانوں نے خلافتِ عثمانی کے تحفظ کی خاطر ایک ہمہ گیر تحریک چھیڑی، تو مولانا عثمانی بھی اس عظیم تحریک میں بہ حیثیت رضا کار نہیں؛ بلکہ بہ حیثیت قائد وسپہ سالار شامل ہوگئے اور یہ منطقی نتیجہ تھا ان کے مرشد حضرت شیخ الہند کی انقلاب آفریں صحبت اور ان کے استاذ مولانا عبیداللہ سندھی کی سیاسی تربیت کا، تحریکِ خلافت کے ارکان نے اُن کی معجزانہ قلم رانیوں کو دیکھتے ہوئے، انہیں بنگال خلافت کمیٹی کے ''ادارۂ نشر واشاعت'' کا انچارج مقرر کردیا اور مولانا نے اپنے قلم کی تمام تر قوت کو بہ روے کار لاتے ہوئے تحریک کے اثرات کو غیر معمولی وسعت بخشی۔

پھر ۱۹۲۱ء میں مولانا نے کلکتے سے ایک ذاتی اخبار ''عصرِ جدید'' نکالا اور نکالتے ہی برطانوی سامراج کو بری طرح لتاڑنا شروع کیا اور اس کی تمام تر ظالمانہ سرگرمیوں پر کھل کر تنقید کی، نتیجتاً حکومت ان کے حملہ ہاے ترکانہ سے بوکھلا گئی اور ۵۰۵ کی سخت ترین دفعہ کے تحت انھیں گرفتار کرلیا گیا اور ایک سال قیدِ بامشقت کی سزا دی گئی، یہ وہی دفعہ تھی، جس کے تحت کراچی کا مشہور تاریخی مقدمہ چلایا گیا تھا اور جس کے ماخوذین میں حضرت شیخ الاسلام، حضرت مولانا محمد علی جوہر اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو وغیرہ تھے۔

---

(۱) مجلہ العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۰ء، ص:۱۷۔

خلاصی کے بعد مولانا نے پھر اپنے اخبار کی اشاعت شروع کی اور اس مرتبہ اس کی مدت اشاعت طویل رہی، اس مدت میں انہوں نے جہاں اپنے گہری سیاسی فکر کے زیر اثر ملکی وعالمی سیاسیات پر معرکہ آرا تحریریں لکھیں، وہیں اپنے اکابر حضرت نانوتوی وشیخ الہند کے اسلامی وسیاسی افکار کی عصری معنویت کو پوری منطقیت کے ساتھ ثابت کیا، دارالعلوم دیوبند کے مبنی بر اعتدال و وسطیت مزاج ومنہاج اور اس کی بے لوث خدمات کو عالم آشکارا کیا، علمائے امت پر دھرے جانے والے بے جا الزامات واتہامات کا علمی وتحقیقی محاسبہ کیا اور جدید تمدن وثقافت وتعلیم کی ظاہری طلاوت وتابش کے فریب خوردوں کی کوتاہ عقلوں پر حق کے تازیانے برسائے۔

''عصر جدید'' کے ایک اداریے میں مولانا نے اسلامیان ہند پر دارالعلوم کے احسانات کو اجاگر کرتے ہوئے اس زمینی حقیقت کا انکشاف کیا کہ سرزمینِ ہند میں دارالعلوم یکہ وتنہا وہ ادارہ ہے جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے سرمایۂ دین وایمان کی محافظت کا فریضہ اس وقت انجام دیا، جب کہ امت کا ایک بڑا طبقہ مغربی علوم وتہذیب اور مغربی ثقافت وتمدن کو اپنے تمام تر مسائل ومشکلات کا حلّال سمجھ کر دینی علوم اور اسلامی تہذیب سے بیزار ونفور ہوتا جارہا تھا، انھوں نے پوری جرأت ودیانت کے ساتھ لکھا:

> ''دارالعلوم دیوبند، جو مذہبی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے اور مغربی تہذیب وتمدن کے سیلاب سے جس طرح اس نے اسلامی ہند کی روحانی عمارت کو محفوظ رکھا ہے، ہندوستان کے طویل وعریض برّ اعظم کا ایک ایک گوشہ اس کی گواہی دے سکتا ہے، ایسے وقت میں جب کہ علومِ جدیدہ کی روشنی نے ظاہر بیں نظروں کو خیرہ کردیا تھا، جب کہ دنیوی عزت ومناصب کی کشش اچھے اچھے دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی، جب کہ لوگ مذہب سے بے پروا اور مذہبی تعلیم سے غافل ہو چکے تھے اور قال اللہ وقال الرسول کی مقدس آواز نئی تعلیم کے نقار خانے میں دب گئی تھی اور مغربی تعلیم وتمدن کے فاتحانہ شور وپکار سے مغلوب ہو چکی تھی، اس نازک وقت میں ''دیوبند'' اور صرف ''دیوبند'' تھا، جو قرآن و حدیث کے علم کو سنبھالے ہوئے کھڑا رہا، ملک کی غفلتوں اور سردمہریوں کی آندھی نے رہ رہ کر اس کو گرانا چاہا، مگر وہ پہاڑ کی طرح قائم رہا، فاتح تہذیب کی خندہ زنی اس کو ایشیائیت اور اس قدامت سے منحرف نہ کرسکی، نئی تعلیم کے سیلاب نے چاہا کہ اپنی رو میں اسے بہالے جائے، اس کو بھی شکست ہوئی اور وہ کس مپرسی کے باوجود ایک طرف اپنے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا، یہاں تک کہ مسلسل جدّ وجہد کے بعد وہ آج نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ ایشیا کے اندر اسلامی تعلیم کا ایک عظیم الشان

مرکز ہے اور اس کی روحانیت کی کشش کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف پشاور اور رنگون ؛ بلکہ قفقاز، موصل، بخارا اور اسلامی دنیا کے ہر حصے سے فدائیانِ قرآن وحدیث آ آ کر پروانہ وار اس کے گرد مجتمع ہیں''۔

آگے تجوّر پسندوں کی طرف سے علما پر کسی جانے والی قدامت پرستی اور فکری جمود کی پھبتیوں اور اس الزام کا کہ وہ جدید تعلیم کی افادیت سے بے بہرہ اور اس کی مطلقاً مخالفت کرتے ہیں، جواب دیتے ہوئے ان کے خامہ حقیقت رقم نے لکھا:

''کہا جاتا ہے کہ علما گوشہ نشیں ہیں، وہ دنیا کے نشیب وفراز سے واقف نہیں، مگر یہ صحیح نہیں، وہ علومِ جدیدہ کے مخالف نہیں ہیں، مگر اُس مغربیت کے وہ یقیناً دشمن ہیں، جو دلوں اور دماغوں کو اپنی قومیت، اپنے مذہب اور اپنی معاشرت سے ناآشنا بنا دیتی ہے، وہ جامد اور تنگ نظر نہیں ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ وہ ایسی تعلیم اور ایسی معاشرت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، جو قوم اور ملک کے فرزندوں کو اپنے سے بے گانہ بنا دے، ان کا جذبہ قومیت فنا کر دے، ان کو مذہب سے بے پروا اور مشرقی اخلاق سے بے بہرہ بنا دے، ان کے اندر فیشن نوازی، ظاہر پرستی اور آرام طلبی پیدا کر دے اور زندگی کے سب سے بڑے اور اہم مقصد یعنی خدا کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دے''۔(۱)

مولانا کا یہ اخبار برصغیر کی آزادی تک اسی انفرادی رنگ وآہنگ کے ساتھ جاری رہا اور اس مدت میں اس نے اپنے لاکھوں شائقین پیدا کیے، مگر ۴۷ء میں وطنِ عزیز کی آزادی وتقسیم کے بعد حیرت ناک سرعت کے ساتھ بدلتے ملکی منظر نامے سے ان کے قلبِ حساس پر شدید چرکہ لگا اور آزادی کے چند ماہ بعد ہی فروری ۱۹۴۸ء کو مولانا کراچی چلے گئے اور ''عصرِ جدید'' کا وہیں سے احیا کیا، مگر حالات کی سنگ دلی اور گرد وپیش کی زہرہ گداز فضاؤں نے جوان کے قلب وروح کو پژمردہ اور حوصلہ وہمت کو افسردہ کر دیا تھا، اس کا ''عصرِ جدید'' پر خاصا اثر پڑا اور صرف تین سال جاری رہ کر ادب وصحافت کا یہ خورشیدِ جہاں تاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

---

(۱) روزنامہ عصرِ جدید، کلکتہ، ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۶ء۔

مولانا سید فضل الرحمٰن قاسمی

اردو تہذیب اور اردو خطوں سے طویل تر مسافتی وعمرانی بُعد رکھنے والے صوبہ اڑیسہ میں اردو صحافت کا آغاز ماہ نامہ ''المنصور'' سے ہوا، جو ایک علمی، ادبی، ثقافتی و مذہبی رسالہ تھا اور اسے مولانا محمد عمر نے سونگڑہ، اڑیسہ سے جاری کیا تھا، اردو زبان سے عام لوگوں کی ناواقفیت اور اسباب و وسائل کی نایابی کی بنا پر اس رسالے کی عمر چند شماروں سے آگے نہ بڑھ سکی اور ''المنصور'' بہت جلد بند ہو گیا۔

اس کے تقریباً ایک دہائی بعد ۳؍جون ۱۹۳۷ء کو اڑیسہ کے ضلع کٹک سے ایک ہفتہ وار اردو اخبار ''مسلم گزٹ'' جاری ہوا، اس کے کل صفحات آٹھ اور جاری کرنے والے مولانا سید فضل الرحمٰن قاسمی تھے، جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور جمعیۃ علمائے اڑیسہ کے نائب ناظم بھی تھے۔

جیسا کہ اس اخبار کے نام سے ہویدا ہے، اس کا اجرا خالص ملی وسماجی مقاصد کے زیرِ اثر ہوا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی صلاح وفلاح سے متعلق لکھنے پر زور دیا جاتا، ان کے شعور کو بیدار اور ان کے حوصلہ وہمت کو آمادۂ پیکار کیا جاتا، ان کے اندر پائے جانے والے انشقاق وافتراق کے زہر کا تریاق تلاشا جاتا، ان کی علمی، سماجی وسیاسی زبونی کے اسباب وعلل کا منطقی و معروضی جائزہ لیا جاتا اور انھیں معرکۂ حیات میں پچھڑنے اور شکستہ پا ہونے کی بہ جائے، پوری قوت وجرأت کے ساتھ اسے سر کرنے کے تیر بہ ہدف نسخے بتائے جاتے تھے، یہ محض ایک اخبار نہیں تھا؛ بلکہ مسلم امت کے لیے سرتاسر ایک ہم درد وغم خوار راہ نما بھی تھا، اس کا وجود آبروے مسلم کا محافظ، اس کا ہر عنوان حقیقت کا آئینہ خانہ، اس کی ہر تحریر گنجینۂ علم وعرفاں اور اس کا حرف حرف تہذیب وتمدن کی اعلیٰ قدروں کا پیامی تھا۔

گو اس اخبار کی حیاتِ مستعار بھی چند ماہ سے آگے نہ بڑھ سکی (۱) اور گوناگوں عوائق وموانع کی تاب نہ لاکر بہت جلد چل بسا، مگر یہ حقیقت ہے کہ جہاں اس نے اڑیسہ کے مسلمانوں کی

---

(۱) ''اڑیسہ میں اردو'' کے مصنف حفیظ اللہ نیولپوری نے لکھا ہے کہ: ''راقم الحروف نے نہایت عرق ریزی سے اس کے ۱۳ شمارے فراہم کیے، جو انتہائی خستگی کے عالم میں ہیں''۔ ص: ۲۷۹، مطبوعہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۱ء۔

علمی، فکری وتہذیبی پرداخت میں قابلِ لحاظ رول ادا کیا، وہیں اُس کے بعد اڑیسہ میں اردو صحافت کے لیے ایک خاص فضا ہموار ہوگئی اور یکے بعد دیگرے وہاں سے بہت سے اردو اخبارات و رسائل نکلے، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

مولانا عبدالباقی خان

۱۹۰۲ء-۱۳۲۰ھ/۱۹۸۶ء-۱۳۸۷ھ

شیر شاہ سوری کے خانوادے سے نسبت رکھنے والے آزادیِ ہند کے شعلہ بہ جاں مجاہد اور بے باک قلم صحافی مولانا عبدالباقی خاں کا وطن صوبۂ بہار کے ضلع ''آرہ'' کا ''کوات'' نامی گاؤں تھا، ان کے والد ڈاکٹر عبدالعزیز خاں ضلع آرہ کے معروف و بااثر اشخاص میں شمار ہوتے تھے اور عصری سیاسیات اور چوٹی کے سیاسی قائدین سے ان کی گہری شناسائی تھی، وہ ہندوستانی سیاست کے شہ دماغ مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرساد سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے اور بسا اوقات جب ان سے ملنے جاتے، تو اپنے ساتھ اپنے صاحب زادے کو بھی لے جاتے، مولانا عبدالباقی کے سیاسی شعور کی ساخت و پرداخت یہیں سے شروع ہوئی، پھر انھوں نے آرہ اور پٹنہ میں ابتدائی تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، جہاں اُنھیں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے بہ راہِ راست اکتسابِ فیض کا موقع ملا، چوں کہ مولانا مدنی صرف ایک استاذ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہی نہ تھے؛ بلکہ وہ ان جگر دار مجاہدین میں سرِ فہرست تھے، جن سے قافلۂ حریت مرتب ہوا تھا؛ اس لیے وہ اپنے شاگردوں کو صرف کرمِ کتابی ہی نہیں بناتے تھے؛ بلکہ ان کے قلب و دماغ میں لیلائے حریت کے حصول کا جذبۂ بے پایاں بھی پیدا کرتے تھے، مولانا عبدالباقی نے بھی اپنے اس عالی مرتبت استاذ سے شرعی علوم کا اکتساب تو کیا ہی، ساتھ ہی ان کے اُس سیاسی شعور میں بھی بے پناہ توانائی آگئی، جو اولاً مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر راجندر پرساد کی صحبتوں سے پیدا ہوئی تھی، دیوبند کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور وہاں سے اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد لاہور میں بہ حیثیت ڈائریکٹر ریپبلکن ریلیشن تعینات ہوئے اور اب ان کے سیاسی نشو و بلوغ کا تیسرا دور شروع ہوا، لاہور کے قیام کے دوران ان کی شناسائی آں جہانی گیانی ذیل سنگھ سے ہوئی، جو معروف مجاہدِ آزادی ڈاکٹر سیف

الدین کچلو سے قربت رکھتے اور ان کے یہاں اکثر آتے جاتے رہتے تھے، مولانا عبدالباقی بھی گیانی جی کے ذریعے ڈاکٹر صاحب سے متعارف ہوئے اور پھر دونوں میں افکار و خیالات کے تبادلات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اس وقت حکومت انگریزوں کی تھی، ملک کے تمام تر خطے مجاہدینِ آزادی کے نعرہ ہاے رستاخیز سے دہل رہے اور ہر کہیں انگریزوں کو ہندوستان بدر کرنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں، ڈاکٹر سیف الدین بھی ان ہی حکومت مخالف عناصر کے سرکردہ لوگوں میں تھے؛ اس لیے مولانا عبدالباقی کی ان سے دید و شنید حکومت کی آنکھوں کو چبھنے لگی اور نتیجتاً مولانا موصوف کو اپنی ملازمت سے دست کش ہونا پڑا۔

اسی دوران انھوں نے اخباروں میں کالم نگاری بھی شروع کی، چوں کہ ان کا علم گہرا، مطالعہ وسیع و عریض تھا اور وہ ہندوستانی سیاست و معاشرت کے نشیب فراز سے بہ خوبی آگاہ تھے؛ اس لیے ان کے قلمی رشحات وقت کے موقر و معتبر اخبارات میں شائع ہونے لگے اور ادب و انشا کے شہ سوار علامہ تاجور نجیب آبادی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک اور مہاشہ کرشن وغیرہ سے ان کے مراسم گہرے ہوتے گئے؛ بلکہ ان کی قابلیتوں کی بے پناہی سے متاثر ہو کر مولانا ظفر علی خاں نے انھیں اپنے مشہورِ روزگار اخبار ''زمیندار'' کے حلقۂ ادارت میں بھی شامل کر لیا۔

کچھ عرصے کے بعد ۱۹۴۸ء میں لاہور کے سہ روزہ اخبار ''زمزم'' کے مدیر مقرر کیے گئے، یہ اخبار قوم پرستوں کا ہم نوا اور حدودِ پنجاب میں کانگریسی افکار و خیالات کا نمایندہ واحد اخبار تھا، جس نے وہاں کے لیگی نظریات کے علم بردار بڑے بڑے اخبارات ''زمیندار''، ''انقلاب''، ''شہباز'' اور ''احسان'' وغیرہ کا پوری سنجیدگی، متانت اور بلند حوصلگی کے ساتھ مقابلہ کیا، مولانا سے پہلے اس کے ایڈیٹر عہد ساز صحافی مولانا عثمان فارقلیط تھے، ۱۹۴۷ء میں وہ دہلی آگئے تھے اور اس کے بعد تا حیات جمعیتِ علماے ہند کے آرگن ''الجمعیۃ'' کی ادارت کی۔

۱۰ر جولائی ۱۹۵۱ء کو مولانا عبدالوحید صدیقی نے ''نئی دنیا'' شروع کیا، تو مولانا اس کے رکنِ ادارت قرار پائے اور ''زمزم'' کو چھوڑ کر دہلی آگئے، ۱۹۵۳ء کے اواخر میں ہفتہ وار اخبار ''پیامِ مشرق'' شروع ہوا، تو انھیں اس کا ایڈیٹر بنایا گیا، ۱۹۶۳ء میں سید انیس الرحمٰن

نے ''پرچمِ ہند'' نکالا، تو مولانا اس میں چلے آئے، اس کے کچھ دنوں بعد اپنا ذاتی اخبار'' کاروانِ وطن'' کے نام سے شروع کیا، اس سے قبل بھی انھوں نے'' پیامِ وطن'' کے نام سے ایک اخبار نکالا تھا، مگر مالی بحران کی وجہ سے دونوں کی عمریں بہت ہی مختصر ثابت ہوئیں اور صحافتی افق پر چند شعاعیں بکھیرنے کے بعد یکے بعد دیگرے دونوں مرحوم ہو گئے، مولانا نے سب سے اخیر میں'' ملک وملت'' نامی اخبار کی ادارت کی، جسے سید انیس الرحمٰن نے مولانا ہی کی تحریک پر جاری کیا تھا۔

مولانا عبدالباقی کا علمی جغرافیہ مشرقیات تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ مغربی علوم وافکار و زبان سے بھی ان کی گہری شناسائی تھی اور وہ ایک جید انگریزی صحافی بھی تھے؛ چناں چہ جہاں وہ بڑے اور مقتدر اردو اخباروں میں نمایاں طور پر چھپتے تھے، وہیں ملکی وملی مسائل پر ان کے انگریزی مضامین بھی موقر انگریزی اخبارات میں مسلسل شائع ہوتے تھے۔

مولانا عبدالباقی نے اپنی عملی صحافتی زندگی میں بے شمار تجربات کیے، اپنے زمانے میں اعتبار واستناد کی نگاہ سے دیکھے جانے والے اخباروں سے ان کی سربراہانہ وابستگی رہی، اردو کے ساتھ انگریزی صحافت میں بھی ان کے قلم کی دھاک جمی رہی، مگر اس سب سے ان کا مقصد کبھی بھی ذاتی منفعت کا حصول اور شخصی مفادات کی برآری نہ رہا؛ کیوں کہ وہ قلم کی قوت کو خدائی امانت سمجھتے تھے اور اس امانت میں خیانت ان کے نزدیک اعمالِ کفر میں سے تھا، انھوں نے تا زندگی اپنے علم، فکر، تدبر، شعور، مطالعہ، مشاہدہ، تجربات اور زبان و بیان کے ذریعے صرف اور صرف ملت ووطن کی خدمت کو مطمحِ نظر بنائے رکھا، بلاشبہ وہ ایک ایثار پیشہ اہلِ قلم تھے، انھوں نے اپنے آشیانے کو جلا کر زمانے کو روشنی بخشی، وہ ایک صحافی تھے اور قدر آور صحافی، مگر پوری زندگی انھوں نے دیانت وصدق وحق نوائی کے دامن کو دنیوی اغراض اور مادی آلایشوں کے ادنیٰ دھبے سے بھی پاک اور منزہ رکھا، مولانا عبدالباقی ان لوگوں میں سے تھے، جو مبدأ فیاض سے بے پناہ صلاحیتیں لے کر آتے، دنیا والوں کو دل کھول کر ان کے فیوض سے بہرہ ور کرتے، خود استغنائی زندگی بسر کرتے اور اسی صفتِ استغنا کے ساتھ رخصت ہو جاتے ہیں، وہ بہت غیر معمولی انسان ہوتے ہیں، ان کی نظر میں ظاہری وجاہتیں اور حصول یابیاں ہیچ ہوتی ہیں، وہ تو پیغمبرانہ روش پر چلتے اور'' ان اجري الا علی الله'' ان کی شب وروز کی تسبیح ہوتی ہے۔

مولانا عامر عثمانیؒ

۱۹۲۰ء-۱۳۳۹ھ/ ۱۹۷۵ء-۱۳۹۵ھ

مولانا عامر عثمانیؒ اردو کی ادبی و علمی صحافت کے افق کا ایک برق تاب نام ہے، مولانا کی ولادت ضلع ہردوئی، یوپی میں ہوئی جہاں ان کے والدِ محترم مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی بہ سلسلۂ ملازمت مقیم تھے، مولانا کا خاندان اصحابِ علم وکمال کا خاندان ہے؛ چناں چہ مولانا کے والدوقت کے رفیع القدر عالم وصوفی مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی، دادا خاقانی ہند، علم وفضل کے تاج ور اور تحریکِ دارالعلوم کے ایک اساسی رکن مولانا فضل الرحمٰن عثمانی، تایا فخر الہند مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ممتاز مفکر وملی رہنما مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ہیں، ایک خاندان میں اتنے جلیل القدر نفوس کا جمع ہو جانا بہ ذاتِ خود دستِ غیب کی خاص کرم گستری کی دلیل ہے اور اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا عامر عثمانی کے علم وکمال کی پختگی ووسعت کا کیا عالم ہوگا!۔

اس کی ایک اہم اور سامنے کی دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیم از ابتدا تا اختتام ایشا کی عظیم الشان اسلامی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور ان کے اساتذہ میں چوٹی کے اربابِ علم وفضل تھے، ساتھ ہی مولانا کی ذاتی جہد وکاوش بھی ہم رکاب رہی اور ۱۹۳۸ء میں انھوں نے امتیازی نمبرات کے ساتھ سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا کا مزاج زمانۂ طالب علمی ہی سے ادب وصحافت کی طرف مائل تھا؛ چناں چہ فراغت کے بعد کسی ادارے میں معلّمی کرنے کی بہ جائے اپنے کو آزاد رکھا اور ۱۹۴۸ء تک متعدد مذہبی وسیاسی سرگرمیوں میں شرکت کے ساتھ ملک کے مقتدر علمی وادبی مجلّات میں لکھتے رہے۔

نومبر ۱۹۴۹ء میں مولانا عامر عثمانی نے ایک ذاتی علمی وادبی رسالہ ''تجلّی'' جاری کیا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے کامیابیوں اور بامرادیوں کے انتہائی مراحل طے کرڈالے، اس رسالے کا پورے برصغیر میں اپنا ایک علیحدہ مقام ومرتبہ مسلم ہوگیا، وہ ایک رسالہ ہی نہیں، ایک تحریک، ایک صدائے دوررس اور ایک مینارۂ علم وادب تھا، اس کے ہر شمارے میں عامر عثمانی کے قلمِ معجز رقم کی

حکم رانی؛ بلکہ صاحب قرانی کے جلوے پوری آن بان کے ساتھ بکھرے ہوتے، یہ عامر عثمانی کے قلم کا اعجاز ہی تھا کہ ''تجلی'' نے اپنی اشاعت کے گنے چنے سالوں میں ہی اردو صحافت میں وہ انقلابِ عظیم برپا کردیا کہ معاصر صحافت کی دنیا حیرت بہ داماں رہ گئی اور اردو کے کوہ پیکر ادیب وصحافی بھی عامر عثمانی کی ادبی وصحافتی رفعتوں کے سامنے اپنی کوتاہ قامتی کا شکوہ کرنے لگے۔

ویسے تو ''تجلی'' کا ہر کالم اپنے دامن میں اعلیٰ ادبی اسلوب اور علم ومعلومات کی دنیا بسائے ہوتا تھا؛ لیکن خاص طور سے ''تجلی کی ڈاک'' کے عنوان سے انھوں نے دینی وعلمی سوالات وجوابات کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، وہ یقیناً عدیم النظیر تھا، اس کالم میں ہر ماہ مختلف مکاتبِ خیال کے علما وعوام کے سوالوں کے مدلل ومبرہن اور ذہن وقلب کو طمانیت بخشنے والے جوابات دیے جاتے۔

اسی طرح ''کھرا کھوٹا'' کا کالم بھی اس حیثیت سے ممتاز تھا کہ اس میں ہر ماہ نئی نئی علمی وادبی تخلیقات پر تنقید وتبصرہ اس ہمہ جہت قسم کا ہوتا کہ قاری پر ہر نئی کتاب کا علمی وتحقیقی معیار اور زبان واسلوب کے اعتبار سے اس کی حیثیت بہ کمال وتمام عیاں ہوجاتی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا کا تنقیدی شعور بھی عام اہلِ قلم سے جدا اور انتہائی ارفع تھا، وہ کسی بھی کتاب کے مشتملات اور اس کے طرزِ بیان کی مدح سرائی اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اس کا مؤلف اپنے حلقے میں با اعتبار اور ذی وقار سمجھا جاتا ہے، نہ وہ کسی کی کاوش پر اس لیے تیشۂ نقد چلاتے کہ اس کا خالق حلقۂ علم وادب میں بالکل گم نام یا نسبتاً کم متعارف ہے؛ بلکہ انھوں نے جس تحریر پر قلم اٹھایا، نقد ونظر کے تمام اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر اٹھایا اور پوری دیانت، دقتِ نظری، اور دیدہ وری کے ساتھ اس کی خوبی یا خامی کو آشکارا کیا۔

مولانا عثمانی کی بے مثال، لازوال اور غیر جانب دارانہ تنقیدی بصیرت پر شاہدِ عدل اپنے زمانے کے معروف محقق ونقاد مولانا ماہر القادری (١) کی یہ تحریر ہے، جس میں انھوں نے عامر عثمانی کے تنقیدی آہنگ کی انفرادیت کا بلاتردُّد اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(١) جو کراچی سے ایک ادبی ماہ نامہ ''فاران'' نکالتے اور دیگر مشمولات کے ساتھ اس رسالے کی غیر جانب دارانہ دبے لاگ تنقیدی تحریریں خاص اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔

''فاران'' میں کتابوں پر جس انداز میں نقد وتبصرہ کیا جاتا ہے، یہ انداز کئی رسالوں نے اختیار کیا، مگر وہ نباہ نہ سکے، مولانا عامر عثمانی نے ''تجلی'' میں اس انداز کو پوری طرح برقرار رکھا، شعروادب اور زبان پر ''فاران'' کی تنقیدیں شاید کچھ نکلی ہوئی ہوں، مگر علمی مباحث اور کتابوں پر ''تجلی'' کی تنقیدوں کا جواب نہیں!۔''(۱)

ستایشِ باہمی کے خوگر نقادوں اور سطحی فکر ونظر کے حامل تبصرہ بازوں کی بھیڑ میں اچھا ہوا کہ عامر عثمانی نے اپنے آتشیں فکر پاروں کا دائرہ قدرے محدود ہی رکھا، ورنہ تو بڑے بڑے نقاد اپنی بے مایگی پر سر پیٹتے رہ جاتے؛ بلکہ بہ قولِ حقانی القاسمی:

''(عامر عثمانی کے علاوہ) شاید تنقید کے افق پر کوئی دوسرا نام نظر نہ آتا، نقاد یا تو تنقید لکھنا بھول جاتے یا پھر کوئی اور پیشہ اختیار کرتے، کہ عامر عثمانی کی علمیت کے سامنے ہمیشہ انھیں اپنی جہالت کا چراغ روشن ہونے کا خطرہ لاحق رہتا۔''(۲)

''تجلی'' کا ایک اور کالم جس کے لیے قارئین ہر ماہ چشم بہ راہ رہا کرتے تھے، وہ ''مسجد سے مے خانے تک'' تھا، جس کے مضامین کو مولانا کی وفات کے بعد کتابی شکل دی گئی اور مارکیٹ میں آتے ہی اس کے تمام تر نسخے دِنوں میں فروخت ہوگئے، یہ مختلف کرداروں کے درمیان مکالماتی انداز میں تحریر کی گئی ایسی کتاب ہے جس کی حیثیت اردو ادب میں ایک ایسے آفتابِ عالم تاب کی ہے، جس کی طلعت اور تابش میں مرورِ زمانہ اور انقلاباتِ دہر کے باوصف کسی دھندلے پن کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس کتاب میں مولانا نے طنز ومزاح کے عامیانہ اسلوب سے الگ راہ نکالی ہے اور معاشرے میں برپا شدہ ذہنی، فکری، عقائدی ومعاشرتی انحرافات پر ایسی نشترزنی کی ہے کہ اسے برداشت کرنے کے لیے فولاد کا جگر چاہیے، ''مسجد سے مے خانے تک'' تخلیقی نثر کا عمدہ نمونہ ہی نہیں؛ بلکہ تخلیقی نثر کا اوجِ کمال ہے۔

اس کے علاوہ ان کی نثری تخلیقات میں ''شرک وبدعت کے چور دروازے''، ''بدعت کیا ہے؟''، ''تجلیاتِ صحابہ''، ''بدعت توحید کی ضد ہے''، ''حضرتِ عثمان ذوالنورینؓ'' اور ماہ نامہ ''تجلی''

---

(۱) ماہر القادری، یادِ رفتگاں، ج: دوم، ص: ۱۱، مطبوعہ: مرکزی مکتبۂ اسلامی پبلشرز، دہلی ۲۰۰۳ء۔

(۲) دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص: ۸۲۔

کی معرکہ آرا خصوصی اشاعتیں اپنے اپنے موضوع پر ''گنجِ گراں بہا'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا عامر عثمانی کے علم و مطالعہ کی لا پیدا کنار وسعت اور ادب و انشا میں ان کی قامتِ دراز کو مولانا ماہر القادریؒ کا یہ خراجِ تحسین صد فی صد موزوں ہے:

''مولانا عامر عثمانی کا مطالعہ بحرِ اوقیانوس کی طرح عریض و طویل اور عمیق تھا، وہ جو بات کہتے تھے، کتابوں کے حوالے اور عقلی و فکری دلائل و براہین کے ساتھ کہتے تھے، پھر سونے پر سہاگا زبان و ادب کی چاشنی اور سلاست و رعنائی، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، لغت و ادب، غرض تمام علوم میں مولانا عامر عثمانی کو قابلِ رشک بصیرت حاصل تھی، جس مسئلے پر قلم اٹھاتے، اس کا حق ادا کر دیتے، ایک ایک جزئیہ کی تردید یا تایید میں امّہات الکتب کے حوالے پیش کرتے، علمی اور دینی مسائل میں ان کی گرفت اتنی سخت ہوتی کہ بڑے بڑے جغادری اہلِ قلم پسینہ پسینہ ہو جاتے، انھیں اپنی رائے اور فکر پر، مطالعہ اور استدلال پر پورا اعتماد تھا؛ اس لیے ہر عالم و مفکر سے بلند و بالا ہو کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے، راقم الحروف ان کی ہر تحریر کا ایک ایک لفظ پڑھتا اور پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا کہ میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے، مولانا عثمانی اپنی ذات سے دبستانِ علم و فضل تھے''۔(۱)

سید محبوب رضویؒ

۱۹۱۱ء-۱۳۲۹ھ/ ۱۹۷۹ء-۱۳۹۹ھ

دیوبند کے خاندانِ سادات کے گوہرِ شب تاب سید محبوب رضوی گو رسمی طور پر کسی ادارے کے سند یافتہ فاضل نہ تھے، انھوں نے منبع العلوم گلاؤٹھی اور دار العلوم دیوبند میں صرف متوسّطات تک تعلیم حاصل کی تھی، مگر دیوبند جیسی علم ریز سرزمین سے آبائی تعلق، وقت کے سرآمدِ روزگار علما و ہم دوشِ فلک اہلِ فکر و دانش کی طویل ترصحبت اور مطالعے کی بے کراں وسعت نے ان کے علم و قلم میں وہ توانائی اور قوت بخش دی تھی کہ وہ بڑے بڑے صاحبانِ علم و قلم میں قدرآور نظر آتے تھے۔

سید محبوب رضوی ۱۹۳۳ء سے لے کر تا دمِ واپسیں دار العلوم دیوبند کے مختلف علمی و تحقیقی شعبوں سے وابستہ رہے اور اس دوران انھوں نے جہاں تاریخ دانی و تحقیق نگاری میں اپنے تمیّز و تفوّق کا لوہا مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اور مولانا قاری محمد طیبؒ جیسے ژرف نگاہ، بابصیرت، روشن ضمیر اور دانش ور و مفکر علماے وقت سے منوایا، وہیں اردو صحافت کے

(۱) یارِ رفتگاں، ج: دوم، ص:۱۲۔

معیار و اعتبار کو بھی اپنے روشن افکار و نگارشات سے دو چند کیا۔

سید محبوب رضوی نے جہاں ''تاریخِ دیوبند'' اور تاریخ دارالعلوم'' جیسی تاریخی، تحقیقی اور دستاویزی تصنیفات پیش کر کے اہلِ علم ونظر اور اربابِ تحقیق وجستجو کے ذہنوں میں سرسید مرحوم کی ''آثار الصنادید'' کی یاد تازہ کردی، وہیں پوری زندگی ملک و بیرون ملک کے موقر ومستند رسائل واخبارات میں ان کے خامۂ اعجاز رقم کی حکم رانی قائم رہی، انھوں نے پوری زندگی تاریخ وتحقیق جیسے بہ ظاہر خشک موضوع سے دل چسپی رکھنے کے باوصف ان رسائل واخبارات میں خالص علمی، دینی، سیاسی، سماجی اور ادبی موضوعات پر بھی خوب لکھا ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، ماہ نامہ ''برہان'' دہلی، ماہ نامہ ''ہادی'' دیوبند، ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، پندرہ روزہ ''ایشیا'' لاہور، ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، ماہ نامہ ''مولوی'' دہلی، ماہ نامہ ''دین ودنیا'' دہلی، ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' امرتسر اور ماہ نامہ ''شمس المشائخ'' بھوپال کی فائلیں اس کی بہ خوبی شہادت دے سکتی ہیں۔

سید محبوب رضوی کے امتیاز کی نشان دہی یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ان کی بیش تر تحریریں تاریخی وتحقیقی نوعیت کی ہیں، مگر اس کے باوجود ان میں ادب وانشا کا حسن، پیرایۂ بیان کی دل فریبی اور طرزِ نگارش کی عمدگی بہ خوبی طور پر پائی جاتی ہے، وہ صرف معلومات کے ڈھیر اور تحقیقات کے انبار سے قاری کو گراں بار کرنے کے قائل نہیں؛ بلکہ ساتھ ساتھ اس کے مذاقِ ادبی کو آسودہ کرنے کا ہنر بھی اچھی طرح جانتے ہیں، ان کی تحریروں میں نو بہ نو معلومات اور تازہ بہ تازہ تحقیقات کا خزانۂ عامرہ تو ہوتا ہی ہے، ساتھ ہی ان کے پیش کرنے کا ایسا سلیقہ بھی کہ پڑھنے والا سیکڑوں صفحات واوراق پڑھ ڈالنے کے باوجود اپنے جنونِ شوق کو کسی واماندگی کا شکار نہیں محسوس کرتا؛ بلکہ اس میں مزید شعلگی آجاتی ہے۔

مثلاً: ان کے حقائق بیانی سے مملو اور سحر آفریں اندازِ تحریر کا یہ نمونہ:

> ''دارالعلوم دیوبند اپنے یومِ تاسیس ہی سے شریعت وطریقت دونوں کا مرکز رہا ہے، آسمانِ شریعت وطریقت اور علم وعمل کے جتنے بھی ماہ وانجم اس وقت برِصغیر میں چمک رہے ہیں، ان میں سے بیشتر اسی ''شمسِ بازغہ'' کی روشنی سے منور ہیں اور اسی سرچشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہو کر نکلے ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ برِصغیر کے اکثر وبیشتر بڑے بڑے علما نے اسی درس گاہ میں زانوے تلمذ تہہ کیا ہے اور بہت سے ایشیائی ملکوں میں خوانِ دارالعلوم کے زلّہ ربا موجود ہیں، جنھوں نے برصغیر

اوراس کے باہر بہت سے ملکوں میں کتاب وسنت کے چراغ روشن کیے ہیں اور بے شمار انسانوں نے ان کے ذریعے سے رشد وہدایت کا فیض پایا ہے۔'(۱)

اور حضرت الشاہ علامہ کشمیریؒ کی علمی ہمہ جہتی اور قابل رشک تقوی اور تورُّع کے حوالے سے ان کی رَواں دَواں اور دل کش وپُر بہار طرزِ نگارش کا یہ حسین مرقَّع:

''شاہ صاحب اگر ایک طرف اپنے معاصرین میں تجُّر علمی کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، تو دوسری جانب زُہد وتقویٰ میں بھی ان کی ذات بے مثل تھی، وہ ایک باکمال مفسر، محدث، فقیہ اور فلسفی تھے، آدمی میں ایک کمال ہونا بھی کم نہیں ہوتا، مگر ان کی دستارِ کمال میں متعدد لعل آویزاں تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، تشنگانِ علوم کی جس کثیر تعداد نے اس بحر العلوم سے سیرابی حاصل کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔''(۲)

سید محبوب رضویؒ نے اپنے علمی وفکری متروکات میں دسیوں اخبار ورسائل کے مقالات اور ''تاریخ دیوبند'' و''تاریخ دارالعلوم'' جیسی گراں بہا تصانیف کے علاوہ ''آبِ زمزم''، ''مکاتیبِ حجاز''، ''مکتوباتِ نبوی'' اور ''تذکرۂ ساداتِ رضویہ'' جیسی بلند پایہ، محقق اور معلومات افزا مؤلَّفات بھی چھوڑی ہیں، ان میں سے اول الذکر ماءِ زمزم کے عند الشرع فضائل ومحاسن وخصوصیاتِ دینی ودنیوی کو بیان کرتی ہے، جب کہ دوسری ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو انھوں نے سفرِ حج کے دوران اپنے رفیقِ مجلس ورفیقِ کار سید ازہر شاہ قیصر کو لکھے تھے، یہ خطوط بلادِ حرمین کے مختلف خطوں اور گوشوں کے تئیں نئے نئے انکشافات کے دروا کرتے ہیں، ساتھ ہی ان کا اسلوب بھی خاصا مسحور کن، دل برانہ وجاں رُبایانہ ہے اور ان کے لفظ لفظ سے مکتوب نگار کی حرمین شریفین، وہاں کی آب وہوا، وہاں کے باشندگان؛ بلکہ وہاں کے ذرے ذرے سے غیر معمولی محبت، وارفتگی وشیفتگی چھلکی پڑتی ہے، ''مکتوباتِ نبوی'' ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شاہانِ وقت کو ارسال کیے تھے، اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف اس میں ان خطوط کا ترجمہ کیا گیا ہے؛ بلکہ ان میں سے ہر ایک کے زمانۂ تحریر اور اس کے پسِ منظر کو بھی تاریخی استناد وصحت مندی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ان خطوط کے ساتھ وہ تمام معاہدات بھی

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج:۱، ص:۶۱۔

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج:۲، ص:۲۰۳۔

اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں، جو آپؒ نے مختلف زمانے میں مختلف قبائل سے کیے اور آخر الذکر کتاب میں تو سید محبوب رضویؒ کے معلومات کی وسعت و بے کرانی اپنی معراج پر ہے، اس میں قصبۂ دیوبند کے خانوادۂ سادات کا تفصیلی و تحقیقی تذکرہ تو ہے ہی، ساتھ ہی ہندوستان میں مختلف مغل بادشاہوں کے دور میں وارد ہونے والے دیگر مسلم خاندانوں کے حالات پر بھی انتہائی بصیرت افروز روشنی ڈالی گئی ہے، اس کتاب کے مشمولات کے مراجع پر ایک نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب میں سید صاحب نے تاریخ و تحقیق و تفتیش کے کتنے ہفت خواں طے کیے ہیں اور کتبِ تاریخ کے ناپیدا کنار سمندر سے کس طرح اپنے مطلب کے لعل و گہر نکالے ہیں۔

مولانا عبدالوحید صدیقیؒ

۱۸۹۷ء-۱۳۱۵ھ/۱۹۸۱ء-۱۴۰۱ھ

مولانا عبدالوحید صدیقی کا وطنی تعلق مشرقی یوپی کے ضلع غازی پور سے تھا، تعلیم کی ابتدا عصری علوم سے کی، ثانوی تعلیم کے لیے غازی پور کے ایک انگریزی اسکول میں داخل کیے گئے، حصولِ علم کا غیر معمولی شوق تھا اور ذوقِ مطالعہ بھی قابلِ رشک؛ اس لیے ان کے والد چاہتے تھے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے انہیں انگلینڈ بھیجیں، کہ اچانک ان کا انتقال ہو گیا اور صدیقی صاحب کو اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا، اس کے بعد گھریلو حالات کے پیشِ نظر محکمۂ نہر میں ملازمت کر لی، پھر ممبئی کی انجمن اسلامیہ کے ایک اسکول میں تقرری ہوگئی، اس دوران انھیں پھر اپنی علمی ناپختگی کا شدت سے احساس ہوا اور وہاں سے مظاہرِ علوم سہارن پور پہنچے، جہاں عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی، پھر دیوبند آ گئے اور ۱۹۲۸ء میں یہیں سے فضیلت کی تکمیل کی، قلم و قرطاس سے ان کا ناطہ دیوبند میں قائم ہوا اور پختگی و بلند حوصلگی کے آثار بھی یہیں سے ظاہر ہونے لگے؛ چناں چہ دیوبند کے قیام کے دوران ذاتی رسالہ ''مہاجر'' کے نام سے نکالا، جو طالبِ علموں کے احساسات و خیالات کی ترجمانی کرتا اور مولانا عبدالوحید صدیقیؒ کی غزارتِ علمی و وسعتِ مطالعہ کی عکاسی بھی۔

فراغت کے کچھ دنوں بعد تک دیوبند ہی میں رہے، پھر دہلی آ گئے اور یہاں سے ایک رسالہ ''جاوید'' کے نام سے جاری کیا، مگر بہ وجوہ یہ زیادہ دنوں تک چل نہ سکا اور مجبوراً اسے بند کرنا پڑا۔

اُدھر اُن دنوں دار العلوم سخت مالی بحران کا شکار تھا اور اکابرِ دار العلوم مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا قاری محمد طیبؒ کو کسی ایسے فاضل کی تلاش تھی، جو اپنی تگ ودو اور مخلصانہ جدوجہد سے عوام وخواص کو دار العلوم کی اعانت کی جانب متوجہ کرے؛ چناں چہ دار العلوم کی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے باضابطہ ''شعبۂ تنظیم وترقی'' کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ذمے دار کی حیثیت سے مولانا عبدالوحید صدیقیؒ کو بلایا گیا، مولانا نے آتے ہی اپنی بے پناہ کوششوں سے دار العلوم کے مالیاتی بحران کو کافی حد تک دور کردیا، اس میں مولانا کے خلوص کے ساتھ زبان وبیان کی سحرنا کی کا بھی غیر معمولی دخل تھا، پھر جب ۱۹۴۱ء میں ماہ نامہ ''دار العلوم'' کا اجرا ہوا، تو اس کی ادارت بھی مولانا ہی کے سپرد کی گئی؛ کیوں کہ ان کی زبان کی مانند ان کے قلم کی قوت، جاذبیت اور دل کشی سے بھی اکابرِ دار العلوم اچھی طرح واقف تھے اور زمانۂ طالبِ علمی ہی میں اس ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' کا انھوں نے بہ چشمِ خویش مشاہدہ بھی کیا تھا؛ چناں چہ صدیقی صاحبؒ نے لگاتار پانچ سال تک پوری تن دہی، جہدِ مسلسل اور غیر معمولی دل چسپی کے ساتھ نہ صرف اس رسالے کو نکالا؛ بلکہ اس کے قارئین وشائقین کا ایک بڑا حلقہ بھی پیدا کردیا۔

یہیں سے مولانا صدیقی کی طویل ترین صحافتی جدوجہد کا باضابطہ آغاز ہوا اور انھوں نے طے کرلیا کہ آیندہ قلم کی کاشت ہی کو لازمۂ حیات بنانا ہے، مولانا عبدالوحید صدیقیؒ کا صحافت کو اختیار کرنا بہ طور پیشہ کے نہ تھا؛ بلکہ انھوں نے اسے اپنے سینے میں دبے پیغام امن وانسانیت و اخلاق کو ہندی مسلمانوں تک اور تھوڑا اور وسیع کیجیے تو تمام باشندگانِ ہند تک پہنچانے کے لیے اپنایا تھا؛ چناں چہ جب وہ ماہ نامہ ''دار العلوم'' کے مدیر تھے، تو یہی چیز ان کے پیشِ نظر رہی، اپنے وقت میں ملک گیر شہرت کے حامل اخبارات ''زمیندار''، ''مساوات'' اور ''انقلاب'' میں لکھا، تو ان ہی محوری نکات کو سامنے رکھا، جمعیتِ علمائے ہند کے آرگن ''الجمعیۃ'' کے ادارتی صفحات سے بھی پوری قوت وجرأت کے ساتھ اسی کی تلقین وتبلیغ کی ہفت روزہ ''ہمّتُ'' ہفت روزہ ''طاقت''، روزنامہ ''واقعاتِ نو'' ماہ نامہ ''ہدف'' اور پندرہ روزہ ''واقعات'' میں چھپنے والی ان کی تحریریں بھی ان کے اسی جذبۂ صادق اور انسان دوستی کی آئینہ دار ہیں۔

پھر جب ڈائجسٹ کی دنیا میں قدم رکھا اور ''ہما''، ''ہُدیٰ'' اور ''پاکیزہ آنچل'' جیسے شہرتِ

عام اور بقائے دوام حاصل کر لینے والے ڈائجسٹ جاری کیے، تو اس وقت بھی ان کے تحت الشعور میں یہی مقاصد کارفرما تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی جس ماحول میں ہندوستانیوں کو امن کا پیغام دینا چاہتے تھے اور جس زمانے میں ان کا کلکِ حقیقت رقم اخلاقیات کا مقدس درس دے رہا تھا، وہ زمانہ اور ماحول حشر بہ داماں تھا، وہ وقت ایسا ہلاکت خیز اور روح فرسا تھا کہ انسانیت درندگی کا روپ دھار چکی تھی، ہندوستانی تاریخ میں ایسا ہولناک موڑ شاید کبھی آیا ہو جب ایک انسان کی تشنگی اپنے ہم جنس ہی کا خون پی کر دور ہوتی ہو، مگر وہ وقت ایسا ہی تھا۔

آزادی کی دو سو سالہ طویل جدو جہد ابھی نتیجے تک پہنچی بھی نہ تھی کہ ہندوستان کے طول وعرض میں فساد وخوں ریزی گھنگھور گھٹا کی طرح پھیل گئی، برکھا ہوئی اور موسلا دھار ہوئی، وہ فساد کیا تھا؟ ایک شمشیر بُرّاں، جس سے گردنوں کی فصلیں کاٹی گئیں، سروں کی شاخیں توڑی گئیں، آبروؤں کی کلیاں ٹوٹیں، عزتوں کے غنچے مرجھائے اور نہ جانے کتنے بھرے پُرے خاندانوں کے چمن اجڑ گئے۔

ایسے قیامت خیز ماحول میں یہ یقینی تھا کہ ہر وہ شخص، جو امن وانسانیت کی بات کرتا اور اخلاقیات کے اُپدیش دیتا، وہ بھی مصائب وآلام اور اذیتوں کی بھٹی میں تپایا جائے؛ چناں چہ مولانا کو بھی نوبہ نو شدائد سے گزرنا پڑا، تکالیف سہنی پڑیں، مگر انھوں نے حالات کی ستم ظریفی کے سامنے سپر انداز ہونے کی بہ جائے تلوار کے سایے میں حق گوئی وحق نگاری کی قندیل جلائی، انھوں نے جہاں موقعے اور مناسبت سے اپنی انقلابی تحریروں اور جاں بخش فکر پاروں سے اسلامیانِ ہند کے عمومی جمود کو توڑا، ان کے ٹھٹھرتے ہوئے حوصلوں اور سکڑتے ہوئے عزائم کو سہارا دیا اور انھیں فکر وعمل کی راہ پر لگانے کی ہر ممکن تگ وتاز کی، وہیں عام دیش باسیوں کے ذہنوں کو بھی وسعت عطا کی اور ان کے دلوں میں اس حقیقت کو نقش کالحجر کر کے چھوڑا کہ ہندوستان جیسے ملک میں، جہاں متعدد مذہب وملت کے پیرو کار رہتے ہیں، اگر زندہ رہنا چاہتے ہو، تو رواداری، امن وشانتی اور باہمی اخوت ومساوات کا دامن تھامنا ہوگا اور یہ حقیقت ہندوستان کے اکثریتی طبقے کے اکثر ذی ہوش لوگوں کے قلب ودماغ میں جاگزیں ہوگئی۔

مولانا کا جو پیغام تھا، وہ صدفی صد باشندگانِ ہند کی سالمیت وسلامتی کا ضامن تھا؛ یہی وجہ ہے کہ وہ گردوپیش کے خطرات ومہالک سے بے پرواہوکراور پوری جرأت وشجاعت کے ساتھ اپنے نصب العین کا اظہاراوراپنے پیغام کو عام کرتے رہے، مولانا کی تمام تر تحریریں ان کے اس وصفِ ممتاز کی عکاس ہیں خاص طور سے ان کا جاری کردہ اخبار ''نئی دنیا'' (۱) اس کا بین ثبوت ہے۔

ہفت روزہ ''نئی دنیا'' آج بھی اپنی اسی اسپرٹ کے ساتھ جاری ہے اور عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے ملی احساس کو بیدار کرنے اور انھیں فکر وعمل کی نئی راہوں سے آشنا کرنے میں جن اخبارات کی حصے داری ہے، ان میں ''نئی دنیا'' کو سرکردگی حاصل ہے اور اس کی اس خصوصیت میں یقیناً مولانا عبدالوحید صدیقی کی وہ لگن، تڑپ اور تب وتاب کارفرما ہے، جس کا اظہار ان کے قلم سے ''نئی دنیا'' کے پہلے شمارے ۱۰؍جولائی ۱۹۵۱ء کے اداریے میں ہوا تھا، انھوں نے لکھا تھا کہ:

''ہم نے ہندو اور مسلمانوں کی اصطلاح میں کبھی گفتگو نہیں کی، لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد جو حالات وواقعات پیدا ہوئے، انھوں نے ایک بار ہمیں اس حقیقت کا یقین دلایا ہے کہ ہندوستان کی بدلتی ہوئی دنیا میں اگر ہمیں زندہ رہنا ہے، تو ہمیں مسلمان اور ہندوستانی کی حیثیت سے بھی زندہ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے، یہ بات ہم ایک فرقہ پرست یا پاکستانی کی حیثیت سے نہیں کہیں گے، کہ فرقہ پرست اور پاکستانی بننا ہمارے مزاج اور فطرت کے بالکل خلاف ہے، لیکن ہمیں موجودہ دور کی یہ اہم ترین ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ سیاسی وتمدنی طور پر مسلمان بھی زندہ رہیں اور اب ان کی پوزیشن ایسی ہوگئی ہے کہ جس پر واقعات وحقائق اور شمار واعداد کی روشنی میں گفتگو کرنا ضروری ہے، ہم اس سلسلے میں اپنا فرض پوری ذمے داری، پوری احتیاط اور پوری دوراندیشی کے ساتھ ادا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر شرمانے کی قطعاً ضرورت محسوس نہیں کرتے۔''

مولانا کی بے باکانہ اور جرأت مندانہ للکار کا ایک اور مرقّع:

''روزنامہ ''نئی دنیا'' کا مقصدِ حیات یہ اور صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوستان کے دستورِ اساسی کے مطابق وہی مقام اور درجہ حاصل ہو، جو کسی دوسرے کو حاصل ہے، وہ یہاں پر باعزت اور بے خوف وخطر زندگی بسر کریں، ان کے ساتھ انصاف کیا جائے، ہم کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کے دلوں میں کسی قسم کے خوف وہراس نے جگہ لے لی اور ان سے ناانصافی کی گئی، تو یہ بات انجام کار ہماری نوزائیدہ جمہوریت کے لیے مضرت رساں ہوگی؛ اس لیے کہ ہندوستان

---

(۱) جو ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۴ء تک روزنامہ رہا، پھر مالی دشواریوں کے باعث بند ہوگیا، پھر ۱۹۷۳ء سے ہفت روزہ نکلنے لگا۔

میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ پانچ کروڑ ہے، اتنی بڑی آبادی کے ساتھ ناانصافی، اس پر تشدد اور اس سے غیر جمہوری سلوک نہ تو دانش مندی ہے اور نہ ممکن، ہم آزاد ہندوستان کے شہری ہیں، ہم کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی اٹھے اور جمہوری دور میں مسلمانوں سے راج کماروں کے انداز میں بات کرے اور ان کو دھمکانا شروع کردے، ان کی ہمتوں اور حوصلوں کو پست کردے، اگر کبھی ایسا ہوا، تو ہمیں نہ صرف دفاع کرنا پڑے گا؛ بلکہ ہم منھ توڑ جواب دینے سے بھی گریز نہ کریں گے، کہ ہم کسی ذلت آمیز سلوک کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

مولانا عبدالوحید صدیقی کے طویل تر صحافتی دورانیے کا مطالعہ بہ نظرِ عمیق کیا جائے، تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کا صحافتی شعور کس قدر ہمہ جہت اور وسیع الاطراف تھا، انھوں نے ہر ناگفتہ بہ حالت میں مسلمانوں کی اشک سوئی کی اور ہر جگر خراش موقعے پر انھیں ڈھارس بندھائی، مگر کبھی بھی انھوں نے تنگ نظری کا شکار ہوکر فرقہ واریت کے الاؤ کو بھڑکانے کا گھناؤنا عمل نہیں کیا، انھوں نے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ کیا، مگر تہذیب ومتانت کے ساتھ، انھوں نے وطنِ عزیز کے جسم پر پڑ جانے والے ان تمام پھوڑوں پر انگلی رکھی، جو اس کی صحت و جمال پر اثر انداز ہو رہے تھے، مگر ہَولے ہَولے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کی بات اکثر سنی گئی، ان کے مطالبات پر زیادہ ترسنجیدگی سے غور کیا گیا اور دنیاے صحافت میں ''عبدالوحید صدیقی'' ایک باوقار وباعظمت نام سمجھا گیا۔

اردو کے معروف ادیب ونقاد حقانی القاسمی نے ان کے ہمہ جہت صحافتی شعور کو بہترین خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''عبدالوحید صدیقی میں وہ تمام خوبیاں تھیں، جو ایک ہمہ جہت صحافی کے لیے ضروری تھیں، ان میں بے پناہ تحمل تھا اور تجمل بھی، وہ حاضر دماغ بھی تھے اور ان کا تخیل بھی بلند تھا، ان کے اندر دردمندی بھی تھی اور غیر جانب داری بھی؛ یہی وجہ ہے کہ وہ صحافتی محاذ پر ظفریاب اور کامران رہے، انھیں کبھی بھی ہزیمتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا، وہ کسی بھی موڑ پر شکستہ پا نہیں ہوئے، ہر نئی اذیت میں نئی آن وبان اور شان کے ساتھ جلوہ گر ہوئے، انھوں نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا، وہ لُہولُہان، زخمی اور شکستہ پاؤں سے ہی منزل کی طرف بڑھتے رہے، وہ نہ کبھی مضمحل ہوئے اور نہ کبھی کم حوصلگی وافسردگی کے شکار، ان کے بال وپر میں اتنی قوت تھی کہ موجِ حوادث سے لڑتے رہے، مگر حالات سے شکست نہیں کھائی، صحافتی زندگی میں ان پر کتنی قیامتیں گزریں، مگر ہر قیامت کی کوکھ سے ایک نئے حوصلے اور عزم نے جنم لیا''۔(۱)

---

(۱) دار العلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص:۹۸۔

اردو ادب کے مشہور مزاح نگار مجتبیٰ حسین نے بھی مولانا عبدالوحید صدیقی کی بلند صحافتی قامت کا راز ان کے شعور واحساس کی وسعت ہی میں تلاش کیا ہے، انھوں نے تحریر کیا ہے کہ:

''مولانا عبدالوحید صدیقی ایک اعلیٰ اور بلند پایہ صحافی تھے ہی؛ لیکن ان کا رویہ زندگی سے محض ایک صحافی کا نہیں تھا؛ بلکہ ایک دانش ور کا تھا، ان کے اداریے بڑے جذباتی ہوا کرتے تھے؛ لیکن وہ معقولیت پسندی اور دانش مندی کا دامن کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے اور وہ ہندوستانی مسلمانوں کو قومی دھارے میں رکھ کر ان کے مسائل اور مطالبات پر بحث کرتے تھے، انھوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ مسلمانوں کی ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنی چاہیے''۔(۱)

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

۱۹۰۷ء-۱۳۲۵ھ/ ۱۹۸۵ء-۱۴۰۵ھ

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ دارالعلوم دیوبند کے عہدِ زرّیں کے فیض یافتہ اور جدید وقدیم ہر دو علوم پر کامل دست گاہ رکھنے والے بالغ نظر اور دانش ور عالم تھے، مولانا نے ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم سے سندِ فضیلت حاصل کی، اس کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے عربی زبان وادب میں ایم اے کیا، ۱۹۲۸ء میں اپنے فریدِ عصر استاذ علامہ کشمیری وغیرہ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات میں مشغلۂ تدریس سے وابستہ ہوئے اور وہاں تین سال تک قیام رہا، ۱۹۳۱ء میں مدرسہ عالیہ فتح پوری، دہلی میں السنۂ شرقیہ کے استاذ مقرر ہوئے، اسی دوران سینٹ اسٹیفن کالج لاہور سے ایم اے کیا اور شمس العلما مولانا عبدالرحمٰن کی جگہ لیکچرر مقرر کیے گئے، ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل بنائے گئے، ۱۹۵۸ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی صدارت تفویض ہوئی اور ۱۹۷۲ء میں اپنی مدتِ کار پوری کرکے سبک دوش ہوگئے، مولانا نے اس عرصے میں جہدِ مسلسل اور تب وتابِ جاودانہ سے مسلم یونیورسٹی کے اس شعبے کو دیگر شعبہ جات کی طرح مقبول ومشہور بنادیا اور مولانا ہی کی کوشش سے دینیات میں بھی پی ایچ ڈی کے شعبے کا اجرا ہوا۔

---

(۱) مولانا عبدالوحید صدیقی: شخصیت اور ادبی خدمات، کتاب نُما، نئی دہلی، ص:۹۰، مرتب: پروانہ رودولوی، مدیر: شاہد علی خاں، مطبوعہ: اپریل ۱۹۹۴ء۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہی کے زمانۂ قیام میں کناڈا کی مشہور یونیورسٹی میک گل کے وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے تشریف لے گئے، اس کے علاوہ کئی بین الاقوامی علمی وادبی سیمناروں میں شرکت کی غرض سے یورپ وایشیا وافریقہ کے متعدد ممالک کا سفر کیا، آخر عمر میں دارالعلوم کے تحقیقی، تالیفی وصحافتی ادارہ ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے ڈائریکٹر بنائے گئے اور تاحین حیات اس عہدے پر فائز رہے۔

مولانا اکبرآبادی کا نام جس طرح قدیم وجدید علوم میں گیرائی، نبوغ اور تعمق اور رہردو اداروں میں طویل خدمات کے حوالے سے روشن ہے، اسی طرح ان کی شخصیت اردو کی علمی، ادبی اور تحقیقی صحافت کے لیے بھی دائمی استعارے کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۹۳۸ء میں جب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا اکبر آبادیؒ نے مل کر دہلی میں ایک تحقیقی تصنیفی اور اشاعتی ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' کی اساس رکھی اور اسی ادارے سے ایک علمی، ادبی وتحقیقی رسالہ ''برہان'' کے اجرا کی تجویز عمل میں آئی، تو اس کی ادارت مولانا اکبرآبادیؒ ہی کو سونپی گئی اور انھوں نے اس رسالے کی اخیر عمر تک اس کی انتہائی کامیاب اور تاریخ ساز ادارت کی، اپنے ادارتی عرصے میں مولانا اکبرآبادی نے سیکڑوں اسلامی وتحقیقی موضوعات پر گراں قدر مقالات کے علاوہ ''نظرات'' کے عنوان سے بے شمار مسائل پر بے لاگ اور بصیرت مندانہ تجزیے بھی پیش کیے۔

مولانا کے قلمِ معجز رقم نے ''برہان'' کے صفحات پر جو علم وتحقیق اور فکر وتدقیق کے جواہر ریزے بکھیرے، اس کی وجہ سے علم ونظر کی دنیا میں ان کی عبقریت کی دھوم مچ گئی اور مولانا ایک بلند پایہ محقق، باکمال عالمِ دین اور چوٹی کے دانش ور کی حیثیت سے جدید وقدیم دونوں حلقوں میں مسلّم الثبوت شخصیت سمجھے جانے لگے، آپ کی بیش بہا تخلیقات سے مدارس کے علما وفضلا تو فیض اٹھاتے ہی، یونیورسٹیز کے لیکچررز اور پروفیسرز بھی ان میں اپنی مختلف علمی وتحقیقی گتھیوں کا حل پاتے۔

مولانا نے ''برہان'' کے صفحات پر شائع ہونے والے اپنے گراں بہا مقالات کی جمع وترتیب کا بھی بہت ہی اچھا اور مفیدِ عام سلسلہ شروع کیا تھا؛ چناں چہ سب سے پہلے اسلام میں

غلام کی حیثیت، اس کے فرائض وحقوق اور اس کے تئیں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وعملی ہدایات وتوجیہات پر ایک طویل تحقیقی مقالہ لکھا، جو ''برہان'' میں بالاقساط شائع ہوا، پھر ۱۹۳۹ء میں ''الرق فی الاسلام'' کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کیا، ۱۹۴۰ء میں دوسری کتاب ''غلامانِ اسلام'' طبع ہوئی، اسی سال علومِ قرآن کے معرکہ آرا مباحث کو محیط ''فہمِ قرآن'' منظرِ عام پر آئی، دو سال بعد ''مسلمانوں کا عروج وزوال'' چھپی، یہ کتاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفاے اربعہ، خلفاے بنوامیہ وعباسیہ کی بہ اجمال مستند تاریخ، پھر ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ان کے دورِ حکم رانی کی معتبر اجمالی دستاویز، ان کے عروج کی قابلِ رشک اور زوال کی عبرت انگیز تاریخ پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ بھی مولانا کے گہر فشاں قلم نے اردو دنیا کے علمی وتحقیقی ذخیرے میں قابلِ قدر اور وقیع اضافے کیے، جن میں ''وحیِ الٰہی''، ''صدیقِ اکبرؓ''، ''عثمان ذوالنورینؓ''، ''تدوینِ حدیث''، ''فتنۂ وضعِ حدیث اور اس کا مکمل انسداد''، ''حضرت عبداللہ بن مبارکؒ''، ''پہلی صدی میں مسلمانوں کے رجحانات''، ''خواتینِ اسلام''، ''عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر''، ''مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے ناقد'' وغیرہ متعلقہ موضوعات پر تحقیق ونظر اور فکر وبصیرت کے شہ پارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

متذکرہ بالا تمام کتابیں پہلے ''برہان'' میں قسطوں میں چھپیں، اربابِ ذوق نے انھیں غیر معمولی طور پر قدر کی نگاہوں سے دیکھا، انھیں سراہا اور ان سے استفادہ کیا، پھر انھیں یک جا کیا گیا اور اس طرح ان سب کتابوں کو شہرتِ عام اور بقاے دوام حاصل ہوگئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ''برہان'' کی راہ سے مولانا اکبرآبادی نے اردو کی لازوال خدمات انجام دیں، مذہب ہی نہیں، دیگر متنوع عنوانات پر بھی خود بھی لکھا اور دیگر موقر اہلِ قلم سے بھی مسلسل لکھوایا اور اردو زبان کے تحفظ کے فریضے کو لسانی ہی نہیں؛ بلکہ شرعی حیثیت دے دی، ڈاکٹر عفیرہ حامد نے ''برہان'' کی علمی، ادبی وتحقیقی خدمات اور اس کے منفرد زاویۂ نگاہ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

> ''دہلی سے ماہ نامہ ''برہان'' ۱۹۳۸ء میں جاری ہوا، اس کے ایڈیٹر سعید احمد اکبرآبادی تھے، یہ علمی وادبی رسالہ تھا، اس نے مذہب، تاریخ، عمرانیات، لسانیات اور احادیث کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔

''برہان'' نے اردو زبان کے مسئلے کو شرعی نقطۂ نظر سے پیش کیا اور مختلف آیات کے حوالے سے یہ بات ثابت کی کہ کسی قوم کی تہذیب وتمدن کا تحفظ اور بقا اس کی زبان میں مضمر ہے۔

''برہان'' نے اپنے مضامین کے ذریعے اردو زبان کی الگ حیثیت متعین کی اور مسلمانوں کی بقا کے لیے اس کے تحفظ کو اہم قرار دیا؛ تاکہ مسلمان اپنا وجود اپنی زبان کے ذریعے برقرار رکھ سکیں۔

''برہان'' نے اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تاریخ کو فروغ دینے میں اہم خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا، یہ دور ادب میں جدید نظریات کے فروغ کا دور تھا، اس نے ادب کے رشتے کی اہمیت کا احساس قرآن وحدیث کی روشنی میں دلایا۔

''برہان'' کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے اردو زبان کے تحفظ کے لیے منفرد نظریے کو اپنایا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کی وضاحت کی؛ اس لیے اس کی ادبی خدمات کو اس دور کا ہر رسالہ تسلیم کرتا ہے، جس نے دینِ اسلام اور تاریخ اسلام کو اردو داں حلقے میں دوبارہ زندہ کیا''۔(۱)

مولانا اکبرآبادیؒ کی علمی، ادبی وتحقیقی جولانیاں صرف ''برہان'' ہی تک محدود نہ تھی؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی ملک وبیرونِ ملک کے متعدد علمی ادبی رسائل ومجلّات ان کی علم وتحقیق ریز تحریروں سے فیض یاب ہوتے، حتی کہ کاروانِ عمر کے روبہ تقدّم ہونے کے ساتھ ان کا ذوقِ تحقیق اور شوقِ جستجو مزید شعلہ بہ داماں ہوتا گیا؛ چناں چہ جب ۱۹۸۴ء میں شیخ الہند اکیڈمی کے ڈائریکٹر بنائے گئے، تو ایک سہ ماہی تحقیقی رسالہ ''الدراسات الاسلامیہ'' جاری کرڈالا، جس کا مقصد ژرف نگاہ اور اصحابِ فکرودانش قلم کاروں کے ذریعے علمی، فقہی وتحقیقی ذوق رکھنے والوں کا علمی تغذیہ تھا، گویہ سلسلہ دیرپا ثابت نہ ہوسکا اور مولانا کی وفات کے ساتھ ہی اس رسالے کی عمر بھی تمام ہوگئی۔

مولانا اکبرآبادیؒ کی تحریریں تحقیقات ومعلومات کے بیش بہا گہر پارے تو پیش کرتی ہی ہیں، اسلوبِ نگارش کی عمدگی اور طرزِ ادا کی جَودت بھی نگارشاتِ اکبرآبادی کا وصفِ ممتاز ہے؛ بلکہ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے تو ان کی نثر نگاری میں داغ وشبلی وآزاد کا پرتو تلاش کیا ہے۔

پھر ادب کی چھاپ ان کے طرزِ تحریر تک ہی محدود نہ تھی؛ بلکہ ان کا ادبی شعور واحساس بھی بہت ہی ارفع تھا، وہ اسی ادب کو ادب سمجھتے، جو برائے زندگی ہو، تعمیری ہو، واقعیت کا عکاس ہو اور جو صرف ادیب کے ظاہر ہی نہیں اندروں کا بھی ترجمان ہو، مولانا کی نظر پیشہ ور ادبا کی جتھہ

(۱) ادبی شناخت نامہ، ص:۱۰۷، بہ حوالہ: اردو ادبی رسائل کا جائزہ، مخزن، لاہور۔

بندیوں پر بھی تھی اور وہ اس کارِ عبث کو ادب کے لیے ہلاکت ناک سمجھتے اور ایسا کرنے والوں کو ہر ممکن قوت سے روکنا اور ادب کو ان کی زیاں کاریوں سے محفوظ رکھنا اپنا فریضہ سمجھتے۔

ترقی پسند ادبی تحریک اور مولانا اکبر آبادیؒ:

یہی وجہ ہے کہ جب اشتراکیت زدہ ادبا و شعرا نے ترقی پسند تحریک کی نیو اٹھائی اور اردو ادب کے دھارے کو ایک مخصوص رخ دینے کے درپے ہوئے، تو جن سنجیدہ ادیبوں اور اردو زبان کے محققین نے اس تحریک کے نقصانات کو محسوس کیا اور عقلی ونظری دلائل کے ذریعے اس کے علم برداروں کے بہ ظاہر قوی وروشن، مگر بہ باطن لچر اور ہیچ پوچ دعووں کی قلعی کھولی، ان میں مولانا اکبر آبادیؒ کی شخصیت بھی اہم تھی۔

ترقی پسند ادبی تحریک کے آغاز کا پس منظر یہ ہے کہ جب ۱۹۱۷ء میں روس میں زبردست سیاسی ومعاشی انقلاب رونما ہوا اور وہاں کے محنت کشوں اور مزدوروں کا طبقہ لینن کی سربراہی میں زارِ روس کی بساطِ حکومت الٹنے میں کامیاب ہو گیا، تو اس حیرت ناک فتح وکامرانی کی گونج تمام خطہ ہائے عالم مین سنی گئی اور پوری دنیا میں اس تصور کو بال وپر حاصل ہو گئے کہ مٹھی بھر مزدور اور معاشرے کے دبے کچلے عناصر اگر اپنے حقوق ومطالبات کی خاطر متحد ہو جائیں، تو یہ بڑی بڑی جور پیشہ اور جفا کوش حکومتوں کی چولیں ہلا سکتے ہیں، عرش نشیں حکم رانوں کو خاک نشینی پر مجبور کر سکتے ہیں اور ان کی ساری شوکت وشکیمت، عظمت وہیبت اور رعب وداب کے پرخچے اڑائے جا سکتے ہیں۔

چوں کہ اس وقت کے موجود عالمی تناظر میں یہ نقطۂ خیال درست تھا اور دنیا کے مزدوروں، غریبوں اور کمزوروں کے لیے بہ ظاہر حوصلہ بخش اور ہمت افزا بھی؛ اس لیے پوری دنیا میں اس خیال کی تائید وتصویب ہوئی اور ہر طبقے میں ہوئی، ان میں ادیبوں اور شاعروں کا طبقہ بھی تھا، انھوں نے اس خیال کو تحریک کی شکل دینے اور پوری دنیا میں اس کے اثرات کو عام کرنے کی غرض سے پیرس میں دنیا بھر کے ادیبوں اور شاعروں کی ایک کانفرنس منعقد کی اور اسی میں پوری دنیا کے ادیبوں اور شاعروں نے کھل کر طبقۂ مزدوراں کی حمایت کا اعلان کیا، اس کانفرنس کے شرکا میں ہندوستان سے ملک راج آنند اور سجاد ظہیر تھے، جو پہلے ہی اپنے ہم خیالوں کے ساتھ مل کر ”ترقی

پسند مصنفین'' کی بنیاد ڈال چکے تھے، بعد میں اسی نظریے نے اردو ادب میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا اور اسے ''ترقی پسند ادبی تحریک'' اس کی تائید وحمایت میں لکھنے والوں کو''ترقی پسند مصنفین'' اور اس کی نمایندگی کرنے والے سخن گوکو''ترقی پسند شاعر'' کہا جانے لگا۔

مگر شروع ہی سے اس تحریک کا المیہ یہ رہا کہ اس کے نُقبا ادیب وشاعر تو تھے؛ لیکن نہ ان کا کوئی فکری موقف تھا اور نا ہی اس حوالے سے ان کا کوئی وقار واعتبار؛ چناں چہ انھوں نے غریبوں اور مزدوروں کی حمایت اور ان کے تقدُّم وترقی کی کوششوں کے پسِ پردہ کمیونزم کی وکالت اور ادبی گروہ بندیوں کو فروغ دینے کا انتہائی گھٹیا اور گھناؤنا کام کیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس تحریک سے وابستگی کے بعد اُن ادبا وشعرا سے نہ تو ادب ہی کی قابل قدر خدمت ہوسکی اور نہ وہ اپنے مطمحِ نظر ہی میں سرخ رو ہوسکے۔

برسرِ مطلب:

اسی زمانے میں جب کہ ترقی پسند تحریک کا زور تقریباً پوری دنیا میں پھیل چکا تھا اور اس کے نمایندوں اور حامیوں کی صداہاے بازگشت متحدہ ہندوستان میں بھی گونجنے لگی تھیں، اس تحریک کے ضرر رسا پہلوؤں پر نظر رکھنے والے ادبا نے کھل کر اس کی مخالفت کی؛ بلکہ اس تحریک کے اساس گزاروں کے ساتھ دہلی میں ان کا مباحثہ ہوا، اس مباحثے میں ترقی پسند تحریک کی وکالت وحمایت میں تقریر کرنے والے سجاد ظہیر اور فیض احمد فیض تھے، جب کہ مخالفین کی طرف سے بولنے والے خواجہ محمد شفیع اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی تھے۔

سجاد ظہیر نے اپنی اہم تصنیف ''روشنائی'' میں اس مباحثے کی روداد بہ تفصیل قلم بند کی ہے اور مولانا کے علمی وادبی تفوق کا اعتراف کیا ہے۔

سجاد ظہیر کی دی گئی تفصیل چونکہ موجودہ اردو نسل کے لیے انتہائی نفع بخش ہے اور فکر وخیال کے نئے دریچے وا کرتی ہے؛ لہٰذا اس کے چند اقتباسات حقانی القاسمی صاحب کی کتاب ''ادبی شناخت نامہ'' کے واسطے سے زیبِ قرطاس کیے جاتے ہیں:

''دہلی کے میونسپل کارپوریشن کے بڑے ہال میں جلسہ ہونا قرار پایا، میر رضا علی اس کی صدارت کے لیے اور ترقی پسند تحریک پر حملہ کرنے کے لیے دلی کے دو نام ور اصحاب تھے: خواجہ محمد

شفیع، ناول اور افسانہ نگار اور شاعر، دلی کے ایک پرانے خاندان کے فرد اور وہاں کی قدیم تہذیب وآداب اور شرفائے دلی کی میٹھی زبان کے ماہر اور ان کی نوکیلی اداؤں پر فریفتہ اور ان ہی کو انسان کے عروج کی آخری منزل سمجھنے والے، دوسرے قاضی سعید احمد تھے، یہ صاحب بالکل دوسری قسم کے تھے، عربی، فارسی اور علوم دینیہ کے استاد، خشخشی ڈاڑھی، ثقہ، سنجیدہ، اس کے ساتھ وہ ایم اے بھی تھے، ایک جدید وضع کی ترکی ٹوپی اور شیروانی پہننے والے انگریزی داں مولوی، قاضی صاحب ندوۃ المصنفین دہلی کے رکن تھے اور اس ادارے کے ماہانہ علمی اور دینی رسالے ''برہان'' کے ایڈیٹر تھے، ترقی پسندوں کی طرف سے اس حملے کا بچاؤ کرنے کے لیے فیض احمد فیض اور میں چنے گئے تھے، جاڑوں کے دن تھے اور جلسہ رات کو کوئی سات یا آٹھ بجے شروع ہوا، حاضرین کی تعداد کوئی ایک ہزار رہی ہوگی، فیض لاہور کے تھے اور میں لکھنؤ کا اور گو ہم دہلی میں اجنبی نہ تھے، پھر بھی اپنے مخالفین کے مقابلے میں اس لحاظ سے کمزور تھے، کہ دلی نگری کے روڑے نہ تھے اور ہم نے دو دلی والوں کے خلاف ان ہی کے شہر میں محاذ قائم کیا تھا، جلسے کے بعد خواجہ شفیع صاحب اور قاضی سعید سے میرا باقاعدہ تعارف ہوا، میں ان حضرات کے نام سے تو پہلے سے واقف تھا؛ لیکن ان سے ملنے کا اس کے پہلے موقع نہیں ملا تھا، دونوں صاحبوں نے معذرت کی کہ انھوں نے بہت سی باتیں محض مناظرے کی خاطر کہی تھیں اور میں ان کا خیال نہ کروں، معلوم نہیں انھوں نے میری دل جوئی رسمی طور پر کی تھی یا دراصل وہ ایسا محسوس کرتے تھے، خواجہ صاحب نے اس کے بعد مجھے بہ اصرار اپنے دولت خانے پر مدعو بھی کیا اور ایسے مزے کی چیزیں کھلائیں، جو صرف دلی والے ہی کھلا سکتے ہیں، ان کا اندازِ گفتگو البتہ ان کے کھانوں سے بھی مزے دار تھا، جب میں رخصت ہونے لگا، تو اپنی تصانیف کا ایک پورا سیٹ انھوں نے مجھے تحفے میں دیا، میں ان کی ضیافت اور عنایت کی بوجھ سے جیسے دَب سا گیا اور واپسی پر سوچتا رہا............ع

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ ، انھیں کچھ نہ کہو

قاضی سعید صاحب سے بعد کو میری ملاقات ندوۃ المصنفین میں ہوئی، یہ علمی ادارہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور ان کے چند رفیقوں نے دلی میں قائم کیا تھا، قرول باغ میں اس کا کتب خانہ اور دفتر تھا، علومِ اسلامی پر تصنیف وتالیف اس کا مقصد تھا اور دسمبر ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے پہلے اس کا دفتر بھی خاکستر ہوگیا، اس نے بہت سی اچھی کتابیں اردو میں شائع کی تھیں، اس کے ارکین دیوبندی مکتب خیال کے حضرات تھے، جنھوں نے اسلام کی دینی تعلیم کے ساتھ حُبِ وطن اور سامراج دشمنی کو اپنا شعار بنالیا تھا، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو میں ۱۹۳۶ء سے جانتا تھا، جب کہ وہ اور میں دونوں ایک ساتھ سیاسی کام کرتے تھے، مولانا بہت سلجھے ہوئے دماغ کے ستودہ صفات اور عالم فاضل انسان

ہیں اور اس کے باوجود کہ میں جس سیاست پر کاربند تھا، اس سے ان کو بہت سی باتوں میں اختلاف تھا، ان کی شفقت وعنایت مجھ پر ہمیشہ رہتی، میں انھیں سامراج دشمنی اور وطنی آزادی کی مشترکہ جدوجہد میں اپنا بزرگ اور قابلِ احترام رفیق تصور کرتا تھا، میں جب بھی دلی جاتا، تو ان کی زیارت اپنا فرض سمجھتا تھا، بہ ہر حال جب میں ندوۃ المصنفین میں قاضی صاحب سے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے ساتھ ملا، تو انھیں چند دنوں پہلے کے ترقی پسندوں کے مخالف مقرر سے بالکل مختلف پایا، انھیں ہماری تحریک سے کوئی اصولی اختلاف نہ تھا"۔

"میں نے ان سے کہا: "اگر ان کا یہ خیال ہے کہ ہماری تحریک کا ایک مقصد مذہب کی مخالفت کرنا بھی ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے، کہ تحریک میں مختلف مذاہب اور فلسفۂ خیال کے لوگ (جن میں مارکسی خیالات والے بھی ہیں) جو چند مشترک مقاصد کے لیے متحد ہوتے ہیں، جن کا ذکر ہمارے اعلان نامے میں ہے، نہ صرف یہ کہ مذہب کی مخالفت کرنا ترقی پسند مصنفین کے مقاصد میں نہیں ہے، ترقی پسند مصنفین مذہبی عقائد اور دینی راہنماؤں کا احترام کرتے ہیں اور ہر شخص کی آزادیِ رائے اور ضمیر اور اپنے مسلک ومذہب پر قائم رہنے اور اسے برتنے کے حق کو مانتے ہی نہیں؛ بلکہ ان حقوق پر کسی جانب سے بھی حملہ ہو، تو اسے ایک بنیادی انسانی حق پر حملہ تصور کرکے اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس ناروا حملے کی سختی سے مخالفت کریں، ترقی پسند مصنفین لوگوں کے دینی عقائد پر حملے نہیں کرتے، البتہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں ہی میں سے ایک کٹر اور تنگ خیال گروہ اپنے علاوہ تمام دوسرے عقائد کے ساتھ رواداری کا اصول برتنے کو تیار نہیں ہوتا، دوسروں کی آزادیِ ضمیر کو سلب کرنے کی برابر کوشش کرتا رہتا ہے، اس کٹر گروہ کو سماج کی رجعت پرست طاقتوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے، اس کے برعکس ہمارا اصول عقائد اور مسلکوں کے پیروؤں کے مابین صلح وآشتی قائم کرنا ہے، البتہ مذہب کی آڑ لے کر خلقِ خدا کا استحصال اور عقل وسائنس کی مخالفت ترقی پسندی کے اصولوں کے خلاف ہے اور ہم یقیناً ان رجحانات کے خلاف ہیں۔"

اس کے بعد ہم "برہان" میں اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تہذیب کے مختلف مسائل پر اچھے مضامین لکھوانے اور شائع کرنے کی ضرورت پر گفتگو کرتے رہے"۔(۱)

مولانا اکبر آبادیؒ نے تاحیات علم وتحقیق، فکر وتدقیق اور ادب وصحافت کے میدانوں میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا کی شخصیت صحیح معنوں میں "کثیر الجہات" تھی اور وہ اپنے بہت سے معاصرین وخلف ہی نہیں؛ بلکہ کئی ایک پیش رووں میں بھی "بے مثیل" تھے۔

---

(۱) ادبی شناخت نامہ، ص: ۱۰۴-۱۰۶، بہ حوالہ، روشنائی، ص: ۳۴۵-۳۵۰۔

مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ

۱۹۲۰ء-۱۳۳۹ھ/۱۹۸۵ء-۱۴۰۵ھ

دیوبند کی زرخیز وگہر ریز سرزمین نے اردو ادب وصحافت کو جن گہرہائے آب دار سے مالا مال کیا، ان میں ایک فخرِ روزگار ادیب اور ممتاز صحافی سید ازہر شاہ قیصر بھی ہیں۔

خاتم المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے فرزندِ اکبر سید ازہر شاہ قیصرؒ کی ولادت علم وادب اور فکر ونظر کی نگری دیوبند میں ہوئی، عہد طفولیت ہی میں حفظِ کلام اللہ سے شرف یاب ہوئے، پھر عربی کی ابتدائی تعلیم کے لیے دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اسی دوران احاطۂ دار العلوم میں ایک زبر دست انقلاب رونما ہوا، جس کے بعد دار العلوم کے کئی موقر اساتذہ ڈابھیل، گجرات چلے گئے، ان میں علامہ کشمیریؒ بھی تھے اور ان کے فرزند سید ازہر شاہ قیصرؒ بھی اور وہیں ان کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا؛ لیکن قدرت کی بوقلمونی کہ ۱۹۳۳ء میں علامہ کشمیری رحلت فرماگئے اور ازہر شاہ قیصر کی تعلیم عربی کے ابتدائی درجات سے آگے نہ بڑھ سکی۔

علامہ کشمیریؒ کی وفات کسی عام آدمی کی وفات نہ تھی؛ بلکہ ایک ایسے عالمِ نحریر اور محدثِ جلیل کی وفات تھی، جو اپنی ذات میں فقید المثال اور یگانۂ عصر تھا؛ چناں چہ آپ کی وفاتِ جاں کاہ کا صدمہ پوری اسلامی دنیا میں محسوس کیا گیا اور تمام اکناف واطرافِ عالم سے اصحابِ علم وفضل حضرت کے اہلِ خانہ کی تعزیت کے لیے کشاں کشاں وارد ہونے لگے، ان میں اردو کے مایۂ ناز صحافی اور انقلابی شاعر مولانا ظفر علی خاں بھی تھے، ان کی قدم رنجہ فرمائی دیوبند والوں کے لیے سرمایۂ افتخار تھی؛ چناں چہ دیوبند کی تاریخی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان استقبالیہ جلسہ کیا گیا، جس میں نازشِ ادب وصحافت مولانا ظفر علی خاں کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا، جسے ۱۲ رسال کے سید ازہر شاہ قیصر نے تیار کیا تھا، اس سپاس نامے کا مضمون، اس کی ترتیب اور اندازِ نگارش اس قدر دل فریب اور جاذبِ قلب ونگہ تھی کہ مولانا ظفر علی خاں اسے سنتے اور سر دھنتے رہے، پھر واپسی میں اسے اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے شہرۂ آفاق اخبار ''زمیندار'' میں شائع کیا...... اور یہ گویا سید ازہر شاہ قیصر کی مستقبل کی قلمی جولانیوں اور ادبی وصحافتی فتوحات کا باعثِ

صدر شک نقطۂ آغاز تھا، اس کے بعد جواز ہر شاہ قیصر نے قلم وقرطاس سے اپنا رشتہ جوڑا تو اسے موت کے علاوہ کوئی سا حادثہ یا سانحہ نہ توڑ سکا، اسی وقت سے، جب کہ ان کی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں، متحدہ ہندوستان کے چوٹی کے اخبارات ورسائل میں ان کے مقالات شائع ہونے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، اپنے پچپن سالہ ادبی وصحافتی سفر میں انھوں نے اسلامی موضوعات پر تو لکھا ہی، کہ یہ ان کے پسندیدہ موضوعات تھے، ان کے علاوہ عصری سیاسیات پر بھی بھرپور اور متوازن شذرات لکھے، اردو نثر کی دیگر اصناف: قصے، افسانے، کہانیوں اور خاکہ نویسی میں بھی اپنی برتری قائم کی اور نقد وتبصرے میں بھی اپنی علیحدہ شناخت بنائی۔

۱۹۳۶ء میں سہارن پور سے ماہ نامہ ''صداقت'' جاری کیا، ۱۹۴۱ء میں دیوبند سے ہفت روزہ ''انور'' نکالا، دیوبند ہی سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''ہادی''، ''استقلال'' اور ''خالد'' کی سرپرستی کی، ۱۹۴۳ء میں لاہور کا سفر کیا، جہاں ۱۹۴۵ء تک قیام رہا، اس دوران مولانا ظفر علی خاں، عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر، مرتضیٰ احمد خاں میکش اور چراغ حسن حسرت جیسے کج کلاہانِ ادب وصحافت کی ہم نشینی حاصل رہی اور ''زمیندار''، ''زمزم''، ''احسان''، ''انقلاب'' اور ''سیاست'' جیسے بلند پایہ اخبارات میں آپ کی تخلیقات شائع ہوئیں۔

۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند کے ترجمان رسالہ ''دارالعلوم'' کے مدیر التحریر بنائے گئے اور ۱۹۸۲ء تک اس کی انتہائی کامیاب ادارت کی، اس عرصے میں دیوبند اور بیرونِ دیوبند سے نکلنے والے متعدد اخبارات ورسائل کی سرپرستی کے ساتھ ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے بے شمار اخبارات ورسائل کو اپنے قلم کے فیضانات سے نوازا، ان میں سہ روزہ ''الجمعیۃ'' روز نامہ ''دعوت'' ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، روز نامہ ''مدینہ'' بجنور، پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ، ماہ نامہ ''نیا دور'' لکھنؤ ہفت روزہ ''صدقِ جدید'' لکھنؤ اور ہفت روزہ ''نقیب'' پٹنہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے اپنے والدِ گرامی کے سوانحی گوشوں پر مشتمل مشاہیر اہلِ قلم کے مقالات کے مجموعہ ''سید ازہر: شاہ قیصر ایک ادیب، ایک صحافی'' کے آغاز میں ان اخبارات ورسائل کی فہرست دی ہے، جن میں سید ازہر شاہ قیصر تاعمر لکھتے رہے، ان رسائل واخبار کی

تعداد ستانوے ہے، جب کہ ان کے بہ قول ان میں سے بہت سے اخبار یا رسالے تقسیمِ وطن کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے اور ان تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، اسی طرح شاہ صاحب کے مضامین کی تعداد کے حوالے سے اردو کے بزرگ صحافی عادل صدیقی صاحب نے لکھا ہے کہ محتاط اندازے کے مطابق شاہ صاحب کے کل مضامین کی تعداد ساڑھے چار ہزار ہو گی۔

ان اعداد و شمار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید ازہر شاہ قیصر کی زندگی کا واحد نصب العین لکھنا اور بس لکھتے رہنا تھا اور گویا انھوں نے قلم و قرطاس کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا؛ لیکن اس سے یہ خیال نہیں گزرنا چاہیے کہ کثرتِ نگارش کی وجہ سے ان کے مضامین میں علمیت کا فقدان رہتا ہو گا یا زبان و اسلوب کا ہلکا پن ان کی تحریروں کا خاصہ ہوتا ہو گا؛ کیوں کہ شاہ صاحب کی تحریروں کو پڑھنے والے بہ خوبی جانتے ہیں کہ ان کے یہاں معلومات و مواد کی پختگی کس درجہ پائی جاتی تھی اور ان کی نگارشات میں کس بلا کا رچاؤ رعنائی، سلاست اور شیرینی پائی جاتی تھی۔

کیوں کہ شاہ جی گرچہ رسمی فاضل نہ تھے، مگر ان کی آبائی ذہانت و فطانت، وقت کے کبارِ اہلِ علم و نظر کی صحبت اور وسعتِ مطالعہ نے انھیں بہت سے رسمی علما و فضلا سے کہیں آگے کر دیا تھا اور اس کا اعتراف ہر اس شخص کو تھا، جو رسالہ ''دارالعلوم'' یا دیگر اخبارات و رسائل میں ان کی تحریریں پڑھتا اور ان سے معلومات کے موتی چنتا تھا۔

اور جہاں تک زبان و اسلوب کی طُرفگی، سحر آفرینی و طرب انگریزی کا تعلق ہے، تو اعجاز عرفی کے الفاظ میں:

> ''ان کی ادبی نگارشات ہوں یا علمی شہہ پارے، تنقیدی مضامین ہوں یا دینی مقالات؛ ان میں آفتاب کی جلالت، ماہ تاب کی صباحت، سبزہ زاروں کی تراوٹ، آب شاروں کا نغمہ، جھرنوں کا ترنُّم، صبح کی شگفتگی، شام کی دل آویزی، پہاڑوں کا وقار، تاج محل کا حسن، قطب مینار کی بلندی، لال قلعہ کا استحکام؛ یہ ساری خصوصیات اس تناسب سے ملیں گی کہ آپ کو ایسا محسوس ہو گا کہ آپ ان مضامین و شہہ پاروں کا مطالعہ ہی نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ عرش کی سربلندیوں سے فرش کی شادابیوں کا نظارہ کر رہے ہیں''۔(۱)

ماہ نامہ ''صداقت'' سہارن پور میں فروری ۱۹۳۹ء کو سید ازہر شاہ قیصر کے منتخب مضامین پر

---

(۱) سید ازہر شاہ قیصر: ایک ادیب، ایک صحافی، مرتب: نسیم اختر شاہ قیصر، ص: ۱۴۳، مطبوعہ: معہد الانور ۲۰۰۴ء۔

مشتمل خاص نمبر شائع ہوا تھا، جس کا اداریہ شہرۂ آفاق شاعر علامہ انور صابریؒ نے تحریر کیا تھا اور سید ازہر شاہ قیصرؒ کی خداداد علمی وادبی قابلیت کا تعارف ان الفاظ میں کرایا تھا:

''خدائے بزرگ وبرتر کا احسان ہے کہ قیصر قیود اکتساب سے بے نیاز اور بے پرواہو کر پروان چڑھے اور آج ان کی قوت قلم اپنوں سے گزر کر بے گانوں سے بھی خراج تحسین وصول کر رہی ہے، وہ ادیب ہیں اور بلند پایہ ادیب، وہ نثر نگار ہیں اور ہونہار نثر نگار، آج ان کی تحریریں ادب آموز اور ان کا انداز نگارش درس آفریں ہے، یوں تو انشا پردازی کی ہر صنف پر جناب قیصر کو قدرت ہے، سنجیدہ اور متین ولطیف مزاحیہ نگاری کا بھی ایک خاص سلیقہ رکھتے ہیں، لیکن قیصر کا زور قلم اسلامی عنوانات پر جو بہار آفرینیاں کرتا ہے، خود قیصر کی پوری مضمون نگاری میں اس کا جواب نہیں!''۔

اسی طرح مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی جیسے عظیم مفکر، مولانا سید محمد میاں جیسے مستند مؤرخ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جیسے پختہ کار اہلِ قلم، مولانا عثمان فارقلیط جیسے عہد ساز صحافی اور احسان دانش جیسے فخرِ روزگار شاعر نے بھی ازہر شاہ قیصر کے حُسنِ اسلوب ونگارش کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ان کی تحریروں میں غضب کی کشش، حسن اور شادابی پائی جاتی تھی، جو قاری پر ایک طرح کی بے خودی طاری کر دیتی اور وہ جھومنے لگتا تھا، مثلاً: حضرت علامہ کشمیری پر ان کے تأثراتی مضمون کے اس افتتاحیے کو پڑھ کر زبان وادب سے رسم وراہ رکھنے والا کون ایسا شخص ہے جو عش عش نہ کر اٹھے!:

''خطۂ کشمیر اپنی حسین وگل فروش وادیوں، بہار بہ داماں کوہ ساروں، باصرہ نواز مناظر، خوب صورت چمنستانوں، دل نواز لالہ زاروں، اپنی اونچی اونچی سبزہ فروش پہاڑیوں اور اپنی گہری گہری ترائیوں کے اعتبار سے زمین پر قدرت کی کاری گری اور صناعی کا ایک بے مثل نمونہ ہی نہیں، نہ صرف یہ کہ وہاں قدم قدم پر لالہ وگل کے خزانے بکھرے پڑے ہیں، وہاں کا ہر ذرہ حسنِ فطرت کا ایک دل آویز شاہ کار ہے، زمین کے سینے پر مچل مچل کر چلتے اور بہتے ہوئے سرد وشیریں چشمے، دراز قد اور سڈول جسم کے محبوبوں اور نازنینوں کی طرح تن کر کھڑے ہوئے چنار کے درخت، شرابِ جوانی کی تندی اور مستی میں لہک لہک کر جھومتے رہنے والے سیب اور خوبانی کے پیڑ، آسمان کی بلندیوں کو بار بار چھوتی رہنے والی پہاڑیوں، حدِ نظر تک پھیلی ہوئی سبزہ ولالہ کی شگوفوں کی چادریں، قدرتی چشموں، بلند آہنگ آبشاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے تیزی کے ساتھ آتے ہوئے دریاؤں کے کناروں پر بیٹھی ہوئی حسین دوشیزاؤں کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی نیک دلی کی معصومیت، ان کی پیشانیوں کی چاندنی، زلفوں میں بسی ہوئی نکہت، گیسوئے عنبریں میں پڑے ہوئے شکن اور ان کے شبابِ تازہ

وجمالِ کامل کی مسکراتی ہوئی بہار، پھولوں، پھلوں اور میووں کی فراوانی، موسم کی خوش گواری، زمین کی قوتِ نمو، ہوا کی تازگی اور لطافت، پانی کی ٹھنڈک اور مزہ اکی خوش ذائقی اپنا جواب نہیں رکھتی، نہ صرف یہ کہ وہاں سرد وخنک راتوں میں دور دور تک بچھے ہوئے سبزے کے مخملیں فرشوں پر چاند کی روشنی وہ لطف دیتی ہے کہ سبحان اللہ! پہاڑوں کے پیچھے ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ، ہنستے ہوئے پھولوں، شرمائی ہوئی کلیوں اور شریر وشوخ شگوفوں کے درمیان ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے؛ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ لالہ وگل سے معمور اس جنتِ بے نظیر میں روح خیزی وشخصیت آفرینی کی ایک خاص صلاحیت بھی ہے''۔(۱)

اور حضرت جگر کی وفات پر ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا یہ البیلا رنگ وآہنگ کس قدر دل چسپ ہے!:

''مجھے جگر صاحب سے عقیدت نہیں تھی، جگر صاحب عقیدت کے قابل کوئی چیز بھی نہیں تھے یا یوں سمجھیے کہ میری زندگی اور میرے ذہن میں عقیدت کا کوئی خانہ ہی نہیں، مگر ہاں! جگر صاحب سے ایک تعلق تھا، ان کے مزاج کی آشفتہ سری اور ناہمواری کے باوجود ان سے محبت تھی، ان کے وحشت ناک چہرے اور بے تکے بالوں کے باوجود ان سے لگاؤ تھا اور کچھ ایسی محبت تھی، جیسے محبت کرنے والے کو اپنے حسین اور خوش وضع اور خوب صورت محبوب سے ہوتی ہے، ان کی غزل پر نظر پڑتی، تو اسے دامنِ دل میں چھپاتا، کبھی ریڈیو پر ان کی آواز سنتا، تو لپک کر اور دوڑ کر سنتا، وہ خود کہیں ملتے، تو ان کے پاس سے جانے اور اٹھنے کو دل نہیں چاہتا، ان کا خط آتا، تو ہفتوں اسے بار بار پڑھتا رہتا۔'' (۲)

سید ازہر شاہ قیصر کا تنقیدی آہنگ بھی انتہائی ممتاز تھا، وہ عام نقادوں کی روش کے برخلاف حق کی ہم نوائی اور ناحق پر قدغن لگانے میں اس قدر جری اور بے باک تھے کہ اس راہ میں نہ شخصیتوں کا رعب حائل ہو پاتا، نا ہی ان سے تعلقات کی پختگی وخلوص، یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے مولانا ظفر علی خاں کی بعض قلمی بے اعتدالیاں دیکھیں، تو باوجودیکہ شاہ جی کو مولانا سے بے انتہا عقیدت اور نیاز مندی کا علاقہ تھا، ان کی لغزش پر خاموش نہ رہ سکے اور دیوبند کے اخبار ''استقلال'' کے ۱۲ر فروری ۱۹۳۸ء کے شمارے میں ان کی صحافتی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ہمارے دل میں مولانا کی بہت عزت ہے، ان کی جرأت مسلّم، ان کے زورِ قلم کے ہم

(۱) سید ازہر شاہ قیصر، یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ، ص: ۲۰-۲۱، مطبوعہ: فرید بک ڈپو، دہلی ۲۰۰۶ء۔
(۲) ایضاً، ص: ۸۷۔

معترف، ان کی نظموں کی تعریف میں ہم رطب اللسان، ان کے اخلاص سے ہمیں انکار نہیں، مگر مولانا کی لیڈری کے ہم نہ قائل تھے اور نہ آیندہ ہوں گے، اس لیے کہ لیڈری ٹھک سے اڑ جانے والی بارود کا نام نہیں؛ بلکہ سیسہ پلائی دیواروں کی طرح ایک جگہ کھڑے رہنے والے شخص کو کہا جاتا ہے فوج کا جنرل!''۔

اسی طرح احسان دانش کی معنی خیز، سہل وسبک اور مبنی بر حقیقت وواقعیت شاعری کا تعارف اور دیگر چوٹی کے شعرا سے اس کا تقابل کرتے ہوئے جہاں جوش کی شاعری کے تعلق سے یہ لکھا کہ:

''جوش کا کلام نزاکت ولطافت سے محروم ہے؛ بلکہ بہت حد تک بوجھل اور ان اوقات میں، جب کہ کسی انسان کا تھکا ہوا دماغ ہلکی سی تفریح کا خواہش مند ہوتا ہے، اپنی ثقالت وگرانی کے باعث گوارا نہیں ہوسکتا۔''

وہیں سیماب کی شاعری کو ''بے روح''، ظفر علی خاں کی شاعری کو'' بے رنگ وبو'' اور ''پٹھانوں کی طرح سخت'' اور ساغر کی شاعری کو'' خام کارانہ'' اور ''ابتدائی عمر کے گلی کوچوں میں آوارہ وناکارہ'' قرار دیا۔

یہ جرأت وجسارت ہر کہہ ومہہ نہیں کرسکتا؛ بلکہ یہ اسی وقت ممکن ہے، جب کہ کسی شخص کا ذہن ادب وشعر کے تمام اطراف وجوانب کو محیط ہو، اس کی طبیعت وقّاد، اس کا دماغ درّاک ہو، اس نے سلف اور معاصر شعرا کے تمام دیوان کھنگال ڈالے ہوں اور مبدأ فیاض نے اسے ایک خاص تمیزی صلاحیت اور تنقیدی بصیرت سے نوازا ہو اور یہ واقعہ ہے کہ سید ازہر شاہ قیصر کو جملہ اصنافِ نثر ونظم سے کامل آگاہی ہی نہیں؛ بلکہ ان کے تمام ترخم وپیچ اور ائمۂ نثر ونظم کے متروکہ ذخیرے اپنی خوبیوں اور خامیوں سمیت مستحضر تھے۔

سید ازہر شاہ قیصر کو اس حیثیت سے بھی امتیازی شناخت حاصل ہے کہ انھوں نے مصروف ترین ادبی وصحافتی زندگی گزارنے کے باوجود اپنی صحبت کے فیضان سے نہ جانے کتنے خزف ریزوں کو دُرِّ شاہ وار اور گوہرِ ناسفتہ بنادیا، قلم وقرطاس کی دنیا سے نابلد نہ جانے کتنے نوجوانوں کی قابل رشک قلمی تربیت کی، ان کی خفتہ صلاحیتوں کو ابھرنے اور چمکنے کے مواقع فراہم کیے، تحریر وانشا کی دنیا میں انھیں اُجالا اور متعارف کرایا، بہت سے وہ لوگ، جنھیں ادب وصحافت میں رتبۂ

بلند اور مقام ممتاز حاصل ہوا اور جن میں سے بہت سے اب بھی آسمانِ ادب وصحافت پر چمک اور دمک رہے ہیں، بلاشبہ ان کی تمام تر شہرت ومقبولیت شاہ جی کی کیمیا اثر تربیت کی رہین ہے۔

سید ازہر شاہ قیصر کی علمی، ادبی وصحافتی باقیات میں ہزار ہا مضامین اور دسیوں باکمال شاگردوں کے علاوہ ان کی مرتب کردہ کتاب ''حیاتِ انور''، جو علامہ کشمیری کی علمی وسعت وتبحر، تحیّر زا فطانت وذکاوت، فنِ حدیث میں ان کی عبقریت اور ان کی سیاسی وملی خدمات پر مشتمل ان کے جلیل القدر شاگردوں، عقیدت کیشوں اور مستفیدین کے مقالات کا مجموعہ ہے، پچیس علمی، ادبی وسیاسی شخصیات کے سوانحی خاکوں کو شامل ''یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ'' جو حُسنِ بیان اور ادائے دل کش کا بہترین مرقع ہے، ان کے علاوہ ''متفرقات''، ''سفینۂ وطن کے ناخدا'' اور ''ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا'' ہیں، جو ان کی تخلیقی صلاحیتوں اور سحر انگیز طرزِ تحریر کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

جمیل مہدیؒ

۱۹۲۸-۱۳۴۷ھ/ ۱۹۸۸ء-۱۴۰۸ھ

دیوبند نے جن نادرۂ روزگار باوصحافیوں کو جنم دیا، ان مین ایک درخشندہ نام جمیل مہدی کا بھی ہے، جمیل مہدی کا خاندانی پس منظر پہلے سے بھی انتہائی روشن تھا، یوں کہ ان کے والدِ محترم سید مہدی حسن محدثِ عظیم اور بطلِ جلیل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نہ صرف رفیقِ کار؛ بلکہ رفیقِ فکر وخیال بھی تھے اور تحریکِ شیخ الہند کو بڑھانے، پھیلانے اور اس کے اثرات کو عام کو کرنے میں ان کے جن شاگردوں، عقیدت مندوں اور متوسلین نے اپنے تن ومن کی بازی لگادی تھی، ان میں ایک اہم شخصیت سید مہدی حسن کی بھی تھی۔

جمیل مہدی نے جس وقت شعور کی آنکھیں کھولیں، اس وقت دیوبند کی علمی وفکری فضا عروج پر تھی اور دارالعلوم میں اپنے عہد کے جبالِ علم وفکر دینی علوم کا جام لنڈھا اور تشنہ کامانِ علوم نبوت ان سے سیراب ہو رہے تھے، جمیل مہدی نے بھی اسی علم ریز ماحول میں طلبِ علم شروع کی، مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

مگر چوں کہ قسّامِ ازل سے ذہانت وفطانت کی ''دولتِ خفتہ'' ساتھ لائے تھے؛ اس لیے

جوہر شناس نگاہوں کی تھوڑی سی توجہ نے اسے ''دولتِ بیدار'' سے بدل دیا، خاص طور سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی نظرِ رسا نے ان کی طبیعت کے رخ کو پہچانا، ان کی قوتِ نُمو کو بھانپا اور انھیں قلم وقرطاس کی راہ پر لگادیا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جمیل مہدیؒ کو مختلف عصری ودینی موضوعات دیتے، مواد کی نشان دہی کرتے، ان پر مضامین لکھواتے، اچھے مضامین پر حوصلہ افزائی فرماتے اور کمزور تحریروں کے اسبابِ سقم کو دور کرنے کے طریقے بتاتے، جمیل مہدی لکھتے اور لکھتے ہی رہتے، یہاں تک کہ وہ اس فن میں اس درجہ اتارو ہوگئے کہ قاری ان کے مضمون کے پُرشکوہ طرز، حسین تعبیرات، معلومات کی جدّت وکثرت اور الفاظ کی سلاست وشیرینی دیکھ کر دنگ رہ جاتا اور بلاکسی ظاہری علامت کے اس کے لیے یہ تمیز مشکل ہوجاتی کہ اس مضمون کے خالق مولانا آزاد ہیں، مولانا دریابادی ہیں یا کوئی تیسرا شخص ہے۔

جمیل مہدی نے اپنی طویل تر ادبی وصحافتی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۵۱ء میں ممبئی سے نکلنے والے علامہ سیماب اکبرآبادی کے شہرۂ آفاق ادبی رسالہ ''شاعر'' سے کیا اور ایک عرصے تک اس کے ادارۂ تحریر میں رہے، اس کے بعد ممبئی ہی کے روزنامہ ''جمہوریت'' سے بہ حیثیت نائب مدیر وابستہ ہوئے، روزنامہ ''خلافت'' اور ''ہندوستان'' کو بھی اپنے ادبی وصحافتی فیضانات سے نوازا۔

ممبئی کے بعد جمیل مہدی نے اپنے قلم کی جولان گاہ دبستانِ فکروفن لکھنؤ کو بنایا اور پھر وہیں کے ہوکر رہ گئے، اولاً مسلم مجلسِ مشاورت کے آرگن روزنامہ ''قائد'' کی ادارت کی، پھر ''ندائے ملت'' کے مرتب رہے اور جب شرکا کے اختلاف کی وجہ سے اخبار بند ہوگیا، تو اگست ۱۹۶۹ء میں انھوں نے لکھنؤ ہی سے ایک ذاتی ہفت روزہ اخبار ''عزائم'' نکالا، جو دس برس بعد روزنامہ ہوگیا، جمیل مہدی نے اپنے بقیہ تمام لمحاتِ حیات اور علمی وادبی قابلیتوں کو ''عزائم'' کی نذر کردیا، یہاں تک کہ ادب وصحافت کی دنیا میں ''عزائم'' اپنے مواد کی ہمہ جہتی وافادیت، اسلوبِ تحریر کی رعنائی وزیبائی اور اپنے منفرد سراپا کی وجہ سے نہ صرف لکھنؤ؛ بلکہ ہندوستان کے طول وعرض میں ایک خاص قدرومنزلت کا حامل ہوگیا۔

جمیل مہدی کی نگارشات میں ادبی وفنی خصائص ومحاسن تو پائے ہی جاتے تھے، ساتھ ہی افکار کی بلند پروازی، معلومات ومطالعہ ومشاہدہ کی حیرت انگیز وسعت، قومی وملکی حالات اور عالمی پیمانے پر بدلتے سیاسی منظرناموں سے کامل آگاہی ان کی تحریروں کے خاص جوہر تھے، ڈاکٹر ذکی

کاکوروی نے ان کی زندگی ہی میں ان کے منتخب ادارتی مضامین کا مجموعہ ''افکار وعزائم'' کے نام سے مرتب کیا تھا، اس کے آغاز میں انھوں نے جمیل مہدی کی تحریروں کی علمیت، ادبیت اور ہمہ جہتی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''جمیل مہدی صاحب اردو کے دورِ حاضر کے صفِ اول کے صحافی ہیں، ان کے مضامین میں غیر معمولی علمی، ادبی، تہذیبی اور معلوماتی خوبیوں کے علاوہ سب سے بڑی خوبی بلند نظری، وسیع المشربی، حقیقت پسندی اور بین الاقوامی حالات کی پرکھ ہے، جس نے ان کی صحافت کو عام اردو صحافت سے بہت بلند، بہت کارآمد اور معیاری بنادیا ہے..... جمیل مہدی صاحب کے مضامین میں انسانیت کا درد، اعلیٰ قدروں کا عرفان، غیر معمولی مشاہداتی کیفیت، جمہوریت اور حب الوطنی پر ایمان، غیر فرقہ وارانہ مزاج اور عالمی فلاح و بہبود کی تلاش کا جو عالم ہم کو ملتا ہے، وہ اس دور میں کم از کم اردو صحافت میں شاذ و نادر ہی نظر آئے گا''۔(۱)

جمیل مہدی کے قلم کی خصوصیات کے عرفان کے لیے کہنہ مشق اہلِ قلم محمد مسعود کی یہ تحریر بھی غیر معمولی وقعت رکھتی ہے:

''ان کی تحریروں میں ایسا جادو، فکر اور بصیرت کی ایسی روشنی اور زبان و بیان کا ایسا اعجاز ہوتا کہ وہ پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر چھا جاتے تھے، زبردست ذخیرۂ الفاظ کے ساتھ لفظوں کو بالکل صحیح تناظر میں برتنے پر انھیں ایسی ماہرانہ قدرت حاصل تھی کہ ہنگامی موضوعات پر بھی ان کے مضامین یا اداریوں کی نثر تخلیقی ادب کی شاہ کار ہوتی تھی، اکثر فرماتے کہ: ''میں نے آج تک کوئی ایسا لفظ نہیں لکھا ہے، جس کے معنیٰ مجھے معلوم نہ ہوں'' ایسے لوگ کافی مقدار میں تھے، جنھیں ان کے اداریوں اور مضامین کو پڑھنے کا اتنا چسکا اور نشہ تھا کہ جب کبھی ان کا اخبار ''عزائم'' دیر سے چھپتا یا نہیں چھپ پاتا، تو وہ بے چین ہو اٹھتے اور دفتر عزائم میں ان کے ٹیلی فون آنے لگتے''۔(۲)

جمیل مہدی کی شوکتِ الفاظ و اسلوب کی آئینہ دار اور حقیقت بیاں تحریر کا یہ ابوالکلامی آہنگ:

''زندہ قومیں اپنے زخموں کو گنتی نہیں، یاد رکھتی ہیں، قومی وجود ایک مسلسل مزاحمت کا طالب ہوتا ہے، جو قومیں اس مزاحمت سے خالی اور اپنے فرائض سے غافل ہو جاتی ہیں، ان کا رشتہ ماضی سے کٹ جاتا ہے اور وہ معلق و مشتبہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔''(۳)

---

(۱) ذکی کاکوروی (ڈاکٹر) افکار و عزائم، ص:۱۳، مطبوعہ: آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۸۶ء۔

(۲) جمیل مہدی اور عزائم، مشمولہ: ماہ نامہ ''نیا دور'' لکھنؤ (اردو صحافت نمبر) ص:۵۱، جولائی ۲۰۱۱ء۔

(۳) افکار و عزائم، ص:۲۲۲۔

اور زوال آمادہ مسلمانوں کی سب سے بڑی ٹریجڈی، کردار وخلوص کی نایابی، غفلت کیشی اور صحیح وصالح قیادت کے فقدان پر تازیانہ برسانے کا یہ زلزلہ افگن، مگر واقعیت کا عکّاس انداز:

”کیا مسلمان نہیں دیکھ رہے ہیں کہ آج کے اعصاب اس سے کہیں زیادہ کمزور اور ذہن اس سے کہیں زیادہ پریشان ہو چکے ہیں، جو حالت اب سے بیس بائیس برس پہلے تھی؟ جب سوچنے کا وقت تھا، تو خوش فہمیوں کی سیج پر چادر تان کر سوتے رہے، اب، جب کہ سیلاب کا پانی گھروں میں داخل ہو چکا ہے، تو دریا پر پشتہ لگانے کا تصور تک فضول اور بعد از وقت محسوس ہو رہا ہے، سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ نہ تو بیس برس پہلے کا طرز صحیح تھا اور نہ بیس برس بعد کا عمل صحیح کہا جاسکتا ہے، جس قوم کے رہنما عوام سے بھی اونچی اور بلند آواز میں ”اب کیا کریں؟“ کا سوال ایک دوسرے سے کرنے لگیں، اس قوم کا انجام وحشر اس سے کم عبرت ناک ہو بھی نہیں سکتا، جس سے اسے فی الحال سابقہ پڑ رہا ہے، مسلمانوں کی قیادت پہلے ایک خیال تھی، اب ایک حسرت بن کر رہ گئی ہے“۔(۱)

اپنے تمام تر فکری، علمی اور ادبی وصحافتی سرمایے سے مشّاطۂ ادب وصحافت کو شانہ کرنے والے اور اپنے روشن فکر پاروں سے اسلامیانِ ہند کے منجمد شعور واحساس کے در پر دستک دیتے رہنے والے اس عظیم، جری وبے باک شخص کی وفات ۱۹۸۸ء (۱۴۰۸ھ) میں ہوئی اور اُس کے ساتھ اسی دن اس کے تمام تر کارناموں کو بھی طاقِ نسیاں کے حوالے کر دیا گیا؛ کیوں کہ جمیل مہدی نہ تو کسی ادبی جتھے کا نمایندہ تھا اور نہ قلم کی عظمت کا بھاؤ تاؤ کرنے والے پیشہ ور صحافیوں میں اس کا کوئی اعتبار تھا۔

مولانا عمر دراز بیگؒ

۱۸۶۵ء-۱۲۸۲ھ/ ۱۹۸۹ء-۱۳۹۸ھ

صحافت وسیاست کے خارزاروں کی آبلہ پائی میں پورے ایک قرن سے بھی زائد کا عرصہ گزارنے والے مولانا عمر دراز بیگ کا وطن مغربی یوپی کا تاریخی وانقلابی شہر مرادآباد تھا، انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی مولانا اسماعیل بیگؒ کے پاس حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور انیسویں صدی کی آخری دہائی میں فضیلت کی تکمیل کی۔

مولانا عمر دراز بیگؒ کو جس زمانے میں دارالعلوم سے استفادے کا موقع ملا، وہ اس کا

---

(۱) ایضاً، ص: ۹۲۔

عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا، اس کی شہرتیں برصغیر کی حدوں سے گزر کر چین، برما، بخارا، کاشغر اور جنوبی افریقہ کے دور دراز خطوں تک پہنچ چکی تھیں اور اس کی مسندِ صدارت وتدریس پر شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فائز تھے، جو ایک مثالی معلم و مربی اور عبقری محدث ہونے کے ساتھ ہمہ وقت غلام ہندوستان کو پنجۂ فرنگ سے استخلاص عطا کرنے کی تگ ودو کرتے رہنے والے اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے ہر آن تیار رہنے والے کفن بردوش مجاہد بھی تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے والا تقریباً ہر طالبِ علم نہ صرف اسلامی علوم میں یکہ تازی کے حوالے سے پوری دنیا میں جانا اور پہچانا گیا؛ بلکہ اپنے جلیل القدر استاذ کی مانند وطن کی آزادی پر اپنی جانِ عزیز تک کو نچھاور کردینے کا جذبۂ بے پایاں بھی اس کا ممتاز وصف قرار پایا؛ چناں چہ جب ۱۹۲۱ء میں حضرت شیخ الہند کا وقتِ موعود آپہنچا اور اپنی بوڑھی آنکھوں میں آزادیِ وطن کا خواب سجائے وہ مردِ جگر دار بہ سوے آخرت رحلت کر گیا، تو اس کے وفا کیش شاگردوں نے اس کی چھیڑی ہوئی تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے اپنی جانیں لڑادیں اور اس وقت تک دم نہ لیا، جب تک کہ سفینۂ وطن ساحلِ آزادی تک نہ پہنچ گیا۔

ان ہی شاگردانِ وفا شعار میں مولانا عمر دراز بھی تھے، انھوں نے فراغت کے بعد ہنگامۂ ایں وآں سے بے نیاز ہو کر جدوجہدِ آزادی کو اپنا مطمحِ نظر بنایا اور عملی طور پر میدانِ سیاست میں آگئے، اولاً اپنے طور پر انفرادی سرگرمیاں جاری رکھیں، پھر بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اٹھنے والی ہندوستان گیر تحریک ''تحریکِ خلافت'' میں سرفروشانہ حصہ لیا، ۱۹۲۱ء میں جمعیتِ علماے ہند کے قیام کے بعد اپنے کو اس سے وابستہ کر لیا اور پوری زندگی اس کی فکری آب یاری میں لگے رہے، آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد بھی ہر محاذ پر اس کے قومی نظریات کی نہ صرف حمایت کی؛ بلکہ حتی الوسع اس کی تبلیغ واشاعت سے بھی دریغ نہ کیا، وہ صحیح معنوں میں محبِ وطن تھے اور اپنے اسلاف کے خلف الصدق اور ان کے علوم وافکار، عادات اور اخلاق کے امین وجانشین بھی!۔

ان کی صحافتی سرگرمیاں بھی سیاسی تگ و دو کے ہم دوش ہی شروع ہوئیں اور ان کا تسلسل بھی تا دمِ واپسیں جاری رہا، انھوں نے دیو بند سے اپنے وطن واپس آکر ایک روزنامہ اخبار ''جدت'' کے نام سے شروع کیا، جو واقعتاً اپنی جدت طرازیوں کی وجہ سے انفرادی شان کا حامل تھا، اس کے نکلتے ہی مراد آباد کے مشہور اخباروں کا آفتابِ شہرت گہنا گیا اور وہ اُس کے سامنے ٹک نہ سکے، اس اخبار کی اعتباریت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مولانا نے اس کی ۲۵ سالہ جوبلی کا انعقاد کیا، تو اس میں گورنر پنجاب حافظ محمد ابراہیم اور والیِ رام پور نواب رضا علی خاں جیسے لوگوں نے شرکت کی تھی، مولانا کا یہ اخبار نصف صدی سے زائد تک جاری رہا، البتہ آزادی کے بعد ہفتہ وار ہو گیا تھا۔

مولانا کے اخبار کو آزادی سے پہلے اس لیے قبولیت و شہرت حاصل ہوئی کہ انھوں نے اس کے ذریعے مسلمانوں میں حصولِ آزادی کی لہر بیدار کرنے کا کام لیا اور بہت سے وہ مسلمان، جو کشا کشِ آزادی سے دور؛ بلکہ نفور تھے، ان کے اخبار کی پُر خلوص دعوت کی بہ دولت میدانِ کارزار میں آگئے اور دیگر برادرانِ وطن کے ساتھ جنگِ آزادی میں جاں بازانہ حصہ لیا اور حصولِ آزادی کے بعد مولانا کا اخبار اس لیے مرکزِ نگاہ رہا کہ اس نے اُس وقت مسلمانوں کو حوصلہ دیا، ان کے ٹوٹتے بکھرتے شیرازے کی جمع و بندش کا کام کیا اور انھیں قنوطیت کی تاریکیوں سے نکال کر رجائیت کے اجالے دکھائے، جب اِسی ہندوستان کا ایک بڑا طبقہ نہ صرف یہ کہ جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں کا انکاری تھا؛ بلکہ وہ سرے سے انھیں ہندوستان بدر کر دینے پر تُلا ہوا تھا۔

مولانا عمر دراز چوں کہ نگاہِ دور بیں رکھنے والے عالمِ دین بھی تھے؛ اس لیے جب انھیں محسوس ہوا کہ اخبار کے ذریعے مسلمانوں کی سیاسی تربیت تو ہو سکتی ہے، مگر ان کی مذہبی بے راہ رویوں اور سماجی بے اعتدالیوں کا علاج اس سے خاطر خواہ طور پر انجام نہیں پا سکتا، تو انھوں نے ایک مذہبی رسالہ ''الحرمین'' کے نام سے نکالا اور ان کے روزنامے کی مانند اس رسالے کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ (۱)

---

(۱) معصوم مراد آبادی، کیا ہوئے وہ لوگ، مطبوعہ: خبر دار پبلی کیشنز، دہلی ۲۰۰۴ء۔

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

۱۹۱۰ء-۱۳۲۸ھ/۱۹۹۱ء-۱۴۱۱ھ

میرٹھ کے مشہور و باوقار خانوادۂ قضات کے چشم و چراغ، دارالعلوم دیوبند کے سرمایۂ افتخار فاضل اور عربی و اردو دونوں زبانوں میں قلم کے دھنی مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ کی پیدائش میرٹھ میں ہوئی، تعلیم کی ابتدا میرٹھ ہی کے ایک دارالعلوم سے کی، عربی تعلیم کی شروعات مدرسہ امدادالاسلام، میرٹھ میں کی اور وہیں مشکوٰۃ تک پڑھا، اسی دوران عربی زبان و ادب سے خصوصی انسیت پیدا ہوئی اور مولانا اختر شاہ خاں صاحب سے بہ طورِ خاص اس فن میں استفادہ کیا، دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے لیے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۸ء) میں امتیاز کے ساتھ فراغت حاصل کی، ساتھ ہی الہ آباد یونیورسٹی سے فاضلِ ادب عربی پاس کیا اور ہائی اسکول تک انگریزی بھی پڑھی۔

ادبِ عربی سے جو شغف میرٹھ کی طالبِ علمی کے دوران پیدا ہوا تھا، دیوبند آنے کے بعد اس میں مزید پختگی اور توانائی آگئی اور پیہم مشق و ممارست کی بہ دولت نہ صرف عربی مضامین و قصائد کے ترجمے پر انھیں مکمل دست رس حاصل ہوگئی؛ بلکہ خود ان کے اندر بھی لطف انگیز و معنیٰ خیز عربی نظم گوئی و مقالہ نویسی کا ملکہ پیدا ہوگیا اور جہاں ان کے تراجم اس وقت کے اردو کے معیاری ادبی و علمی رسائل میں شائع ہونے لگے، وہیں ان کی کئی عربی تخلیقات (منظوم و منثور) بھی متعدد پرچوں میں چھپیں۔

قاضی صاحب کے ابھرتے ہوئے جوہر کا اس وقت کے ملک گیر شہرت کے حامل ادیب و صحافی و نقاد علامہ تاجور نجیب آبادیؒ نے ادراک کیا اور انھیں اپنے مقبولِ عام ادبی جریدہ ''ادبی دنیا'' کے جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے لاہور بلالیا، قاضی صاحب نے وہاں دو سال کا عرصہ گزارا اور اس دوران ''ادبی دنیا'' کے لیے ترجمہ نگاری و مقالہ نویسی کے ساتھ دیگر رسائل و اخبار میں بھی لکھا اور مشاہیرِ ادب و صحافت علامہ اقبالؒ، مولانا غلام رسول مہرؒ، حفیظ جالندھریؒ اور آغا شورش کا شمیریؒ کی صحبتوں سے بھی مستفیض ہوئے۔

پھر جب ۱۹۳۸ء میں ان کے احباب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے دہلی میں ندوۃ المصنفین کی بنیاد ڈالی، تو اس کے رفقاے تحریر میں قاضی صاحب بھی رہے اور اسی زمانے میں ''تاریخِ ملت'' (تین جلدیں) ''نبیِ عربیؐ''، ''خلافتِ راشدہ'' اور ''خلافتِ بنوامیہ'' جیسی اہم تصانیف ان کے قلم سے نکلیں، ان کی یہ کتابیں اول دن سے لے کر آج تک دارالعلوم اور اس کے نصاب و نظامِ تعلیم سے مربوط سیکڑوں مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔

انھوں نے ۱۹۵۷ء میں میرٹھ سے ایک علمی، ادبی و اصلاحی رسالہ ''الحرم'' بھی نکالا، جو کل سات سال تک جاری رہنے کے بعد بند ہوگیا، اس رسالے کو بڑی مقبولیت حاصل تھی اور ہر طبقۂ اہلِ علم و دانش میں اسے ذوق و شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

قاضی صاحب کو زمانۂ طالبِ علمی میں ادبِ عربی سے جو لگاؤ پیدا ہوا اور انھیں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے جو لگا تار میدانِ کار ملتے رہے، اس کی وجہ سے ان کے ادبی ذوق میں مزید والہانہ پن، قوتِ فہم میں گیرائی، الفاظ کی تہہ تک پہنچنے کی بے پناہ قدرت اور ان کے طرق و مقاماتِ استعمال کے عرفان کی بھرپور استعداد پیدا ہوگئی اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اردو میں بھی (جو ان کی آبائی زبان تھی) بلا کی شوخی و رنگینی اور جاذبیت و رعنائی کے اوصاف پیدا ہوگئے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کی متذکرہ بالا کتابیں خالص تاریخی ہونے کے باوصف ایک خاص قسم کی حلاوتِ ادبی اور قوتِ جذب سے مالا مال ہیں اور قاری کی افزایشِ معلومات کا مستند وسیلہ ہونے کے ساتھ اسے خوش انداز طرزِ تحریر اور لطافت و طرب ناکی سے معمور الفاظ و استعارات کا بھی بہترین خزینہ عطا کرتی ہیں۔

قاضی صاحب کی ایک اور ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ وہ علم کی وسعت اور قلم کی طاقت کے ساتھ فکری توازن اور دل کی کشادگی بھی رکھتے تھے اور قدرت کی فیاضی سے انھیں عقدہ کشا ناخنِ تدبیر بھی عطا ہوا تھا؛ چناں چہ انھوں نے اپنی عملی زندگی میں مختلف علمی، ادبی و صحافتی معرکوں کو بہ تمام کامیابی سر کرنے کے ساتھ دیوبند، ندوہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ؛ ہر ایک کو اپنا تائلِ معقول کیے رکھا اور مسلسل پانچ سال جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تاریخ و تفسیر کی پروفیسری کرنے کے ساتھ، ۱۹۶۲ء سے تاحیات دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے موقر رکن رہے، ندوۃ

العلما کی مجلسِ منتظمہ کی بھی عضویت حاصل رہی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی دینیات فیکلٹی کے بھی باوقار ممبر رہے اور ان علمی اداروں کے علاوہ پوری چابک دستی کے ساتھ متعدد ملی وسماجی تنظیموں کی بھی زلفیں سنوارتے رہے۔

قاضی صاحب کے سدابہار قلم نے ذکر کردہ کتابوں کے بہ شمول ''بیان اللسان'' (عربی و اردو لغت) ''قاموس القرآن'' (الفاظِ قرآنی کی لغوی تحقیقات) ''انتخابِ صحاح ستہ''، ''سیرتِ طیبہ''، ''شہیدِ کربلا'' اور ''کلامِ عربی'' جیسی وقیع اور محقق تصانیف سے بھی اسلامی اردو کتب خانے کو ثروت مند بنایا۔(۱)

مولانا حامد الانصاری غازیؒ

۱۹۰۶ء-۱۳۲۴ھ/۱۹۹۲ء-۱۴۱۲ھ

مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا محمد میاں منصور انصاری کے فرزند تھے، جو حضرت نانوتویؒ کے نواسہ، دارالعلوم کے دورِ آغاز کے فاضل اور تحریکِ آزادیِ ہند میں حضرت شیخ الہند کے دستِ راست تھے، ''غالب نامہ'' کی ہندوستان اور آزاد قبائل تک ترسیل کا کام حضرت شیخ الہند نے ان ہی سے لیا تھا، ۱۹۱۶ء میں افغانستان میں مولانا عبیداللہ سندھی سے مل کر انھوں نے ہی پہلی جلاوطن حکومت قائم کی تھی، اس میں مولانا انصاری کا عہدہ لیفٹیننٹ جنرل کا تھا، ریشمی رومال تحریک کے بھی سرکردہ رکن رہے اور اس تحریک کو افغانستان، ترکی، جرمنی، روس، ایران اور حجاز تک پہنچانے میں جن لوگوں کا تعاون حاصل تھا، ان میں اُن کی حیثیت ایک اہم کڑی کی تھی، اسی وجہ سے رولٹ کمیٹی کی تحقیقی رپورٹ میں اُن کو تحریکِ ریشمی رومال کا ''شعوری سرمایہ'' کہا گیا ہے، مولانا برسوں افغان حکومت کی ایڈوائزری کونسل کے رکن رہے، قیامِ افغانستان کے زمانے میں مولانا نے سیاسیات پر متعدد کتابیں لکھیں، مثلاً: ''حکومتِ الٰہی''، ''اساسِ انقلاب''، ''دستورِ امامت''، اور ''انواع الدُّول''، جو ان کی اعلیٰ علمی وفکری قابلیتوں کا شاہ کار ہیں، مولانا کی وفات افغانستان ہی کے شہر جلال آباد میں ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء (۱۶ر صفر ۱۳۶۵ھ) کو ہوئی۔(۲)

---

(۱) تاریخِ دارالعلوم دیوبند، جلد: دوم۔

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند، ج: دوم۔

مولانا حامد الانصاری غازی کی پیدائش ''دیوبند'' ضلع سہارن پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم دارالعلوم معینیہ، اجمیر اور مالیر کوٹلہ میں اپنے وقت کے بافیض استاذ اور اپنے نانا مولانا صدیق احمد انبیٹھوی سے حاصل کی ۱۹۲۲ء (۱۳۴۶ھ) سے ۱۹۲۷ء (۱۳۵۱ھ) تک دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل میں تحصیل علم کی اور علامہ کشمیری کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوئے، فراغت کے بعد عصری علوم کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ (۱)

مولانا غازی کو زمانۂ طالب علمی ہی میں صحافت سے غیر معمولی اُنس تھا؛ چناں چہ اسی زمانے میں، جب وہ دارالعلوم میں طالب علم تھے اور جب کہ احاطۂ دارالعلوم میں جداری میگزین نکالنے کا کوئی رواج نہ تھا، سب سے پہلے غازی صاحب نے اس کی طرح ڈالی اور پہلا دیواری پرچہ ''گل باغ'' کے نام سے نکالا، جسے بعد میں ''بہار باغ'' کردیا، یہ پرچہ ہفت روزہ تھا اور طلبۂ دارالعلوم کے ہاسٹل ''احاطۂ باغ'' سے شائع کیا جاتا تھا، اس کے بعد غازی صاحب نے حضرت شیخ الہند کی یادگار کے طور پر ایک ہفتہ وار رسالہ ''المحمود'' جاری کیا، ۱۹۲۷ء میں فراغت کے بعد ایک ضخیم ہفتہ وار رسالہ ''مہاجر'' بھی نکالا جو کئی رنگوں میں چھپتا تھا۔

فراغت کے کچھ عرصے بعد ''الجمعیۃ'' سے تین سال کے لیے وابستہ ہوئے، اس کے بعد بجنور کے مشہور زمانہ اخبار ''مدینہ'' کی ادارت سنبھالی، چند سال اس سے وابستہ رہنے کے بعد علامہ تاجور کے اصرار پر ان کے اخبار ''نقاد'' سے وابستہ ہوئے، مگر جلد ہی وہاں سے لوٹ گئے اور دہلی میں اپنے دیرینہ رفقا مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے ساتھ مل کر ایک تحقیقی، تصنیفی، تالیفی واشاعتی ادارہ ''ندوۃ المصنفین'' کی بنیاد ڈالی، اسلامی سیاسیات پر اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''اسلام کا نظامِ حکومت'' اسی ادارے سے وابستگی کے دوران مکمل کی، اسی اثنا میں کچھ دنوں مولانا محمد سلیم مہاجرِ مکی وناظم مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ کے مشورے سے مجلّہ ''ندائے حرم'' کی بھی ادارت کی۔

۱۹۴۲ء میں مولانا کو ''مدینہ'' بجنور کی ادارت کے لیے پھر بلایا گیا، اس وقت جہاں یکے بعد دیگرے مشہور اخبار ورسائل سے تعلق نے ان کو ایک کہنہ مشق صحافی کی حیثیت سے نمایاں کردیا

---

(۱) ایضاً، ج: دوم، ماہ نامہ ''فیصل'' دہلی، مارچ ۲۰۰۳ء، مدیر: نوید صدیقی۔

تھا، وہیں ان کی کتاب ''اسلام کا نظامِ حکومت'' ایک یگانہ مفکر اور صاحب اسلوب انشاپرداز کے طور پر ملک کے طول وعرض میں ان کا تعارف کروا چکی تھی اور خود ''مدینہ'' کا اس وقت یہ عالم تھا کہ وہ سیاسی پنڈتوں اور فلسفیانِ تمدن کے لیے شعوری بینک (Think Tank) سمجھا جاتا تھا، اب کی دفعہ مولانا غازی پانچ سال تک ''مدینہ'' سے وابستہ رہے، پھر ۱۹۵۰ء میں شمالی ہند کو الوداع کہہ کر عروس البلاد ممبئی کا رخ کیا اور تازندگی وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ممبئی میں بھی مولانا کی صحافتی جولانیاں عروج پر رہیں؛ چناں چہ وہاں پہنچتے ہی ان کو جمعیتِ علماے مہاراشٹر کے آرگن روزنامہ ''جمہوریت'' کا مدیر بنایا گیا، اور ۱۹۵۶ء تک غازی صاحب اس کے مدیر رہے، پھر جب شراکت داروں کے اختلاف کی وجہ سے یہ اخبار غُفرلہ ہو گیا، تو اسی نام سے ایک ذاتی ہفت روزہ اخبار جاری کیا، جس نے مولانا کے دل نشیں اسلوبِ تحریر اور پُرمغز اداریوں کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی؛ لیکن چند در چند ایسے ناگفتہ بہ حالات پیش آئے کہ اسے بند کر دینا پڑا۔

متذکرہ بالا اخبارات کی ادارت کے علاوہ مولانا غازی نے ملک کے دسیوں مشہور ومقبول اخبار ورسائل میں بھی خوب لکھا، جن میں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ماہ نامہ ''برہان'' دہلی، روز نامہ ''قومی آواز'' دہلی، روز نامہ ''زمیندار'' لاہور، روز نامہ ''انقلاب'' لاہور اور روز نامہ ''سیاست'' لاہور بہ طورِ خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا نے کئی ایک رسائل واخبار کی رہنمایانہ طور پر بھی خدمات انجام دیں؛ چناں چہ جب ان کے صاحب زادے طارق غازی صاحب نے اخبار ''ابوالکلام'' اور ہندوستان کے پہلے سائنسی میگزین کا اجرا کیا، تو مولانا ان کے نگرانِ اعلیٰ رہے، اسی طرح جب ۱۹۶۰ء میں روز نامہ ''اردو ٹائمز'' ممبئی کی شروعات ہوئی، تو اس کا نام مولانا ہی نے تجویز کیا اور اوّل اوّل اس کے کئی اداریے بھی تحریر کیے۔(۱)

غازی صاحب نے جو خاندانی نجابت، فطری شرافت اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے اور

---

(۱) مولانا حامد الانصاری غازی - ایک تعارف، ڈاکٹر مفتی مشتاق تجاروی، مشمولہ: ترجمانِ دارالعلوم، شمارہ: ۲-۴، جلد: ۴، اکتوبر - دسمبر ۲۰۰۷ء۔

لکھنے کی موروثی عادت پائی تھی، اس پر وہ پچاس سالہ صحافتی زندگی میں پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہے؛ چناں چہ ان کی تمام تر مذہبی و سماجی نوعیت کی تحریروں میں ابدی سچائیوں کا برملا اعتراف، سرمدی حقائق کا کھلے دل سے اقرار اور حق و ناحق کے مابین صریح امتیاز کی نشان دہی؛ مرکزی عناصر کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، اسی طرح مولانا کو سیاسیاتِ عالم اور اسلام کے سیاسی نظریات پر بھی درک حاصل تھا؛ اس لیے ان کی سیاسی تحریروں میں بھی ایک خاص قسم کی پختگی، تہہ رسی، اور فکری توازن و اعتدال صاف طور پر جھلکتے ہیں۔

مولانا کی تمام تر نگارشات کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ وہ اسلوبِ بیان اور طرزِ ادا کے اعتبار سے بھی اپنے جلو میں دل کشی، جاذبیت اور حسن و جمال کے جملہ اسباب سے بہ تمام و کمال لیس ہوتی ہیں؛ چناں چہ ان کا قاری جہاں متعلقہ موضوع پر پوری بصیرت حاصل کر لیتا ہے اور غازی صاب کی تحریریں پڑھنے کے بعد اس کے ذہن و دماغ جدید معلومات کے ایک پورے جہان سے روبہ رو ہوتے ہیں، وہیں وہ ان کے دل کش جملوں، سحر انگیز تعبیرات و استعارات اور دل آویز تشبیہات و تمثیلات کی فردوس بہ داماں کائنات میں کھو سا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے معروف اہل علم و قلم نے غازی صاحب کے بلند صحافتی مرتبے کے اعتراف کے ساتھ ان کی ادبی برتری کو بھی تسلیم کیا ہے؛ چناں چہ جہاں اردو کے مشہور مؤرخ و ادیب و صحافی سید محبوب رضوی نے انھیں اردو کا شگفتہ نگار اور صاحبِ طرز ادیب لکھا، وہیں جلیل القدر ادیب و صحافی سید ازہر شاہ قیصر نے ان کی تحریروں کا فنی تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ”جن لوگوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کی خطیبانہ تحریر اور مولانا ظفر علی خاں کی پرشکوہ اردو سے متاثر ہو کر ان ہی کا لب ولہجہ اختیار کیا، ان میں غازی صاحب کا لب ولہجہ سر فہرست ہے؛ لیکن انھوں نے بہت جلد اپنا ایک الگ اندازِ نگارش پیدا کر لیا، جس میں میر کا سوز و گداز، مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خاں کا شکوہِ خسروانہ، جگر کی غزل کا مٹھاس اور غلام رسول مہر کے مقالات کا استدلال تھا“۔(۱)

---

(۱) سید ازہر شاہ قیصر: یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ، ص: ۱۲۵-۱۲۶، ط: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۶ء۔

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

۱۹۰۵ء-۱۳۲۳ھ/ ۱۹۹۷ء-۱۴۱۷ھ

مولانا منظور نعمانی کی شہرت و مقبولیت دینیات کے ایک عبقری عالمِ دین کی حیثیت تو ہے ہی، کہ ان کی حیاتِ مستعار کا خاصا حصہ علومِ دینیہ کی تدریس، اسلام کے سرمدی پیغامات کی اشاعت و تبلیغ اور علومِ قرآن و حدیث و اسلامی فقہیات پر لکھنے میں صرف ہوا اور ان کی تدریس اور تحریروں سے طالبانِ علومِ اسلامی اور متلاشیانِ جادۂ مستقیم کی معتد بہ جماعت نے فیض حاصل کیا، ساتھ ہی اردو کی علمی و مذہبی صحافت کے فروغ میں بھی مولانا نعمانی کا کردار نمایاں ہے۔

مولانا نے ۱۹۳۴ء (۱۳۵۴ھ) میں بریلی سے ماہ نامہ ''الفرقان'' جاری کیا، جس نے مذہبی صحافت میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا، اس نے قرآنیات اور دیگر متفقہ اسلامی عنوانات پر بیش بہا تحریریں پیش کیں۔

''الفرقان'' نے ہندی مسلمانوں میں درآنے والی معاشرتی کج رویوں اور دینی و مذہبی بے راہ رویوں سے انھیں خلاصی بخشی اور جاہلانہ رسوم کے گلیاروں میں بھٹکنے والے بندگانِ خدا کو اسلام کا صحیح، واضح، صاف شفاف اور منزل رسا راستہ دکھلایا۔

''الفرقان'' نے اسلام اور اقدارِ اسلامی پر لاف گزینی کرنے والے کور مغزوں کو مُسکت اور دنداں شکن جوابات دیے۔

''الفرقان'' نے باطل کی ہمہ نوعی طاقت و قوت اور اس کی ہیبتِ ظاہری سے بے پروا ہوکر، حق نوائی و حق نگاری کی خُو کو لازمۂ حیات بنایا۔

''الفرقان'' نے مجددِ الفِ ثانی سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و افکار کو عصری اسلوب میں امتِ اسلامیہ کے سامنے پیش کرنے کا فخریہ کارنامہ انجام دیا اور بانیِ تحریکِ تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی دعوتی خدمات، تبلیغی کارناموں اور علمی احسانات سے اسلامیانِ ہند کو باخبر کیا اور انھیں ان کے شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کیا۔

''الفرقان'' کے مشمولات کی سادگی، مگر سلاست، پُرکاری و دل کشی نے اردو زبان و ادب کو بیان و اظہار کی ایک نئی جہت سے آشنا کیا۔

الغرض مولانا منظور نعمانی کے ''الفرقان'' نے ہر سلگتے مسئلے میں مسلمانوں کی صحیح اور بروقت رہ نمائی کی اور امت کے ذہنی، دینی اور فکری تیقُّظ کی راہیں ہموار کیں اور مذہبی، سیاسی اور علمی؛ ہر محاذ پر بولہبی شراروں پر مصطفوی چراغ کی برتری ثابت کی اور سب کچھ زبان و بیان کے حسن، طرزِ ادا کے جمال اور ادبی و فنی خصوصیات کے ساتھ۔

''الفرقان'' کا ایک اہم امتیاز، جس میں ہندوستان کے علمی، ادبی و تحقیقی رسائل میں صرف ''معارف'' اعظم گڑھ کو اس کی ہم سری کا شرف حاصل ہے، یہ ہے کہ وہ مولانا کی زندگی میں مسلسل تریسٹھ سال تک اپنی انفرادی آن بان کے ساتھ نکلتا رہا، اس طویل مدت میں اشاعت میں یہ تو ہوا کہ اس کا مقام بریلی سے لکھنؤ منتقل ہوگیا، مگر اس کے اشاعتی دورانیے اور اعلیٰ علمی و ادبی معیار میں کسی طرح کا فتور نہ آنے پایا اور مولانا کی وفات کے بعد بھی ''الفرقان'' ان کے لائق فرزند اہل دل و صاحبِ قلم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے اور آج بھی اس کا رنگ و آہنگ وہی ہے، جس میں اسے مولانا نعمانی ڈھالا تھا۔

''الفرقان'' کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے معروف ادبا، علما اور محققین کی تحریروں کو اپنے صفحات میں جگہ دینے کے ساتھ ان حضرات سے بھی علمی، ادبی اور صحافتی دنیا کو روشناس کرایا، جو اس وقت بساطِ قلم و قرطاس کے نو وارد تھے اور ہنوز ان کی قلمی استعداد بلوغ کو نہیں پہنچی تھی یا وہ عمدہ لکھتے تھے، مگر حوصلہ شکن ماحول ان کی ہمتِ قلم رانی پر اُوس ڈال دیتا تھا، ''الفرقان'' نے نہ صرف کمالِ کشادہ ظرفی سے ان کی نگارشات کو اپنے پہلو میں جگہ دی اور ان کے حوصلوں کو بال و پر بخشے؛ بلکہ ان میں سے کئیوں کی وقیع اور قابل قدر علمی و تحقیقی تصنیفات ''الفرقان'' ہی کی رہین منت ہیں۔

خود مولانا منظور نعمانی کی تیس سے زائد تصانیف، جن میں سے بیش تر کے، ان کی علمیت، سہل و سادہ اسلوب، زبان و بیان کی برجستگی اور قاری کے دل و دماغ کو موہ لینے کی بہ تمام و کمال صلاحیت رکھنے کی وجہ سے، نہ صرف اردو زبان میں؛ بلکہ دیگر کئی ایک قومی و بین اقوامی زبانوں میں اب تک پچاسوں ایڈیشن چھپ کر ریکارڈ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، یہ سب پہلے

''الفرقان'' ہی میں چھپیں، پھر انھیں مرتب کر کے بہ شکلِ کتاب شائع کیا گیا۔

مولانا منظور نعمانی نے اپنی علمیت کے وفور، شعور وآگہی کی بلندی، اسلامی تعلیمات اور دینی افکار واقدار کو مسلم امت کے سامنے پیش کرنے اور انھیں ان کے قلب ودماغ میں اتار دینے کی غیر معمولی اور انفرادی خصوصیت کی وجہ سے ''الفرقان'' کو جو مقبولیت اور اس کے اثرات کو جو وسعت عطا کی تھی، وہ اس کے معاصر رسائل میں کسی کو حاصل نہ تھی۔

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ

۱۹۴۴ء-۱۳۶۳ھ/۲۰۰۴ء-۱۴۲۵ھ

دربھنگہ کے متوطّن، دیوبند کے فیض یافتہ، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے بانی وروحِ رواں، مسجدِ عامرہ کے خطیب، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وآل انڈیا ملی کونسل کے رکن مجلسِ تاسیسی وعاملہ، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) وتنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے نائب صدر اور کئی ایک تنظیموں اور اداروں میں حرکیت وفعّالیت کی روح پھونک دینے والے مولانا محمد رضوان القاسمی کا ادبی وصحافتی افق انتہائی وسیع اور ان کا قلم انتہائی شگفتہ، سلیس اور ادبِ عالی کا پرکشش نمونہ تھا۔

انھوں نے ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغ حاصل کی اور ملت وقوم کی علمی وفکری آب یاری کے لیے حیدرآباد کو وطنِ ثانی بنایا، وہاں تقریباً تیس سال تک روزنامہ ''سیاست'' سے وابستہ رہے اور اس عرصے میں سیکڑوں علمی، ادبی واصلاحی مضامین لکھے، ایک عرصے تک پندرہ روزہ ''قرطاس وقلم'' بھی نکالا، اس کے بعد اپنے قائم کردہ ادارے سے ایک سہ ماہی علمی، ادبی وتحقیقی مجلّہ ''صفا'' جاری کیا، جس کے تاحیات مدیر رہے، ان کے علاوہ ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے بے شمار رسائل ومجلّات میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

مولانا رضوان القاسمی کی تحریروں میں جہاں عالمانہ رنگ، خطیبانہ آہنگ اور سوزِ دروں کا عکس پایا جاتا ہے، وہیں ان کی نگارشات میں ادبی صنائع وبدائع کی حسن کاری بھی بہ خوبی طور پر پائی جاتی ہے، وہ جہاں علم ریز وفکر انگیز قلم پاروں کے ذریعے قاری کے ذہنی وفکری تغذیہ کے قائل ہیں، وہیں وہ الفاظ کی رنگینی اور اسلوبِ تحریر کی دل آویزی کے ذریعے اس کے ادبی مزاج ومذاق کو بھی حسبِ دل خواہ سیراب کرتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا قاری پوری طرح انہماک ومحویت کا شکار ہو جاتا اور گردوپیش کی ہماہمی سے بے خبر ہو کر ان کی تحریروں کو پڑھتا ہے۔

مولانا رضوان القاسمی کی نگارشات کی ادبی خصوصیات کے حوالے سے جہاں ان کے ہم عصر اور عربی و اردو دونوں زبانوں کے معنیٰ یاب ادیب وصحافی مولانا نور عالم خلیل امینی نے یہ لکھا:

''وہ اردو میں انتہائی سلیس، بلیغ اور خوب صورت قلم کے مالک تھے، عام اسلامی موضوعات پر عموماً اور گرم مسائل پر خصوصاً ان کا قلم ہمیشہ گہر بار رہتا، ان کے قارئین ان کی تحریروں کے حوالے سے سراپا انتظار رہتے، حیدرآباد کے اخبار ورسائل ان کی نگارشات سے مزین ہوتے ہی، ملک کے دیگر علاقوں کے اسلامی رسائل بھی اہمیت کے ساتھ ان کی تحریریں چھاپتے، ان کی ہر تحریر شیرینی، اعلیٰ ادبی مذاق، لسانی صنعت، طبعی ظرافت، زبان کی پختگی، مطالعے کی وسعت، تاریخ عروج وزوالِ اقوام وملل کی نتیجہ خیز معرفت، زندگی کے گوناگوں تجربات، کتاب وسنت کے نصوص کی فراست پر مبنی سمجھ اور اسلامی موضوعات پر تالیف کردہ علمائے کبار وحکمائے اسلام کی گراں بہا کتابوں کی بصیرت مندانہ ورق گردانی پر مبنی ہوتی تھی''۔(۱)

اور احمد عبد المجیب نے ان کے مطالعے کی وسعت، استعارات وتلمیحات، بیان وبدائع اور اسلوب کی اثر آفرینی وسحر کاری کے برملا اعتراف کے ساتھ، ان کی علمی نثر میں ادبی آہنگ کے تلاش کے سفر میں غالب، اقبال، میر، جگر مراد آبادی، اکبر الہ آبادی اور امجد حیدرآبادی جیسے سرآمدِ روزگار شاعروں سے ان کی مناسبتوں کا سراغ لگایا اور ان کی نثر کے تجملیی عناصر میں ان افراد کی شاعری کو بھی دخیل قرار دیا ہے۔

وہیں عصرِ حاضر کے باکمال نقاد اور منفرد اسلوبِ نگارش کے حامل ادیب حقانی القاسمی نے ان کی نثر کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے، ان کی تحریروں میں مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کی ادبیت، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تاریخی علمیت، علامہ شبلی نعمانیؒ کی منطقیت ومعروضیت اور خواجہ حسن نظامیؒ کی برجستگی اور لسانی فطانت کے حسین سنگم تک رسائی حاصل کی ہے۔(۲)

مولانا کے اخبار ورسائل میں چھپتے رہنے والے قابلِ قدر علمی، اصلاحی، ادبی وسوانحی مقالات کے کئی مجموعے بھی ان کی زندگی ہی میں شائع ہوئے، جن میں ''متاعِ قلم''، ''اسرارِ حیات''، ''گنج ہائے گراں مایہ'' اور مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ کے خلیفہ مولانا حکیم محمد اختر (پاکستان) کے ملفوظات کے مجموعے ''باتیں ان کی یاد رہیں گی''، ''اے انسان! وقت کی قیمت پہچان''، ''چراغِ راہ'' اور ''دینی مدارس اور عصرِ حاضر'' کو غیر معمولی تلقی بالقبول حاصل ہے۔

---

(۱) نور عالم خلیل امینی (مولانا)، پسِ مرگ زندہ، ص: ۶۶۲ مطبوعہ: فرید بک ڈپو ۲۰۱۰ء۔

(۲) دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص: ۸۰-۸۱۔

مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

۱۹۲۹ء-۱۳۴۷ھ / ۲۰۰۸ء-۱۴۲۹ھ

جانشینِ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ، نصف صدی سے زائد تک ہزارہا تشنگانِ علومِ نبوت کو سیراب کرنے والے اور عرصۂ دراز تک ہندوستان کے طول وعرض کے مسلمانوں کے قلوب کو اپنی گرمیِ گفتار سے برمانے والے مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ دیوبند میں پیدا ہوئے، اولاً عصری تعلیم کی طرف توجہ رہی اور پنجاب یونیورسٹی سے مختلف ڈگریاں بھی حاصل کیں، پھر دینیات کی طرف متوجہ ہوئے اور دارالعلوم دیوبند میں کبارِ اہلِ علم سے اکتسابِ فیض کیا اور ۱۹۵۱ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، اس کے بعد اپنی غیر معمولی قابلیتوں کی بنا پر دارالعلوم ہی کی مسندِ تدریس پر فائز ہوئے اور ۱۹۸۲ء تک کے لمبے دورانیے میں جہاں ابتدا سے بخاری وترمذی تک کا درس دیا، وہیں متعدد انتظامی ذمے داریاں بھی بہ احسنِ وجوہ نبھائیں، ۱۹۸۳ء میں مولانا محمد سالم قاسمی کے ہم راہ حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم وقف دیوبند کی اساس رکھی، جس کے تاحیات شیخ الحدیث وصدرالمدرسین رہے، اس کے علاوہ ۱۹۹۷ء میں ایک اور ادارے ''معہد الانور'' کی بھی بنیاد رکھی، جو آج ''جامعہ امام محمد انور شاہ'' کے نام سے معروف ہے اور ان کے قابل صاحب زادے مولانا سید احمد خضر شاہ کے زیرِ اہتمام مصروفِ خدمات ہے۔

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی زندگی جہاں گوناگوں انتظامی، تدریسی وخطابتی جولانیوں کا حسین مرقع ہے، وہیں ان کی طویل اور معنیٰ یاب قلمی جدوجہد کا روشن حوالہ بھی، انہوں نے فراغت کے بعد سے وفات تک یکے بعد دیگرے کئی رسالے نکالے، جو بلاشبہ اردو کی مجلاتی ومذہبی صحافت کے فروغ وارتقا کا قابلِ قدر حصہ تھے، سب سے پہلے ۱۹۵۵ء میں ماہ نامہ ''ہادی'' جاری کیا، جو ۱۹۶۲ء تک شائع ہوتا رہا، ماہ نامہ ''نقش'' کی ادارت کی، جو ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیان نکلا، ۱۹۷۸ء میں پندرہ روزہ ''یثرب'' کا اجرا کیا، جو چھ سال کی حیاتِ مستعار گزار کر ۱۹۸۲ء میں مرحوم ہو گیا، ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک پندرہ روزہ ''اجتماع'' کے مدیرِ اعلیٰ رہے اور ۲۰۰۱ء میں اپنے قائم کردہ ادارے سے ایک ماہانہ رسالہ ''محدثِ عصر'' شروع کیا، جس کے تادمِ واپسیں سرپرست بھی رہے اور مدیرِ اعلیٰ بھی۔

ان کے علاوہ ملک کے بہت سے اخبارات ورسائل میں بھی لکھتے رہے، ساتھ ہی ائمۂ نثر علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے نثری ذخیروں اور اساتذۂ سخن کی شعریات کا گہرا مطالعہ کیا، جس نے ان کے قلم میں غیر معمولی توانائی، جادوئی تاثیر اور قلب ودماغ پر سحر طاری کردینے کی صلاحیتیں پیدا کردیں۔

ان کا قلمی سفر ان مذکورہ کوہ قامت قلم کاروں کی متابعت وتقلید میں شروع ہوا، مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان سے شانہ ملا کر چلنے لگے اور ایک دن اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان کی نثر میں زبان و ادب اور علم وقلم کے ان تاج وروں کے رنگ کے ساتھ ایک انفرادی آہنگ بھی پیدا ہوگیا، جوان کی طبعِ بے نیاز اور پیہم جہد وریاض کی دین تھا۔

ان کے قلم نے بہ تدریج اسالیبِ نثر کی مختلف گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے، جس منزل پر پڑاؤ ڈالا، وہ سنگینی ورنگینی دونوں کا آمیختہ تھی، انہوں نے اپنے لیے ایک ایسا ڈکشن تلاش کیا، جو ضربتِ غازیانہ کا پیکر ہونے کے ساتھ وصفِ جاں ربائی سے بھی موصوف تھا، ان کی تحریریں پڑھیے، تو بہ یک وقت یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص گویا شمسیر بہ کف ہے اور صفِ اعدا پر تابڑ توڑ وار کرتا جارہا اور دشمنوں کے کشتوں کے پشتے لگاتا جارہا ہے اور یہ بھی کہ ایک ساقیِ دل نواز جام بہ دست کھڑا پیمانے پر پیمانہ پلائے جارہا اور آپ کیف وسرمستی کی معراج کو چھوتے جارہے ہیں۔

حقانی القاسمی نے مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی نثر کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے بہ جا لکھا ہے:

> ''انظر شاہ کشمیریؒ کی نثر میں طلسمی کیفیت ہے، اردو میں ایسی پُردم اور بلند آہنگ نثر لکھنے والے کم ہیں، جن کے جملوں کے زیر وبم اور موسیقیت سے وہ اذہان بھی متاثر ہوتے ہیں، جو لفظوں کے معانی ومفاہیم تک رسائی سے قاصر رہتے ہیں، ان کی نثر کی رمزیت اور اسراریت میں وہ کیفیت ہے کہ قاری اس کے سحر سے نکل نہیں پاتا اور اس کا ذہنی وجود نثر کی موجِ رواں میں جذب ہوکر رہ جاتا ہے''۔(۱)

یہی بات ذرا اور پھیلا کر عربی واردو کے مشہور ادیب وصحافی مولانا نور عالم خلیل امینی نے بھی لکھی ہے:

> ''وہ (مولانا انظر شاہ کشمیری) اردو کے بلند پایہ اہلِ قلم تھے، ان کی زبان پُرشکوہ ہونے کے ساتھ ساتھ نئی نئی ترکیبوں اور خوش نما ساختیات سے بھری پُری ہوتی تھی، وہ اپنی تحریروں میں زیادہ

(۱) دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ، ص: ۷۸-۷۹۔

تراپنے تراشے ہوئے جملے استعمال کرتے، جو روانی، شیرینیت اور جمال کا پیکر ہوتے تھے، وہ زندگی کے اکثر میدانوں میں نقل ومحاکات اور "دوسروں سے مانگنے" کے رویے سے بے نیاز تھے، ان کی تحریروں میں یہ رنگ زیادہ نمایاں تھا، لہذا ان کی تحریریں اپنے بانکپن کی وجہ سے بڑی پُرکشش اور طرح دار ہوتی تھیں...... قارئین ان کی تحریروں سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے، جن میں خیال کی ندرت، زبان کی بلاغت، ترکیبوں کی فصاحت، طرز ادا کی سحر کاری اور پیرایۂ بیان کے تنوع اور ہمہ گیریت کی وجہ سے ہر لمحہ ایک نئی لذت محسوس ہوتی اور قاری کسی قدم پر اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا"۔(۱)

شاہ صاحب عام طور پر علمی موضوعات پر لکھتے یا پھر اصلاحی عنوانات پر اور سیاسیاتِ عالم پر بھی اور تکنیک ایسی ہوتی کہ اپنے نظریے اور موقف کو پہلے پوری قوت وشوکت کے ساتھ پیش کرتے، پھر اسے مؤید ومبرہن کرنے کے لیے ربانی براہانات، حدیثی استدلالات اور کج کلاہانِ سخن غالب، میر، حافظ شیرازی، اقبال، انشاء اللہ خاں انشا، اکبرالہ آبادی، حسرت موہانی، شاد عظیم آبادی، مرزا رفیع سودا، جگر مرادآبادی، فانی بدایونی، ظفر علی خاں، ساحر لدھیانوی، جوش ملسیانی اور دیگر بے شمار شعرا (جن کے ذخیرۂ کلام کا بیش تر حصہ ان کے عجوبۂ روزگار ذہن نے گویا ہضم کر رکھا تھا) کے اشعار ایسا برمحل استعمال کرتے کہ گویا وہ اسی موقعے کے لیے کہے گئے ہیں اور اس طرح ان کی تحریریں جہاں علمی ومنطقی حیثیت سے انتہائی مدلل اور ان کے پر شوکت اسلوب واعلیٰ افکار کی آئینہ دار ہوتیں، وہیں ادب وانشا کے حسن ودوشیزگی کا شاہ کار بھی۔

شاہ صاحب کا قلم اس وقت اپنی دل آویزیوں اور سحر انگیزیوں کے عروج پر ہوتا، جب وہ کسی شخصیت کی پیکر نگاری کرتے، انھوں نے جب شعور سنبھالا اور حصولِ علم کا مرحلہ آیا، تو اولاً عصریات کی طرف دل مائل ہوا اور اپنے ایک رشتے دار کے یہاں دہلی جا پہنچے، یہ ۱۹۴۰ء کا زمانہ تھا، جب کاروانِ جدوجہدِ آزادی کا جوش وولولہ پوری تابانیوں پر تھا اور ہندوستان بھر کے چوٹی کے قائدین کھنچ کھنچا کر دہلی پہنچ رہے تھے، شاہ صاحب ۱۹۴۷ء تک دہلی میں قیام پذیر رہے اور اس عرصے میں مہاتما گاندھی کو دیکھا اور سنا، مولانا آزادؒ سے نیاز حاصل کی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابتی معرکہ آرائیاں دیکھیں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی عنایتوں اور شفقتوں سے فیض یاب ہوئے، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کو قریب سے دیکھا اور برتا، مفکرِ ملت

---

(۱) پسِ مرگ زندہ، ص: ۸۰۵۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی نکتہ سنجیوں سے مستفید ہوئے اور جب دیوبند آ گئے اور یہاں سے رشتۂ تلمذ، پھر علاقۂ تدریس قائم ہوا، تو اکابرِ دارالعلوم سے جی بھر کے استفادہ کیا اور ان کی کرم فرمائیوں سے شادکام ہوئے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ایک ایک کر کے یہ سب ہستیاں راہیِ ملکِ بقا ہونے لگیں، یہاں تک کہ وہ مجلس ہی ساری کی ساری سونی ہوگئی، جہاں صدق وصفا کے موتی چمکتے، علم وفضل کی باتیں ہوتیں، سلوک وطریقت کے جام چھلکتے اور پژمردہ قلوب کی صیقل گری ہوتی تھی...... اور یہ سب کچھ شاہ صاحب کے سامنے ہوا۔

جب بھی کسی ایسی بڑی شخصیت کا وصال ہوتا، جو ان کی دیدہ وشنیدہ ہوتی، تو ان کا سینہ چھلنی اور جگر خوں ہو جاتا، ان کے احساسات غم آلودہ اور ذہن و دماغ آزردہ ہو جاتے، پھر وہ قلم سنبھالتے اور گویا صفحاتِ قرطاس پر اپنے لخت ہائے دل کو بکھیر کر رکھ دیتے۔

ان کی کتاب ''لالہ وگل'' ساٹھ سے زائد ایسی ہی شخصیات کے دل چسپ سوانحی خاکے پیش کرتی ہے، اس سلسلے کی دوسری کتاب ''نقشِ دوام'' ہے، یہ دراصل حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی حیات، خدمات، مختلف علمی میدانوں میں ان کی بے مثال نبوغیت اور ان کی سیاسی زندگی کے خط وخال کا بھرپور جائزہ ہے، مگر ساتھ ہی اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں علامہ کشمیریؒ سے تعلق رکھنے والی دیگر پچاسوں شخصیات کا بھی سیر حاصل ذکر کیا گیا ہے، ان شخصیات میں علامہ کشمیریؒ کے اساتذۂ کرام بھی ہیں، تلامیذ وہم عصر بھی اور ان کے عقیدت مند ومتوسلین بھی اور اس طرح ۶۲۴ صفحات میں پھیلی ہوئی یہ کتاب صرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دل آویز نقوشِ حیات کو ہی تاریخ میں دوام بخشنے کا ذریعہ نہیں؛ بلکہ ان کے ساتھ اہلِ علم وفن کی ایک بڑی اور موقر جماعت سے متعارف کرانے کا بھی بہترین وسیلہ ہوگئی ہے، اسی طرح شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کی حیات و خدمات کے بسیط تذکرے کو محیط ''تذکرۃ الاعزاز'' بھی مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کے بے نظیر اسلوبِ نگارش اور کثرتِ معلومات کی عمدہ مثال ہے۔

مولانا اعجاز احمد قاسمیؒ

۱۹۲۵ء-۱۳۴۴ھ/۲۰۰۹ء-۱۴۳۰ھ

دیوبند کے قد آور صحافی اور فکر وشعور کی بلند آہنگی سے متمتع عالمِ دین مولانا اعجاز احمد قاسمیؒ کی پیدائش دیوبند کے محلہ ''صابن گران'' میں ہوئی، تعلیم کی ابتدا دارالعلوم دیوبند سے کی اور سندِ فضیلت بھی یہیں سے حاصل کی، دارالعلوم سے فراغت کے بعد ادیب ماہر، کامل، عالم اور فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے اور ۱۹۸۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) بھی کیا۔

تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے جہاں ایک لمبے عرصے تک تعلیم وتدریس کے عہدے پر فائز رہ کر قابلِ قدر علمی اور کانگریس وجمعیۃ علما کے اسٹیج سے بے پایاں قومی وملی خدمات انجام دیں، وہیں انھوں نے اردو صحافت کو فروغ بخشنے میں بھی اہم رول ادا کیا، مولانا قاسمی نے ۱۹۶۹ء میں دیوبند سے ایک پندرہ روزہ اخبار ''دیوبند ٹائمز'' نکالا اور اپنی علمی، فکری و تدبیری قابلیتوں کو بہ روے کار لاتے ہوئے اسے مواد، گیٹ اپ، ترتیب وتنظیم؛ ہر اعتبار سے اعلیٰ معیار کا حامل بنا دیا؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ اخبار ان کی زندگی کی آخری سانس تک نہ صرف جاری رہا؛ بلکہ علاقائی سطح پر اسے بے پناہ مقبولیت اور ہر دل عزیزی بھی حاصل رہی۔

''دیوبند ٹائمز'' کے چالیس سالہ اشاعتی دورانیے میں اس کے صفحات پر جہاں خود مولانا موصوف کی فکر انگیز، مبصرانہ اور دانش وبینش کو اُجالنے والی تحریریں شائع ہوئیں، وہیں دیگر بہت سے اُن نو آموزوں کی تربیت سازی میں بھی اس نے کلیدی کردار ادا کیا، جو آج اقلیمِ ادب و صحافت کے شہریاروں میں شمار ہو رہے اور اپنی قلمی صلاحیتوں کی نتیجہ خیزیوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں، اس اخبار نے دیوبند کے علمی، تہذیبی، فکری وروحانی خصائص وامتیازات کی ترجمانی کا بھی قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا، دیوبند کی تاریخ میں منظرِ عام پر آنے والے رسائل واخبارات میں سب سے عمر دراز یہ اخبار گو اپنے مخلص وسراپا جہد وعمل مدیر کی وفات کے ساتھ ہی مرحوم ہو گیا، مگر اس کی عظیم اور مقتدر خدمات اب بھی اس کے قارئین وناظرین کی خوش گوار یادوں کے مخزن کا حصہ ہیں اور جب بھی دیوبند کی صحافت کا ذکر چھڑے، برملا وردِ زبانِ خاص وعام ہو جاتی ہیں۔

مولانا عبدالرؤف عالیؒ

۱۹۳۰ء-۱۳۴۹ھ/۲۰۰۹ء-۱۴۳۰ھ

اپنے وقت کے جید عالمِ دین و محدث مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ کے فرزندِ ارجمند مولانا عبدالرؤف عالی کی پیدائش سہارن پور میں ہوئی، تعلیم کی ابتدا مظاہرِ علوم، سہارن پور میں کی اور وہیں سے درسِ نظامی کی تکمیل کی، تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد کچھ دن مظاہرِ علوم اور کلکتے کے ایک مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے اور ایک طویل عرصے تک مختلف علمی و تحقیقی شعبوں سے منسلک رہ کر گراں قدر کارنامے انجام دیے، اس کے علاوہ جہاں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' میں تسلسل کے ساتھ علمی، ادبی، تنقیدی، فکری، سماجی، سیاسی و اصلاحی موضوعات پر قیمتی تحریریں لکھیں، وہیں ملک بھر کے دیگر بیسیوں اخبارات و رسائل بھی ان کے خامۂ زرخیز کی گہر باریوں سے نہال ہوتے رہے، اسی کی دہائی میں دارالعلوم کے احاطے میں واقع ہونے والے اختلاف کے بعد جب وقف دارالعلوم کی بنیاد پڑی، تو مولانا موصوف بھی اسی ادارے سے وابستہ ہو گئے اور وہاں رہ کر دیگر بہت سی علمی سرگرمیوں کے ساتھ کم و بیش تیس سال تک اس کے ترجمان پندرہ روزہ ''ندائے دارالعلوم'' کی ادارت بھی کی۔

انھوں نے اپنی پوری قلمی زندگی میں مذکورہ بالا موضوعات پر ہزارہا مقالات و مضامین لکھے، مولانا کا قلم سیّال و شیریں، علم پختہ و وسیع اور مطالعہ بے کراں تھا، انھیں ہر معروف موضوع پر ہر طرح کی تحریر لکھنے پر بھرپور قدرت حاصل تھی۔

مولانا عالی نے نصف صدی تک اردو صحافت کی زلفِ پُرخم کو سنوارنے کے ساتھ اسلامی کتب خانے کو کئی ایک باوقعت تصانیف کے ذریعے باثروت بنایا، سید محبوب رضوی اور مولانا محمد سالم قاسمی کی رفاقت میں دنیا بھر کی پچاس زبانوں میں کیے گئے قرآنِ پاک کے تراجم کا اجمالی تعارف و نمونہ ''جائزہ تراجمِ قرآنی''، حدیث شریف کی مشہور و متداول کتاب ''مشکوۃ شریف'' کا کتاب الجنائز تک انتہائی پرکشش و دل نشیں ترجمہ و تشریح، ''یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئیاں''، ''تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات'' پر جدید عنوانات، تحشیہ و ترتیب، ''مشعلِ راہ''، ''یہ اسلام ہے''، ''حضور ﷺ کا موئے مبارک'' اور ''مدینہ کے لعل و گہر''؛ یہ سب اُن ہی سے یادگار ہیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

۱۹۲۱ء-۱۳۳۹ھ/۲۰۱۰ء-۱۴۳۰ھ

اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ قرآنِ کریم کی خدمت اور اس کے علوم کی اشاعت میں بسر کرنے والے مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ کی پیدائش علما، اولیا، اتقیا، ادبا اور شعرا کی نگری ''دہلی'' میں ہوئی، مدرسہ عالیہ، فتح پوری میں تعلیم کی ابتدا کی، وہیں قرآنِ کریم حفظ کیا، فارسی درجات اور ششم عربی تک کی کتابیں بھی وہیں پڑھیں، ۱۹۴۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاس بخاری شریف کی تکمیل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی۔

قرآن پاک سے خاص انسیت اور علومِ قرآنی میں درک حاصل کرنے کا والہانہ جذبہ رکھتے تھے؛ اس لیے تفسیرِ قرآن میں استفادے کی غرض سے ۱۹۴۳ء میں تین ماہ مفسرِ قرآن، امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے خویش اور ولی اللٰہی علوم وافکار کے امین حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں رہے، ۱۹۴۴ء میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اپنی نادرۂ روزگار تفسیر ''کشف الرحمٰن'' کی ترتیب وتالیف میں بھی مولانا دہلویؒ کو بہ طورِ معاون اپنے ساتھ رکھا اور اس طرح مولانا کا تفسیری ذوق پوری طرح نکھر گیا، اس کے بعد مولانا نے تاحیات قرآنِ مقدس کی خدمت کو ہی اپنا واحد نصب العین بنائے رکھا، مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فارسی ترجمہ ''فتح الرحمٰن'' کی تحقیق اور قدیم فارسی تراجم سے اس کا تقابل وتطابق کیا، اردو کے سب سے پہلے ترجمۂ قرآن ''موضحِ قرآن'' کی بارہ سال تحقیق کر کے اس کا مستند ایڈیشن تیار کیا، ''محاسنِ موضح القرآن'' کے نام سے اس ترجمے کی فنی وبلاغی خوبیوں کو واضح کیا، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ''ترجمان القرآن'' پر مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ ''مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت'' کے نام سے شائع کیا، مختلف قرآنی آیتوں کی تفسیروں پر مشتمل تین جلدوں میں ''بصائر القرآن'' لکھی اور ان کے علاوہ بھی قرآنی موضوعات پر بیش قیمت تصنیفات سے اسلامی کتب خانے کو مالا مال کیا، جن کی تعداد بیس سے متجاوز ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی کا کارنامہ اردو صحافت کی ترویج واشاعت میں بھی انتہائی رخشندہ

وتابندہ ہے،انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ افضل العلوم کی اشاعت وترویج میں گزارا، مدرسہ حسین بخش، دہلی کی درس گاہوں، دہلی کی متعدد مساجد کے منبروں اور قلم کی تمام تر قوت وصلاحیت کے ذریعے قرآنِ کریم کے علوم کو پھیلاتے رہے،مگر ساتھ ہی ان کے فیاض قلم نے اس حوالے سے بھی بھرپور کرم گستری کا مظاہرہ کیا کہ انھوں نے ملک بھر کے اخبارات ورسائل میں علمی وتحقیقی مقالات کے علاوہ ایسے مضامین بھی مسلسل لکھے، جو اسلامیانِ ہند کے خفتہ دلوں پر دستک دینے والے اور ان کی افسردہ امنگوں کو بیدار کرنے والے ہوتے تھے،وہ اپنی تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو اخلاقِ حسنہ سے مزین ہونے کی تلقین کرتے اور ان کی زندگی میں پائی جانے والی نوع بہ نوع ناہمواریوں کو دور کرنے کے مخلصانہ وہمدردانہ مشورے دیتے تھے۔

ان کی صحافتی خدمات کا ایک روشن گوشہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے آزادی کے فوراً بعد ہندوستان بھر میں عموماً اور دہلی میں خصوصاً مسلمانوں کے خلاف پھوٹ پڑنے والے ہلاکت ناکی وتاراجی کے آتش فشاں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایسے وقت میں، جب کہ بڑے بڑے دگجوں کی ہوا اکھڑ رہی تھی اور وہ بھی حالات کی زہرناکی کے سامنے سپر انداز ہوتے جا رہے تھے،مولانا دہلوی ؒ نے قلم سنبھالا اور ان تمام عناصر کو آڑے ہاتھوں لیا، جو مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے پر تلے ہوئے تھے اور ہر کلمہ گو کی رگِ جاں ان کے پنجۂ خوں خوار میں تھی،انھوں نے تمام تر اندیشوں اور مخالفتوں سے لاپروا ہوکر فرقہ پرستی کے ناسور کو الم نشرح کیا اور حکومتِ وقت کے ان کے تئیں تمام جانے اَن جانے تساہل کو بے نقاب کرکے رکھ دیا اور اپنی جاں بازانہ قلم رانیوں کو اخبارات ورسائل ہی تک محدود نہ رکھا؛ بلکہ ’’فرقہ پرستی کی آگ‘‘ کے نام سے ۱۹۵۵ء میں ایک سو صفحے کا رسالہ بھی لکھا اور اسے اردو وہندی دونوں زبانوں میں شائع کیا،اس کے منظرِ عام پر آتے ہی حکومت بوکھلا گئی اور مولانا پر دہلی کرائم برانچ کی طرف سے بہ یک وقت چار مقدمات چلائے، جو جرم ثابت نہ ہونے کی بنا پر بارہ سال بعد ختم ہوئے اور اس طرح قدرت نے مولانا کی حق نگاری کو سرخ روئی عطا کی، یہ وقت تمام ہندوستانی مسلمانوں کے لیے انتہائی غیر محفوظ اور اندیشوں سے گھرا ہوا تھا اور دوقومی نظریے کے پرچارکوں کی مٹھی بھر جماعت کے ’’پاکستان‘‘ جاچکنے کے بعد ہندوستان میں بچی مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہلاکت وبربادی کی ان دیکھی موجوں کے بیچ پیچ و

تاب کھا رہی تھی، ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ انھیں ڈھارس بندھائی جائے، ان کے زخموں پر تسلیوں کے مرہم رکھے جائیں، انھیں ناامیدیوں کی تاریکیوں سے نکال کر امید و رجا کی کرنوں سے روشناس کرایا جائے، ان میں اسلامی بیداری اور ملی جاگر کتا پیدا کرنے کے ساتھ اُنھیں ایک جمہوری ملک میں مختلف مذہب ومشرب کے پیروکار ہم سایوں کے ساتھ اخوت ومحبت اور میل جول کے جذبے کے ساتھ رہنے پر ابھارا جائے اور ساتھ ہی فرقہ ورانہ ذہنیتوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جائے؛ چناں چہ مولانا دہلویؒ نے خاص ان ہی مقاصد کے پیشِ نظر ۱۹۶۶ء میں ایک رسالہ ''نظامِ ملت'' کے نام سے جاری کیا اور اس کے ذریعے مسلمانوں میں ماضی کے کڑوے لمحات کو بھول کر جمہوری ہندوستان میں اپنی زندگی کا شیرازہ از سرِ نو منظم کرنے کا جذبہ ابھرا، فرقہ پرستی کی زہرناک فضاؤں میں خاطر خواہ کمی آئی اور ملک میں بقائے باہمی اور اخوت وبھائی چارگی کے فروغ میں بھی مولانا کے اس رسالے نے اچھا رول ادا کیا، پھر اس کے بعد بھی مولانا کا قلم پیہم علمی وتحقیقی عنوانات کے علاوہ سماجی واخلاقی موضوعات پر بھی لکھتا اور مسلمانانِ ہند کی برابر رہ بری کرتا رہا، جس کی شہادت دہلی و بیرونِ دہلی کے اخبارات اور رسالوں میں چھپنے والے ان کے سیکڑوں مضامین سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

مولانا کا اپنی مصروف ترین علمی وقرآنی زندگی میں سے وقت نکال کر صحافتِ اردو کے لیے یہ عظیم الشان خدمت انجام دینا واقعتاً ایک بڑی قربانی تھی، جسے اردو اکیڈمی، دہلی نے محسوس کیا اور ان کی خدمت کے حسنِ اعتراف میں (بعض جاگیردارانہ ذہن رکھنے والے پیشہ ور صحافیوں کے لب بستہ اعتراض کے باوجود) ۱۹۹۷ء کا صحافتی ایوارڈ مولانا دہلویؒ کو پیش کیا۔

مولانا کے تحریری وتصنیفی سرمایے میں متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ ایک کتاب ''معاشرہ پر عورت کا احسان'' بھی ہے، جس کی پہلی طباعت ۱۹۸۰ء میں ہوئی تھی، اس کے ذریعے آپ نے اس صنف کی حقیقی حیثیت اور انسانیت کی تعمیر وافزائش میں اس کی عظیم القدر قربانیوں کو آشکار کیا ہے، ۱۹۹۴ء میں آپ کے تیرہ مضامین کا مجموعہ ''جمہوری دور میں اسلام کی کامیاب رہنمائی'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا، اس میں آپ نے اسلام کے تصورِ جمہوریت، مؤاخات وانسانیت نوازی اور اعتماد واستقامت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے، اس کا ایک خاص مضمون بیسویں صدی کے

مجدد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے افکار و خیالات کے تعلق سے ہے، اس میں آپ نے جہاں ان کے افکار کی آفاقیت و وسعت کا تشفی بخش جائزہ لیا ہے، وہیں ان کی عصری معنویت پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے، آپ کا ایک اور روشن کارنامہ اور اکابر دیو بند سے آپ کے والہانہ ومخلصانہ تعلقات کا عکاس ''علمائے دیو بند کے خطبات'' بھی ہے، یہ چھ تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں پہلی تقریر آپ کے جلیل المرتبت استاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ہے، دوسری تقریر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہے، تیسری تقریر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی ہے، چوتھی تقریر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی ہے، پانچویں تقریر مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوریؒ کی اور چھٹی تقریر مولانا کی اپنی ہے۔(۱)

مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

۱۹۲۷ء-۱۳۴۶ھ / ۲۰۱۱ء-۱۴۳۲ھ

باون سال تک دار العلوم دیو بند کے متعدد اہم شعبوں میں بے لوث، بے مثال اور لازوال خدمات انجام دے کر اپنی فکری صلاحیت، تدبیری قابلیت، علم و تحقیق، فکر و نظر اور مطالعہ و مشاہدہ کی غیر معمولی وسعت کی داد وقت کے دیدہ ور علما و فضلا سے حاصل کرنے والے مفتی ظفیر الدین مفتاحی کا ادبی و صحافتی مقام بھی اپنے معاصرین و اقران میں انتہائی ممتاز ہے۔

مفتی صاحب نے مختلف علمی و تاریخی موضوعات پر پچاس سے زیادہ اعلیٰ پایے کی مصنّفات سے اسلامی کتب خانے کو باثروت بنانے اور بارہ جلدوں میں فتاویٰ دار العلوم کی ترتیب کا عظیم الشان کارنامہ انجام دینے کے ساتھ برصغیر کے دسیوں رسائل و اخبارات میں تقریباً تین سو مقالات لکھے ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، ماہ نامہ ''برہان'' دہلی، ماہ نامہ ''الفرقان'' لکھنؤ، ماہ نامہ ''نئی زندگی'' الہ آباد، ماہ نامہ ''تبیان'' پاکستان، ماہ نامہ ''دار العلوم'' دیو بند، ماہ نامہ ''نقش'' دیو بند، ماہ نامہ ''تذکرہ'' دیو بند اور ہفت روزہ ''صدقِ جدید'' لکھنؤ جیسے بلند پایہ اخبارات و رسائل کی فائلیں ان کے قلمی فیضانات پر شاہدِ عدل ہیں۔

اسی طرح ۱۹۶۵ء (۱۳۸۵ھ) سے لے کر ۱۹۸۲ء (۱۴۰۲ھ) تک مسلسل سترہ سال ماہ نامہ

---

(۱) اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ (مولانا)، دہلی گہوارۂ محدثین۔

’’دار العلوم‘‘ کے اداریے بھی تحریر کیے، یہ اداریے علمی واصلاحی موضوعات کے ساتھ قومی وعالمی سیاسیات پر بھی ہوتے تھے، ان کو پڑھنے سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی گرفت علمی وسماجی مسائل پر تو گہری تھی ہی، ساتھ ہی ان کا سیاسی شعور بھی حد درجہ عمیق تھا؛ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کی علمی تحریریں اپنے اندر دل کشی وجاذبیت کے سارے اسباب بہ تمام وکمال رکھتی ہیں، اصلاحی مقالات میں امتِ مسلمہ کے تئیں ہم دردی اور مسلم معاشرے میں در آنے والی خرابیوں کے حوالے سے قلبی کرب اور دلی خَلِش صاف طور پر جھلکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، وہیں عصری سیاسیات پر ان کے فکر پاروں میں غیر معمولی سلجھاؤ، توازن اور بصیرت مندی بھی پائی جاتی ہے۔

مفتی صاحب کی تمام تر نگارشات کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ ان میں زبان وادب کی خوبیاں بہ درجۂ اتم پائی جاتی ہیں، وہ روایتی ادیبوں اور ’’تمغہ یافتہ‘‘ انشا پردازوں کی طرح بھاری بھرکم الفاظ، نامانوس تعبیرات اور زور آورانہ اسلوبِ نگارش سے قاری کو ہیبت زدہ نہیں کرتے؛ بلکہ چھوٹے چھوٹے جملوں، سہل وسادہ ترکیبوں اور معنی ومفہوم کے بہ قدر ہی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور اسلوبِ بیان کی بے ساختگی وبرجستگی کا وصف بھی ان کی تحریروں میں نمایاں رہتا ہے؛ اس لیے ان کی ہر تحریر، خواہ وہ مقالے کی شکل میں ہو یا باضابطہ تصنیف کی شکل میں، قاری کے لیے دامن کشِ دل ونگاہ ثابت ہوتی ہے اور وہ اس کے ذریعے معلومات کا گراں بہا ذخیرہ حاصل کرنے کے ساتھ زبان واسلوب کے چٹخارے سے بھی بہ خوبی لطف اندوز ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کے عقیدت کیش؛ بلکہ اردو زبان میں اپنے ذوقِ نگارش کی تخلیق وافزائش میں ان کے ممنونِ احسان عالمِ اسلام کے معروف ادیب وصحافی مولانا نور عالم خلیل امینی کی یہ تحریر نگارشاتِ ظفیر کے ادبی خصائص کو بہ خوبی آشکارا کرتی ہے، مولانا نے مفتی صاحب کی پیدائشی سادگی، بے تکلفی وبے نفسی کا، ان کی تحریر وتقریر کو پرتو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’وہ نہ لفظیات کی شوخی سے قارئین کے لیے باعثِ تکان ہوتے ہیں، نہ اسلوب کی شوکت کے باعث باعثِ مرعوبیت، نہ ساختیات کے بناؤ سنگار سے باعثِ اُلجھن، نہ فصاحت وبلاغت کی زور آوری سے باعثِ اذیت، نہ جملوں کی درازی اور پُر پیچ ہونے کی وجہ سے ہمت شکن، آپ پڑھتے اور سنتے جایئے، آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کو آپ ہی کی بات، آپ ہی کی زبان میں کہی جا رہی ہے‘‘۔(۱)

---

(۱) پسِ مرگ زندہ، ص:۹۱۹۔

مفتی صاحب کی تحریروں میں یہ وصف بہ تدریج پیدا نہیں ہوا تھا؛ بلکہ جب سے انھوں نے اپنے آپ کو قلم و قرطاس کی راہ پر لگایا، تب ہی سے وہ اسی امتیاز کے ساتھ لکھتے رہے اور چوں کہ جب ان کی پہلی تصنیفی و تحقیقی کاوش ''اسلام کا نظامِ مساجد'' منظر عام پر آئی اور علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہم اللہ جیسے عباقرۂ علم وادب نے نہ صرف اس کی علمیت اور بلند تر تحقیقی معیار کی توصیف وستایش کی؛ بلکہ ان میں سے ہر ایک نے مصنف کے اسلوبِ نگارش کی سادگی اور برجستہ پن میں پائی جانے والی بلا کی کشش اور فطری حسن و جمال کی بھی دل کھول کر سراہنا کی تھی؛ اس لیے مفتی صاحب کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ اپنی تحریروں کو دل چسپ اور لطف انگیز بنانے کے لیے خارجی عوامل کو برتنے کے چکر میں پڑے بغیر فطری اسلوب میں لکھنا ہی مفیدِ عام ہے؛ چناں چہ انھوں نے اپنی بعد کی حیاتِ قلمی میں سیکڑوں مقالات اور پچاس سے زائد علمی و تحقیقی تصنیفات، کسی بھی قسم کے تکلف کو راہ دیے اور کسی پیش رو ادیب و صاحبِ قلم کے طرز و اسلوب کی تقلید کیے بغیر لکھیں اور ان سے خالص اہلِ علم و نظر کے ساتھ عام پڑھے لکھے لوگوں نے بھی حسبِ دل خواہ فائدہ اٹھایا۔

☆☆☆☆☆

گوشۂ قائماں

مولانا صادق علی قاسمی بستوی

پ: ۱۵/ اپریل ۱۹۳۶ء-۲۳/ محرم ۱۳۵۶ھ

اردو ادب وصحافت کی بے لوث ورضا کارانہ خدمت میں اپنی عمرِ مستعار کی کم وبیش سات دہائیاں بتا دینے والے مولانا صادق علی قاسمی کی جائے پیدائش ''دریا باد''،ضلع سنت کبیر نگر ہے،ان کی ابتدائی وثانوی تعلیم مدرسہ عربیہ،بستی اور مدرسہ نور العلوم ،بہرائچ میں ہوئی،۱۹۵۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور۱۹۵۴ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی،اگلے سال یہیں سے تخصص فی علوم التفسیر کیا،اس کے علاوہ عصری دانش گاہوں سے بھی بہ قدرِ شوق وجذبہ خوب استفادہ کیا؛چناں چہ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے،یوپی بورڈ الہ آباد سے معقولات میں فضیلت،لکھنؤ یونیورسٹی سے فضیلت فی التفسیر اور جامعہ اردو،علی گڑھ سے ادیبِ کامل کا کورس کیا۔

علم ومطالعے سے بے پناہ شغف کے ساتھ مولانا کو تحریر وانشا سے بھی قلبی وابستگی تھی؛ چناں چہ قیامِ دارالعلوم کے دوران متعدد جرائد ورسائل میں پیہم مشقِ قلم رانی کے ساتھ ایک عرصے تک ماہنامہ ''دارالعلوم'' کا ''اخبار وافکار'' کا کالم بھی لکھا،دارالعلوم سے نکلنے کے بعد حسبِ موقع وسہولت متعدد اخبارات سے وابستہ رہے،''اردو ٹائمز'' ممبئی کی نمایندگی کی،''مشرقی آواز'' گورکھپور کے نامہ نگار رہے،ان کے علاوہ گورکھپور سے نکلنے والے روزنامہ ''راپتی'' کی ادارت کی،۱۹۸۸ء میں ایک ذاتی رسالہ ماہ نامہ ''نقوشِ حیات'' کے نام سے جاری کیا،جو آج تک نہ صرف جاری ہے؛ بلکہ اپنی گوناگوں خوبیوں اور متنوع علمی،ادبی وتحقیقی امتیازات کی بنا پر اسے قدر دانوں کا ایک وسیع حلقہ بھی حاصل ہے۔

پرنٹ میڈیا کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا سے بھی مولانا صادق علی قاسمی کی طویل وابستگی رہی ہے اور آل انڈیا ریڈیو،گورکھپور کے مختلف ادبی وصحافتی پروگراموں میں کئی ایک معرکہ آرا

موضوعات پر مباحثوں میں شرکت اور متعدد بصیرت افروز مقالات ان سے یادگار ہیں، مباحثات میں ''مولانا آزاد اور سیکولرزم'' اور ''ادب وصحافت کا رشتہ'' اور مقالات میں ''بہادر شاہ ظفر: نغمہ خواں اجالوں کے''، جنگ آزادی میں علما کا حصہ''، ''اردو رسائل کا مستقبل'' اور ''اردو مجلات کے مدیر'' بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں، کہ انھوں نے نہ صرف سامعین و ناظرین کی ایک بڑی تعداد کو صادق صاحب کی طرف متوجہ کیا؛ بلکہ ان ہی کے ذریعے ان کے ادبی، فکری، تحقیقی وصحافتی شعور کی ہمہ گیری، وسعت اور گہرائی وگیرائی کو شناخت حاصل ہوئی۔

مولانا بستوی نے اپنے اب تک کے ادبی، علمی وصحافتی کیریر میں معروف علمی، مذہبی، سماجی وسیاسی موضوعات کے علاوہ ادب وتحقیق کے ان عنوانات کو بھی مس کیا ہے، جو اچھوتے اور اَن چھوے سے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ان موضوعات کا حق ادا کردیا ہے، انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے نہ صرف فکر ونظر اور تحقیق وتدقیق کے تازہ بہ تازہ دریچے وا کیے اور آنے والی علم وتحقیق دوست نسل کے لیے تلاش وجستجو کی نئی راہیں روشن کی ہیں؛ بلکہ اردو زبان وادب کو شستہ الفاظ، حسین ودل کش تعبیرات، خوب صورت محاورات وامثال، دل نشیں استعارات وتشبیہات اور طرزِ نگارش کی ایک تازہ کائنات سے بھی آگاہی بخشی ہے۔

مولانا شعر وسخن کا بھی انتہائی ستھرا اور اعلیٰ مذاق رکھتے ہیں اور مختلف اصنافِ سخن: حمد، نعت، نظم، منقبت، مراثی، غزلیات، قطعات اور بچوں کی نظموں پر مشتمل ان کے کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں، جن میں ''شاہ نامۂ اسلام'' کی طرز پر اسلام کی منظوم تاریخ ''داعیِ اسلام'' ایک عظیم الشان کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب میں مولانا نے سخن گوئی کی مشکل ترین صنف ''غیر منقوط'' کو برتا ہے اور کمالِ حذاقت ومہارت کے ساتھ! اس کتاب میں انہوں نے نبیِ پاک کی ولادت سے وفات تک کے واقعات غیر منقوط شاعری میں اس سلاست اور قرضِ شعر کے قواعد واصول کی مکمل پابندی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ قاری عش عش کر اٹھتا ہے اور تخلیق کار کے علم کی غیر معمولی وسعت، اس کے ذہن ودماغ کی برّاقی اور محاوراتِ زبان پر اس کے عبورِ کامل کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا؛ یہی وجہ ہے کہ صادق صاحب کے اس منفردِ روزگار کارنامے کو جہاں گوپی چند نارنگ، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ولی رازی اور مولانا محمد تقی عثمانی جیسے ادب وعلم و دانش کے اساطین نے نہایت ہی وقیع الفاظ میں سراہا ہے، وہیں اتر پردیش اردو اکیڈمی نے ان

کی اس عظیم و متبرک کاوش کی قدر افزائی کرتے ہوئے انہیں ایوارڈ سے بھی نوازا ہے۔

مولانا بستوی کو کہانی نگاری میں بھی ید طولیٰ حاصل ہے اور مختلف رسائل واخبارات میں ان کی دل چسپ ومظاہرِ حقیقت کی عکاس کہانیاں چھپتی رہی ہیں، ان کے قلم سے نکلی ہوئی ایک لمبی کہانی ''مظلوم شہزادہ'' بہ شکلِ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے اور اربابِ ذوق نے اس کی خاطر خواہ پذیرائی بھی کی ہے۔

یوں تو بہ ظاہر اب مولانا کی زندگی کی مانند ان کی قلمی جولانیاں بھی اپنے آخری پڑاؤ پر ہیں، مگر پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ ان کے فکر ونظر میں وہی شادابی، اردو زبان وادب سے ان کے عشقِ بے پناہ میں وہی بے تابی، خیالات میں وہی تہہ داری شعور واحساس میں وہی بلندی و بیداری اور اسلوبِ نگارش میں وہی رچاؤ اور مٹھاس ہے، جو ان کی قلمی سرگرمیوں کے عروج کے زمانے میں تھی اور اس کا سچا شہادت نامہ ان کا رسالہ ''نقوشِ حیات'' ہے، جس کے صفحات پر ہر ماہ صادق صاحب کا قلم علم و ادب وتحقیق کے رنگ ونور بکھیرتا اور اپنے پرستاروں کی ذہنی وقلبی آسودگی کا سامان فراہم کرتا ہے۔

مولانا کفیل احمد علوی

پ: ۱۹۳۷ء-۱۳۵۶ھ

سنجیدہ طبیعت، متوازن فکر اور شستہ قلم کے مالک مولانا کفیل احمد علوی کا آبائی وطن کیرانہ، ضلع مظفر نگر ہے؛ لیکن چوں کہ مولانا کے والدِ محترم مولانا جلیل احمد کیرانوی دارالعلوم کے استاذِ حدیث تھے اور اپنے اہلِ خانہ سمیت دیوبند میں آبسے تھے؛ اس لیے مولانا کفیل احمد کی علمی، اخلاقی وفکری پرداخت از ابتدا تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ہوئی، جب یہاں علم و فضل کے جبال اور فکر ونظر کے ائمہ طالبانِ علومِ دینیہ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور اس ٹکسال میں ڈھلنے والا ہر سکہ پورے عالم میں رواں ہوتا تھا۔

مولانا نے بھی اسی زمانے میں اور ان ہی باکمال اساتذہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا ور ۱۹۵۵ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف کا درس لے کر

دورے کی تکمیل کی، اپنی علمی تشنگی کی مزید سیری کے لیے ایک سال اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے درس میں دوبارہ بہ پابندی شریک ہوئے، آپ کی تقریرِ بخاری کے نوٹ کا بھی سلسلہ شروع کیا اور کتاب الوحی کی پوری تقریر باضابطہ لکھی بھی، جو بعد میں ''تقریرِ بخاری'' کے نام سے شائع ہوئی۔

مقالہ نگاری کا ذوق ۱۹۵۰ء میں ہی پیدا ہوا اور اسی وقت سے لکھنے لگے، فراغت کے بعد اس سلسلے میں غیر معمولی روانی آئی اور دارالعلوم میں تدریس کے ساتھ ماہ نامہ ''تجلی'' دیوبند، ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند اور پندرہ روزہ ''چراغِ حرم'' دیوبند وغیرہ میں ان کی تحریریں لگاتار شائع ہوئیں۔

اسّی کی دہائی کے سرِ آغاز میں جب ایک عظیم انقلاب کے بعد دارالعلوم کی انتظامیہ تبدیل ہوئی اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰنؒ کے زیرِ اہتمام دارالعلوم کی علمی وانتظامی سرگرمیاں از سرِ نو بہ حال کی گئیں اور ان میں توسیع کے بھی فیصلے لیے گئے اور اسی تناظر میں ۱۹۸۴ء میں ''شیخ الہند اکیڈمی'' کا قیام عمل میں آیا (اس کے قیام کے مقاصد اور خدمات پر تفصیلی گفتگو بابِ دوم میں ملاحظہ فرمائیں) اور اس سے ایک اردو پندرہ روزہ اخباری پرچہ شروع کیا گیا، تو اس کی ادارت مولانا کفیل احمد علوی کے سپرد کی گئی، مولانا کے زیرِ ادارت یہ رسالہ شروع میں دس مہینے ''پیامِ دارالعلوم'' کے نام سے نکلا، پھر اس کا نام ''آئینۂ دارالعلوم'' ہوگیا اور وسط اگست ۱۹۸۵ء سے یہ اسی نام سے نکلنے لگا، مولانا کی ادارت میں یہ پرچہ ۲۰۰۹ء کی اپریل تک جاری رہا، اس طویل عرصے میں مولانا کے قلم سے سیاسی، علمی، مذہبی، سماجی، فکری و اصلاحی عنوانات پر پانچ سو سے زیادہ مقالات شائع ہوئے، ایک عرصے تک مولانا نے روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی کی کالم نگاری بھی کی اور اس دوران سیاسیاتِ عالم پر شائع ہونے والے ان کے تجزیے کافی سراہے گئے۔

''آئینۂ دارالعلوم'' کے ادارتی صفحات پر مولانا کے قلم سے جو تحریریں نکلی ہیں، وہ ان کے فکر و شعور کی گیرائی کی آئینہ دار ہیں، ان کے لفظ لفظ سے صاحبِ تحریر کی بصیرت مندی و پختہ نگاہی ٹپکتی ہے اور ان کے ذریعے دیے جانے والے پیغام میں بے پناہ صداقت، حقانیت، خلوص اور عقیدہ و خیال کی راست روی کے ساتھ اسلوبِ نگارش کی سلاست، بے ساختگی اور الفاظ و محاوروں کے برتنے میں خوش سلیقگی بھی بہ درجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

مولانا کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کی بے مثال اور پرخلوص تربیت نے اردو صحافت کو بے شمار گہر ہائے آب دار دیے ہیں، قومی و بین اقوامی سطح پر اپنی صحافتی جولانیوں کی دھاک بٹھا دینے والے کئی ایسے نام ہیں، جو مولانا کفیل احمد علوی کی تربیت و رہ نمائی کے شرمندۂ احسان ہیں۔

مولانا کے تصنیفی سرمایے میں ''تقریرِ بخاری'' کے علاوہ تاریخی تحریروں کا مجموعہ ''اسلام مدینہ سے مدائن تک''، حضراتِ صحابہ کی حیات اور اوران کی لازوال خدمات سے پردہ اٹھانے والی کتاب ''راہِ حق کے مسافر'' اور نبیِ پاک ؐ کے خاص خاص معجزات کو پرکشش انداز میں پیش کرنے والی کتاب ''اعجازِ نبوی'' ہیں، ''آئینۂ دارالعلوم'' کی فائلوں میں بکھرے ہوئے ان کے گراں بہا فکر پارے ان سب کے علاوہ ہیں، اگر ان کی جمع و ترتیب و اشاعت کا سامان ہو اور انھیں منظرِ عام پر لایا جائے، تو اس سے نہ صرف مولانا کی ان تحریروں کو بقا و دوام حاصل ہونے کی راہ نکل آئے گی؛ بلکہ آیندہ نسلوں کے لیے ماضی کے ''آنکھوں دیکھے احوال'' اور ایک کہنہ مشق اور حساس صحافی کے قلم سے نکلنے والے ان کے تجزیوں سے متعارف ہونے کا ایک مستند وسیلہ بھی ہم دست ہو جائے گا۔

مولانا اردو کے نغز گو شاعر بھی ہیں اور عامر عثمانیؒ سے رشتۂ تلمذ رکھتے ہیں، ان کی شاعری میں آپ بیتی و جگ بیتی دونوں کی ترجمانی ہے، وہ مختصر بحروں میں بڑی گہری اور پتے کی باتیں کہتے ہیں، عامر عثمانیؒ کی طرح ان کی شاعری بھی بہ ظاہر تندی و تلخی لیے ہوتی ہے، مگر اس کے پسِ پردہ حالات کی ناسازگاری، فضا کی برہمی اور ملت کی اخلاقی و سماجی زبونی کے تئیں ایک کرب پایا جاتا ہے، ایک بے چینی اور خلش پائی جاتی ہے، ایک کڑھن اور چبھن پائی جاتی ہے، جو محسوس و مشاہد دنیا میں اشعار کا روپ ڈھال کر ظاہر ہوتی ہے۔

مولانا نے اب تک سیکڑوں غزلیں اور نظمیں کہی ہیں، جن کا مجموعہ ''شوقِ منزل'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا چاہتا ہے۔

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری

پ: ۱۹۳۶ء-۱۳۵۶ھ

ایک طویل اور سرگرم صحافتی زندگی گزار چکے مولانا عبداللہ جاوید ''غازی پور'' (مشرقی یوپی) کے متوطن ہیں، مدرسہ مفتاح العلوم، جلال آباد میں عربی کے ابتدائی وثانوی درجات پڑھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی، فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہائی اسکول بھی پاس کیا۔

مقالہ نگاری عرصۂ طالبِ علمی ہی میں شروع کی، رفتہ رفتہ یہ ذوق مزید بالیدہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ان کے مقالات اس وقت کے مشہور اخبارات روزنامہ ''مدینہ'' بجنور، ''الجمعیۃ'' دہلی، ''نئی دنیا'' دہلی اور بہت سے رسائل میں اشاعت پذیر ہونے لگے، ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ایک ذاتی ہفت روزہ اخبار ''مرکز'' نکالا اور لگاتار دس سال تک اس کی کامیاب ادارت کی، ۱۹۹۰ء کی دہائی میں وقف دارالعلوم دیوبند کے ماہانہ ترجمان ''ندائے دارالعلوم'' کے بھی حلقۂ ادارت میں شامل رہے، ساتھ ہی ملک بھر کے رسائل واخبار میں بھی خوب لکھا۔

مولانا عبداللہ جاوید کا قلم اب تو بہت حد تک سکون آشنا ہو گیا ہے اور ان کے نفسِ گرم کی حرارتوں کی نمود صفحاتِ قرطاس پر نظر نہیں آتی، مگر جب آتش جواں تھا اور ان کے حوصلے بلند وبالا تھے، تو انھوں نے مذہبی، علمی وادبی مسائل سمیت اس وقت کے سیاسی موضوعات پر بھی بڑی توانا اور چست تحریریں لکھیں اور ایک زمانے میں تو ان کی شناخت ہی قرطاس وقلم کی بے پناہ ہم نشینیوں سے تھی۔

ویسے تو عبداللہ جاوید صاحب نے اپنے نصف صدی کو محیط قلمی دورانیے میں ہزار ہا علمی مضامین، تحقیقی مقالات، سیاسی تجزیے اور ادبی شذرات لکھے، مگر ان کی بے نیازانہ فطرت نے انھیں محفوظ کرنے یا بہ طور یادگار اکٹھا کر کے رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، نتیجتاً ان کے لکھے ہوئے مقالات کا کوئی مجموعہ تو کیا منظرِ عام پر آتا، ان کا کوئی ریکارڈ خود صاحبِ مقالات کے پاس بھی نہیں ہے، ہاں! البتہ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ، جو یقیناً دنیا میں بھی ان کے نام کو پائندہ

وتابندہ رکھے گا اور آخرت میں بھی ان کے لیے اجرِ جزیل کا موجب ہوگا، وہ ان کا حدیث شریف کی معرکہ آرا کتاب ''مشکاۃ المصابیح'' کی قدیم اردو شرح ''مظاہرِ حق'' پر تحقیق، تخریج، تسہیل اور ترتیبِ جدید کا کام ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبداللہ جاوید صاحب نے اس کتاب کو نئے اسلوب ولباس میں پیش کر کے شائقین وطالبینِ علمِ حدیث پر عظیم احسان کرنے کے ساتھ اپنے لیے خدائی رضامندی وخوش نودی کا بھی بھرپور سامان فراہم کیا ہے۔

مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی

پ: ۱۵/۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء-۲۰/شعبان المعظم ۱۳۵۷ھ

دیو بند کے مایۂ فخر و ناز عثمانی خانوادے سے تعلق رکھنے والے، چالیس سے زائد علمی، اصلاحی، تبلیغی، دعوتی، سماجی وسوانحی کتابوں کے مصنف، صوبۂ پنجاب کے مفتیِ اعظم، ہندوستان کی دس سے زائد تنظیموں، اداروں اور کمیٹیوں کے سرپرست، نگراں اور رکن، موقر عالمِ دین، وسیع الفکر اور کشادہ نظر مفکر و دانش ور مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے از ابتدا تا دورۂ حدیث شریف دارالعلوم دیو بند میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۵۶ء فارغ ہوئے، ۱۹۵۷ء میں یہیں سے عربی زبان و ادب میں تخصص اور اگلے سال تکمیلِ افتا کا کورس کیا۔

دارالعلوم کے علاوہ بین الاقوامی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ میں بھی علمی تشنگی بجھائی اور دو سال (۶۳-۱۹۶۲ء) وہاں طالبِ علم رہے، ۱۹۶۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں ہائی اسکول پاس کیا۔

مفتی فضیل الرحمٰن جہاں دینی علوم میں مہارت اور اسلامی فکر وفلسفہ پر بصیرت مندانہ نگاہ رکھنے کے حوالے سے اپنی شہرت رکھتے ہیں، وہیں ایک باوقار اہلِ قلم کی حیثیت سے بھی انہیں جانا جاتا ہے، وہ ماضی میں کئی ایک علمی، ادبی و تحقیقی رسائل نکالتے رہے ہیں اور ہندوستان کے بے شمار اخبارات وجرائد میں ان کی فکر انگیز تحریریں شائع بھی ہو چکی ہیں، جس کا تسلسل ہنوز جاری ہے۔

مفتی صاحب دیو بند سے نکلنے والے ہفت روزہ ''عقائد'' اور ماہ نامہ ''مشرب'' کی ادارت کر چکے ہیں، جب کہ ماہ نامہ ''تعمیرِ سیرت'' مالیر کوٹلہ اور ماہ نامہ ''دارالسلام'' مالیر کوٹلہ کی ایک عرصے سے نگرانی وسرپرستی فرما رہے ہیں۔

مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی ایک جینوئن اور شریعتِ اسلامی کے اسرار و رموز سے بھرپور واقفیت رکھنے والے عالمِ دین تو ہیں ہی، ساتھ ہی عصری تقاضوں اور مطالباتِ زمانہ پر بھی ان کی نظر بڑی وسیع ہے؛ اس لیے ان کی تحریریں بڑی تحقیقی، علم ریز اور روشن فکر پاروں سے لیس ہوتی ہیں، وہ کسی بھی موضوع پر لکھتے وقت ہر ناحیے سے اس پر غور کرتے اور پورے انشراح و انبساطِ قلب کے ساتھ لکھتے اور کسی بھی اعتبار سے اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑتے ہیں، اسی طرح زبان و اسلوب کے اعتبار سے بھی ان کے قلم پارے بڑے پُر لطف اور نشاط بخش ہوتے ہیں، الفاظ کی شیرینی، تعبیرات کی دل کشی، اسلوبِ بیان کا جمال اور محاورات و امثال کا برمحل استعمال ان کی تحریر کی افادیت و معنویت کو کئی آتشہ کر دیتے ہیں اور ان کا قاری جہاں نت نئی معلومات اور اسلامی، علمی و تاریخی نکتوں سے فیض یاب ہوتا ہے، وہیں اس کا ادبی مذاق بھی آسودگی حاصل کرتا ہے۔

اخبارات و رسائل میں چھپنے والے سیکڑوں مضامین، اسی طرح مختلف انٹرنیشنل سیمیناروں میں پڑھے گئے تحقیقی مقالات کے علاوہ مفتی صاحب کی باضابطہ تصنیفات کی تعداد چالیس سے زائد ہے، جو تفسیرِ قرآن و تشریحِ حدیث سے لے کر سیرتِ نبوی، تذکرۂ شخصیات، فقہِ اسلامی، عربی و فارسی کی نصابی کتابوں اور دعوتی، تبلیغی و اصلاحی موضوعات کو محیط ہیں۔

مولانا عبدالحفیظ رحمانی

پ: ۱۰؍ جنوری ۱۹۴۰ء - ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ

زمانے کی ناہمواریوں اور گردوپیش کی ناقدرشناسیوں سے بے نیاز ہو کر فکر و نظر اور لوح و قلم کی آب یاری میں مصروف مولانا عبدالحفیظ رحمانی کی جاے پیدائش مشرقی یوپی کا ضلع ''بستی'' ہے، مکتبی تعلیم اور حفظِ کلام اللہ کی تکمیل اپنے والدِ گرامی حافظ فتح محمدؒ کے پاس کی، عربی تعلیم کا آغاز مدرسہ نور العلوم بہرائچ سے کیا، سوم عربی میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، اس کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہائی اسکول، مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنؤ کے تمام امتحانات اور کان پور یونیورسٹی، کان پور سے ایم اے (اردو) ممتاز نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔

قلم و قرطاس سے وابستگی دیوبند ہی میں پیدا ہوئی اور یہیں اس کی افزائش بھی ہوئی؛ چناں

چہ طالبِ علمی کے دوران ایک ذاتی دیواری رسالہ ''جادۂ نو'' کے نام سے جاری کیا، جو عام طرز کے برخلاف خالص تحقیقی وطبع زاد مواد کی اشاعت پر زور دیتا تھا، ۱۹۵۹ء میں ان کا پہلا مضمون مرادآباد کے ماہانہ رسالہ ''الحرمین'' میں شائع ہوا، جو کافی پسند کیا گیا، پھر دیوبند سے نکلنے کے بعد جہاں انھیں ماہ نامہ ''دارالتعلیم'' کان پور کی ادارت کا موقع ملا، وہیں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ندائے ملت'' لکھنؤ، ''برہان'' دہلی، ''الفرقان'' لکھنؤ، ہفت روزہ ''صدقِ جدید'' لکھنؤ، سہ روزہ ''دعوت'' دہلی اورہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی وغیرہ میں باقاعدہ ان کی تحریریں چھپنے لگیں، جس کا سلسلہ عمر کے ڈھل جانے اور لمحاتِ زندگی کے سکڑ جانے کے باوصف آج بھی جاری وساری ہے اوران کے مضامین رسائل واخبار میں نظر آتے رہتے ہیں، ان مطبوعہ مقالات کے علاوہ رحمانی صاحب کے تحریری سرمایے میں درجنوں ایسے مقالات بھی ہیں، جو انھوں نے مختلف شخصیات یا علمی موضوعات پر منعقدہ سیمیناروں میں پڑھے ہیں۔

مولانا رحمانی نے دیوبند میں اپنے لیے جس ''جادۂ نو'' کا انتخاب کیا تھا، اپنی اب تک کی قلمی زندگی میں انھوں نے اس سے سرِ مو انحراف نہیں کیا ہے، ان کی طالبِ علمانہ کاوشیں بھی اپنے ظاہری ومعنوی سراپا کے اعتبار سے منفرد ہوا کرتی تھیں، جن میں تحقیق وجستجو کا عنصر مرکزی حیثیت سے پایا جاتا تھا، پھر وقت کی روانی کے ساتھ ان کا تحقیقی ذوق اور اکتشافی ذہن مزید شباب آشنا ہوتا گیا، انھوں نے اپنی تحریری زندگی میں کبھی بھی پیش پا افتادہ موضوعات پر خامہ فرسائی کرنا گوارہ نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ نئے عنوانات کی کھوج اور فکر ونظر کے نئے آسمانوں اورنئی زمینوں کی سیر میں مصروف رہے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلنے والا حرف حرف افکار ومعانی کی دنیا کے لیے نوپید ہوتا ہے اوران کے تحقیقی کولاژ کی بے کراں وسعتوں کا غماز بھی، ان کے قلم سے جتنی بھی تحریریں نکلی ہیں، سب اپنے دامن میں نت نئی دریافتوں اورتحقیقات وانکشافات کی کائنات بسائے ہوئی ہیں، اس بلند بانگ دعوے کی دلیل کے طور پر رحمانی صاحب کی نادرۂ روزگار تصانیف ''توریت اور یہود اپنے آئینے میں''، ''بائبل اور نبی آخرالزماں ﷺ'' اور ''طنزیاتِ قرآنی'' بلا تأمل پیش کی جاسکتی ہیں، کہ جن کی شہ سرخیاں ہی ان کے اندر کی ''نوآبادیات'' کی سچی گواہی دے رہی ہیں، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کے ڈھائی سالہ قیام (۲۰۰۴-۶ء) کے عرصے میں متعدد کتابوں پر ان کے گراں مایہ تحقیقی وتعلیقی کارنامے ان سب پر مستزاد ہیں۔

اس کے باوجود کہ مولانا عبدالحفیظ رحمانی کو نہ کسی ادارے کی کسی طرح کی اعانت حاصل ہے اور نہ بہ ظاہر کوئی معاون و مددگار، مگر وہ کسی بھی مادی صلہ وستایش سے بے پرواہو کر محض علم وتحقیق کے اپنے ذوق بے پایاں کو سیراب کرنے اور اس دورِ نقل ومحاکات میں اسلامی کتب خانے کو خالص تحقیق ریز تصنیفات سے بہرہ ور کرنے کے جذبے کے زیرِ اثر بے تکان مصروفِ عمل ہیں اور ہنوز ان کے پیشِ نظر قرآنِ کریم کی ان آیتوں کی تحقیق وتفسیر ہے، جن میں کسی بھی عنوان سے نبی پاکؐ کی مدح وتوصیف کی گئی ہے اور اس کا خاصا حصہ وہ مکمل بھی کر چکے ہیں۔

مولانا اسرارالحق قاسمی

پ: ۱۹۴۲ء-۱۳۶۱ھ

ہندوستان کی اردو صحافت کو تقریباً نصف صدی سے اپنی گراں قدر سیاسی، سماجی، اخلاقی، اصلاحی وعلمی تحریروں سے فیض یاب کرنے والے مولانا اسرارالحق قاسمی کی جاے ولادت موضع ''ٹپو'' کشن گنج ہے، مولانا نے ابتدائی وثانوی تعلیم اپنے علاقے کے متعدد مدرسوں میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم دیو بند وارد ہوئے اور یہیں سے ۱۹۶۴ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ رحیمیہ مدھے پورہ اور مدرسہ بدر الاسلام بیگوسرائے سے بہ سلسلۂ تدریس وابستہ ہوئے، مولانا کا ذہنی رُجحان ملک کے مسلمانوں کی ہمہ نوعی زُبوں حالی کو دیکھتے ہوئے شروع ہی سے ملی وسماجی خدمات انجام دینے کی طرف مائل تھا؛ چناں چہ انھوں نے اپنے شروع کے دس سالہ تدریسی دور میں کسی بھی علاقائی یا ملکی تنظیم سے وابستگی کے بغیر ہی شمال مشرقی بہار کے مسلمانوں کے سماجی ومعاشرتی مسائل ومشکلات سے غیر معمولی دل چسپی لی اور انھیں حل کرانے کے لیے ہر ممکن کوششیں کیں۔

مسلم سماج اور اس کے مسائل کے تئیں مولانا کی اس درجہ درمندی، تڑپ اور کسک کو دیکھتے ہوئے ۱۹۷۴ء میں ملک کی قدیم تر اور موقر تنظیم جمعیتِ علماے ہند نے ان کی خدمات حاصل کرلیں اور چار سال بعد ان کی اعلیٰ کارکردگی، سیاسی بصیرت اور خدمتِ قوم ووطن کے جذبۂ بے پایاں کے پیشِ نظر ۱۹۸۱ء میں انھیں جمعیت کا جنرل سکریٹری بنا دیا گیا، دس سال تک مولانا نے

جنرل سکریٹری کے عہدے پر رہتے ہوئے جمعیت کے اسٹیج سے ملک وقوم کی قابلِ قدر خدمات انجام دیں، پھر جب بہ جوہ انھیں جمعیت سے کنارہ کش ہونا پڑا، تو ۱۹۹۲ء میں فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے ہم راہ ''آل انڈیا ملی کونسل'' کی اساس رکھی اور اپنی خدمات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ان کے دائرے کو مزید پھیلایا، جمعیت اور ملی کونسل سے وابستگی کے دوران انھوں نے ہندوستان کے طول وعرض کے دورے کیے، تو اس دوران انھیں اس حقیقت کا شدت سے احساس ہوا کہ ملک کے مسلم معاشرے کی تمام تر شعبہ ہاے زندگی میں پس گردی وپس ماندگی کی بنیادی وجہ اس کا تعلیم کے میدان میں دیگر برادرانِ وطن سے اندوہ ناک حد تک پیچھے رہنا ہے اور جب تک مسلمانوں میں حصولِ علم کا رجحان نہیں پیدا ہوگا، اس وقت تک ان کے کسی بھی مسئلے کا تدارک مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے؛ چناں چہ مولانا نے اسلامیانِ ہند میں تعلیم کو تحریک کی شکل دینے کی خاطر ۲۰۰۰ء میں ''آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن'' کی بنیاد رکھی، ملک کے قصبات ودیہات کا دورہ کیا، وہاں کی تعلیمی حالتوں کا جائزہ لیا، وہاں کے مسلمانوں کو جھنجھوڑا اور ان کے جذبۂ خوابیدہ پر تازیانہ ہاے حق برسائے، انھیں بیدار کیا اور کشاکشِ حیات میں جہد وعمل کے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی، ان پر موجودہ برقی ترقیات کے دور میں علم کی غیر معمولی اہمیت کو واشگاف کیا اور اپنے ادارے کے تحت جگہ جگہ مدارس، مکاتب اور کالجز قائم کیے اور بحمدللہ آج ملک کے ان تمام خطوں میں مولانا کے قائم کردہ تعلیمی ادارے مصروفِ عمل ہیں اور وہاں ہزاروں کی تعداد میں مسلم لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں، جہاں چند سال پہلے تک علم اور تعلیم کے ابجد سے بھی لوگ ناواقف تھے۔

یہ مولانا کی بے لوث اور مخلصانہ خدمات ہی کا کرشمہ تھا کہ جب انھیں ۲۰۰۹ء میں کانگریس نے ایم پی کے انتخابات میں حلقۂ کش گنج سے ٹکٹ دیا، تو انھیں نمایاں اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل ہوئی، مولانا نے ایم پی بننے کے بعد بھی اپنی ملی سرگرمیوں پر سیاسی مصلحتوں کی چھاپ نہیں پڑنے دی؛ بلکہ اس کے بعد انھوں نے اور کھل کر مسلم مسائل کو اٹھایا اور انھیں حل کرانے کی جاں کاہ کوششیں کیں، برسرِ عام بھی اور ایوانِ حکومت میں بھی۔

مولانا کی خدمات کا ایک اور روشن پہلو تقریباً نصف صدی کو محیط ان کی انقلاب آفریں اور مجاہدانہ صحافتی زندگی ہے، مولانا نے دارالعلوم میں قیام کے دوران ''سجاد لائبریری'' کے آرگن

ماہنامہ ''البیان'' سے جواپنا صحافتی سفر شروع کیا تھا، اس میں زندگی کے کسی بھی مرحلے پر ادنیٰ سا اضمحلال نہیں آنے دیا اور دیگر بہت سی سیاسی، سماجی وملی سرگرمیوں اور ذمے داریوں کو بہ احسنِ وجوہ نبھانے کے ساتھ قلم وقرطاس سے اپنی راہ ورسم نہ صرف بنائے رکھی؛ بلکہ اس حوالے سے اپنی علیحدہ شناخت بناڈالی۔

جمعیت سے وابستگی کے دوران اس کے ترجمان ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' کی ادارت کی ایک عرصے تک ''ملی اتحاد'' نئی دہلی کے مدیرِ اعلیٰ رہے اور فی الوقت ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے بیشتر روزنامہ اخبارات کے مولانا مستقل کالم نگار ہیں، روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' روزنامہ ''انقلاب'' ممبئی، دہلی، روزنامہ ''اخبارِ مشرق'' کلکتہ، دہلی، رانچی، روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی، روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ، روزنامہ ''ندیم'' بھوپال اوران کے علاوہ اردو کے تقریباً تمام ہفت روزہ اخبارات اور ماہانہ دینی وعلمی رسائل وجرائد میں ان کی تحریریں پابندی سے چھپتیں اور بہ صد ذوق وشوق پڑھی جاتی ہیں اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ ملک کے کئی ایک ہندی وانگریزی اخبارات میں ان کے مضامین کے ترجمے بھی مستقل چھپتے ہیں۔

بہ حیثیت ایک صحافی کے مولانا کی اس حیرت ناک مقبولیت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے جب سے لکھنا شروع کیا، تب ہی سے حق نگاری وصدق نویسی کو اپنا شعار بنائے رکھا؛ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے آج تک جو کچھ معرضِ تحریر میں آیا، وہ صرف سیاہیوں کے نقوش نہیں؛ بلکہ ان کے ضمیر کی آواز ہے، انھوں نے جو کچھ لکھا، قلم کے کاروباری کی حیثیت سے نہیں؛ بلکہ حق کے طرف دار اور ناحق پر نشتر زن کی حیثیت سے، اس راہ میں بسا اوقات انھیں بے گانوں کی ناخوشی کے ساتھ اپنوں کی ستم ایجادیاں بھی جھیلنی پڑیں، مگر انھوں نے قلم کی آبرو کو رسوا نہ ہونے دیا اور آج بھی، جب کہ مولانا ملک کی برسرِ اقتدار پارٹی کے اہم رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، دیگر سیاسی لُقّوں کی دھما چوکڑیوں کے ساتھ خود کانگریس کی لغزیدہ پائیوں کو بھی طشت از بام کرنے سے کوئی ساخوف، اندیشہ یا ترغیب وترہیب ان کے قلم کو روک نہیں سکتا، آج کی غرض مندانہ، متعصّبانہ، جانب دارانہ اور بزدلانہ صحافت کے دور میں مولانا جیسے جری، بے باک، حقیقت نگار وصدق شعار صحافی کا وجود ''غیر مترقبہ نعمت'' ہی کہا جاسکتا ہے۔

مولانا کی تحریروں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے مسلکی انتہا پسندیوں اور گروہی اختلافات سے اپنے قلم کو آلودہ کیے بغیر ہمیشہ ان مسائل و مشکلات کو موضوعِ تحریر بنایا ہے، جن سے بہ حیثیتِ مجموعی تمام مسلمان دو چار ہیں، انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی زوال پر لکھا، سماجیات کے ضمن میں مسلمانوں کی زندگیوں میں پائی جانے والی نوع بہ نوع ناہمواریوں کی نشان دہی کی، تعلیمی سطح پر ان کے گرتے ہوئے گراف سے خبر دار کیا اور ہمیشہ آپسی اتحاد اور باہمی یگانگت کی تلقین و تبلیغ کی، کہ تشتُّت و انتشار اور تحزُّب و تفرقہ بازی زوال آمادہ قومِ مسلم کا سب سے دردانگیز و ہلاکت خیز المیہ ہے...... اور اس وجہ سے بھی مولانا کی تحریروں کو بلا امتیازِ طبقہ و مسلک ایک عام مقبولیت حاصل ہوئی۔

مولانا کی تمام تر تحریروں کا ایک اور امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ ان میں معروف معنوں میں ادبی رعنائی، زیبائی و حُسن کاری کی بہ جاے سادگی، سلاست، بے ساختگی و بے تکلّفی کا رنگ نمایاں رہتا ہے، وہ زبان و اسلوب کو سنوارنے کے تکلف آمیز عمل کو راہ دیے بغیر فطری اسلوبِ نگارش اور برجستگی کے ساتھ لکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی نگارشات کو ہر کہ و مہ بے تکان پڑھتا جاتا اور نت نئی تاریخی، علمی و سیاسی معلومات سے دامنِ مراد کو بھرنے کے ساتھ تحریر و انشا کے اس سہل الممنال اور زود فہم طرز سے محظوظ بھی ہوتا جاتا ہے۔

مولانا کے مقالات کے کئی مجموعے بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت دو چند بھی ہو گئی ہے اور اس کا دائرہ بھی وسیع تر ہو گیا ہے، مسلمانانِ ہند کے نو بہ نو سیاسی و معاشرتی مسائل اور ان کے تجزیوں پر مشتمل ''سلگتے مسائل''، ''ہندوستانی مسلمان: مسائل اور مزاحمتیں'' بہ طورِ خاص عصر حاضر میں مسلمانوں سے اسلام کے مطالبات کی عصری تشریح پر مشتمل ''اسلام اور مسلمانوں کی ذمے داریاں''، اسلامی معاشرے کے خدو خال، اس کے تشکیلی عناصر کی توضیح اور اس کی خصوصیات سے پردہ اٹھانے والے مقالات کا مجموعہ ''معاشرہ اور اسلام'' انگریزی ترجمہ: **IslamAndSociety** اور اسلام میں عورتوں کے مقام و مرتبہ اور ان کے حقوق کی نشان دہی کے ساتھ موجودہ مسلم معاشرے میں ان کی پامالیوں کی اندوہ ناک تصویر دکھانے والی کتاب ''عورت اور مسلم معاشرہ'' انگریزی ترجمہ: **Gender JusticeInIslam** خاص کر قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا اسرار الحق قاسمی کی بے باکانہ، جرات مندانہ، مجاہدانہ اور حق پسندانہ صحافت کے جو نقوش اب تک ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان کی روشنی میں بلا کسی شک وریب کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ مین اسٹریم میڈیا کی متعصّبانہ ذہنیت کو بہت حد تک پابندِ حدود قیود بنانے میں جن جاں باز قلم کاروں کی حصے داری ہے، ان میں ''اسرار الحق قاسمی'' ایک نمایاں ترین نام ہے۔

مولانا محمد ولی رحمانی

پ: ۵/ جون ۱۹۴۳ء - ۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ

خانقاہِ رحمانی، مونگیر کے سجادہ نشیں، جامعہ رحمانی، مونگیر کے روحِ رواں، رحمانی تھرٹی جیسے ملک گیر شہرت کے حامل تکنالوجیکل تعلیمی ادارے کے فاؤنڈر ونگراں، ہندوستان کی موقر ومعتمد علیہ مسلم تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری، امارتِ شرعیہ، بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے نائب امیرِ شریعت، سیاست وشریعت وطریقت کے سنگم اور اپنے آبائی خصائص اور وجاہتوں کے امین مولانا محمد ولی رحمانی کی پیدائش مونگیر میں ہوئی، ابتدائی تعلیم درجہ پنجم تک اردو پرائمری اسکول میں حاصل کی، پھر دینیات کی طرف متوجہ ہوئے اور ہدایہ تک جامعہ رحمانی، مونگیر میں پڑھا، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخل ہوئے اور دو سال وہاں طالبِ علم رہے، اس عرصے میں نصابی کتب کے علاوہ مولانا محمد اویس نگرامیؒ سے تفسیرِ قرآن اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سے عربی ادب وانشا میں خصوصی استفادہ کیا، ۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۴ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، ندوہ اور دیوبند کے علاوہ بھاگل پور یونیورسٹی سے بھی علمی تشنگی بجھائی۔

تقریر وخطابت کے ساتھ تحریر وصحافت کا ذوق بھی مولانا کے اندر طالب علمی ہی کے دوران پیدا ہوا، جو رفتہ رفتہ نکھرتا اور ابھرتا گیا، مونگیر میں پہلا مضمون مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی حیات وخدمات پر ۱۹۵۹ء میں لکھا، جو متوسطات کے طالبِ علم کی تحریری کاوش ہونے کے باوجود محقق، علم ریز اور مکمل تھا اور اربابِ علم ونظر نے اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔

دیوبند میں اس ذوق میں مزید بالیدگی آئی اور موقوف علیہ کے سال ایک ذاتی عربی

رسالہ ''النہضہ'' جاری کیا، اسی زمانے میں اردو میں ایک مفصل مقالہ ''دارالعلوم کا کتب خانہ اور اس کا دارالمطالعہ'' کے زیرِ عنوان لکھا، جس میں دارالعلوم کے کتب خانے کا بہترین تعارف اور اس میں پائے جانے والے ذخائرِ کتب پر بصیرت افروز روشنی ڈالی گئی تھی، فراغت کے بعد مزید ڈیڑھ سال دارالعلوم میں رہے اور اس عرصے میں جہاں حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے دوبارہ ترمذی شریف کا درس لیا اور فنِ حدیث میں دست گاہ حاصل کی، وہیں شعبۂ مطالعۂ علومِ قرآنی سے وابستہ رہ کر مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کے زیرِ نگرانی ''ربطِ آیات اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھا، جسے اہلِ علم کے حلقے میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔

دیوبند سے نکلتے ہی مولانا رحمانی کو ہفت روزہ ''نقیب'' کا میدان ملا، جس میں ان کے قلمی جوہر کے تاب ناک نقوش ابھر کر سامنے آئے، جس وقت مولانا نے ''نقیب'' میں لکھنا شروع کیا، وہ ۶۷-۱۹۶۶ء کا زمانہ تھا اور صوبۂ بہار سمیت تمام ہندی مسلمانوں کے لیے ہلاکت ناک حالات سر ابھار رہے تھے، مولانا نے اس وقت کی زہرہ گداز فضاؤں سے نمٹنے کا تہیہ کر لیا اور ''نقیب'' کے صفحات پر ایسے بے باکانہ، عقل وخرد کو بیدار کرنے والے اور شعور واحساس کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والے شذرات لکھے کہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کا ملی حس پھڑک اٹھا، وہیں دوسری طرف حکومتِ وقت کے حواس باختہ ہو گئے، اس وقت ''نقیب'' کے مدیر اصغر امام فلسفی تھے، پھر شاہد رام نگری مدیرِ اعلیٰ اور اصغر امام فلسفی مدیر مقرر کر دیے گئے، یہ دونوں کہنہ مشق صحافی اور جہاں دیدہ اہلِ قلم تھے اور ان کی تحریریں بھی بڑی جان دار ہوا کرتی تھیں، مگر مولانا رحمانی نے ''نقیب'' میں اپنے منفرد اور بے باک افکار وخیالات کی ایسی کائنات بسائی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ''نقیب'' حق شناس، حق پسند اور حق نما صحافت کا آئینہ خانہ بن گیا، مولانا رسمی طور پر ''نقیب'' کے کچھ بھی نہ تھے، مگر عملی طور پر بہت کچھ؛ بلکہ سب کچھ تھے۔

''نقیب'' کے صفحات پر مولانا کی قلمی جولانیوں کی مدت چار سال ہے، اس عرصے میں جامعہ رحمانی، مونگیر میں ان کی تدریسی خدمات بھی جاری رہی تھیں، اس کے بعد مکمل طور پر مونگیر ہی میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں سے ۱۹۷۱ء میں ایک ماہانہ پرچہ ''صحیفہ'' کے نام سے جاری کیا، یہ پرچہ گو زیادہ عمر نہ پا سکا اور ۱۹۷۴ء میں اس کی اشاعت بند ہو گئی، مگر پھر بھی علمی، فکری و سیاسی سطح پر اس کے گہرے اثرات محسوس کیے گئے۔

۸۰ء کی دہائی میں صوبۂ بہار کا سب سے اہم اور مقبولِ عام اخبار روزنامہ ''قومی آواز'' تھا، جو اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ جگن ناتھ مشرا کے معتمد و عزیز جیبو جھا کی سرپرستی میں نکلتا تھا، اس وقت پٹنہ سے ''سنگم''، ''صدائے عام'' اور ''ساتھی'' بھی شائع ہوتے تھے، مگر ان کا سرکولیشن ''قومی آواز'' کے مقابلے میں اندوہ ناک حد تک کم تھا، جب کہ ''قومی تنظیم'' اس وقت نوخیزی کے عرصے سے گزر رہا اور ہفتہ وار تھا، اُدھر ''قومی آواز'' چوں کہ حکومت کی نظرِ کرم کا رہین تھا؛ اس لیے اس پر ایک خاص ذہن اور طرزِ فکر کی چھاپ ہوتی، وہ نہ صرف یہ کہ مسلم مسائل کے کوریج سے گریز کرتا؛ بلکہ وقفے وقفے سے مسلمانوں کی مذہبی و ملی آزار رسانی سے بھی نہ چوکتا۔

ایسے وقت میں ایک بار پھر مولانا رحمانی نے غیر معمولی ہمت و جرأت سے کام لیا اور پٹنہ سے ایک روزنامہ اخبار ''ایثار'' کے نام سے جاری کر ڈالا، مولانا کا ''ایثار'' آفسٹ پر طبع ہونے والا بہار کا پہلا اردو اخبار تھا، اس نے نکلتے ہی حق نوائی و حق گوئی کی نئی تاریخ رقم کی، اس اخبار کے ذریعے بہار کی اردو صحافت کو ایک خاص توانائی حاصل ہوئی، اس کی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر نہ صرف اردو داں طبقہ اسے خاص دل چسپی سے پڑھتا تھا؛ بلکہ اس کی گونج ایوانِ حکومت میں بھی سنی جاتی تھی، دوسری طرف ''قومی آواز'' کی ریڈرشپ دن بہ دن محدود سے محدود تر ہوتی گئی اور پھر چند مہینوں میں ہی اس کی بساطِ حیات لپٹ گئی۔

''ایثار'' کی مدتِ اشاعت تین سال سے کچھ زائد رہی، اس کے بعد یہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا، اس کے بند ہونے کی ویسے تو کئی وجوہ تھیں، مگر ایک اہم وجہ یہ تھی کہ مولانا رحمانی زرخیز فکر اور شرربار قلم تو رکھتے تھے، مگر صحافتی دنیا کی ناہمواریاں ان کے مزاج سے ہم آہنگ نہ تھیں اور وہ اُنھیں جھیل نہ سکتے تھے۔

اس کے بعد مولانا کی صحافتی سرگرمیاں بہت حد تک سرد پڑ گئیں، مگر مسلم پرسنل لا بورڈ اور امارتِ شرعیہ جیسے قومی شہرت کے حامل اداروں سے سربراہانہ وابستگی، اسلامیانِ ہند کی دردمندانہ قیادت، ہر محاذ پر معاصر افکار پر اسلامی فکر کی برتری و بہتری کے اثبات اور یگانہ و بے گانہ اذہان میں اس کی ترسیخ کے جذبۂ بے پناہ نے ان کے قلم کو سکوت آشنا نہ ہونے دیا؛ چناں چہ وہ اب بھی لکھتے ہیں اور انتہائی ٹھوس، پُردم، قوائے فکریہ کو جوش و ولولے سے سرشار کر دینے اور ایوانِ حکومت کے شہہ دماغوں پر بھی سکتہ طاری کر دینے والی تحریریں لکھتے ہیں۔

مولانا کے فکری نظام کی تشکیل جن عناصر سے ہوئی ہے، ان میں قرآن و حدیث کے علوم پر گہری نگاہ، اسلامی فقہ کے اسرار و رموز سے بھر پور واقفیت، عصری تغیرات سے باخبری، مطالباتِ زمانہ کو شرعی تناظر میں دیکھنے اور انھیں بہ خوبی حل کر لینے کی قابلِ صد رشک قابلیت کے ساتھ جرأت و بسالت اور خوے اسد اللہی کی وہ اسپرٹ (Spirit) بھی بہ تمام و کمال شامل ہے، جس نے انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے سرِ آغاز میں ان کے دادا مولانا محمد علی مونگیریؒ کی ذات میں متمثل ہو کر قادیانی مذہب کے تار و پود بکھیر دیے تھے اور جو ان کے یگانۂ عصر والدِ گرامی کی شکل میں نصف صدی سے زائد تک سیاسی برہمنوں کی لغزیدہ پائیوں کو سرِ عام رسوا کرتی رہی؛ اس لیے جہاں مولانا ولی رحمانی کی تقریریں آتش بہ داماں، دل و دماغ میں تلاطم برپا کر دینے والی اور حکومت کے ساتھ ان تمام عناصر پر نقدِ صریح کرنے والی ہوتی ہیں، جو کسی بھی طور سے مسلمانوں کے اجتماعی شعور کا استحصال کرتے یا اس پر شب خوں مارنا چاہتے ہیں، وہیں ان کے قلم سے نکلے ہوئے فکر پاروں میں بھی بلا کی قوت اور ایک خاص قسم کا طنطنہ پایا جاتا ہے۔

مولانا کا ایک خاص وصف، جس میں وہ موجودہ طبقۂ علما میں یقیناً متفرد و بے مثیل ہیں، وہ قانونی باریکیوں سے ان کی بصیرت مندانہ واقفیت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ جب بھی حکومت کوئی ایسا قانون لانا چاہتی ہے، جو مسلمانوں اور ان کی شریعت سے متصادم ہوتا ہے، تو نہ صرف مولانا زبان سے اس کی مخالفت کرتے، اپنی زلزلہ افگن تقریروں سے اس کی دھجیاں بکھیرتے اور تمام مسلمانوں کو اس کے خلاف کھڑا کر دیتے ہیں؛ بلکہ اپنے جادو نگار قلم سے بھی اس کا علمی و منطقی تجزیہ پیش کرتے اور ملت کے باشعور ذہنوں کو اس کی سمّیت سے باخبر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، مولانا کے تحریری سرمایے میں زیادہ تر کتابیں اسی نوعیت کی ہیں، مثلاً: ''ممبئی ہائی کورٹ کا تازہ فیصلہ عدالتی روایات کے پسِ منظر میں''، ''سماجی انصاف، عدلیہ اور عوام''، ''مفت اور لازمی تعلیم بچوں کا قانونی حق''، ''مرکزی مدرسہ بورڈ اور اقلیتوں کی تعلیم''، ''مسلم پرسنل لا بورڈ اور ہندوستانی قانون''،

''مدارسِ اسلامیہ اور مسلمانوں پر وزارتی رپورٹ کے اثرات''،''وزارتی گروپ کی رپورٹ مسلمانوں اور مدارسِ اسلامیہ کے خلاف''،''اقلیتوں کی تعلیم اور حکومتِ ہند کو چند عملی مشورے''،''اقلیتوں کی تعلیم: چند قانونی اور عملی مشورے''،''اقلیتی تعلیمی کمیشن ایکٹ: ایک مختصر جائزہ''اور حال ہی میں آر ٹی ای اور ڈائریکٹ ٹیکسیز کوڈ جیسے صریح مسلم مخالف اور زہر ناک قوانین کے مضمرات وعواقب سے باخبر کرنے والی ان کی تحریریں، جو ہندوستان کے بیشتر اخبارات میں شائع ہوئیں اور حلقۂ اربابِ علم و دانش پر ان کا خاطر خواہ اثر پڑا اور ہندوستان کے تقریباً تمام مسلمانوں نے انہیں یک قلم مسترد کردیا۔

ویسے مولانا کی مطبوعہ کل تصنیفات کی تعداد بائیس ہے، جو سیاسیات کے ساتھ علمی، سماجی، اصلاحی وسوانحی موضوعات پر لکھی گئی تحریروں کے مجموعے ہیں، جب کہ شخصیات ہی پر تاثراتی مضامین کا ایک مجموعہ''تاباں، درخشاں، جاوداں''،تقریروں کا مجموعہ''خطباتِ ولی''اور اعزہ واقربا اور منتسبین ومتوسلین کو لکھے گئے ان کے خطوط کا مجموعہ''مکاتیبِ ولی''زیرِ طبع ہیں۔

مولانا محمد سالم جامعی
۱۹/دسمبر ۱۹۴۴ء-۳محرم الحرام ۱۳۶۴ھ

گزشتہ نصف صدی سے سنجیدہ ومعتبر صحافتی خدمات انجام دے رہے مولانا محمد سالم جامعی ریڑھی، تاج پورہ، ضلع سہارن پور سے وطنی تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی وثانوی تعلیم جامعہ اسلامیہ ریڑھی، تاج پورہ ہی میں حاصل کی اور ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورے کی تکمیل کی۔

قلم سے راہ ورسم طالبِ علمی ہی کے زمانے میں قائم ہوئی، فراغت کے جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ سے منسلک ہوئے اور وہاں سے ایک ماہانہ رسالہ''المصلح''نکالا، جو تین سال تک جاری رہا، مظفر نگر کے بھی ایک ماہ وار رسالہ''خیر خواہ''کی ادارت کی، جو تقریباً دو سال تک جاری رہا، ۱۹۸۸ء میں جمعیتِ علمائے ہند کے ہفتہ وار آرگن''الجمعیۃ''کے مدیر مقرر کیے گئے اور تب سے اب تک بہ حسن وخوبی اس کی ادارتی ذمے داریاں نبھا رہے ہیں۔

مولانا محمد سالم جامعی کی صحافتی جولانیاں گزشتہ پچاس برسوں سے جاری ہیں اور اِدھر پچیس سال سے وہ اردو کے معروف اور تاریخی اخبار''الجمعیۃ''مدیر ہیں، یہ وہ اخبار ہے، جس نے معرکۂ

آزادی کو شعلہ بہ داماں بنانے اور مردانِ حریت کے جذبہ و ہمت کو عروج بخشنے میں مرکزی رول ادا کیا تھا، جس کے ادارۂ تحریر میں مولانا محمد عرفان، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ناز انصاری، مولانا عثمان فارقلیط، مولانا وحید الدین خان اور مولانا اسرار الحق قاسمی جیسے قد آور انِ صحافت شامل رہے ہیں اور جو اپنی عمر کا خاصا طویل عرصہ گزار چکا ہے۔

یوں تو یہی مولانا جامعی کی صحافتی قابلیت کی ایک واضح اور بڑی دلیل ہے کہ وہ ربع صدی سے مسلسل ایسے شہرۂ آفاق اخبار کی ادارت انجام دے رہے ہیں، مگر دوسری مہتم بالشان دلیل اس اخبار کے ادارتی صفحات پر شائع ہونے والے ان کے گراں قدر تجزیاتی مضامین بھی ہیں، مولانا جامعی کی تحریریں اُن کی عمیق تر سیاسی بصیرت، علمی ہمہ جہتی، فکری آفاقیت اور شعور و احساس کی تازگی و شگفتگی کی آئینہ دار ہوتی ہیں، مولانا جامعی کے تجزیوں میں ایک خاص قسم کی توانائی اور قوت پائی جاتی ہے، جو انھیں پروفیشنل صحافیوں سے ممتاز بھی کرتی ہیں اور انفرادیت بھی عطا کرتی ہیں، مولانا جامعی کا قلم عصرِ حاضر کے ان اصحابِ صحافت سے یکسر مختلف ہے، جو اپنے ذہن و دماغ کو ہواؤں کے رخ کا رہین رکھ کر لکھتے اور طفلانہ افکار کے اظہار کو ہی اپنی قلمی فتوحات کی معراج سمجھ لیتے ہیں، حقائق کی صورت گری اور واقعات کی بعینہ عکاسی اور پھر ان سے درست نتائج اخذ کرنے کا جو ہنر مولانا جامعی کو آتا ہے، وہ صرف ان ہی کا حصہ ہے۔

مولانا جامعی کے قلمی کمالات کا ایک خاص پہلو ان کی تحریروں میں پائے جانے والے الفاظ کی روانی و سلاست بھی ہے، وہ مشکل سے مشکل مطالب کی ادائیگی اور کٹھن سے کٹھن مسئلے کی تعبیر و تشریح اس چابک دستی سے کرتے ہیں کہ وہ مسئلہ بالکل آئینہ ہو جاتا ہے اور قاری کے ذہنی اطمینان و سکون کا باعث بھی۔

مولانا جامعی اب تک سیاسی، سماجی، دینی، اخلاقی و سوانحی موضوعات پر سیکڑوں مضامین لکھ چکے ہیں اور تاہنوز ان کا قلم رواں اور حوصلہ جواں ہے، مگر اب تک ان کے مطبوعہ مقالات کا کوئی مجموعہ منظرِ عام پر نہیں آسکا ہے، البتہ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ میں منعقدہ ''بانیانِ جامعہ سیمینار''، اسی طرح ''الاستاذ حشمت علي'' کے عنوان سے ہونے والے سیمینار کے مقالات کے مجموعے ان ہی کے ترتیب دادہ ہیں، نیز ہفت روزہ ''الجمعیة'' کا ''فدائے ملت نمبر'' اور ''امیر الہند نمبر'' بھی ان ہی کی جاں فشانیوں اور بلند تر علمی، فکری و تنظیمی شعور کے نمونے ہیں۔

مولانا حسن الہاشمی

پ: ۱۰؍اپریل ۱۹۴۹ء - ۸؍جمادی الاخریٰ ۱۳۶۸ھ

اردو میں توانا قلم کے مالک مولانا حسن الہاشمی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میرٹھ میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

دارالعلوم میں طالب علمی ہی کے دوران باضابطہ لکھنے لگے اور اسی زمانے میں اُن کے قلم سے دوسو سے زائد مضامین اور افسانے ماہ نامہ "شمع"، "بیسویں صدی"، "بڑھتے قدم"، "رگِ سنگ"، "آفتاب سحر" وغیرہ میں شائع ہوئے۔ فراغت کے بعد دیگر مجلات ورسائل میں پیہم مقالہ نگاری کے ساتھ مولانا عامر عثمانی کے مشہور ومقبول ماہ نامہ "تجلی" میں بھی باضابطہ لکھتے رہے، پھر ان کی وفات کے بعد پانچ سال تک اس کی ادارت بھی کی، اس کے علاوہ دیوبند ہی سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ اخباری پرچہ "اجتماع" کے بھی مدیر رہے۔

گزشتہ بیس سال سے مولانا کے زیرِ ادارت ماہ نامہ "طلسماتی دنیا" نکل رہا ہے، اس پرچے میں بنیادی طور پر روحانی عملیات اور ان سے متعلق مواد شائع ہوتے ہیں اور اس کا حلقۂ اثر ہندوستان کی سرحدوں سے گزر کر پاکستان، انگلینڈ، امریکہ اور خلیج کے بیشتر ممالک تک پہنچ چکا ہے اور اس کا سرکولیشن بھی دیوبند کے تمام رسائل میں سب سے زیادہ ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس رسالے کی اس درجہ مقبولیت میں اس کے "روحانی خط وخال" اور "روحانیات" سے دل چسپی رکھنے والوں کی دنیا بھر میں کثیر تعداد کی کارفرمائی ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے ادارتی صفحات پر مختلف علمی، دینی، سیاسی، سماجی واصلاحی موضوعات پر شائع ہونے والے مولانا حسن الہاشمی کے شذراتِ قلم بھی غیر معمولی معنویت کے حامل ہوتے ہیں اور ان میں ادب وزبان کی شیرینی وجاذبیت کے ساتھ افکار وخیالات کا اجلاپن، قوت، رفعت اور وسعت بھی بھرپور طور پر پائی جاتی ہے اور اس کی اس شہرت ومقبولیت میں یقیناً اس کا بھی دخل ہے۔

"طلسماتی دنیا" کا ایک اور کالم، جو بہت ہی دل چسپی کے ساتھ پڑھا جاتا اور مولانا عامر عثمانی کے "مسجد سے مے خانے تک" کی یاد تازہ کرنے والا ہوتا ہے، وہ "اذانِ بت کدہ" ہے،

اس کالم میں مولانا ہر ماہ کسی اہم واقعے یا خبر پر طنزیہ مضمون لکھتے اور دل چسپ، سحر آگیں اور پُر کشش اسلوب میں حقائق کے چہرے سے مکروفریب اور ملمع کاری کے غبار کو صاف کرتے ہیں، مولانا کے ۲۰۰۶ء تک کے طنزیہ مضامین کا ایک مجموعہ بھی ''اذانِ بت کدہ'' ہی کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر بے پناہ مقبول ہوا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں شائع ہونے والے قسط وار ناول بھی ادب نواز حلقے میں خاص اہمیت رکھتے اور ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

مولانا حسن الہاشمی شعرِ وسخن کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں، ایک زمانے میں ان کے اشعار دیوبند کے ادب شناس حلقوں کے وردِ زبان رہا کرتے تھے اور گو اب اس کا سلسلہ تقریباً ترک کر چکے ہیں، مگر پھر بھی ان کی غزلیات، جو طالبِ علمی کے دوران اور اس کے بعد بھی ایک عرصے تک مختلف فرضی ناموں سے بہت سے ادبی رسالوں میں شائع ہوئیں ہیں، ان کو جمع کیا جائے تو ایک قیمتی شعری مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

پ: ۲۰/دسمبر ۱۹۵۰-۱۰/ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

مشرقی تنقیدی روایتوں اور رویوں کی تعبیر، تفہیم وتشریح اور گم گشتہ ادبی قدروں کی بازیافت کرنے کے حوالے سے اپنی شناخت رکھنے والے عصرِ حاضر کے ممتاز ادیب ونقاد پروفیسر ابوالکلام قاسمی کی طلبِ علم کا آغاز اُن کے آبائی وطن ''دوگھرا''، ضلع دربھنگہ سے ہوا اور اُنھوں نے وہیں ابتدائی وثانوی تعلیم مکمل کی، ۱۹۶۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۷ء میں امتیازی نمبرات کے ساتھ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

مذہبی علوم کی تکمیل کے بعد عصری علوم کے حصول کی خاطر دہلی آئے، ۱۹۷۰ء میں ہائر سیکنڈری اسکول (جامعہ ملیہ اسلامیہ) پاس کیا، ۱۹۷۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے (اردو) اور ۱۹۷۵ء میں ایم اے کیا اپنی فطری قابلیت، جہد واجتہاد کی قابلِ رشک خو اور مطالعہ کی بے کراں وسعت کی بہ دولت دیوبند میں بھی نمایاں رہے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ اور اے، ایم، یو میں بھی تفوّق وامتیاز ان کے قدم بوس رہا۔

ان کی غیر معمولی قابلیتوں کے پیشِ نظر ۱۹۷۶ء میں اے، ایم، یو میں لیکچرر کی حیثیت سے ان کا تقرر کیا گیا، ۱۹۸۴ء میں یہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اسی سال ریڈر کی حیثیت سے ملازمت میں ترقی ہوئی، ۱۹۹۳ء سے تا حال شعبۂ اردو کے پروفیسر ہیں، جب کہ ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۹ء تک شعبے کے چیرمین بھی رہ چکے ہیں۔

ابوالکلام قاسمی کی ادب وتنقید سے شناسائی دار العلوم کے قیام ہی کے زمانے میں ہو چکی تھی، جس نے اس وقت کے دینیات کے طالبِ علم "ابوالکلام" کو آیندہ کا عظیم ادیب ونقاد بنا دیا، جب وہ دیوبند میں طالبِ علم تھے، تو اپنے ذوق اور میلانِ طبع کے موافق اپنے استاذِ خاص مولانا انظر شاہ کشمیری سے حدیث وفقہ وتفسیر کے علاوہ زبان وادب میں بھی استفادہ کرتے، شاہ صاحب نے مسلسل جہاں ابوالکلام صاحب کی مذہبی علوم میں رہنمائیاں کیں، وہیں مختلف ادبیات کے سمجھنے میں بھی ان کی خاطر خواہ مدد کی، فارسی کے کلاسیکل ادب وشاعری کو سمجھنے کے لیے انہیں مولانائے روم کی "مثنوی" اور "تزکِ جہانگیری" کے مطالعے کی تلقین کی، اسی طرح اردو شاعری کے ابوالآبا مرزا غالب کی بیسیوں غزلوں کی گتھیاں اس باریک بینی سے سلجھائیں کہ یہی چیز آگے چل کر قاسمی صاحب کی ادب فہمی وشعر شناسی کی کلید ثابت ہوئی، ابوالکلام قاسمی نے شاہ صاحب پر اپنے ایک تأثراتی مضمون میں اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے بہ قلمِ خود لکھا ہے:

> "مجھے مولانا روم کی طرف سب سے پہلے انھوں نے ہی متوجہ کیا، "تزکِ جہانگیری" پڑھنے کی تلقین بھی انھوں نے ہی کی اور میرے لیے مرزا غالب کے فارسی و اردو کلام کی گتھیاں سلجھائیں، وہ کہا کرتے تھے کہ: "اگر مرزا غالب کی دس بیس غزلیں بھی آپ اچھی طرح سمجھ لیں، تو ساری اردو شاعری کی شعری منطق آپ کی سمجھ میں آجائے گی"، یہ عجیب نکتے کی بات تھی، جو ہنوز میرے لیے ادب فہمی وشعر شناسی کی کلید ہے، مرزا غالب کی کئی غزلیں انہوں نے ہمیں تمام صنائع و بدائع، فنی رموز اور لسانی باریکیوں کی نشان دہی کے ساتھ سمجھائی تھیں، آج یاد کرتا ہوں، تو حیرت ہوتی ہے کہ اگر میرے تحت الشعور میں خاصی کم عمری میں ہی ایسی فنی باتیں نہ بٹھا دی جاتیں، تو آج تک شعر وادب کی بہت سی مبادیات ہمارے لیے ناقابلِ فہم ہی رہتیں"۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ ابوالکلام قاسمی نے دیوبند سے نکلنے اور علی گڑھ سے وابستہ ہونے کے بعد زبان وادب ہی کو اپنے فکر وقلم کی جولان گاہ بنایا اور ادب کی مختلف اصناف افسانہ نگاری وشعر

---

(۱) بڑا ہے درد کا رشتہ، مشمولہ: سہ ماہی حسن تدبیر، نئی دہلی، محدث عصر مولانا انظر شاہ کشمیری نمبر، مدیر: اعجاز عرفی قاسمی۔

گوئی وغیرہ کے طلسم سے آزاد ہوکر بالآخر تنقید نگاری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور اس صنف میں ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ آج وہ اردو و فارسی شعریات کی تنقید کے حوالے سے مشرقی طرز ہائے فکر کو موجودہ ادبی منظرنامے پر ابھارنے اور ان کی اہمیت و برتری سے آج کے شیشہ گرانِ فرنگ کے ممنون تنقید نگاروں کو آگاہی بخشنے والے منفرد نقاد کی حیثیت رکھتے ہیں، انھوں نے اس حوالے سے کئی ایک تخلیقی و تجزیاتی تجربے بھی کیے ہیں، جنھیں عصرِ حاضر کے معروف ادیبوں نے نہ صرف سراہاہے؛ بلکہ ان کی روشنی میں قاسمی صاحب کے تمیُز و انفرادیت کو تسلیم بھی کیا ہے۔

ابوالکلام قاسمی ایک طویل عرصے سے ادبی صحافت سے بھی وابستہ ہیں؛ بلکہ ان کی کئی ایک ادبی وتنقیدی تصنیفات کے مقالے ملک کے مشہور رسائل میں چھپنے کے بعد ہی مرتب ہوئے ہیں، ویسے تو قاسمی صاحب نے دیوبند میں بھی خوب لکھا اور دارالعلوم کے جداری میگزینوں میں ان کی تحریریں شائع ہوتی رہیں، مگر علی گڑھ پہنچنے کے بعد ان کا ایک مضمون، جو ماہ نامہ ''نشانات'' مالیگاؤں میں چھپا، وہ کسی رسالے میں چھپنے والا پہلا مضمون تھا اور قاسمی صاحب اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیکچرر ہو چکے تھے، دو سال (۱۹۷۵ء-۱۹۷۶ء) ''علی گڑھ میگزین'' کے مدیر رہے اور یہ گو کہ اس وقت کی معاصر ادبی دنیا میں ان کا تازہ ورود تھا، مگر غیر معمولی ادبی صلاحیتوں کی وجہ سے انھیں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، اس کے بعد دو ماہی ''الفاظ'' نکالا، جس کی کل مدّتِ اشاعت چار سال (۱۹۷۶ء-۱۹۸۰ء) رہی، پھر ماہ نامہ ''انکار'' جاری کیا، جو تین سال (۱۹۸۳ء-۱۹۸۵ء) کی حیاتِ مستعار گزار کر مرحوم ہو گیا۔

قاسمی صاحب کے آغاز کے یہ تجربات گو دیرپا ثابت نہیں ہوئے، مگر ان کی اس وقت کے ادبی ماحول پر گہری چھاپ رہی اور ان دونوں رسالوں نے ادب شناس و ادب نواز حلقوں میں اپنی انفرادیت کے خاصے گہرے نقوش چھوڑے۔

ابوالکلام قاسمی کی ادارت میں شائع ہونے والے ان دونوں پرچوں میں جہاں وقت کے مشاہیرِ ادب گوپی چند نارنگ، پروفیسر شہریار، شمیم حنفی، قرۃ العین حیدر، شمس الرحمٰن فاروقی، ساقی فاروقی اور انتظار حسین کی ادبی و تخلیقی نگارشات شائع ہوتی تھیں، وہیں ان کے ہر شمارے میں کسی نہ کسی ادبی موضوع پر کسی بڑے ادیب یا شاعر کا انٹرویو اور مباحثہ بھی بہ اہتمام شائع کیا جاتا تھا، نیز

ہر شمارے میں معاصر شعرا کی تازہ غزلیات کو بھی جگہ دی جاتی تھی، ان ہی خصوصیات و امتیازات کی بنا پر قاسمی صاحب کے دونوں رسالوں نے جلد ہی کافی مقبولیت حاصل کر لی، حالاں کہ اس وقت "شعور"، "اظہار"، "معیار"، "شب خوں" اور "شاعر" جیسے رسالوں کی پورے ملک میں دھوم تھی اور ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے رسالے کے اعتبار کا چراغ روشن ہونا بڑا مشکل تھا۔(۱)

۱۹۹۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ترجمان اردو مجلہ ماہ نامہ "تہذیب الاخلاق" کے مدیر بنائے گئے اور پندرہ سال سے زائد عرصے تک اس کی انتہائی کامیاب ادارت کی، ستمبر ۲۰۱۲ء سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ادبی و تحقیقی مجلہ سہ ماہی "فکر و نظر" کی ادارت بھی ان ہی کو سونپی گئی ہے۔

فی الوقت قاسمی صاحب کی انتہائی وقیع ادبی و تنقیدی تحریریں ہندوستان کے تقریباً تمام ادبی رسالوں کے علاوہ پاکستان کے بیش تر رسالوں میں بھی چھپتی ہیں، ان کی ہر تحریر موجودہ ادبی دنیا میں برہان و استناد کا درجہ رکھتی ہے، ان کے ادبی و تنقیدی نظریوں کو نہ صرف بہ طور حوالہ کے پیش کیا جاتا ہے؛ بلکہ بیش تر ادیبوں اور نقادوں کی رائیں وہیں آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔

مولانا اعجاز احمد اعظمی

پ: ۵ر فروری ۱۹۵۱ء - ۲۷ر ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

مشرقی یوپی کے مردم خیز خطے اعظم گڑھ سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر فقیہ، کامیاب مربی اور بافیض عالمِ دین مولانا اعجاز احمد اعظمی نے تعلیم کی ابتدا تو عصری علوم سے کی تھی، مگر یہ قدرت کو منظور نہ تھا؛ چناں چہ بہ ظاہر ایک معمولی سے واقعے نے ان کے قلبِ حساس پر غیر معمولی اثر کیا اور انہوں نے جدید علوم کی تحصیل سے ہاتھ اٹھا لیا، اس کے بعد دینیات کی طرف متوجہ ہوئے اور اول عربی تک کی کتابیں مولانا عبدالستار اعظمی سے پڑھیں، سالِ دوم میں مدرسہ احیاء العلوم، مبارک پور میں داخل ہوئے اور پنجم تک یہاں پڑھا، سالِ ششم میں ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، مگر بہ وجوہ سال مکمل ہونے سے پہلے ہی انھیں دارالعلوم کو خیر باد کہنا پڑا اور ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم حسینیہ، محلّہ چلہ، امروہہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

---

(۱) پروفیسر ابوالکلام قاسمی: شخصیت اور ادبی خدمات، ماہ نامہ کتاب نما، مرتب: ڈاکٹر مشتاق صدف، مطبوعہ: جون ۲۰۰۶ء۔

فراغت کے بعد ایک سال ٹیپو سلطان کے شہر بنگلور کی ایک مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد درس وتدریس سے وابستہ ہوئے اور بالترتیب مدرسہ قرآنیہ، جونپور، مدرسہ ریاض العلوم، گورینی جون پور، مدرسہ دینیہ، غازی پور اور جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب بنارس میں ابتدا سے لے کر درجاتِ علیا تک کی بیش تر کتابیں پڑھائیں اور فی الحال تقریباً بیس سال سے مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، اعظم گڑھ کے استاذ ہیں اور صدارتِ تدریس کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔

مولانا کو دینی علوم میں جو تبحر، رجال سازی کا جو ملکہ اور درسیات کے مغلقات کی تفہیم میں جو یدِ طولیٰ حاصل ہے، اس سے تو معاصر طبقۂ علما وطلبہ بہ خوبی واقف ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مولانا تحریر وانشا کا بھی نفیس ذوق رکھتے ہیں اور ان کا ادبی وصحافتی شعور بھی نہایت درجہ عمیق ہے، جن لوگوں نے مختلف رسائل وجرائد میں ان کے مقالات یا ان کے مجموعوں کا مطالعہ کیا ہوگا، انہیں اس کا ضرور احساس ہوگا۔

دینیات میں انتہائی مہارت وبراعت کے ساتھ مولانا کے قلم میں بھی بڑی توانائی، حسن اور دل کشی پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ مولانا کے خاندان کا متوارث علمی وادبی ماحول ہے، مولانا کا گھرانا ایک عرصے سے علم پرور وادب نواز تھا اور ان کے گھر میں مختلف ادبی وتاریخی کتابوں کے ساتھ ہندوستان کے مشہور علمی وادبی رسائل کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، جو ان کے والد منگایا کرتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ مولانا کو آغازِ شعور ہی میں چوٹی کے اہلِ علم وقلم کی تحریریں پڑھنے کے مواقع ملے، روزنامہ ''الجمعیۃ''، ماہ نامہ ''مولوی''، ماہ نامہ ''نظام المشائخ''، ''پیشوا''، ''حریت''، ''تجلی''، ''پاسبان''، ''الفرقان''، ماہ نامہ ''احسن'' رام پور، ''ہمدردِ صحت'' دہلی اور علامہ نیاز فتح پوری کے ''نگار'' جیسے ملکی پیمانے پر شہرت رکھنے والے رسائل واخبارات کے علاوہ بہت سے ادبی وتاریخی ناولوں سے بھی انھیں خاصی مزاولت رہی۔

عمر وشعور کے رو بہ تقدم ہونے کے ساتھ مولانا کے ذوقِ مطالعہ میں مزید فراوانی آ گئی اور دینیات ودرسیات کی بے شمار کتابوں کے ساتھ عربی واردو شعریات وادبیات کا بھی بڑا حصہ کھنگال ڈالا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

جہاں تک مولانا اعظمی کی تحریر وانشا کا تعلق ہے، تو ویسے تو انھوں نے کچھ نہ کچھ زمانۂ طالب علمی میں بھی لکھا، مگر اس وقت ان کے ذہن ودماغ کی تمام تر توجہات لکھنے سے زیادہ پڑھنے پر مرکوز تھیں، ان کے قلم میں اصل تیز گامی تب آئی، جب انہیں یکے بعد دیگرے کئی ایک مجلوں کی ادارتی ذمے داریاں سونپی گئیں۔

سب سے پہلے مولانا کو سہ ماہی ''المآثر'' کا مدیر بنایا گیا، اس رسالے کا اجرا ۱۹۹۲ء میں ابوا لمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی یاد میں ان کے صاحب زادے مولانا عبدالرشید اعظمی نے کیا تھا، مولانا اعجاز احمد اعظمی شروع ہی سے اس کے مدیر ہیں اور زبان و بیان اور علم وتحقیق کے حوالے سے اہلِ علم ودانش کے یہاں اس رسالے کی ایک منفرد شناخت ہے۔

مدرسہ انوار العلوم، جہانا گنج، اعظم گڑھ سے جنوری ۱۹۹۶ء میں ایک ماہانہ رسالہ ''انوار العلوم'' جاری ہوا اور اس کی ادارت بھی مولانا اعظمی کے سپرد ہوئی، مولانا نے اس رسالے کو بھی بہترین آغاز دیا، مگر بہ وجوہ اس کی عمر بہت مختصر ثابت ہوئی اور پندرہ شماروں کے بعد یہ رسالہ غُفرلہ ہوگیا۔

جنوری ۲۰۰۱ء میں مدرسہ شیخ الاسلام سے ایک رسالہ شروع کیا گیا اور اس کی ادارت و سرپرستی بھی مولانا ہی کے حصے میں آئی، اس رسالے کے شروع کے اٹھارہ شمارے ''الاسلام'' کے نام سے شائع ہوئے، پھر جب حکومت نے ''ضیاءالاسلام'' کے نام سے اس کی منظوری دی، تو یہ اس وقت سے اسی نام سے نکل رہا ہے۔

ان رسالوں کے علاوہ دیگر بہت سے رسائل وجرائد میں مولانا کی تحریریں چھپتیں اور ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں، مولانا چوں کہ بالغ نظر عالمِ دین ہیں اور اپنے مقام ومنصب کا بہ خوبی ادراک رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کی تحریریں زیادہ تر مسلم معاشرہ اور اس میں در آنے والی گوناگوں کوتاہیوں اور فساد واعوجاج کی نشان دہی کرتیں اور ان سے استخلاص کے اسلامی، قرآنی اور نبوی طریقے بتانے والی ہوتی ہیں، وہ قرآن وحدیث کے براہین اور اسلام کے مسلّمہ دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسلم قوم کی کامیابی صرف اور صرف اسلام میں ہے، اس کے علاوہ سب راہیں زیغ وضلال کی ہیں، نقصان وخسران کی ہیں اور ابدی حرماں نصیبیوں کی ہیں۔

مولانا کی تحریروں کا ایک اور خاصہ یہ بھی ہے کہ اس کے باوجود کہ وہ اکثر وبیش تر سادہ اور اسلامی موضوعات پر لکھتے ہیں اور بے ساختہ لکھتے ہیں، الفاظ وتعبیرات کی تجمیل وتحسین کی کوئی شعوری کوشش نہیں کرتے، مگر پھر بھی ان کی ہر تحریر میں ایک حسن پایا جاتا ہے، دل کشی پائی جاتی ہے اور قاری کو دعوتِ نظارہ دینے کی ایک خاص صفت، جو اسے اس پر مجبور کر دیتی ہے کہ جب تک وہ اسے بتمامہٖ نہ پڑھ لے، دست انداز نہ کرے۔

مولانا نے اپنے رسالوں میں مختلف موضوعات پر جتنے مقالے تحریر کیے ہیں، ان میں سے اکثر کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکے ہیں، مثلاً:

''مدارس اسلامیہ: مشورے اور گذارشیں''، یہ مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں طلبۂ مدارس، اساتذہ اور ذمہ دارانِ مدارس کو خطاب کرتے ہوئے، ان وسائل وذرائع کے اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے، جو مدارس اسلامیہ کی افادیت اور ان کے مثبت کردار کو نمایاں کرنے اور معاشرے میں ماضی کی طرح قابل قدر رول ادا کرنے میں ان کے کام آسکتے ہیں۔

''اخلاق العلما''، اس میں علما کو ان کی حیثیت سے روشناس کرایا گیا ہے اور انھیں ان کے منصب کے مقتضیات پر عمل کرنے کی ترغیب وتشویق دلائی گئی ہے۔

''دین داری کے دو دشمن: حرصِ مال اور حبِّ جاہ''، عصرِ حاضر کے پس منظر میں لکھی گئی ایک عبرت انگیز اور چشم کشا تحریر!۔

''فتنوں کی طغیانی''، برقی ترقیات اور فتح مندیوں کے اس دور میں ٹی وی دیکھنے کی نہ صرف یہ کہ شناعت ذہنوں سے محو ہو چکی ہے؛ بلکہ آج کا متنور معاشرہ اسے لوازمِ حیات میں شامل کرنے پر تلا ہوا ہے، اس کتاب کے مضامین ٹی وی کے ذریعے مسلمانوں میں پھیل رہے سماجی انتشار اور اخلاقی بحران کو واشگاف کرتے اور اہلِ ایمان کے ذہنوں کو جھنجھوڑتے اور ان کی خوابیدہ حس کو کچوکے لگاتے ہیں۔

''حدیثِ دوستاں''، یہ علمی، دینی واصلاحی مکاتیب کا مجموعہ ہے۔

''کھوئے ہوؤں کی جستجو''، کم وبیش تیس سال کے عرصے میں وفات پانے والے مشاہیرِ علم وادب کے تذکروں پر مشتمل ایک دل چسپ کتاب، تذکرہ نویسی کا عمدہ نمونہ!۔

’’بہ طوافِ کعبہ رفتم‘‘ سفرِ حجاز کی روح پرور اور دل کش روداد، حرمین شریفین سے قلبی محبت اور والہانہ شیفتگی میں ڈوبی ہوئی تحریر، جس کی سرور انگیزیاں قاری کو بے خود و وارفتہ کر دیتیں اور اس پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

’’حدیثِ درد دل‘‘، یہ مولانا کے ان اداریوں کا منتخب مجموعہ ہے، جو انہوں نے ’’ضیاء الاسلام‘‘، ’’المآثر‘‘ اور ’’انوار العلوم‘‘ میں لکھے ہیں، یہ دینی، اصلاحی، فکری و سیاسی موضوعات پر تحریر کیے گئے ہیں۔

مولانا اعظمی کی خود نوشت سوانح ’’حکایتِ ہستی‘‘ بھی ایک دل چسپ کتاب ہے، جس میں انہوں نے اپنی ہستی کی تمام تر حکایات دل کھول کر اور بے کم و کاست بیان کی ہیں، زندگی میں پیش آنے والے تمام تر حادثات و واقعات کی یادوں کو نہاں خانۂ ذہن سے کاغذ کے صفحات پر ہو بہو منتقل کیا ہے اور اپنی خوبیوں کے ساتھ خامیوں کو بھی کسی مصلحت یا تاویل کا نقاب ڈالے بغیر بیان کیا ہے، ساتھ ہی الفاظ کی سلاست اور طرزِ نگارش کی بے تکلفی و برجستگی نے کتاب کی ادبی قدر و قیمت میں بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور اس طرح مولانا کی ’’حکایتِ ہستی‘‘ خود نوشت سوانح حیات (Autobiography) کے ذخیرے میں ایک ’’وقیع اضافہ‘‘ بن گئی ہے۔

ان کے علاوہ بھی مختلف اصلاحی و سماجی موضوعات پر مولانا اعجاز احمد اعظمی کے مقالات کے کئی مجموعے چھپ چکے ہیں اور انہیں اپنی معنویت، اثر انگیزی اور افادیت کی بنا پر بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔(۱)

---

(۱) مولانا اعظمی کی قلمی زندگی کے تعلق سے بنیادی معلومات ان کی خود نوشت سوانح ’’حکایتِ ہستی‘‘ اور مجموعۂ مضامین ’’حدیثِ درد دل‘‘ سے حاصل کی گئی ہیں۔

انجم عثمانی

پ: ۸/۱اکتوبر ۱۹۵۲ء - ۱۸/محرم الحرام ۱۳۷۲ھ

ادب وصحافت دونوں کی زلفوں کو یکساں طور پر سنوارنے اور ان کے حسن وجمال کو دوبالا کرنے میں مصروف انجم عثمانی سرزمینِ دیوبند کے اُس خانوادے سے نسبت رکھتے ہیں، جو کم و بیش دوسو سال سے ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق بنا ہوا ہے، اب بھی جس کی تابانیوں میں ادنیٰ کمی نہیں آئی ہے اور پوری علمی وادبی دنیا جس کے گراں قدر احسانات تلے دبی ہوئی ہے، دارالعلوم دیوبند کے چھ ارکانِ تاسیسی میں سے ایک مولانا فضل الرحمٰن عثمانی اُن کے پر دادا، تحریکِ آزادیِ ہند کے رکنِ رکین اور اپنی زبان وخطابت کی سحر کاری کے ذریعے ہواؤں کا رخ موڑ کر رکھ دینے والے شیوابیاں خطیب علامہ شبیر احمد عثمانی، دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، دارالعلوم کے چھٹے مہتمم فخرالہند مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی وغیرہ ان کے خاندان کے بزرگ اور ہندوستان کی علمی وفکری تاریخ کو نمایاں طور پر متاثر کرنے والے افراد ہیں، انجم عثمانی کی تعلیم از آغاز تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور ۱۹۶۸ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کرکے فضیلت کی سند حاصل کی۔

دارالعلوم کے قیام کے دوران ہی ادب وصحافت سے رشتہ جڑا، جو ماحول کی مساعدت اور مواقع کی دست یابیوں کی بہ دولت لگاتار قوت وتوانائی کی منزلیں طے کرتا گیا، دارالعلوم میں انھوں نے اپنے ذوق وخیال سے، ہم آہنگ احباب کے ساتھ مل کر ایک ادبی انجمن ''بزمِ شایستہ'' بنائی، پھر اسی کے تحت ایک دیواری میگزین ''پرواز'' شروع کیا، جس میں تخلیقی ادب کے پیش کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا تھا، اسی پرواز نے انجم عثمانی کی طاقتِ پرواز کو غیر معمولی ہمت و حوصلے سے سرشار کردیا اور اسی وقت ان کے چمکتے مستقبل کے آثار ہویدا ہونے لگے؛ چناں چہ طالبِ علمی ہی کے دوران انھیں دیوبند کے مشہور مقامی اخبار ''دیوبند ٹائمز'' کی ادارت سونپ دی گئی اور انھوں نے اس کے سیکڑوں اداریے اور مختلف عصری موضوعات پر بے شمار مضامین تحریر کیے، فراغت کے بعد دارالعلوم کے رسالہ ماہ نامہ ''دارالعلوم'' سے کچھ دنوں کے لیے وابستہ ہوئے اور اس کے قابل مدیر مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ کے زیرِ نگرانی لکھا، اس کے علاوہ دیوبند کے مشہورِ

روز گار مجلہ ''تجلی'' اور ماہ نامہ ''مشرب'' سے بھی ان کی وابستگی رہی اور اس دوران ان کے قلم کی آب میں بھرپور زندگی آگئی، اسی دوران انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی یوسی (p.u.c) اور جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیبِ کامل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

۱۹۷۱ء میں دہلی آگئے اور کچھ دنوں اس وقت کے وزیرِ تعلیم پروفیسر نورالحسن کے ساتھ لینگویج پی اے کے طور پر کام کیا، مگر مزید علوم کی تحصیل کے شوقِ فراواں نے انھیں ملازمت سے سبک دوشی پر مجبور کیا اور انھوں نے ۱۹۷۳ء میں دلی کالج میں بی اے آنرز میں داخلہ لے لیا، بی اے کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۸ء میں دہلی یونیورسٹی، دہلی سے ایم اے (اردو) امتیاز کے ساتھ پاس کیا، دلی کالج کی تعلیم کے دوران ہی انھیں ترقی اردو بیورو (حال قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان) ملازمت مل گئی، ۱۹۷۸ء میں این سی ای آرٹی کے شعبۂ اردو میں منتقل ہوگئے، جہاں مسلسل پانچ سال تک ہندوستان کے مشہور مزاح نگار مجتبیٰ حسین کے ساتھ مل کر کام کیا، جو اس وقت اس شعبے کے ایڈیٹر تھے۔

۱۹۸۲ء میں یونین پبلک سروس کمیشن (u.p.s.c) کا امتحان پاس کرکے آکاش وانی میں پروگرام ایگزیکٹیو کے طور ملازمت حاصل کی، پھر آکاش وانی سے ان کا انتخاب دوردرشن کے لیے ہوا، جہاں فلم اینڈ ٹیلی ویژن پروگرام پروڈکشن اینڈ ڈائریکشن کی تربیت حاصل کرکے دوردرشن کے پروگراموں کی ہدایت کاری کی ذمے داری سنبھالی اور اسے اب تک بہ تمام حسن وخوبی نبھارہے ہیں۔(۱)

دیوبند کے ''پرواز'' سے اپنے صحافتی کیریر کی بسم اللہ کرنے اور ہندوستان کے مقبول ترین ٹی وی چینل ''دوردرشن'' کے پروگراموں کی ہدایت کاری تک رسائی حاصل کرلینے والے انجم عثمانی بلاشبہ دیوبند کے موجودہ فضلا میں ایک اہم ترین اور نمایاں مقام رکھتے ہیں، جس طرح انھوں نے مطبوعہ صحافت پر اپنے بے پناہ مجاہدوں اور قلمی صلاحیتوں کی گہری چھاپ قائم کی تھی، اسی طرح ان کے خلاق مزاج اور درّاک فکر نے برقی صحافت میں بھی اپنی انفرادیتوں کا چراغ روشن کررکھا ہے، ان کے قلم سے اس موضوع پر ایک علم ریز وتحقیق آمیز تصنیف ''ٹیلی ویژن نشریات'' بھی منظرِ عام پر آچکی ہے، جس سے نہ صرف اردو لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ ہوا ہے؛ بلکہ اس کے

---

(۱) انجم عثمانی، کہیں کچھ کھوگیا ہے، کہانی مجھے لکھتی ہے، ط:۲۰۱۱ء۔

ذریعے انجم عثمانی کے ذہن ودماغ کی برّاقی کے درخشاں نقوش بھی ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

انجم عثمانی کے تمیز وتفوق کا ایک اور حوالہ ان کی افسانہ نگاری بھی ہے، وہ گزشتہ چار دہائیوں سے لگاتار افسانے بھی لکھ رہے ہیں اور اب تک ان کے چار مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں: پہلا مجموعہ ۱۹۷۸ء میں ''شب آشنا'' کے نام سے شائع ہوا تھا، دوسرا ۱۹۸۴ء میں ''سفر در سفر'' کے نام سے چھپا، تیسرے کی طباعت ''ٹھہرے ہوئے لوگ'' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی اور چوتھا مجموعہ ۲۰۱۱ء کے اخیر میں ''کہیں کچھ کھو گیا ہے'' کے نام سے چھپا ہے، انجم عثمانی کے یہ تمام افسانوی مجموعے اہلِ ادب کے یہاں بے انتہا مقبول ومشہور ہیں، اس کی ایک وجہ تو ان کا رسیلا اور پُر لطف اسلوبِ بیان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے تمام تر افسانوں میں حقائق کی عکاسی، سچائیوں کا انکشاف اور آپ بیتی کے آئینے میں جگ بیتی کی ترجمانی پائی جاتی ہے، دیوبند کے پروردہ انجم عثمانی کی فکشن نگاری کی وقعت ومعنویت کی دلیل اردو کے معروف محقق ونقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر وہاب اشرفی کے وہ ریمارکس ہیں، جن میں انہوں نے نہ صرف انجم عثمانی کو بہ حیثیت فکشن نگار تسلیم کیا ہے؛ بلکہ ان کے لسانی وفنی امتیازات کی طرف بھی اشارات کیے ہیں۔

مولانا نور عالم خلیل امینی

پ: ۱۸/دسمبر ۱۹۵۲ء - ۳۰/ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

عالمِ اسلام کے معروف ادیب ومعتبر صحافی مولانا نور عالم خلیل امینی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطنِ اصلی ''رائے پور''، ضلع سیتامڑھی (بہار) میں اور ثانوی تعلیم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، دارالعلوم مئو اور دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۹۷۰ء میں مدرسہ امینیہ میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، دارالعلوم دیوبند میں یکتائے عصر عالم وادیب ومربی مولانا وحید الزماں کیرانوی کی آنکھوں کا تارا رہے، جب کہ مدرسہ امینیہ دہلی میں مجاہدِ آزادی، ممتاز اسلامی مورخ وشگفتہ نگار اہل قلم مولانا سید محمد میاں دیوبندی کی ان پر خاص توجہ رہی۔

فطری طور پر مولانا امینی کا میلان عربی زبان وادب کی طرف تھا اور ذاتی مطالعوں نے اس حوالے سے ان کے اندر ایک خاص مذاق پیدا کر دیا تھا، پھر پے بہ پے ایسے مواقع بھی پیدا ہوتے

گئے، جن کی وجہ سے ان کا یہ ذوق خاصا نکھرتا گیا، پہلے مولانا وحید الزماں کیرانوی کے زیرِ تربیت اور پھر قد آور اسلامی اسکالر، مورخ، مفکر وادیب مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے زیرِ سایہ ان کی ادبی صلاحیتیں مسلسل پروان چڑھتی رہیں۔

جب مولانا علی میاں ندوی نے ۱۹۷۲ء میں انہیں دارالعلوم ندوۃ العلما میں بہ حیثیت استاذِ ادبِ عربی تقرر فرمالیا، تو چند دنوں میں ہی مولانا امینی نے اپنی ادبی قابلیتوں اور خصوصیات کی بنا پر وہ مقام حاصل کرلیا کہ مولانا ندوی نے انھیں ان چند افراد میں شامل فرمالیا، جن پر وہ حد درجہ اعتماد کرتے اور اپنے تحریروں وتالیفی کاموں میں ان سے تعاون لیتے تھے، مولانا امینی نے ندوے میں دس سال کا عرصہ گزارا اور اس مدت میں تدریس کے علاوہ مولانا علی میاں ندوی کی متعدد تحریروں کو اردو سے عربی اور عربی سے اردو کے قالب میں ڈھالا اور مختلف علمی تاریخی ادبی وسیاسی موضوعات پر دسیوں مقالات لکھے، جو ندوے کے ماہانہ رسالہ ''البعث الاسلامی'' اور پندرہ روزہ ''الرائد'' و ''تعمیر حیات'' میں شائع ہوئے۔

۱۹۸۲ء میں مولانا امینی اپنے استاذِ خاص مولانا وحید الزماں کیرانوی کے حکم پر دارالعلوم دیوبند آگئے اور یہاں ان کے ذمے دارالعلوم کے عربی رسالے ''الداعی'' کی ادارت اور عربی زبان وادب کی تدریس کی گئی اور تب سے اب تک مولانا امینی یہ دونوں ذمے داریاں بہ احسنِ وجوہ نبھارہے ہیں۔

مولانا امینی مسلسل چار دہائیوں سے عربی ادب وصحافت سے وابستہ ہیں اور آج انھیں عربی زبان کے صاحبِ طرز ادیب اور بابصیرت صحافی کی حیثیت سے پورے عالمِ اسلامی میں شناخت حاصل ہے، مولانا کی تحریروں کے لفظ لفظ سے جہاں غیر معمولی فکر انگیزی، بصیرت افروزی، درس آفرینی اور حقائق بیانی چھلکتی ہیں، وہیں ان کے اسلوبِ نگارش کی رعنائی وزیبائی اور دل فریبی و جاذبیت قاری کے دل ونگاہ کو پوری طرح اپنا اسیر بنالیتی ہیں، وہ لکھتے نہیں، پڑھنے والے کے ذہن ودماغ میں سحر پھونکتے اور اس کے احساسات میں جادو جگاتے ہیں، ان کی تحریروں کا اگر لسانی وفنی تجزیہ کیا جائے، تو بلاشبہ ان میں لطفی منفلوطی کے قلم کی شوخی ورنگینی، احمد امین کی سنجیدگی و متانت، طٰہٰ حسین کی سلاست وپرکاری، عباس محمود عقاد کی سچائی نگاری وحقائق بیانی اور علی طنطاوی کی تاریخی علمیت وبصیرت کا حسین امتزاج نظر آئے گا۔

مولانا امینی کی عربی تحریریں ہندوستان کے معنی یاب عربی رسالوں ''الداعی''، ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' کے علاوہ عالمِ اسلام کے موقر اخبارات ورسائل ''الدعوۃ'' ریاض، ''الحرس الوطنی'' ریاض، ''الفیصل'' ریاض، ''الجزیرہ'' ریاض، ''العالم الاسلامی'' مکہ مکرمہ اور ''الندوہ'' مکہ مکرمہ وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں اور عالمِ عرب کے مایہ ناز صحافیوں نے ان کی ظاہری و معنوی خوبیوں کی سراہنا کی ہے۔

عربی کے ساتھ اردو صحافت سے بھی مولانا کی وابستگی گہری ہے اور ملکی و عالمی مسائل پر ان کے بے لاگ وبے باک تجزیے ملک کے بیسیوں اخبارات ورسائل میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے اور انہیں عام لوگ کجا، بڑے بڑے صحافت پیشہ، مفکرین اور اسکالرس بھی انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

مولانا کے فکرانگیز مقالات اردو کے جن رسائل واخبارات میں مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں، ان میں روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی ، ''منصف'' حیدرآباد'' انقلاب ''ممبئی، دہلی، ''اردو ٹائمز'' ممبئی، ''اخبارِ مشرق'' کلکتہ، دہلی، سہ روزہ ''دعوت'' دہلی ہفت روزہ ''نقیب'' پٹنہ، ''عالمی سہارا'' دہلی، ''الجمعیۃ'' دہلی، پندرہ روزہ ''تعمیرِ حیات'' لکھنؤ، ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند'' ''الفرقان'' لکھنؤ، ''ترجمانِ دارالعلوم'' دہلی، ''الحق'' پاکستان، ''اذانِ بلال'' آگرہ، ''ریاض الجنۃ'' جونپور، ''ہدایت'' جے پور اور ''البدر'' کاکوری خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

یوں تو مولانا امینی علمی، ادبی، سماجی اور اخلاقی؛ ہر قسم کے موضوعات پر لکھتے رہے ہیں، مگر انھوں نے جب سے لکھنا شروع کیا ہے، تبھی سے عالم اسلام اور اس کے مسائل ومشکلات ان کا ارتکازی موضوع رہے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ اسلامی دنیا کے خلاف عالمی برادری، امریکہ اور اسرائیل کی سفاکانہ کارروائیوں اور منصوبہ بند سازشوں سے پوری دیدہ وری، دقیقہ رسی اور بے باکی کے ساتھ نقاب اٹھایا ہے۔

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردانہ حملے کا کھراگ رچا کر جب امریکہ؛ بلکہ پوری عالمی برادری نے اس کا الزام افغانستان میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے والے ''طالبان'' کے سر منڈھ دیا اور اس کی آڑ میں پورے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالنے کی

مہیب شیطانی کارروائی شروع کی گئی اور ایسے وقت، جب کہ امریکی واسرائیلی میڈیا کا زلّہ خوار عالمی میڈیا بھی ان حملوں کے پس پشت طالبان ہی کا ''ہاتھ'' دکھلا رہا تھا، مولانا نے مضبوط ترین دلائل، شواہد اور قرائن کی روشنی میں ''الداعي'' میں بھی اور ہندوستانی اخبارات میں بھی پوری قوت، جرأت، بے باکی اور خود اعتمادی کے ساتھ لکھا کہ یہ حملے خود امریکی وصیہونی مکروسازش کے نتیجے ہیں اور امریکہ اس کا الزام طالبان کے سر تھوپ کر افغانستان کی اسلامی حکومت کو سبوتاژ کرنا اور معصوم مسلمانوں کے خون سے اپنی درندگی کو آسودہ کرنا چاہتا ہے، ان کی یہ تحریریں گو اس وقت بہت سے نارسا ذہنوں کی فہم سے بعید اور ان کے یہ تجزیے چوٹی کے مفکرین اور تجزیہ کاروں کو بھی چونکا دینے والے تھے، مگر بعد کے تمام تر حالات وسانحات اور نتائج ومشاہدات نے وہی کچھ ثابت کر دیا، جس کی پیش گوئی مولانا کے قلم نے پہلے ہی کر دی تھی۔

اسی طرح جب امریکہ نے افغانستان کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد ۲۰۰۳ء میں نیوکلیائی ہتھیار رکھنے کے فرضی جرم میں عراق کو اپنی ستم ایجادیوں کا تختہ مشق بنایا اور انسانیت کے تمام تر حدود وقیود کو پایاب کرتے ہوئے عراق پر حملوں کے دوران ایسے ایسے ہلاکت ناک اور تباہ کن اسلحے استعمال کیے کہ دیکھتی آنکھوں بے شمار انبیا ورسل کا مسکن اور اسلامی تاریخ کے کم از کم ایک تہائی حصے کا امین عراق ملبوں اور کھنڈرات کے ڈھیروں میں تبدیل ہو گیا، تو اس وقت بھی مولانا نے اسلامی غیرت وحمیت سے سرشار اور امریکی جوروستم کی نقاب کشائی کرنے والی بے شمار تحریریں لکھیں، مولانا نے دلائل وبراہین کی پوری قوت سے اس حقیقت کو ثابت کیا کہ عراق پر امریکہ کا عائد کردہ الزام کسی بھی قابلِ اعتبار بنیاد پر قائم نہیں؛ بلکہ وہ تو اس کی آڑ میں عراق کے تیل کے ذخائر اور دیگر وسائلِ معیشت پر قبضہ جمانا، اسے صلیبی وصیہونی مقاصد کے لیے استعمال کرنا، عربوں کو غلامی کے قعرِ مذلت میں ڈھکیلنا، ان سے بیگار لینا، انھیں سرنگوں کرنا اور انھیں نفسیاتی و معنوی طور پر پوری طرح مفلس وتہی مایہ بنا دینا چاہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس طرح کے انسانیت کش اور بہیمانہ حملے اور چنگیزانہ کارروائیاں انجام دے کر سارے خلیجی خطے کا ایک ایسا نقشہ تیار کرے، جس کے بعد دیگر بہت سے صلیبی وصیہونی مفادات کے حصول کے ساتھ عظیم تر اسرائیل کی اساس گذاری کا خواب بھی بہ سہولت شرمندۂ تعبیر ہو جائے...... وقت اور زمانے کی رفتار اور لمحہ

بہ لحہ سرزمینِ عراق کا بدلتا منظر نامہ مولانا امینی کی ان پیش قیاسیوں پر کس طرح مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے، وہ کسی صاحبِ دانش و بینش سے مخفی نہیں ہے۔

افغانستان و عراق؛ ہر دو مسئلوں سے متعلق اپنی مسلسل شائع ہونے والی تحریروں کو مولانا نے افادے کی عمومیت اور ان تمام برادرانِ اسلام کو اپنے خالص دینی و اسلامی جذبات میں شرکت کی دعوت دینے کی غرض سے، جو عراق و افغانستان کی تاراجی کو صفحۂ گیتی پر رونما ہونے والے بہت سے دیگر اتفاقی حادثات و واقعات کی مانند، محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتے تھے اور ان کے احساسات جمود کا شکار تھے، کتابی شکل میں بھی جمع کیا اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ''کیا اسلام پسپا ہو رہا ہے؟'' کے نام سے جب کہ دوسری کتاب ''عالمِ اسلام کے خلاف موجودہ صلیبی وصیہونی جنگ'' کے نام سے طبع ہوئی اور خلافِ توقع انھیں پورے برِ صغیر میں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی اور اب تک ان دونوں کتابوں کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

اسی طرح کم وبیش نصف صدی سے متواتر یہودِ بے بہبود کی چیرہ دستیوں کا شکار قبلۂ اول، سرزمینِ قدس اور اسلامیانِ قدس بھی مولانا کی فکر ونظر اور قلم رانیوں کا مستقل موضوع رہے ہیں اور مولانا نے ''الداعي'' کی ادارت سنبھالنے کے بعد اپنے اداریوں میں مسلسل اور ہندوستانی رسائل واخبارات میں بھی موقع بہ موقع عالمِ اسلام کے اس سب سے چبھتے ہوئے اور نازک ترین مسئلے پر تاریخی، علمی، فکری، سیاسی اور دینی؛ ہر اعتبار سے لکھا ہے، مولانا نے جہاں اپنی تحریروں کے ذریعے حرمِ اقصیٰ، شہرِ قدس اور باشندگانِ قدس کی مختلف حیثیتوں اور فضیلتوں کو عالم آشکارا کیا اور فلسطین پر یہودی تسلط کے بعد سے تاحال مسلسل صیہونی ظلم وجور سے برسرِ پیکار اور آگ وخون سے کھیلنے والے فرزندانِ قدس کو خراجِ تحسین پیش کیا، وہیں متعدد اسلامی مملکتوں کے حکم راں طبقوں سے تعلق رکھنے والے ان کریہہ، بدنما، بزدل اور بدبودار چہروں سے بھی تمام تر وقتی مصلحتوں سے بے پروا ہو کر پردہ ہٹایا، جو اسلامی دنیا کے اس عزیز ترین خطے کو صیہونی دست برد کے حوالے کرنے میں کسی بھی طرح شریک رہے یا ہیں۔

مولانا کے عالمِ اسلام کے اس حساس ترین قضیے کے تعلق سے شائع ہونے والے مضامین عربی میں ''فلسطين في انتظار صلاح دين'' اور ان کا ترجمہ ''فلسطین کسی صلاح الدین کے انتظار میں'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، اردو کی حد تک تو یہ کتاب مسئلۂ متعلقہ پر تاریخی و

دستاویزی حیثیت رکھتی ہے؛ بلکہ بلاخوفِ تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ جامع، مفصل، فکر ونظر کو مہمیز کرنے اور قلب وذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی کتاب لکھی ہی نہیں گئی، مگر اس کا عربی ایڈیشن بھی (اس کے باجود کہ ماضی سے لے کر عصرِ حاضر تک بے شمار عربی اسلامی مفکرین اور اہلِ قلم نے مسئلہ فلسطین کو موضوعِ تحریر بنایا ہے اور اس تعلق سے کئی قابلِ قدر تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں) اپنی نظیر آپ ہے، جس کا اعتراف مشہور سعودی مفکر وادیب وصحافی یوسف کامل خطاب اور دیگر دانش ورانِ عرب نے بھی کیا ہے۔

ان کے علاوہ مولانا کی ۳۷ قد آور علمی، ادبی، مذہبی وسیاسی شخصیات پر تاثراتی تحریروں کا مجموعہ ''پسِ مرگ زندہ'' اور مولانا وحید الزماں کیرانوی کی حیات وخدمات کے مبسوط تذکرے پر مشتمل ''وہ کوہ کن کی بات'' تاریخی، مرجعی وحوالہ جاتی حیثیت رکھنے کے ساتھ ان کے پُر کشش، شیریں اور سحر آفریں طرزِ نگارش کے بہترین نمونے ہیں۔

مولانا امینی اب تک دسیوں علمی، ادبی وسیاسی قومی وبین اقوامی کانفرنسوں اور مذاکراتی کانفرنسوں میں بھی اپنے قیمتی مقالات پیش کر چکے ہیں، جن میں ہندوستان سمیت سعودی عرب، کویت، مصر، متحدہ عرب امارات وغیرہ کی کانفرنسیں شامل ہیں۔

مولانا عبد العلی فاروقی

پ: ۱۵/اگست ۱۹۵۳ء - ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

عمیق النظر عالمِ دین اور وسیع فکر ومطالعے کے حامل اہلِ قلم مولانا عبد العلی فاروقی کی پیدائش امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنویؒ کے گھرانے میں ہوئی، تعلیم کی شروعات اور حفظ وتجوید کی تکمیل مدرسہ تجوید القرآن، لکھنؤ میں کی، ابتدائی عربی درجات دار المبلغین، لکھنؤ میں پڑھے اور متوسطات کی تعلیم مدرسہ نور العلوم، بہرائچ میں حاصل کی، ۱۹۶۷ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، دیوبند کے بعد عصری تعلیم گاہوں سے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ہائی اسکول پاس کیا، اس کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ سے عربی واردو دونوں زبانوں میں بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔

مولانا کا خانوادہ پہلے ہی سے خالص علمی اور قلم وقرطاس سے مضبوط رشتہ رکھنے والا تھا؛ چناں چہ مولانا کے ذہن وطبیعت پر کچھ اس کا اثر پڑا اور خامہ فرسائی کا فطری ذوق بھی ان کے لیے ممد ومعاون ثابت ہوا؛ چناں چہ ۱۹۶۵ء ہی سے جب کہ عربی کے ثانوی درجات کے طالبِ علم تھے باضابطہ لکھنا شروع کر دیا اور اسی زمانے میں ماہ نامہ ''نظام'' کان پور، ''ہدیٰ''، ''ہدف''، ''ہزارداستان''، ''نرالی دنیا'' دہلی، روزنامہ ''قومی آواز'' لکھنؤ اور ''سیاست جدید'' کان پور جیسے ملک گیر شہرت کے حامل اخبارات ورسائل میں ان کی تحریریں شائع ہونے لگیں، قیامِ دیوبند کے دوران بھی اس کا سلسلہ پوری توانائیوں کے ساتھ جاری رہا اور اسی زمانے میں ان کے قلم سے ''ہمارے اسلاف'' اور ''عورت اور پردہ'' جیسی وقیع تصانیف منظرِ عام پر آئیں۔

جون ۱۹۷۷ء میں ایک ذاتی علمی، ادبی، تحقیقی واصلاحی رسالہ ماہ نامہ ''البدر'' کے نام سے شروع کیا، جو ۳۵ سال کی طویل عمر گزار کر نہ صرف اب بھی جاری ہے؛ بلکہ اہلِ علم و صحافت میں اس کو انفرادی شان حاصل ہے۔

مولانا فاروقی کی باوقار تحریریں جہاں ''البدر'' کے ادارتی صفحات پر اپنی انفرادیتوں کے پیہم جوت جگاتی ہیں، وہیں ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ندائے شاہی'' مراد آباد، ''دینِ مبین'' بھوپال، ''تہذیب الاخلاق'' علی گڑھ، ترجمانِ دارالعلوم'' دہلی، ''البلاغ'' کراچی، ''ختمِ نبوت'' لاہور، اور ''المنبر'' فیصل آباد جیسے ہند و پاک کے معیاری رسائل میں بھی ان کی قلمی جولانیاں مسلسل آنکھوں کو ضیا اور فکر ونظر کو نور بخشتی رہتی ہیں۔

مولانا کا قلم دینی و مذہبی موضوعات پر تو پوری تیزگامی وخود اعتمادی کے ساتھ چلتا ہی ہے، کہ وہ ایک بین الاقوامی دینی درس گاہ کے ممتاز فاضل اور دینیات کے تمام تر اُور چھور سے بہ خوبی واقفیت رکھنے والے عالمِ دین ہیں، مگر عصری سیاسیات پر بھی ان کی تجزیاتی تحریروں میں بڑی توانائی اور بصیرت مندی پائی جاتی ہے اور اسی بنا پر ان کے سیاسی تجزیے بھی بڑے شوق وذوق سے پڑھے جاتے اور ان کی وقعت کو محسوس کیا جاتا ہے، خاکہ نگاری وتذکرہ نویسی میں بھی مولانا فاروقی کو درک حاصل ہے اور اس حوالے سے جہاں ان کے قلم سے ''ہمارے اسلاف'' اور ''تاریخ کی مظلوم شخصیتیں''، جیسی مقبولِ عام کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، وہیں ان کے خاکوں کا ایک اور گراں قدر مجموعہ ''میں نے بھی جنھیں دیکھا ہے'' کے نام سے عن قریب اشاعت پذیر

ہونے والا ہے، عقائدِ باطلہ بہ طورِ خاص شیعیت کے مکر و دجل و فریب کا علمی و منطقی تجزیہ کرنے اور اس کی ہول ناکیوں کو بے نقاب کرنے میں بھی ان کا قلم بڑا بے باک، جری اور تمام تر مصلحت بینیوں سے بے نیاز ہے اور شیعی مذہب کے ''حدودِ اربعہ'' سے آگاہی بخشنے والی ان کی تحریروں کا ایک مجموعہ بھی ''تعارفِ مذہبِ شیعہ'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

ماہ نامہ ''البدر'' کا مستقل کالم ''آئینہ'' بھی مولانا فاروقی کی دروں بینی، ژرف نگاہی، جزرسی اور معاشرت و سیاست کے تمام تر اتار چڑھاؤ کے کامل عرفان کا جیتا جاگتا مرقع ہے، اس کے تحت ہر ماہ شائع ہونے والے ان کے تنقیدی و طنزیاتی مضمون کا جہاں ظاہری سراپا کشش و سرور انگیزی کے اعتبار سے انوکھی حیثیت رکھنے والا ہوتا ہے، وہیں اس کے بین السطور سے جھلکنے والے حقائق اور اِس ''آئینہ خانے'' میں مذہبی روز بازاروں، سماجی لقندروں اور سیاسی پنڈتوں کے ''اصل چہروں'' کے عکس باشعور اور حقیقت پسند قاری کو فکر و تدبر پر ابھارنے، عصرِ حاضر کے ''بتانِ آذری'' کے تئیں اس کی اندھی عقیدتوں کی بیخ اکھاڑنے اور اس کی کوتاہ بیں بصارت و بصیرت پر تازیانہ ہائے حق برسانے والے ہوتے ہیں۔

مولانا کی تمام تر تحریروں کا ایک اور امتیاز ان کا ٹکسالی اسلوب اور خالص لکھنوی انداز بھی ہے، جسے وہ اپنی ہر نوع کی نگارشات میں برتتے ہیں، ان کے الفاظ کی شگفتگی، تعبیرات کی سلاست و روانی، محاورات و امثال اور استعارات و تشبیہات کی حلاوت و شیرینی، بات سے بات پیدا کرنے کا قابلِ رشک سلیقہ اور اساتذۂ سخن کے شعری ذخائر کو برمحل کھپانے کا ہنر ان کی تحریروں کی افادیت، معنویت اور لطف انگیزی کو کئی آتشہ بنا دیتے ہیں۔

مولانا کے تصنیفی سرمایے میں متذکرہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی کئی کتابیں ہیں، مسلم معاشرے کے تعلق سے شائع ہونے والے ان کے مقالات کا ایک مجموعہ ''اسلام، ہمارا مذہب اور ہم مسلمان'' کے نام سے چھپ چکا ہے، جب کہ اسی قسم کی تحریروں کا ایک اور مجموعہ زیرِ طبع ہے، نکاح، اس کی اہمیت اور افادیت کو شرعی نقطۂ نگاہ سے پیش کرنے والے ان کے مضامین کا مجموعہ ''نکاح شریعت کے آئینے میں'' بھی مطبوع ہے، اسی طرح عصری سیاسیات پر شائع ہونے والے ان کے بصیرت افروز مقالے بھی ''عصری و سیاسی مسائل'' کے نام سے مرحلۂ طباعت میں ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی

پ: ۲۵؍جنوری ۱۹۵۴ء - ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

ہندوستان کے ممتاز فقیہ واہلِ قلم، دارالعلوم ندوۃ العلما کے مایۂ ناز استاذ، معہد الشریعہ لکھنؤ کے صدر نشیں، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے سکریٹری، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن اور اس کے دارالقضا کے کنویز، آل انڈیا ملی کونسل کے رکنِ تاسیسی اور دارالقضا لکھنؤ کے قاضیِ شریعت مولانا عتیق احمد بستوی کی ابتدائی وثانوی تعلیم مدرسہ نورالعلوم بہرائچ میں ہوئی، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی اور اگلے سال یہیں سے تخصص فی الفقہ کیا، ساتھ ہی الہ آباد بورڈ سے عالم کے امتحانات بھی پاس کیے۔

مولانا موصوف بنیادی طور پر فقہ وتحقیق کے لیے ڈھلا ہوا مزاج رکھتے ہیں اور اب تک ان کے قلم سے متعدد علمی، فقہی وتحقیقی موضوعات پر ملک و بیرونِ ملک کے عربی رسائل میں بیسیوں مقالات شائع ہونے کے ساتھ دو سو سے زائد اردو مضامین بھی برصغیر کے رسائل ومجلّات میں چھپ چکے ہیں، جس کا عمل تاہنوز پوری توانائی وتسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے۔

مولانا بستوی کی تمام تر تحریروں میں جہاں علم وتحقیق کی سلسبیل پوری آن بان کے ساتھ رواں رہتی ہے، وہیں ان کے لفظ لفظ میں لسانی وادبی لطافتوں کی شاداب کائنات بھی بسی ہوتی ہے، وہ اپنی افتادِ طبع کے موافق ہمیشہ ایسے ہی موضوع پر قلم کو جنبش دیتے ہیں، جو علمی دنیا کے لیے اچھوتا ہو اور جس سے ان کے ذوقِ جستجو کو بھی سیرابی حاصل ہو؛ چناں چہ ان کے گہرفشاں قلم سے نکلنے والی ''زکوۃ اور اس کے مصارف''، ''زکوۃ اور مسئلۂ تملیک''، ''ہندوستان اور نظامِ قضا''، ''اسلام کا نظامِ میراث''، ''دعوتِ اسلامی ایک اہم فریضہ''، ''اسلامی سزائیں اور جرائم کا روک تھام''، ''ہندوستان میں نفاذِ شریعت'' اور ''ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کا مسئلہ'' جیسی کتابیں اردو کے علمی وفقہی لٹریچر میں گراں قدر اضافے کی حیثیت رکھتیں اور متعلقہ موضوعات سے دل چسپی رکھنے والوں کی قلبی تسکین کا بھی مکمل سامان کرتی ہیں۔

مولانا نے اردو دنیا کو مذکورہ بلند پایہ تصانیف سے ممنونِ احسان کرنے کے ساتھ متعدد اسلامی عربی اہلِ قلم کی کتابوں کو بھی بہترین اور پرکشش اردو کے قالب میں ڈھالا ہے اور کئی ایک

کتابوں کی تحقیق وتسہیل بھی کی ہے، جن میں ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کی کتاب ''التنظیر الفقهي'' کا ترجمہ ''فقہ اسلامی کی نظریہ سازی''، ان ہی کی دوسری کتاب ''النظرية العامة للشريعة الاسلامية'' کا ترجمہ ''اسلامی شریعت کا عمومی نظریہ''، علامہ شہاب الدین ہارون کی معرکہ آرا تصنیف ''تاطورة الحق في فرضية العشاء وان لم يغب الشفق ''مناظرِ اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''ازالة الشكوك'' اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی مشہور کتاب ''الحيلة الناجزة'' شامل ہیں۔

ایک طویل اور انتہائی طاقت ور صلیبی وصہیونی سازش اور عالمِ اسلام کی اندوہ ناک سادگی کے نتیجے میں بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں دم توڑ جانے والی عثمانی خلافت اور اس کا مرکز ترکی بھی ایک زمانے تک مولانا بستوی کے فکر ونظر کی جولان گاہ اور مطالعہ وتحقیق کا موضوع رہے ہیں؛ چناں چہ مولانا نے ایک دردمند مسلمان، ایک بصیرت مند اسکالر، ایک تہ رس متجسس اور ایک صداقت شعار مؤرخ کی حیثیت سے ترکی اور خلافتِ عثمانی کی تاریخ میں واقع ہونے والے مدوجزر کا مطالعہ کیا، ان کی اقبال مندی وخوش طالعی کے اسباب اور زوال وانہیار کے اُن محرکات کے پسِ منظر اور تہ منظر تک رسائی حاصل کی، جنھوں نے ترکوں کی قباے خلافت کو چاک کرنے میں مرکزی رول ادا کیا، اسی طرح مولانا نے اپنی جہاں آگاہی کی بہ دولت ان نقصانات کو بھی عالم آشکارا کیا، جن سے خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد ترک مسلمانوں کو خصوصاً اور پوری اسلامی دنیا کو عموماً دوچار ہونا پڑا، مولانا نے خلافتِ عثمانی کے آخری غیور وجسور سربراہ سلطان عبدالحمید ثانی کی حیات اور ان کی زریں خدمات کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے، مولانا عتیق احمد بستوی کے قلم سے مذکورہ تمام عنوانات پر عربی واردو زبان میں نو انتہائی محقق، تاریخی ودستاویزی اور ادبی اسلوب کی نمایندہ کتابیں منظرِ عام پر آکر خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔

مولانا بستوی اب تک ہندوستان کے دسیوں علمی وفقہی سیمیناروں سمیت آدھا درجن غیر ملکی سیمیناروں میں بھی شریک ہوچکے اور اپنے مقالات پیش کرچکے ہیں، جن میں پاکستان، مصر، شمالی امریکہ، دوحہ قطر اور استنبول کے سیمینار شامل ہیں۔

مولانا محمد اسلام قاسمی

پ: ۱۶/فروری ۱۹۵۴ء-۱۲/جمادی الاخری ۱۳۷۳ھ

ہندوستان کی معروف دینی درس گاہ دارالعلوم وقف دیوبند کے موقر استاذِ حدیث اور عربی واردو زبان میں سلیس طرزِ تحریر کے مالک قلم کار مولانا محمد اسلام قاسمی نے اپنا تعلیمی سفر آبائی وطن ''راجہ بھٹیا''، ضلع جامتاڑا (جھارکھنڈ) سے شروع کیا، اس کے بعد جامعہ حسینیہ، گریڈیہہ، اشرف المدارس، کلٹی ضلع بردوان اور مظاہرِ علوم، سہارن پور ہوتے ہوئے ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند آئے اور ۱۹۷۱ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی، اگلے سال یہیں سے عربی زبان وادب میں تخصص کیا، ۷۴-۱۹۷۳ء میں عربی واردو خوش نویسی وخطاطی میں دست گاہ بہم پہنچائی اور ۱۹۷۵ء میں تخصص فی الفقہ کیا، دارالعلوم کے علاوہ عصری اداروں سے بھی مستفیض ہوئے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ہائی اسکول، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیبِ کامل اور آگرہ یونیورسٹی، آگرہ سے ایم اے (اردو) بھی پاس کیا۔

عربی واردو دونوں زبانوں میں ذوقِ تحریر وانشا تھا؛ چناں چہ دورانِ طالبِ علمی میں جہاں سجاد لائبریری کے ماہانہ ترجمان ''البیان'' کی ادارت کی اور ماہ نامہ ''مفتی'' ماہ نامہ ''اسلاف'' اور دیگر رسائل وجرائد میں مضامین لکھے، وہیں عربی کے جداری میگزین ''الیقظہ''، ''الروضہ'' اور ''الکفاح'' میں بھی مسلسل لکھتے رہے۔

۱۹۷۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے پندرہ روزہ عربی رسالہ ''الداعي'' کے نائب مدیر بنائے گئے اور ۱۹۸۲ء تک الداعي میں عربی مقالات کے ساتھ اردو کے رسائل ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، پندرہ روزہ ''اشاعتِ حق'' دیوبند ہفت روزہ ''ہجوم'' اور ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' وغیرہ میں بھی مولانا کی تحریریں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔

۱۹۸۴ء میں ماہ نامہ ''طیب'' کی ادارت کی، ۱۹۸۳ء میں ایک ذاتی عربی ماہ نامہ ''الثقافہ'' کے نام سے جاری کیا، جو متواتر دو سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا، اس کے علاوہ دارالعلوم وقف دیوبند کے ترجمان پندرہ روزہ ''ندائے دارالعلوم'' کے دس سال سے زائد تک رکنِ مجلسِ ادارت

رہے، ساتھ ہی ملک کے مختلف رسائل و اخبارات میں بھی دینی، علمی، تاریخی، سماجی، سیاسی و اصلاحی موضوعات پر لکھتے رہے، جس کا سلسلہ تاہنوز برقرار ہے۔

مولانا محمد اسلام قاسمی چوں کہ گہرا علم، متوازن فکر اور بیدار شعور رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کی تحریروں میں معلومات کا وفور، افکار و خیالات میں حد درجہ سنجیدگی و توازن اور حالات و مسائلِ حاضرہ کا بھرپور تجزیہ پایا جاتا ہے اور قلم سے طویل رفاقت رکھنے کی بنا پر الفاظ کا زیاں بھی ان کے یہاں سرے سے دیکھنے کو نہیں ملتا، وہ نپے تلے الفاظ میں جچی تلی رائے پیش کرنے کے عادی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا قلم الفاظ کی بھول بھلیوں اور تعبیرات کی جنگل بندیوں میں قاری کو غلطاں و پیچاں نہیں کرتا؛ بلکہ ضرورت کے بہ قدر الفاظ اور برمحل و مناسب تعبیرات کے ذریعے اس کے ذہن و دماغ کی آسودگی اور قلب و روح کی آب یاری کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

مولانا محمد اسلام قاسمی چوں کہ عربی کے ساتھ اردو ادبیات پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کی تحریریں سلاست و پرکاری کا بھی عمدہ نمونہ پیش کرتی ہیں اور انھیں پڑھتے ہوئے قاری کسی قسم کے اٹکاؤ، الجھاؤ اور پیچیدگی کا قطعاً شکار نہیں ہوتا۔

مولانا ندیم الواجدی

پ: ۲۳؍جولائی ۱۹۵۴ء-۳؍ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ

دیوبند کے علمی و دینی خانوادے کے سپوت، وسیع النظر عالمِ دین اور ملکی پیمانے پر شہرت رکھنے والے اہلِ قلم مولانا ندیم الواجدی نے ابتدائی تعلیم اپنے قابل دادا اور والدِ محترم سے حاصل کی، پھر مفتاح العلوم، جلال آباد میں اکتسابِ فیض کیا، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۷۴-۱۹۷۳ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

صحافت سے دل چسپی؛ بلکہ قلبی اُنس اسی وقت پیدا ہوگیا، جب کہ عرصۂ طالب علمی سے گزر رہے تھے؛ چناں چہ دارالعلوم کے جداری پرچوں میں برابر لکھتے اور اپنے جنونِ شوق کو تسکین فراہم کرتے رہے، ان پرچوں میں مسلسل مشقِ تحریر نے ان کے حوصلے کو مہمیز کیا اور ان کی طاقتِ پرواز کو جوش و ولولے سے سرشار کردیا؛ چناں چہ ندیم الواجدی صاحب نے زندگی کے بہت سے دیگر معرکوں کو بہ کمال سر کرنے کے ساتھ علم و قلم کی خدمت کو بھی اپنے شوقِ فراواں کا نقطۂ ارتکاز؛

بلکہ اسے اپنے لیے لازمۂ حیات بنالیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے قلمی رشحات ہندوستان بھر کے مقتدر اخبارات و رسائل میں جگہ پانے لگے، مولانا کا قلم ۱۹۷۰ء سے پیہم محوِ تگ و تاز ہے اور آج دنیائے صحافت میں "ندیم الواجدی" اعتماد و اعتبار کی سرحدوں سے گزر کر ان چند ناموں میں شامل ہو چکا ہے، جنھیں عظمت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

یوں تو مولانا ندیم الواجدی کم و بیش چار دہائیوں سے پورے ملک کے اخبارات و رسائل میں بہ اہتمام چھپتے اور ذوق شوق سے پڑھے جاتے رہے، مگر جب انھوں نے قلم پروری و لوح نوازی کے جذبۂ بے پناہ کی سیرابی کی خاطر بارہ سال قبل اپنے اشاعتی ادارہ "دارالکتاب" سے ایک علمی، ادبی، اصلاحی و تحقیقی ماہ نامہ "ترجمانِ دیوبند" جاری کیا، تو ان کی تموّج پذیر قلمی قابلیتوں کو ابھرنے، نکھرنے، چمکنے اور پھیلنے کا خاصا موقع ملا، انھوں نے اپنے اس باوقار رسالے میں نہ صرف ہندو بیرونِ ہند کے موقر اہلِ علم و قلم و دانش کی روشن تحریریں شائع کیں؛ بلکہ اس کے صفحات پر خود ان کے عمیق فکر، وسیع علم اور گہرے مطالعہ و مشاہدہ کی اتنی پرتیں کھل کر سامنے آئیں کہ بہت سے معاصر اہلِ قلم بھی حیرت بہ داماں رہ گئے۔

موجودہ وقت میں مولانا ندیم الواجدی کا یہ رسالہ علمی، ادبی، فکری، تہذیبی و روحانی سطح پر نہ صرف دیوبند کی سچی ترجمانی کے حوالے سے اپنی مخصوص پہچان رکھتا ہے؛ بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مبنی برحق و اعتدال مسلک و زاویۂ فکر کی اردو داں خطوں تک ترسیل، تبلیغ اور اشاعت میں بھی اس کا نمایاں رول ہے۔

مولانا ندیم الواجدی چوں کہ عالَم پر نگاہ رکھنے والے عالِم دین ہیں؛ اس لیے ان کی ہر تحریر، خواہ وہ دینیات سے تعلق رکھتی ہو یا سیاسیات و سماجیات سے، اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرتی ہے، وہ کسی بھی عنوان پر لکھتے وقت اس کے کسی بھی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑتے؛ بلکہ پوری بصیرت، دقتِ نظری اور ژرف نگاہی کے ساتھ لکھتے اور اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، اسی طرح ان کی ہر نگارش قرآن و حدیث کے پُر قوت دلائل و براہین سے مسلح ہونے کے ساتھ عقل و خرد سے ہم آہنگ توجیہات سے بھی مزین ہوتی ہے، ان کی قلمی تراوشوں کی ایک اور خوبی ان کی سلاست و روانی اور ان کے طرزِ اظہار کے بے ساختہ پن میں پائی جانے والی بانکپن بھی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ

مولانا کے فکر پاروں کی مدح سرائی خالص علما بھی کرتے ہیں، اہلِ فکر و دانش بھی اور وہ بھی، جو شیدائیانِ ادب وزبان سمجھے جاتے ہیں۔

مولانا ندیم الواجدی کے تکان نا آشنا ذوقِ قلم رانی کے عکاس مقالات کے اب تک تیرہ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں، جن میں سے بہ یک وقت گیارہ مجموعوں کی تقریب رونمائی جون ۲۰۱۰ء میں پورے ملک کے چیدہ اہلِ علم مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا عمید الزماں کیرانوی، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا عبدالحمید نعمانی، معروف دانش ور و اہلِ قلم معصوم مرادآبادی، مشہور ادیب و نقاد پروفیسر ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور اردو کے با وقار صحافی ڈاکٹر عزیز برنی کے ہاتھوں عمل میں آئی، ان سبھوں نے نہ صرف ان کی تحریروں کی بے پناہ وقعت، افادیت اور علمی و ادبی خوبیوں کو سراہا؛ بلکہ ندیم الواجدی صاحب کے قلم کے ان اوصاف کی بھی نشان دہی کی، جو انھیں اپنے معاصرین و اقران میں امتیاز عطا کرتے ہیں۔

ان مجموعہ ہائے مقالات میں سے چند ایک یہ ہیں:

''ہمارے مدارس: مزاج و منہاج''، اس کتاب میں اسلامی معاشرے پر واقع ہونے والے مدارس کے تعمیری اثرات، صالح سماج کی تشکیل میں ان کے غیر معمولی رول، ہندوستان میں مدارس کی تحریک کی تاریخ و پسِ منظر، ان کے نصاب و نظامِ تعلیم و تربیت کے غیر جانب دارانہ جائزوں اور ان میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت کی عصری اہمیت پر مضامین شامل ہیں، اس کتاب کا ہر مضمون فکر و نظر کے نئے در کھولتا اور حقیقت پسند قاری کو غور و تدبر پر ابھارتا ہے۔

''اسلام اور نئے ذہن کے شبہات''، عصرِ حاضر میں اسلامی شعائر و احکام پر جو اعتراضات و اشکالات اچھالے جا رہے اور ان کے ذریعے اسلام کے روشن چہرے کو داغ دار کرنے اور جدید اذہان کو اس سے برگشتہ کرنے کی جو قومی و بین اقوامی تحریکات چلائی جا رہی ہیں، ان کے پسِ منظر میں ایک بہترین، مدلل، اور مستند تحریر، نئے ذہنوں کو اسلام کے جادۂ مستقیم سے متعارف کرانے اور اس کو اپنانے کی تلقین کرنے کے لیے ایک مکمل ''گائیڈ بک''!۔

''آج رات کی تراویح''، اس میں انتہائی سادہ و سلیس زبان میں مرحلہ وار از آغاز تا انتہا پورے قرآنِ کریم کی مستند تفسیروں کی معتبر تلخیص پیش کی گئی ہے، اس کتاب کے تمام تر مشمولات ہندوستان کے معتبر اخبارات میں چھپ کر بے انتہا مقبول ہوئے، پھر انہیں کتابی شکل میں اردو

ہندی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے؛ تاکہ ان کا دائرۂ افادیت بھی عام ہو جائے اور انہیں بقاے دوام بھی حاصل ہو جائے۔

''خدا رحمت کند''، کم وبیش چالیس سال کے عرصے میں وفات پانے والی تیس سے زائد علمی، دینی، سیاسی وادبی شخصیات پر تاثراتی تحریروں کا قابلِ قدر مجموعہ، تذکرہ نویسی کی عمدہ مثال!۔

ان کے علاوہ ''مسلمانوں کی سیاسی زندگی''، ''اسلام اور ہماری زندگی''، ''رشحاتِ قلم''، ''آئینۂ افکار''، ''اسلام: حقائق اور غلط فہمیاں''، اور ''رمضان کیسے گزاریں؟'' (اردو و ہندی) متعلقہ موضوعات پر قیمتی سرمایے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا بدر الحسن قاسمی

پ: ۱۹۵۴ء-۱۳۷۴ھ

خاکِ عجم سے اٹھنے والے عصرِ حاضر کے معروف عربی ادیب، صحافی، مفکر و دانش ور مولانا بدر الحسن قاسمی کا وطن ''ریونڈھا''، ضلع دربھنگہ ہے، گاؤں کے مکتب سے تعلیم شروع کی، جامعہ رحمانی، مونگیر میں عربی کے ابتدائی درجات پڑھے اور ثانوی واعلیٰ تعلیم دار العلوم دیوبند میں حاصل کی، ۱۹۷۲ء میں دورۂ حدیث شریف اول پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور اگلے سال یہیں سے تخصص فی الفقہ بھی کیا۔

فراغت کے بعد اپنی غیر معمولی قابلیت، اخلاق و کردار کے اجلے پن اور عملِ پیہم وجہدِ مسلسل کی قابلِ رشک خو کی وجہ سے دار العلوم دیوبند میں حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کی تشریح، تفہیم اور تسہیل کے لیے بہ حال کیے گئے، قلم وقرطاس سے بھی گہرا ناطہ تھا؛ چناں چہ جہاں طالب علمی کے زمانے میں مختلف جداری میگزینوں میں لکھتے رہے، وہیں ماہ نامہ ''دار العلوم'' میں بھی ان کے کئی مقالات شائع ہوئے، فراغت کے بعد یہ سلسلہ مزید بڑھ گیا اور ان کی تحریریں مختلف رسائل میں لگاتار چھپنے لگیں۔

اردو کے ساتھ عربی ادب وانشا کا بھی فطری ذوق تھا، جس کو مزید جلا برِّ صغیر میں عربی زبان وادب کے سب سے بافیض استاذ مولانا وحید الزماں کیرانوی کے زیرِ تربیت حاصل ہوئی اور اردو کے ساتھ عربی صحافت میں بھی ان کا قلم رواں ہو گیا، یہاں تک کہ جب ۱۹۷۵ء میں دار العلوم

سے ایک پندرہ روزہ عربی میگزین ''الداعی'' کا اجرا ہوا ،تو اس کی ایڈیٹری کے لیے مولانا وحیدالزماں کیرانوی کی نگاہِ انتخاب جس جوہرِ قابل پر پڑی ،وہ مولانا بدرالحسن ہی تھے اور ۱۹۸۲ء تک انہوں اس پرچے کی انتہائی کامیاب ادارت بھی کی ،پھر بہ وجوہ دارالعلوم دیوبند سے سبک دوش ہوکر وزارتِ اوقاف کویت سے وابستہ ہوگئے ،جہاں تا حال برسرِ عمل ہیں۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم سے علیحدہ ہونے اور کویت کی وزارتِ اوقاف سے منسلک ہونے کے بعد ان کے جولانِ قلم میں بے انتہا برق خرامی پیدا ہوئی اور ان کے عربی مقالات عالمِ اسلام کے موقر و معتبر عربی اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگے ،جس کا سلسلہ اب بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

مولانا کے عربی مقالات علمی و فقہی موضوعات کے علاوہ عالمِ اسلام کے سیاسی احوال کے تعلق سے بھی بہ کثرت شائع ہوتے ہیں ،ان کی تحریریں تہ رسی ،دُروں بینی اور بصیرت مندانہ جائزے کے ساتھ عربی زبان و ادب پر ان کی کامل دست گاہی اور اسلوبِ نگارش کے حسن و کشش کی بھی آئینہ دار ہوتی ہیں ،جہاں ان کی علمی و فقہی تحریریں ،ان کے گہرے مطالعے اور استنباط و استخراجِ مسائل پر غیر معمولی قدرت کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں ،وہیں سیاسیاتِ عالم پر لکھے جانے والے ان کے تجزیاتی مضامین بھی بڑے معلومات افزا اور فکر و خیال کے نئے نئے گوشوں سے واقف کرانے والے ہوتے ہیں۔

اردو صحافت سے بھی مولانا کا تعلق مضبوط ہے اور دہلی سے نکلنے والے سہ ماہی علمی و فقہی مجلّہ ''فقہِ اسلامی'' کی ادارت اور دارالعلوم سبیل السلام ،حیدرآباد کے سہ ماہی ترجمان ''صفا'' کی سرپرستی کے ساتھ ہندوستان کے بہت سے رسائل و اخبارات میں بھی وہ مسلسل چھپتے ہیں۔

اردو تحریروں میں مولانا کے خاکوں کو بہ طورِ خاص پسند کیا جاتا ہے؛ کیوں کہ مولانا کے قلم سے نکلنے والا ہر خاکہ متعلقہ شخصیت کے لیے صرف خراجِ تحسین ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ صفحۂ کاغذ پر اس کی ہو بہ ہو تصویر ہوتا ہے ،مولانا نے اب تک جن شخصیات کے خاکے لکھے ہیں ،ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر شخص کے اندر تک جھانک لینے ،اس کی خوبیوں اور خامیوں کا بہ خوبی ادراک کر لینے اور اس کے سراپا کو بے کم و کاست صفحۂ قرطاس پر اتار دینے کے فن پر پوری مہارت رکھتے ہیں ،ان کے دس سوانحی مضامین کا ایک پُرکشش مجموعہ بھی ''چند نامور علما'' کے نام سے طبع ہو

چکا ہے، اردو کے معروف صحافی اور ہفت روزہ عالمی سہارا کے سینیر سب ایڈیٹر عبدالقادر شمس قاسمی نے اپنے تحشیہ و تعلیق کے ذریعے اس کی افادیت و معنویت کو مزید دو بالگی بخش دی ہے۔

متعدد عربی تصانیف کے علاوہ اردو میں بھی مولانا بدر کے مقالات کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے ایک کویت پر عراقی حملے کے پسِ منظر میں لکھی گئی تحریروں کا مجموعہ ''کویت عراقی حملے سے پہلے''، دوسرا مختلف عصری مسائل کی تحلیل و تجزیہ پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ''عصرِ حاضر کے فقہی مسائل'' اور تیسرا مختلف النوع اسلامی، ملی و سماجی عنوانات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ''اسلام اور عصرِ حاضر'' خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا جمیل احمد نذیری

۱۱؍اگست ۱۹۵۶ء-۴؍محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

فقہی و فکری تحرّک سے سرشار عالمِ دین اور سیال قلم مصنف مولانا جمیل احمد نذیری مبارک پور، اعظم گڑھ سے وطنی تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم مدرسہ عین الاسلام، نوادہ، مبارک پور اعظم گڑھ میں حاصل کی اور ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس کے علاوہ الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، فاضل و منشی کے امتحانات بھی پاس کیے۔

تحریر و انشا سے دل چسپی اسی وقت قائم ہوئی، جب عربی کے درجاتِ ابتدائی کے طالب علم تھے، اس کے بعد مسلسل قلم رانی کی مشق جاری رہی، یہاں تک کہ عہدِ طالب علمی ہی میں ان کے مضامین ملک کے موقر رسائل و اخبارات میں شائع ہونے لگے، فراغت کے بعد مولانا عبدالعلی فاروقی کے ماہ نامہ ''البدر'' (جو اسی وقت شروع ہوا تھا) سے بہ حیثیت سب ایڈیٹر وابستہ ہوئے اور اس میں ۱۹۷۷ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک کام کیا، ۱۹۸۶ء میں مبارک پور سے ایک سہ ماہی علمی، ادبی، تحقیقی و تاریخی رسالہ ''نوائے فضلا'' نکالا اور ۱۹۸۹ء تک اس کی ادارت کی، ان کے علاوہ ہندوستان کے مشہور رسالوں میں بھی ان کے مضامین کی اشاعت جاری رہی، جس کا تسلسل تا ہنوز جاری ہے۔

مولانا نذیری علم و معلومات کی کثرت و تنوع کے ساتھ وسعتِ نظر و فکر اور سماجی نشیب فراز

سے گہری واقفیت بھی رکھتے ہیں اور ان کا ادبی ذوق بھی انتہائی شستہ ورفتہ ہے؛ اس لیے ان کا ہر رشحۂ قلم ہر اعتبار سے باوقعت، باوزن اور پُرکشش ہوتا ہے۔

مولانا نذیری کی قدآورانہ علمیت اور فیاضانہ قلم پر شاہدِ عدل ان کی کم وبیش چالیس تصانیف بھی ہیں، جو تفسیر، حدیث، فقہ وفتاویٰ، خطابت، صحافت، ادب اور معاشرت؛ تمام موضوعات کو محیط ہیں اور خاص وعام میں مقبول ومعتبر بھی ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پ: ۱۹۵۶ء-۱۳۷۶ھ

اپنی گراں قدر علمی وفقہی خدمات وفتوحات کے حوالے سے پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کے حامل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنا تعلیمی سفر اپنے وطن ''جالے''، دربھنگہ سے شروع کیا، عربی کے ابتدائی درجات کی تعلیم مدرسہ حسینیہ دوگھرا، دربھنگہ میں حاصل کی اور متوسّطات سے دورۂ حدیث شریف تک جامعہ رحمانی مونگیر میں پڑھا، مزید علمی تشنگی بجھانے کی خاطر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۵ء میں دوبارہ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد دوسال امارتِ شرعیہ میں رہے اور اس دوران عالمِ اسلام کے عظیم القدر عالم، فقیہ ومحقق حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے زیرِ نگرانی افتا وقضا کی تربیت حاصل کی۔

اس کے بعد حیدرآباد تشریف لے گئے اور مولانا حمید الدین عاقل حُسامی کے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد سے اپنی تدریسی زندگی کی شروعات کی، دوسال بعد مولانا محمد رضوان القاسمی کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم سبیل السلام منتقل ہوگئے اور وہاں مسلسل ۲۲ سال تک طالبانِ علومِ نبوت کو سیراب کرتے رہے، اس طویل عرصے میں از ابتدا تا بخاری شریف کی انتہائی کامیاب تدریس کے ساتھ اپنے فکر وتدبُّر، جُہدِ مسلسل، سعیِ پیہم، جاودانہ تب وتاب اور شبانہ روز کی تگ ودو سے دارالعلوم سبیل السلام کو واقعی ''دارالعلوم'' بنانے، ظاہری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ کرنے اور ہمہ نوعی کامرانیوں کے بامِ عروج تک پہنچانے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

کم وبیش رُبع صدی کو محیط تدریسی دورانیے، جنوبی ہند اور اس کے علاوہ دیگر خطّہ ہائے ہند کے مدارسِ اسلامیہ کے مسلسل دوروں اور ان مدارس کے فضلا کی علمی صلاحیتوں کے پیہم جائزوں

کے دوران مولانا کو اس بات کا انتہائی شدت سے احساس ہوا کہ فضلاے مدارس کی نسل نو آٹھ سالہ تعلیمی مراحل میں تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھتی تو ہے؛ لیکن اس میں کسی بھی موضوع پر اختصاص وتمیز نہیں پیدا ہو پاتا، اسی احساس نے مولانا سے ۲۰۰۰ء میں المعہد العالی الاسلامی کی اساس رکھوائی، اس کا مرکزی ہدف جدید فضلاے مدارس میں خالص علمی وتحقیقی ذوق پیدا کرنا اور دینی مدارس کے لیے اسلامی فقہ وتحقیق میں کامل دست گاہ رکھنے والے رجال فراہم کرنا تھا، الحمدللہ مولانا کا قائم کردہ یہ ادارہ اپنے قیام کے روزِ اول سے ہی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہا ہے اوران ہی خدمات کی وجہ سے آج اسے پورے ملک میں منفرد شناخت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ مولانا رحمانی اپنی متنوع وہمہ جہت علمی صلاحیتوں اور انصرامی وتدبیری قابلیتوں کی بناپر اسلامک فقہ اکیڈمی کے روزِ قیام (۱۹۸۹ء) ہی سے جنرل سکریٹری، ملک کی موقر وفعال تنظیم مسلم پرسنل لابورڈ کے مرکزی رکن اوران کے علاوہ بیسیوں علمی اداروں اورفلاحی تنظیموں کے رکن، نگراں اورسرپرست ہیں۔

یوں تو مولانا رحمانی کا اختصاصی موضوع فقہِ اسلامی اور اس کے متعلقات ہیں اور اس میدان میں ان کی وسیع تر خدمات کی وجہ سے ان کا شہرہ برصغیر کے علاوہ دیگر ایشیائی ویورپی ممالک میں بھی اچھا خاصا ہے، مگر موجودہ اردو صحافت کے فروغ وارتقا اوراسے ایک خاص تعمیری مزاج ومنہاج دینے میں بھی مولانا کی اثرانگیز تحریروں کا اہم رول ہے۔

قلم وقرطاس سے مولانا کی رسم وراہ قدیم چلی آرہی ہے، انھوں نے پہلا مضمون جامعہ رحمانی مونگیر کی طالب علمی کے زمانے میں ہجرتِ نبویؐ سے متعلق لکھا تھا، جو امارتِ شرعیہ کے آرگن ہفت روزہ ''نقیب'' میں شائع ہوا تھا، پھر جب دارالعلوم سے فراغت کے بعد افتا وقضا کی تربیت حاصل کرنے کی غرض سے دوسال امارتِ شرعیہ میں رہے، تو اس عرصے میں ''نقیب'' میں مسلسل لکھا؛ بلکہ اسی زمانے میں مسلم پرسنل لابورڈ کے رانچی میں منعقدہ اجلاس کے موقع پر ''نقیب'' کے ''مسلم پرسنل لانمبر'' اوراس کے بعد بانیِ اماتِ شرعیہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی حیات وخدمات پر مشتمل ''مولانا سجاد نمبر'' کی ترتیب میں بھی شریک رہے، حیدرآباد پہنچے، تو وہاں ماہ نامہ ''رہ گزر'' اور پندرہ روزہ ''قرطاس وقلم'' میں اپنے ذوقِ قلم رانی کو سیراب کرتے رہے، پھر مولانا محمد رضوان القاسمی کے ساتھ مل کر دارالعلوم سبیل السلام سے سہ ماہی ''صفا'' جاری

کیا اور مولانا کے ساتھ مل کر اس کے دو خصوصی شمارے ''ادب اسلامی نمبر''، ''فقہِ اسلامی: خدمات اور تقاضے نمبر'' نکالے، المعہد العالی الاسلامی کے قیام کے بعد وہاں سے سہ ماہی ''حرا'' جاری کیا، جو بعد میں سالانہ اور پھر بہ وجوہ مرحوم ہو گیا، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی وفات (۲۰۰۲ء) کے بعد ان کے جاری کردہ ہندوستان کے منفرد فقہی، وتحقیقی مجلہ سہ ماہی ''بحث ونظر'' کے مدیر بنائے گئے اور اس کا بھی ایک ضخیم ودستاویزی خصوصی شمارہ ''قاضی مجاہد الاسلام نمبر'' نکالا، فی الوقت مولانا سہ ماہی ''بحث ونظر'' کے مدیر اور ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے بہت سے رسائل وجرائد کے نگراں وسرپرست ہیں۔

روزنامہ اخبارات سے بھی مولانا کی وابستگی گہری ہے، ۱۹۹۸ء سے روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد کے جمعہ ایڈیشن کے دو کالم ''شمعِ فروزاں'' اور شرعی مسائل'' میں مسلسل لکھ رہے ہیں، مولانا کا ''شمعِ فروزاں'' روزنامہ ''انقلاب'' ممبئی، دہلی اور ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی میں بھی چھپتا ہے، ان کے علاوہ ہندوستان کے دیگر اخبارات سمیت پاکستان وخلیجی ممالک کے اردو اخبارات میں بھی مولانا کے مضامین اہتمام سے چھپتے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

مولانا کی صحافت پیشہ وارانہ نہیں؛ بلکہ مقصدی اور اپنے جلو میں پیغامِ حیات رکھنے والی صحافت ہے، مولانا عام طور پر اسلامی معاشرہ وسماجیات کو موضوع بنا کر لکھتے اور اس ضمن میں مسلمانوں کو مختلف شعبہ ہائے حیات سے متعلق اسلامی احکام وہدایات سے روشناس کراتے، انھیں اسلامی خطوط پر زندگی گزارنے کی تلقین کرتے اور ہر نوع کے مصائب ومشکلات میں قرآنِ حکیم کی روشن تعلیمات اور حیاتِ نبویؐ کے حادثات وسانحات سے سامانِ تسلی حاصل کرنے اور انہیں صبر وشکیبائی کے ساتھ انگیز کرنے کی دعوت دیتے ہیں، جدید دور کے جدید اذہان کی نارسائی کے پیدا کردہ شبہات واشکالات بھی مولانا کے ترجیحی موضوعات میں شامل ہیں اور قرآنی ارشادات، نبویؐ سیرت وہدایات اور اسلامی افکار کی روشنی میں انتہائی مہذب، شایستہ، اطمینان بخش اور زود ہضم اسلوب میں ان اشکالات وشبہات کو دور کرنے کا ہنر بھی انھیں کو خوب آتا ہے۔

مولانا کی مذکورہ بالا ہر نوع کی تحریریں روزنامہ ''منصف'' اور دیگر اخبارات ورسائل میں چھپتی رہتی ہیں اور چوں کہ مولانا کے لائق اور باتوفیق شاگردوں کی ایک لمبی ڈار ہے؛ اس لیے ان کے ہاتھوں مولانا کی تحریروں کی جمع وترتیب کا سلسلہ بھی پیہم رواں ہے اور اس سے جہاں ان

تحریروں کا دائرہ افادیت وسیع ہو رہا ہے، وہیں انھیں بقا و خلود بھی حاصل ہو رہی ہے؛ کیوں کہ گو تقریر کے مقابلے میں تحریر کی اثر اندازی زیادہ قوی اور دیرپا ہوتی ہے، مگر اخباری تحریروں کی مدتِ تاثیر محض دو یوم چار یوم ہوتی، پھر ان کی تاثیر کیا، ان کے وجود کی بھی بہ مشکل خبر لگ پاتی ہے۔

چناں چہ روز نامہ ''منصف'' کے ''شمعِ فروزاں'' میں سیرت نبویؐ سے متعلق مولانا نے جو سلسلہ وار مقالات لکھے ہیں، ان کا مجموعہ ''پیامِ سیرت عصرِ حاضر کے پسِ منظر میں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ان مقالات کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان کے ذریعے سیرتِ نبویؐ کے درخشاں پہلوؤں سے متعارف کرانے کے ساتھ، آپؐ کی زندگی کے مختلف واقعات سے حاصل ہونے والے اسباق، نصائح اور ہدایات کو اجاگر کرنے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے۔

دینی و عصری دانش گاہوں اور ان کے فضلا کے مسائل و مشکلات کے سنجیدہ حل پر مشتمل مضامین کا مجموعہ بھی ''دینی و عصری تعلیم: مسائل اور حل'' کے نام سے مرتب ہو چکا ہے، اس کتاب کے مقالات تین محوری موضوعات کے گرد گھومتے ہیں: اول فضلاے مدارس اور ان کے مسائل کا تجزیہ اور حل، دوم عصری درس گاہوں کے فضلا کے مسائل کا جائزہ اور حل اور تیسرے نمبر پر خود ان دونوں قسم کی تعلیم گاہوں کو درپیش مسائل اور چیلنجز اور ان سے نمٹنے کے طریقے، کتاب کے محتویات کا اسلوب اور انھیں پیش کرنے کا انداز اس قدر عمدہ اور دل کش ہے کہ پوری کتاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی تصویر بن گئی ہے، اس کتاب کے مرتب مولانا کے لائق فرزند مولانا عمر عابدین قاسمی مدنی ہیں۔

ایک اور کتاب ''راہِ عمل'' ہے، جو ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۴ء تک روز نامہ ''منصف'' میں شائع ہونے والے اصلاحی و سماجی مضامین کا مجموعہ ہے، اس کے مرتب مولانا نعمت اللہ قاسمی مظفر پوری ہیں۔

''اسلام اور جدید فکری مسائل'' بھی روز نامہ ''منصف'' کے ہفتہ وار کالم کے مقالات کا مجموعہ ہے، ان مقالات کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ان تمام اشکالات کو انتہائی مدلل اور اطمینان بخش طریقے سے حل کیا گیا ہے، جو آج کے مادر پدر آزاد دورِ ترقی میں اکثر اسلام مخالف ذہنوں کی طرف سے اور بسا اوقات ''مسلم دانش وروں'' کی طرف سے بھی اسلام اور اس کی انتہائی صاف شفاف اور رخشندہ تعلیمات پر اُچھالے جاتے ہیں۔

ان کے علاوہ ”نقوشِ موعظت“، ”عصرِ حاضر کے مسائل“ اور ”شمعِ فروزاں“ (چار جلدیں) بھی اسلامی، علمی، ادبی، اصلاحی، سماجی، دعوتی وتذکیری موضوعات پر مشتمل مقالات کے مجموعے ہیں اور سب کو قبولِ عام حاصل ہے۔

عورتوں سے متعلق اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات وہدایات، ان کے طے کردہ حقوق، اسلامی تاریخ کے عروج کے زمانے میں مردوں کے شانہ بہ شانہ عورتوں کے روشن کارناموں کی جھلکیوں اور اس کے دورِ زوال میں ان کی سیہ کاریوں کے عبرت ناک مناظر کو پیش کرنے والی تحریروں کا مجموعہ بھی ”عورت اسلام کے سایے میں“ کے نام سے مرتب ہو چکا ہے، ”بحث ونظر“ کے ”قاضی مجاہدالاسلام نمبر“ میں مولانا رحمانی کا مفصل مقالہ شائع ہوا تھا، وہ بھی ”حیاتِ مجاہد“ کے نام سے علیحدہ طبع ہو چکا ہے، اسی طرح ملک وبیرونِ ملک کے بارہ سفرناموں پر مشتمل ”متاعِ سفر“ بھی چھپ چکا ہے، مؤخرالذکر دونوں کتابیں سوانح نویسی وسفرنامہ نگاری کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتی ہیں اور مولانا کی بقیہ کتابوں کی مانند انھیں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے، مولانا کے مجموعہ ہائے مقالات اور ان کے علاوہ دیگر علمی تصنیفات کو جو ہر طبقے میں ایک خاص وقار واعتبار حاصل ہے، ان سے استفادہ کرنے والوں میں جو عام پڑھے لکھے لوگوں سے لے کر قدیم وجدید علوم کے متخصصین وماہرین کی خاصی تعداد نظر آتی ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان تمام نگارشات میں ایک ذمہ دار عالم کا احساسِ ذمے داری، ایک داعی کا درد وکرب، ایک مصلح کا سوز وساز اور ایک مذکر وناصح کی ہم دردی وفکر مندی کے بے پایاں جذبات حرف حرف سے جھلکتے ؛ بلکہ چھلکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں (اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی عوامل کی وجہ سے تحریر وتقریر میں جاذبیت اور دل کشی کا وصف پیدا ہوتا ہے) جب کہ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی ہر نگارش کا ظاہری پیرہن بھی زبان وادب کی بانکپنی، طرزِ ادا کے حسن اور اسلوبِ بیان کی رعنائی وزیبائی کے عناصر سے بہ تمام وکمال مرصع ہوتا ہے، پھر یہ خوبیاں ان کے مقالات کے مجموعوں میں ہی نہیں؛ بلکہ ان کی خالص علمی، فقہی، وتحقیقی تصانیف میں بھی نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں اور اس کا اعتراف واحساس، ہم ایسے نو واردانِ بساطِ قلم وقرطاس ہی کو نہیں، شناورانِ زبان وادب کو بھی ہے۔

مثلاً: اردو زبان کے صاحبِ اسلوب نثر نگار پروفیسر محسن عثمانی ندوی ان کی منفرد علمی، فقہی وتحقیقی کاوش ”قاموس الفقہ“ کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''کتاب اس جلیل القدر عالم کے قلم سے ہے، جو فقہِ اسلامی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ بہترین انشا پر داز بھی ہے،اس کی تحریریں آراستگی ومشاطگی کی شعوری کوششوں اور خونِ جگر کی کشید کے بغیر بھی ادبی اعتبار سے نفیس اور آب دار ہوتی ہیں،اس کی تحریروں کے درمیان ایسے جملے ملتے ہیں،جنھیں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نسیمِ سحر کا جھونکا آ گیا......ع

جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم''

پروفیسر محسن عثمانی کی یہ تحریر مولانا رحمانی کی نگارشات کی ادبی خصوصیات کے لیے ''حرفِ سند'' کا درجہ رکھتی ہے، کہ یہ اس شخص کی تحریر ہے، جو خود صاحب نظر اہلِ قلم ہونے کے ساتھ زبان وادب کے اسرار و رموز سے آگاہ اور اس کی تمام تر اداؤں پر بصیرت مندانہ نگاہ رکھتا ہے۔

یہی نہیں ؛ بلکہ مولانا رحمانی ادب کے حوالے سے ایک خاص نقطۂ خیال اور طرزِ فکر کے حامل ہیں،ان کے نزدیک ادب وہ نہیں ، جو محض برائے ادب ہو، جس میں سارا زور لفظوں کی صنعت گری، صُور واشکال کی شیشہ گری اور نفسانی خواہشات وجذبات کی صورت گری پر صرف کیا جائے ؛ بلکہ وہ اس ادب کے قائل ہیں، جو برائے زندگی ہو،تعمیری ہو اور جس میں اخلاق کی اصلاح اور فکر کی تعمیر کے عناصر ہم دست ہوں،مولانا رحمانی اپنے ایک مضمون زیرِ عنوان ''جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟'' میں اپنے زاویۂ نگاہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''اسلام نے اس (جاہلی ادب کے) مزاج کو بدلا اور ایک ایسے ادب کو وجود بخشا، جو صالح انقلاب کا داعی تھا، جو انسان کے اندر اپنے خالق و مالک کی محبت پیدا کرتا ہے، بغاوت کے بجائے ایثار ومحبت کی تعلیم دیتا ہے،خوشامد کے بجائے حقیقت پسند بناتا ہے،محبوب کے نقش ونگار اور خدوخال کو بے پردہ کرنے کے بجائے شرافت وپاکیزگی اور حیا کی تعلیم دیتا ہے،زندگی کے حقیقی مسائل کو ابھارتا ہے اور پاکیزہ اخلاقی جذبات کی طرف دعوت دیتا ہے، یہ ادب برائے ادب اور شعر برائے شعر کا قائل نہیں ؛ بلکہ برائے تعمیر واصلاح کا قائل ہے۔
>
> ادبا وشعرا اسی فرسودہ تصور کے اسیر ہو کر رہ گئے، جس کا مقصد خیالی شاعری اور خیالی جذبات نگاری کے سوا کچھ نہیں، آج کا ادیب وشاعر آسایش گاہوں بیٹھ کر غریبوں کا فسانہ بیان کرتا ہے اور جشن وطرب کی بزم میں سجا کر نوحہ وفاتحہ کرتا ہے، ایسے ادب میں دلوں کی دنیا کو بدل دینے اور برف میں آگ لگا دینے کی صلاحیت کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے، جس شاعری اور ادب میں خونِ جگر شامل نہ ہو، جس کی تہوں میں درد انگڑائیاں نہ لیتا ہو، جس کے الفاظ کے پسِ پشت حقیقی معنوں میں درد و

کسک نہ ہو، اس سے کان کی لذت کا سامان تو ہوسکتا ہے، دلوں کی دنیا نہیں بدل سکتی''۔(۱)

مولانا رحمانی کے فکر ونظر اور علم وقلم کی یہی وہ جولانیاں ہیں، جنھوں نے ان کو اپنی عمر سے بھی منزلوں آگے کر دیا ہے اور وہ بہت سے ''اعاظم رجال'' کے بیچ بھی ''دراز قامت'' نظر آتے ہیں۔

مولانا عقیدت اللہ قاسمی

پ: ۱۴/اپریل ۱۹۵۷ء-۱۴/رمضان ۱۳۷۷ھ

اردو کے تجربہ کار صحافی اور وسیع النظر عالم دین مولانا عقیدت اللہ قاسمی ''ڈاسنہ''، ضلع غازی آباد (یوپی) کے متوطن ہیں، انھوں نے ابتدائی تعلیم گاؤں کی ایک مسجد میں اور ثانوی تعلیم مدرسہ رحمانیہ غازی آباد میں حاصل کی، ۱۹۷۷ء میں دار العلوم سے فضیلت پاس کیا، اس کے بعد میرٹھ یونیورسٹی سے ایم، اے (اردو) کی ڈگری بھی حاصل کی۔

قلم وقرطاس سے رشتہ طالب علمی ہی کے زمانے سے تھا، فراغت کے بعد اس میں مزید پختگی آگئی؛ چناں چہ اردو کے مشہور ہفت روزہ اخبار ''نئی دنیا'' کے آٹھ سال سب ایڈیٹر رہے، اتنے ہی دن ماہ نامہ ''ہمدرد صحت'' کی ادارت کی اور ۱۹۸۴ء سے تاحال ہندوستان کے معروف سہ روزہ اخبار ''دعوت'' میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے سرگرم کار ہیں۔

مولانا کے علم میں گیرائی، مطالعہ میں وسعت اور فکر ونظر میں حد درجہ گہرائی پائی جاتی ہے، ان کا ہر مضمون اپنے موضوع پر بھرپور، مدلل، علم ریز اور افکار ومعانی کی نئی طرفیں وا کرنے والا ہوتا ہے، ان کی تحریریں جہاں اسلوب بیان کی سلاست کا شاہ کار ہوتی ہیں، وہیں وہ ناقابل تردید شرعی دلائل اور عقلی شواہد سے بھی لیس ہوتی ہیں، تحریر وصحافت سے ایک طویل مزاولت نے جہاں ان کے قلم کو تیز گامی بخش دی ہے، وہیں علم ومطالعے سے پیہم شغف رکھنے کی خو، مشاہدۂ کائنات کی غیر معمولی قوت وصلاحیت اور تجربات زندگی کے ایک دراز سلسلے نے ان کے قلم میں وہ خوبیاں بھر دی ہیں، جو بہت کم لوگوں کے قلم کو میسر ہیں۔

مولانا کی تحریریں سہ روزہ ''دعوت'' کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر اخبارات میں بھی چھپتیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں، ویسے تو وہ ہر موضوع پر لکھتے ہیں، مگر بہ طور خاص مسلمانوں کے

---

(۱) راہ عمل، ص: ۳۴۵، مرتب: مولانا شاہد علی قاسمی، ط: المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

موجودہ مسائل ومشکلات، تعلیم اور اس کی اہمیت اور اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ، ان کے ترجیحی موضوعات ہیں اور واقعتاً ان موضوعات پر ان کی تحریروں میں حد درجہ توانائی پائی جاتی ہے۔

دیوبند کے فیض یافتہ عقیدت اللہ قاسمی انگریزی زبان وادب سے بھی گہری واقفیت رکھتے ہیں اور کئی کتابوں کا انگریزی ترجمہ بھی کر چکے ہیں، جنہیں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے شائع کیا ہے، اسی طرح القلم پبلی کیشن دہلی سے ان کی کئی نصابی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

مفتی ثناالہدیٰ قاسمی

پ: ۱۷/نومبر ۱۹۵۸ء - ۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ

اپنی متنوع خوبیوں اور خدمات کے حوالے سے متعارف مفتی ثناء الہدی قاسمی کا تعلق ''حسن پور گنگھٹی''، ضلع ویشالی سے ہے، ابتدائی تعلیم اپنے گھر اور مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور (ویشالی) میں حاصل کی، حفظِ کلام اللہ اور دوم عربی تک دار العلوم مئو میں پڑھا، سوم عربی مفتاح العلوم مئو میں اور سال چہارم میں پھر دار العلوم مئو منتقل ہو گئے، پنجم عربی میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۸۲ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، جب کہ ۱۹۸۳ء میں یہیں سے تخصص فی الفقہ بھی کیا۔

اس کے علاوہ جامعہ دینیات، دیوبند سے فضیلت، بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے عربی، اردو وفارسی، تینوں زبانوں میں فاضل، عربک پرشین بورڈ الہ آباد سے اسلامیات سے فاضل، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیبِ کامل اور بہار یونیورسٹی مظفر پور سے بی، اے اور ایم، اے (فارسی) کے امتحانات پاس کیے۔

مفتی ثناء الہدی قاسمی جہاں دیگر ملی، سماجی وعلمی خدمات کا ایک طویل دورانیہ گزار چکے ہیں اور ہنوز ان خدمات میں ہمہ تن مصروف ہیں، وہیں تحریر وصحافت سے بھی ان کا دیرینہ رشتہ ہے، جس میں وقت اور زمانے کی رفتار کے ساتھ مزید پختگی، توانائی اور کمال پیدا ہو گیا ہے۔

جس زمانے میں دیوبند سے مولانا عامر عثمانیؒ ماہ نامہ ''تجلی'' نکالا کرتے تھے اور پورے برصغیر کے علمی وادبی طبقے میں اس کی غیر معمولی دھوم مچی ہوئی تھی، اس وقت ثناء الہدی قاسمی دار العلوم مئو میں عربی کے ابتدائی درجات کے طالب علم تھے، ''تجلی'' کی شہرت، اس کے ظاہری وباطنی حسن اور اس کی علمیت وادبیت نے ثناء الہدی قاسمی کے ذوق کو مہمیز کیا اور انھوں نے اپنے

ایک ہم مذاق وہم درس ابوحمزہ اعظمی کے ساتھ مل کر ایک ماہانہ میگزین ''مجلّی'' نکالا، جو ''تجلی'' کا ہم وزن بھی تھا اور اس میں ان خصوصیات کو بھی برتنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی، جو ''تجلی'' کا خاصہ تھے، مگر ظاہر ہے کہ ''مجلی'' میں ''تجلی'' کے تمام تر نقوش کی تلاش نہ مناسب تھی اور نا ہی ممکن، کہ ایک طرف مولانا عامر عثمانیؒ سا میدانِ قلم رانی کا ماہر شہ سوار تھا اور دوسری طرف ثناء الہدی قاسمی سا نو وارد بساطِ تحریر؛ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ''مجلی'' ایک نو آموز طالب علم کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کا آئینہ دار تھا اور اس سے ثناء الہدی قاسمی کے علمی و ادبی شعور اور تخلیقی قوت کو غیر معمولی تحریک ملی۔

یہی وجہ ہے کہ جب وہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تو پہلے ہی سال انھیں طلبۂ مظفر پور، سیتامڑھی، ویشالی وشیوہر کے نمایندہ جداری میگزین ''صبحِ نو''، صوبۂ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی تاریخی سجاد لائبریری کے آرگن ماہ نامہ ''البیان'' اور جمعیۃ الطلبہ کے ترجمان پندرہ روزہ ''تعمیرِ نو'' کی بھی ادارت سونپی گئی، جس سے ان کے قلم کی آب میں مزید توانائی، تحرّک اور قوت پیدا ہوگئی، انھوں نے ان پرچوں کی ادارت کے زمانے میں بیسیوں علمی، ادبی، سیاسی وسوانحی موضوعات پر بیش قیمت مقالات لکھے۔

دارالعلوم سے نکلنے کے بعد انھوں نے ایک لمبا عرصہ تدریسی، ملی وسماجی سرگرمیوں میں گزارا ہے اور اب بھی صوبۂ بہار کی موقر تنظیم امارتِ شرعیہ کے نائب ناظم کی حیثیت سے سرگرمِ عمل ہیں، مگر ان سب کے باوصف ان کے قلم میں کسی طرح کی سست روی ودرماندگی پیدا نہ ہونے پائی اور انھوں نے اپنی قلمی صلاحیتوں کو، جو انھیں مئو اور دیوبند کی علمی و ادبی فضا میں حاصل ہوئی تھیں، نہ صرف یہ کہ ٹھٹھرنے اور سکڑنے سے محفوظ رکھا؛ بلکہ اپنی ذاتی کدوکاوش سے انھیں خوب ابھارا اور نکھارا، تحریر وانشا کے میدان میں نو بہ نو تجربے کیے، تحقیقی تحریریں بھی لکھیں، علمی مقالات بھی، ادبی موضوعات پر بھی ان کے قلم نے جولانیاں دکھائیں اور تنقیدی عنوانات پر بھی، تذکرہ و سوانح نویسی کو بھی موضوعِ تحریر بنایا اور ملک کے اخبارات ورسائل میں بھی سماجیات، سیاسیات، اصلاحیات واخلاقیات؛ ہر موضوع پر لکھتے رہے۔

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کی تمام تر تحریروں میں عالمانہ سنجیدگی، متانت ووقار اور حقائق نگاری کے عناصر تو پائے ہی جاتے ہیں، کہ وہ ایک ذمّے دار اور دل کی کشادہ رکھنے والے عالمِ دین

ہیں، ساتھ ہی ان کی نگارشات میں ادب کی چاشنی، الفاظ کی سلاست، تعبیرات کی جودت اور طرزِ تحریر کی دل کشی بھی پائی جاتی ہے اور ان کی تحریروں میں یہ خصوصیات اساتذۂ فن کے نثری ذخیرے کے گہرے مطالعے سے پیدا ہوئی ہیں۔

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی اعلیٰ تنقیدی بصیرت کے بھی حامل ہیں اور ان کے تنقیدی مضامین ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں چھپتے رہے ہیں، ان مضامین کا ایک مجموعہ بھی ۲۰۰۹ء میں "نقدِ معتبر" کے نام سے چھپ چکا ہے، اس کتاب کے مشمولات کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ثناء الہدیٰ قاسمی اعلیٰ پایے کے نقاد ہیں اور ان کا ادبی وتنقیدی وژن بڑے بڑے پیشہ ور اہلِ ادب ونقد سے منفرد بھی ہے، بالا بھی اور قابلِ قدر بھی۔

اس کے علاوہ بہار مدرسہ بورڈ کے تعارف وتجزیہ وتاریخ پر مشتمل انتہائی تحقیقی تصنیف "بہار مدرسہ بورڈ: تاریخ وتجزیہ" اور تیس سے زائد علما، اہل سیاست واہلِ قرابت کی وفات پر لکھے گئے تأثراتی مضامین کا مجموعہ بھی "یادوں کے چراغ" کے نام سے چھپ چکے ہیں، آخرالذکر کتاب جہاں متعلقہ اشخاص کو تاریخ میں زندگی عطا کرنے کا ذریعہ ہے، وہیں مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کی پیکر نگاری وشخصیت شناسی کی اعلیٰ قابلیت کی آئینہ دار بھی۔

ان کے علاوہ بھی مفتی صاحب کی کئی ایک باضابطہ تصنیفات ہیں، جو ان کی علمی وسعت، تاریخ دانی، تحقیق نویسی اور ادبی وفنی قابلیتوں کے عمدہ نمونے ہیں۔(۱)

مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی

پ: ۲۹/مارچ ۱۹۵۹ء-۱۹/رمضان ۱۳۷۹ھ

ہندوستان کی موقر ملی وسماجی تنظیموں میں سے ایک "تنظیمِ علمائے حق" کے اساس گذار و صدر مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی "کلٹی"، ضلع بردوان (مغربی بنگال) سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی کے مدرسہ اشرف المدارس اور ثانوی تعلیم مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور میں حاصل کی، چار سال دارالعلوم دیوبند میں رہے اور ۱۹۷۶ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔

مولانا کا قلمی ذوق انتہائی شستہ ورفتہ ہونے کے ساتھ طویل مدتی بھی ہے، انھوں نے اسی

(۱) مشتاق احمد (ڈاکٹر)، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی: حیات وخدمات، مطبوعہ: ۲۰۱۱ء۔

وقت سے لکھنا شروع کر دیا تھا، جب وہ دارالعلوم کے طالب علم تھے اور ان کی تحریریں تب ہی ماہ نامہ ''دارالعلوم''، ''تجلّی''، پندرہ روزہ ''دیوبند ٹائمز'' اور پندرہ روزہ ''مرکز'' جیسے رسائل میں چھپنے لگی تھیں، جو یقیناً ان کے روشن قلمی مستقبل کا اشاریہ تھا۔

چناں چہ دیوبند سے نکلنے کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کا قلم مسلسل محوِ سفر رہا اور وہ ملک کے رسائل واخبارات میں لکھتے رہے؛ بلکہ انھوں نے اپنے ذوقِ قلم رانی کو آسودگی بخشنے کے لیے ذاتی پندرہ روزہ رسالہ ''دریافت'' نکالا، جو دو سال تک جاری رہا اور ایک خالص ادبی رسالہ سہ ماہی ''وقار'' بھی جاری کیا، جو چار سال بعد بند ہو گیا۔

عرفی صاحب کے یہ رسالے گو زیادہ عمر نہ پا سکے، مگر انھوں نے اردو داں حلقوں کو اپنے وجود کا احساس ضرور دلا دیا، خاص طور سے ''وقار'' کو ادبی حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی اور اس کے ادبی مضامین اور اعجاز عرفی صاحب کے اداریے، جو وہ ''حرفِ وقار'' کے عنوان سے تحریر کیا کرتے تھے، قارئین کے ذہنوں میں آج بھی نقش ہیں۔

پھر جب مولانا نے اپنی خدمات کا دائرہ پھیلایا اور ۲۰۰۲ء میں دہلی میں ایک ملی، سماجی وعلمی ادارہ ''تنظیم علماے حق'' کی بنیاد رکھی، تو دو سال بعد ۲۰۰۴ء میں وہاں سے بھی ایک سہ ماہی مجلّہ ''حسن تدبیر'' جاری کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے شہرت ومقبولیت کی انتہائی منزلیں طے کر لی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حسن تدبیر'' کا ہر شمارہ جہاں ظاہری خوبیوں کے اعتبار سے انفرادی نوعیت اور مدیر کے اعلیٰ ذوق کا عکاس ہوتا ہے، وہیں مواد ومشمولات کے اعتبار سے بھی دستاویزی، حوالہ جاتی اور تاریخی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور اپنے مدیر کی گہری علمی وادبی بصیرت کا آئینہ دار بھی۔

فکرِ دیوبند سے تعلق رکھنے والے اداروں کے سیکڑوں رسائل وجرائد کے بیچ اعجاز عرفی کے ''حسنِ تدبیر'' کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس نے نہایت کم عمری میں ہی چوٹی کے اُن اکابرِ دیوبند کی حیات، خدمات، افکار اور کارناموں کی تبلیغ واشاعت کا قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے، جنھیں ان کی تمام تر علمی وجاہت، عظمت اور علوِ مرتبہ کے باوجود بہت حد تک بھلا دیا گیا تھا یا موجودہ حالات کے تناظر میں اس کا اندیشہ محسوس کیا جا رہا تھا، ''حسن تدبیر'' نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ، برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ اور فخر المحدثین مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے اور ان

کے روشن افکار و خیالات سے موجودہ نسل کو باخبر کرنے کا جو فخریہ کارنامہ انجام دیا ہے، اس کا کریڈٹ یقینی طور پر مولانا اعجاز عرفی کو جاتا ہے۔

اسی طرح ''حسنِ تدبیر'' کے ''اوقاف نمبر'' اور ''مدارس اسلامیہ نمبر'' کو جو پورے ملک میں تحسین وستایش کی نظر سے دیکھا گیا، اس میں بھی بلاشبہ اس کے مدیر کے علم وقلم اور فکر و تدبر ہی کی کارفرمائی تھی۔

مولانا عرفی نے بامقصد وتعمیری صحافت اور پرخلوص قلمی جد وجہد کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے مئی ۲۰۱۲ء سے ایک پندرہ روزہ میگزین ''فکرِ انقلاب'' بھی جاری کیا ہے اور اس کا بھی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حیات کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ایک انتہائی کامیاب اور دستاویزی خصوصی گوشہ شائع کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم قاسمی

پ: ۲۵/جولائی ۱۹۵۹ء - ۱۹/محرم ۱۳۷۹ھ

دیوبند کی علم ریز وگہر خیز سرزمین نے میدانِ علم وادب وصحافت کے جن جیالوں کو جنم دیا، ان میں موجودہ نسل کا ایک روشن نام ڈاکٹر عبید اقبال عاصم کا بھی ہے، پھر ان کی خوش نصیبی صرف یہی نہیں کہ ان کا مولد ایسا خطۂ ارضی ہے، جس کا ذرہ ذرہ لعل وگہر سے بھی سوا قدر و منزلت رکھتا اور جس کی فضاؤں میں ایسے بندگانِ خدامست کے انفاس قدسیہ کی خوشبوئیں رچی بسی ہیں، جن کے انتظار میں برسوں فلک سرگرداں رہتا ہے، تب جاکر پردۂ خاک سے ان کا ظہور ہوتا ہے؛ بلکہ ان کی بلند طالعی یہ بھی ہے کہ انھیں شروع سے لے کر اخیر تک تعلیم وتربیت کے لیے دار العلوم دیوبند جیسی عظیم القدر دانش گاہ ملی اور ان کے ضمیر وخمیر میں اس کی علمی، ادبی، فکری وروحانی خصوصیات پیوست ہوگئیں۔

دیوبند کی ان تمام امانتوں کی بہ تمام وکمال حفاظت کے ساتھ عصری تعلیم گاہوں سے بھی استفادہ کیا اور یوپی بورڈ سے فاضل، میرٹھ یونیورسٹی، میرٹھ سے بی اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ایم اے اور عظیم فقیہ ومحدث علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی حیات وخدمات پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

عبید اقبال عاصم علم و تحقیق کے ساتھ قلم و قرطاس سے بھی لمبی اور مضبوط رفاقت رکھتے ہیں، دارالعلوم میں تحصیلِ علم کے دوران دیواری پرچوں سے منسلک رہے، ان کی ادارت بھی کی اور ان میں مقالات بھی لکھے، فراغت کے بعد متعدد مقامی اخبارات سے بہ حیثیت نامہ نگار وابستہ رہے، دو سال (۸۶-۱۹۸۵ء) دیوبند کے پندرہ روزہ اخبار ''اجتماع'' کے مدیر رہے، اِن دنوں ماہ نامہ ''علمی صدا'' دہلی کے مرتب ہیں اور ہندوستان کے مشہور اخبارات روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی، ''آزاد ہند'' کولکاتہ، ''منصف'' حیدر آباد، ''انقلاب'' دہلی اور متعدد علمی، دینی و ادبی رسائل و جرائد میں بھی ان کے مقالات چھپتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم چوں کہ قدیم و جدید؛ ہر دو اداروں کے فیض یافتہ، وقّاد ذہن کے مالک اور عربی و اردو دونوں زبانوں کے پیچ و خم سے مکمل آگہی رکھنے والے قلم کش ہیں؛ اس لیے ان کے یہاں جہاں مستند معلومات کا وفور، خیالات کی سنجیدگی اور اندازِ فکر کا توسُّط ہے، وہیں اپنی بات پیش کرنے کا ایسا سلیقہ بھی، جو قاری کے دل و دماغ کو تر و تازگی بخشتا اور اس کے شعور و احساس پر وجد و کیف طاری کر دیتا ہے۔

عاصم صاحب کے کئی علمی، ادبی و تحقیقی مقالات کے مجموعے چھپ چکے ہیں، جن میں ڈاکٹریٹ کے مقالے کے علاوہ ''اجتماعی نظامِ زکوۃ''، سچر کمیٹی کی رپورٹ کے جائزوں پر مشتمل ''انصاف کی دستک'' اور مولانا آزاد کے خطوط کے پرکشش مجموعہ ''غبارِ خاطر'' میں درج عربی اردو و فارسی اشعار کے ترجمہ و تشریح کو شامل ''غبارِ خاطر اور اس کا شعری سرمایہ'' خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، جب کہ ان کے متعدد مقالات طباعت کے مرحلے میں ہیں، جن میں سے ایک اہم مقالہ ''دیوبند ہے جس کا نام'' کے زیرِ عنوان ہے، یہ مقالہ دیوبند کے ماہ وار رسالہ ''محدثِ عصر'' میں کئی قسطوں میں چھپ کر مکمل ہوا ہے، اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں عاصم صاحب نے اپنے مخصوص رنگ و آہنگ میں دیوبند کی تقریباً سو سالہ علمی، ادبی، تہذیبی، روحانی، سماجی و سیاسی تاریخ کے نو بہ نو گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے، اس کے مطالعے سے ہر کوئی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ صاحبِ تحریر کا فکری افق انتہائی وسیع بھی ہے اور بلند بھی، ان کا ذوقِ تحقیق و جستجو کسی کسل مندی کا قائل نہیں اور وہ علم و ادب کے تازہ بہ تازہ جہانوں کی سیر کو اپنے لیے ''حیاتَین'' سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر منور حسن کمال قاسمی

پ: ۹/اگست ۱۹۵۹ء-۴/صفر المظفر ۱۳۷۹ھ

مغربی یوپی کے معروف شہر مظفر نگر کے متوطن، ہندوستان کے مشہور صحافی، تبصرہ نگار اور اسکالر ڈاکٹر منور حسن کمال نے ابتدائی وثانوی تعلیم مدرسہ تعلیم القرآن، مسجد راعیان، کھالا بار، مظفر نگر، مدرسہ مرادیہ مظفر نگر اور جامعہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی اور ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔

عصری اداروں سے بھی بھر پور طور پر مستفیض ہوئے، ۸۶-۱۹۸۵ء میں آگرہ یونیورسٹی، آگرہ سے اردو میں ایم،اے کیا اور ۵-۲۰۰۴ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ''تحریکِ خلافت ہندوستان کی مسلم صحافت کے آئینے میں'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، بعد میں یہ مقالہ نام کی تبدیلی کے بعد ''تحریکِ خلافت اور جدو جہدِ آزادی'' کے نام سے ایجوکیشنل پبلی کیشن ہاؤس، دہلی سے شائع بھی ہوا۔

ڈاکٹر منور حسن کمال کا صحافتی مذاق بہت ہی اعلیٰ اور قلم وقرطاس سے ان کا رشتہ بہت ہی قدیم اور مضبوط ہے، دیوبند کی طالبِ علمی کے زمانے میں ہی وہ عمدہ مضامین لکھنے لگے تھے اور اس راہ میں جہاں ان کے جذبۂ بے پایاں اور شوقِ فراواں نے ان کی ہم نوائی کی، وہیں معروف ادیب وشاعر ونقاد ڈاکٹر تابش مہدی کی حوصلہ بخشیاں بھی ان کے ہم رکاب رہیں، جن سے وہ اپنے مقالات پر اصلاح لیا کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جہاں انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران طلبہ مظفر نگر کی انجمن ''جمعیت التہذیب'' کے جداری میگزین ''سالار'' کی کامیاب ادارت کی، وہیں ان کے مقالات ہندوستان کے مشہور اردو روزناموں ''پرتاب''، ''تیج''، ''قومی آواز''، ماہ نامہ ''الایمان'' دیوبند اور پندرہ روزہ ''اجتماع'' دیوبند وغیرہ میں اسی زمانے میں شائع ہونے لگے۔

دیوبند سے نکلنے کے بعد بہ ظاہر انھوں نے نوشت وخواند کے سلسلے کو ترک کر دیا اور تجارت میں مشغول ہو گئے، مگر وہ صلاحیتیں، جو انھیں دیوبند کے علمی وادبی ماحول میں حاصل ہوئی تھیں اور قلم پروری کی وہ قابلیت، جو انھوں نے بڑی جہد وریاض کے بعد حاصل کی تھی، اس نے

ان کے حوصلہ وہمت کو مہمیز کیا؛ چناں چہ منور حسن کمال نے دیگر ادبی سرگرمیوں میں انہماک کے ساتھ سہارن پور کے ہفت روزہ ''انڈین میسیج'' میں ''تلخ، ترش، شیریں'' کے زیر عنوان مستقل کالم شروع کیا، جس کے تحت ہم عصر اخبارات کی سرخیوں پر طنزیہ تبصرے کیے جاتے تھے۔

ستمبر ۱۹۹۳ء میں تجارت کی پیشے سے مکمل طور پر ہاتھ اٹھالیا اور دہلی آ گئے، یہاں جامعہ اہل بیت کے دو ماہی مجلّہ ''توحید'' سے وابستہ ہو گئے، اکتوبر ۱۹۹۴ء میں نئی دنیا گروپ کے روزنامہ اخبار ''عوام'' سے منسلک ہوئے اور اس اخبار میں ادبی وسیاسی مضامین کے علاوہ ہفت روزہ ''نئی دنیا'' کے مستقل کالم ''کتاب نما'' کے تحت تبصرہ نگاری بھی شروع کی اور ان دونوں اخباروں کے علاوہ دہلی کے رسائل ''ایوانِ اردو''، ''آج کل''، ''یوجنا'' اور ''اردو دنیا'' وغیرہ میں بھی ادبی وتنقیدی تحریریں لکھتے رہے، جن کی تعداد تقریباً سو ہے، اسی طرح متعدد موضوعات پر لکھی گئی کتابوں پر ان کے تبصروں کی تعداد بھی اتنی ہی یا اس سے زیادہ ہے۔

دسمبر ۱۹۹۸ء سے سہارا گروپ کے اردو روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' سے وابستہ ہیں اور اس میں بھی سیاسی وسماجی تحریروں کے علاوہ تبصرہ نویسی کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔

ادب وصحافت سے طویل وابستگی اور وسعتِ مطالعہ نے منور حسن کمال کے فکر میں گہرائی اور شعور میں رفعت وہمہ جہتی کے ساتھ ان کے قلم میں غیر معمولی سلاست، روانی، برجستگی اور بے تکلفی بھی پیدا کر دی ہے، ان کی تحریر اگر ایک طرف معلومات وتاریخ کے نو بہ نو دریچے کھولتی ہے، تو دوسری طرف اس کے بے ساختہ پن اور سادگی میں پائی جانے والی قیامت کی دل کشی قاری کو اپنا اسیر کیے بغیر نہیں رہتی، منور حسن کمال صاحب بڑی سے بڑی بات کہنے کے لیے سہل سے سہل الفاظ استعمال کرتے ہیں، ان کے یہاں بوجھل تعبیرات، ادق الفاظ اور نامانوس تراکیب کا گزر بھی نہیں؛ یہی وجہ ہے کہ ان کا قاری فوراً موضوع کی تہ تک پہنچ جاتا اور کسی مشقت کے بغیر اس کے ذہن ودماغ معلومات ومعانی کے گہرہائے آب دار سے مالامال ہو جاتے ہیں۔

منور حسن کمال کا یہی انداز تحریر ان کے سیاسی، سماجی، علمی، ادبی وتنقیدی؛ ہر قسم کے مقالات میں پایا جاتا ہے: اس لیے عصر حاضر کے معروف اہل علم وقلم نے جہاں ان کے معلومات کی تحیّر زا وسعت اور مطالعے کے تعمق کا اعتراف کیا ہے، وہیں ان کے طرز تحریر کی یکسانیت کو بھی سراہا ہے۔

منور حسن کمال کے تصنیفی سرمایے میں پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے کے علاوہ ''حکیم الامت حضرت تھانویؒ: مختصر حالات، خدمات اور کارنامے''، جوانہوں نے فراغت کے سال لکھی تھی اور تعلیمی بورڈ لکھنؤ کے لیے تیار کردہ دو نصابی کتب ''ادیب اردو گائڈ'' اور ''اردو کے نصابی شعرا'' ہیں ،جب کہ ان کے ادبی، تنقیدی و تحقیقی مقالات کے ایک سے زائد مجموعے طباعت کے مرحلے میں ہیں، جن میں ''اردو صحافت کے مدوجزر''، ''شعور سے لاشعور تک''، ''تحریکِ خلافت و آزادی اور ہندوستان کے علماو دانش ور'' اور ایک شعری مجموعہ ''استعارہ'' بھی شامل ہے۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

پ: ۱۵/اگست ۱۹۶۰-۲۱/صفر المظفر ۱۳۸۰ھ

شمالی بہار میں علم و دین و ختمِ نبوت کی حفاظت و اشاعت کا بیڑہ اٹھانے والے اور اس راہ میں مسلسل تگ و تاز، پیہم تگ و دو اور بے پایاں جہد و اجتہاد کی بہ دولت ملک و بیرونِ ملک کے ممتاز علماو مفکرین اور دانش وران کی نگاہِ اعتبار میں جگہ پالینے والے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے تعلیم کا آغاز اپنے وطن ''مدھوبنی''، ضلع سپول (بہار) سے کیا، فارسی درجات مدرسہ فیض عام رحمانی، چین سنگھ پٹی، سپول میں پڑھے اور عربی کی ابتدائی تعلیم جامعہ سراج العلوم، تاتھہ بازار، سیوان اور جامعہ عربیہ نورالاسلام، میرٹھ میں اور ثانوی تعلیم دارالعلوم وقف دیوبند میں حاصل کی اور فضیلت جامعہ مظاہرِ علوم، سہارن پور سے ۱۹۸۶ء میں پاس کیا۔

مفتی محفوظ الرحمٰن فطری طور پر دلِ دردمند اور فکرِ ارجمند رکھنے والے عالمِ دین ہیں اور امت کی علمی، معاشی، ملی و سیاسی زوال مندیوں پر ان کا قلب ہر لمحہ بے چین اور ان کی طبیعت ہمہ وقت محوِ تفکر رہتی ہے، ان کی یہی عطاء الٰہی صفت تھی کہ فراغت کے بعد انہوں نے اپنے علاقے میں (جو صوبۂ بہار کا ہر اعتبار سے پس ماندہ ترین خطہ کہا جاسکتا ہے) سب سے پہلے ایک دینی مکتب کی بنیاد رکھی اور ان کے خلوص، لگن، غیر معمولی دل چسپی اور دُوروں کے درد و کرب و فکر مندی کی کارفرمائی کہیے یا دستِ غیب کی خاص کرم گستری کہ آج ان کا قائم کردہ وہ مکتب شمالی بہار میں علوم نبوت کی تعلیم و تبلیغ و اشاعت کے عظیم الشان مرکز میں بدل چکا ہے اور خاصانِ خدا کے ساتھ عامۃ المسلمین کی مادی و معنوی معونتیں ہر آن اس کی ترقیات اور حصول یابیوں میں اضافہ کررہی

ہیں، اسی طرح مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی سر براہی میں ایک ملی تنظیم ''سیمانچل ڈیولپمینٹ فرنٹ'' بھی اس خطے کے افلاس زدہ مسلمانوں کی نصرت واعانت میں پیہم سرگرم ہے اور اپنی نمایاں کار کردگیوں کی بنا پر اسے بھی مسلمانوں کی بھر پور تایید وتصویب حاصل ہے۔

مفتی صاحب ایک بڑے تعلیمی ادارے کے ذمے دار، ایک ملی تنظیم کے سرپرست اور متعدد علمی، دینی وملی تنظیموں کے سرگرم رکن ہونے کے ساتھ ایک اچھے اہلِ قلم بھی ہیں اور رسائل واخبار میں لکھتے رہنے کے ساتھ ۲۰۰۰ء سے اپنی ادارت میں دہلی سے ایک علمی، دینی، ادبی، اصلاحی و تحقیقی رسالہ ماہ نامہ ''معارفِ قاسم جدید'' بھی نکال رہے ہیں۔

مفتی صاحب کا ''معارفِ قاسم'' گو ابھی نوخیزی ہی کے عرصے سے گزر رہا ہے، مگر اس کے باوصف ہندوستان کے طول وعرض سے شائع ہونے والے رسائل کے بے پناہ ہجوم میں اسے ایک خاص وقار واعتبار حاصل ہو چکا ہے اور اس کے ناظرین وقارئین بڑے پیمانے پر ہندوستان اور بیرونِ ہند میں بھی پائے جاتے ہیں۔

''معارفِ قاسم'' کی اس مقبولیت وہردل عزیزی کا اہم عامل یہ ہے کہ جہاں اس کے عام شمارے مدیرِ رسالہ کی وقیع تحریروں اور ماہر قلم کاروں کی بصیرت افروز نگارشات سے مرصع ہوتے ہیں، وہیں آئے دن موقع وموسم کی مناسبت سے اس کے خصوصی نمبرات بھی اپنے دامن میں دلوں کی طمانیت، نگاہوں کی آسودگی، ذہن ودماغ کی سیرابی اور ذوق ووجدان کے سرور وکیف کے ہزار سامان کے ساتھ جلوہ طراز ہوتے رہتے ہیں۔

بہار کی سرزمین سے اٹھ کر عالمِ انسانیت کے گوشے گوشے کو اپنی علمی یکّہ تازی، فقہی بصیرت اور دانش ورانہ افکار کی کرنوں سے منور کر جانے والے دیوبند کے فاضل قاضی مجاہد الاسلام کی حیات و خدمات کی تمام جہات کو محیط ''معارفِ قاسم'' کا قاضی مجاہد الاسلام نمبر، نبیِ پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف گوشوں کو نثر ونظم کی زبان میں عالم آشکارا کرنے والے گزشتہ وموجودہ اربابِ قلم وسخن کے فکری نتائج کا اعلیٰ ومتبرک نمونہ ''سیرت النبی نمبر''، موجودہ عالمی نظام (world order) کی تنگ ظرفیوں، ناقدر شناسیوں، بے مہریوں، سفاکیوں، فحاشیوں اور تہذیبی، فکری، علمی، اخلاقی ومعاشی سطح پر جور وجفا اور ستم ایجادیوں کا تختۂ مشق بنی ہوئی انسانیت کو اسلام کے نظریۂ انسانیت سے باخبر کرنے اور اس حوالے سے اس کی روشن تعلیمات وارشادات سے آگاہی بخشنے والا ''پیامِ انسانیت نمبر'' اور

ہندوستان کی لادینی حکومتوں کے زیرِ سرپرستی موقع بہ موقع مسلمانوں کے پرسنل مسائل پر اٹھنے والی گستاخ نگاہوں کو روکنے، اسلامیانِ ہند کو اپنے شعائر وعلائمِ دینی سے باخبر کرنے اور ان کی حتی الوسع حفاظت کی اہمیت کو بتلانے والا ''مسلم پرسنل لانمبر'' اپنی بے پناہ وقعت، اثر انگیزی اور معنویت کی بنا پر اشاعت اول دن سے لے کر آج تک قارئین کے ورد زبان ہیں۔

''معارفِ قاسم'' کی ان حصول یابیوں میں بلاشبہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کے فکر و تدبر اور حسنِ تنظیم وترتیب کے ساتھ ان کے قلم کا بھی دخل ہے اور یہ واقعہ ہے کہ ان کا قلم علم ریز، شگفتہ اور سلیس ہے، وہ اپنی تحریروں میں ذخیرہ ہائے معلومات پیش کرنے کے ساتھ حُسنِ تحریر، جودتِ تعبیر اور پیرایۂ بیان کے جمال کا بھی عمدہ مظاہرہ کرتے ہیں، اسی طرح ان کی تحریر، ان کی تقریر کی مانند مرتب اور مرصع ہوتی، اس کے اجزا خوش نما قلادے کے موتیوں کی طرح باہم متناسب و مسلسل ہوتے اور اس سے قلب ونگاہ دونوں بہ یک وقت آسودہ ہوتے ہیں۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کے روشن افکار، منور خیالات اور ادبی حلاوتوں سے مملو علمی، اصلاحی، سماجی وسوانحی تحریروں کے درجن بھر سے زائد مجموعے چھپ کر حلقۂ خاص وعام میں مقبولیت و پذیرائی حاصل کر چکے ہیں اور ہنوز ان کا قلم اپنی تمام تر قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ جولاں ہے۔

مولانا نثار احمد حصیر القاسمی

پ: ۱۲/ دسمبر ۱۹۶۱ء - ۸/ رجب ۱۳۸۱ھ

مولانا نثار احمد حصیر القاسمی کا وطنی تعلق سہرسہ (بہار) سے ہے، انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں اور ثانوی تعلیم جامعہ رحمانی مونگیر میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۹ء میں اعلیٰ نمبرات سے فضیلت پاس کیا، پھر یہیں سے ۸۱-۱۹۸۰ء میں عربی زبان ادب میں تخصص کیا ۱۹۸۷ء میں کنگ سعود یونیورسٹی ریاض سے عربی زبان وادب میں براعت کا سرٹیفکٹ حاصل کیا اور ادھر کئی سالوں سے جنوبی ہند کی مشہور دینی درس گاہ دارالعلوم سبیل السلام کے استاذِ تفسیر وحدیث ومدیر شعبۂ عربی ادب کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا کو شروع ہی سے عربی ادب وانشا سے خاص شغف تھا؛ چناں چہ دورانِ طالبِ علمی ہی میں دارالعلوم کے عربی ماہ نامہ ''الداعي'' میں ان کے کئی مقالات شائع ہوئے، اسی طرح سعودی

عرب کے کئی رسالوں میں ان کے مضامین مسلسل چھپتے رہے ہیں، ایک عرصے تک عربی مجلہ ''الثقافہ'' کی ادارت بھی کر چکے ہیں۔

عربی ادب وانشا کا خصوصی ذوق رکھنے اور عربی رسالوں میں مسلسل لکھنے کے ساتھ اردو صحافت سے بھی ان کا دیرینہ تعلق ہے اور آج وہ ایک عظیم صحافی کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں، جنوبی ہند کے بیشتر اخبارات ورسائل میں متعدد موضوعات، خصوصاً عالمی سیاسیات پر ان کی تحریریں پابندی سے چھپتیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

نثار احمد القاسمی کی تحریریں عصرِ حاضر کے پیشہ ور صحافیوں کی مانند زبان وبیان کے سُقم، علم وفہم کی نارسائی اور حالات ومسائل کے خام کارانہ تجزیوں کی عکاس نہیں ہوتیں؛ بلکہ ان میں زبان وادب کی رعنائیوں کے ساتھ ایک ذی علم وبابصیرت صحافی کی پختہ نگاری کا بھی مکمل احساس ہوتا ہے، روز نامہ منصف کے ہفتہ وار خصوصی کالم ''نقوش'' روز نامہ ''آزاد ہند'' کولکاتہ، ''اخبارِ مشرق'' دہلی، کولکاتہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ اور ''فاروقی تنظیم'' رانچی میں شائع ہونے والے ان کے مضامین جہاں ادب وزبان کے اصول وقواعد پر پوری طرح کھرے اترنے والے ہوتے ہیں، وہیں ان میں ان کے ہمہ جہت صحافتی شعور کی جھلک بھی بہ خوبی پائی جاتی ہے۔

عربی ادب وصحافت سے بہ راہِ راست اور گہری واقفیت کی وجہ سے بہ طورِ خاص عالمِ عرب کے تعلق سے ان کی تحریروں میں دیگر اہلِ قلم کے مقابلے میں زیادہ گیرائی اور بصیرت مندی پائی جاتی ہے۔

مولانا غلام نبی کشمیری

پ: ۲؍ جولائی ۱۹۶۲ء - ۲؍ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

دارالعلوم وقف دیوبند کے مایہ ناز ومقبول استاذِ حدیث وادب اور شستہ طرزِ نگارش کے مالک اہلِ قلم مولانا غلام نبی ''شاہ پور''، ضلع پونچھ، کشمیر کے متوطن ہیں، تعلیم کا آغاز عصری علوم سے کیا اور دسویں تک کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد دینیات کی طرف متوجہ ہوئے، ابتدا مدرسہ ضیاء العلوم، پونچھ سے کی، عربی کے شروعاتی درجات مدرسہ شاہی مراد آباد میں پڑھے اور سوم عربی سے تا بخاری شریف کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کر کے ۱۹۸۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی. اس کے بعد الہ آباد

بورڈ سے منشی فاضل، جامعہ دینیات دیوبند اور جامعہ اردو علی گڑھ کے جملہ امتحانات کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ایم اے (عربی) اور آگرہ یونیورسٹی، آگرہ سے ایم اے (اردو) بھی پاس کیا۔

۱۹۸۵ء میں پہلا مضمون بہ عنوان ''انسانی زندگی پر شرک کے اثرات'' لکھا، جو ''ندائے دارالعلوم'' کے علاوہ متعدد رسائل میں شائع ہوا، اس کے بعد سے باقاعدہ لکھتے رہے اور ان کے مقالات ہندوستان کے مشہور رسائل واخبار میں شائع ہونے لگے، ان دنوں ۲۰۰۴ء سے ماہ نامہ ''فکر ونظر'' جموں وکشمیر، اور دسمبر ۲۰۰۶ء سے ماہ نامہ ''ندائے دارالعلوم'' کی ادارت انجام دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ملک کے مختلف رسائل واخبارات میں بھی وقفے وقفے سے ان کے مقالات چھپتے رہتے ہیں۔

مولانا کشمیری کا مطالعہ عمیق ہے، ان کے افکار ونظریات میں تازگی وشگفتگی کے ساتھ اسلامی اسپرٹ سے بھرپور ہم آہنگی ہے اور اسلامی تاریخ کے ساتھ عالمی تاریخ کے مد وجزر سے بھی انھیں گہری واقفیت ہے، ساتھ ہی عربی واردو ادبیات پر کامل دست گاہی کے ساتھ مختلف اسالیبِ بیان پر بھی وہ غیر معمولی مقدرت رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کے مضامین میں علم ریزی، افکارِ تازہ کی نمود اور تاریخ کی تہہ بہ تہہ پرتوں سے واقف کاری کے عناصر تو پائے ہی جاتے ہیں، ساتھ ہی ان کا قلم حسین ودل نشیں طرزِ پیش کش کے بھی عمدہ اور دل ودماغ کو موہ لینے والے نمونے بھی پیش کرتا ہے، وہ کسی بھی اسلامی، ادبی وتاریخی موضوع پر لکھتے وقت نہ صرف یہ کہ قاری کے معلومات کی افزائش کا بھرپور خیال رکھتے ہیں؛ بلکہ خوش منظر اور دل پسند الفاظ، شستہ جملوں اور سحر انگیز تعبیرات ومحاورات کے برمحل استعمال کے ذریعے اس کے ادبی مذاق کی سیری کا بھی بھرپور سامان کرتے ہیں۔

مولانا کے پر بہار وگہر بار قلم سے سیکڑوں مضامین کے علاوہ تفسیر، حدیث اور ادبِ عربی کے موضوع پر بیش قیمت تصنیفات منظرِ عام پر آکر قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں، واعظین وخطبا کو بھی انھوں نے ''بارہ مہینوں کی بارہ تقریریں''، ''جوہرِ گفتار'' اور ''فکر انگیز تقریریں'' کے ذریعے تقریر وخطابت کے مستند اور قابلِ قدر مواد فراہم کیے ہیں، دعوت وتبلیغِ اسلامی کے حوالے سے علمائے کرام، ہم عصر دُعات اور مفکرین ودانش وران کے درمیان پائی جانے والی فکری وعملی کشاکشی کو

دور کرنے والی اور تبلیغ ودعوت کی حقیقی نوعیت وحیثیت کو آشکار کرنے والی کتاب ''دعوت وتبلیغ کتاب وسنت کی روشنی میں'' بھی ان ہی کی دقتِ نظری وتہ بینی کا نتیجہ ہے اوران سب کے علاوہ موجودہ عالمی منظرنامے کے پیشِ نظران کا ایک مہتم بالشان کارنامہ ''اسلامی تعلیم کا اخلاقی پہلو'' ہے، یہ کم بیش اٹھارہ سوصفحات کومحیط غیر معمولی ضخامت رکھنے والی کتاب ہے، جس میں انہوں نے قرآن وحدیث اورقرونِ مشہود لہا بالخیر کے باکردار مسلمانوں کی روشن زندگیوں کوسامنے رکھ کر اسلام کے نظریۂ اخلاق کا مبسوط ومحقق جائزہ لیا ہے، صاحبِ موصوف کی اپنی نوعیت کی یہ منفرد تصنیف زیرِ طبع ہے، اس کی توقع کی جانی چاہیے کہ دیوبند کے اس جلیل القدر فاضل، محدث اور اہلِ قلم کی یہ کاوش نہ صرف یہ کہ اسلامی اخلاق واقدار کا ''انسائیکلو پیڈیا'' ثابت ہوگی؛ بلکہ عصرِ حاضر میں اسلام کے خلاف عاقبت نا اندیش یگانوں اورتعصب وتنگ نظری کے سرسام میں مبتلا بے گانوں کے اسلام اوراسلام کے اعلیٰ اخلاقی نظریات کے خلاف پھیلائے گئے دھند کوصاف کرنے میں بھی اہم کردارادا کرے گی۔

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

پ: ۲۵/اگست ۱۹۶۲ء-۲۱/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ

نبیرۂ امام العصر خاتم المحدثین علامہ انورشاہ کشمیریؒ، اپنے وقت کے صاحبِ اسلوب نثر نگاروبابصیرت صحافی مولانا سیدازہرشاہ قیصرؒ کے فرزنداوراپنے نام ورخاندان کی علمی، فکری، ادبی وصحافتی وراثتوں کے امین مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی پیدائش دیوبند میں ہوئی، از ابتدا تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اوریہیں سے ۱۹۸۱ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، اس کے علاوہ آگرہ یونیورسٹی، آگرہ سے ایم اے بھی پاس کیا۔

اپنے قابل والد کے زیرِ تربیت قلمی سفرشروع کیااوراسی وقت سے باقاعدہ لکھنے لگے، جب کہ عمر کی ابتدائی منزلوں میں تھے اور ہنوز عربی کے ابتدائی درجات کے طالبِ علم تھے، اس وقت سے آج تک ان کے قلم کی روانی میں کوئی سی سستی وکسل مندی واقع نہ ہونے پائی؛ بلکہ جوں جوں کاروانِ حیات آگے بڑھتا گیا، ان کے ذوقِ قلم رانی میں مزید فراوانی پیدا ہوتی گئی، زمانے کی ناہمواریوں اور انقلاباتِ دہر کی پیہم ستم ایجادیوں نے ان کے پائے استقامت کو پابندِ زنجیر

کرنے کی بہ جائے مزید حوصلہ و ہمت سے سرشار کر دیا اور وہ چپ وراست کی نامساعدانہ فضاؤں سے بے نیاز اور کسی صلہ وستایش کی تمنا کیے بغیر، تحریر وانشا کے نو بہ نو موضوعات پر اپنے گراں بہا نتائجِ فکر پیش کرتے اور اردو ادب وصحافت کی بے غرضانہ خدمت کرتے رہے، ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۵ء تک دیو بند سے نکلنے والے پندرہ روزہ اخبار ''اشاعتِ حق'' کے نائب مدیر اور ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۳ء تک اس کے مدیرِ اعلیٰ رہے، ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۸ء تک ماہ نامہ ''طیب'' کی سب ایڈیٹری کی، ایک عرصے تک وقف دارالعلوم دیو بند کے ترجمان پندرہ روزہ ''ندائے دارالعلوم'' کے رکنِ مجلسِ ادارت رہے، ان کے علاوہ کم وبیش چالیس سال کے عرصے میں ملک بھر کے پچاسوں ماہانہ و پندرہ روزہ رسائل، ہفتہ وار میگزینوں اور روزانہ اخبارات میں دینی، علمی، اصلاحی، ادبی، تحقیقی وسوانحی موضوعات پر مقالات لکھتے رہے، جن کی تعداد بلا تامل دو ہزار کے قریب ہوگی۔

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کے جو ادبی وصحافتی نقوش اب تک ابھر کر سامنے آئے ہیں، ان کی روشنی میں یہ رائے قائم کرنا بالکل مبنی برحق ہے کہ وہ اپنے یگانۂ عصر والد کی مانند ادب وصحافت کی ہر ادا میں ڈھلے ہوئے ہیں، زبان ان کی لونڈی، بیان خانہ زاد، فصاحت پیش کار، بلاغت خدمت گزار، مطالعہ اپنی آبائی روایتوں کی طرح بے کراں، مشاہدہ غیر مختتم، تجربہ ہر لحظہ، فارسی، اردو و عربی زبانوں پر کامل گرفت، دماغ تاریخ کے متعدد الجہات پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے، زبان شمع، سلاست لو، ذہانت اپنے والد اور دادا کی مانند ضرب المثل، ظرافت ملیح، جیسے بلّور کی پیشانی پر سیندور کا ٹیکہ، لکھنے کی تکنیک ایسی کہ طبیعتیں خود بہ خود کھنچتی چلی جائیں، اسلوب بے مثال، الفاظ کے ٹانکے ٹانکے سے حسن وسحر طرازی جھلکے؛ یہ ہیں دیو بند سے منسوب عصرِ حاضر کے باکمال اہلِ قلم مولانا نسیم اختر شاہ قیصر!۔

ویسے تو مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مذکورہ ہر موضوع پر ان ہی خصوصیات کے ساتھ لکھتے ہیں، مگر خاکہ نگاری ان کا اختصاصی موضوع ہے، جہاں زیرِ قلم شخصیت کا وہ خاکہ ہی نہیں کھینچتے؛ بلکہ الفاظ میں اس کی دل نشیں تصویر اتار کر رکھ دیتے ہیں اور ان کی تحریر میں نقاشی وعکاسی دونوں کا حسن لَو دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

ان کے قلم سے عالمِ اسلام کی کم وبیش سو قد آور گزشتہ وموجودہ شخصیات کے خاکوں کے

مجموعے ''میرے عہد کے لوگ''، ''جانے پہچانے لوگ''، ''اپنے لوگ''، ''شیخ انظر'' اور ''جانشینِ امام العصر'' کے نام سے منظرِ عام پر آکر بے پناہ دادو تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

ان کے علاوہ ان کے علمی سفر کی پُرکشش روداد ''میرے عہد کا دارالعلوم''، مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ کی ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ ''خطباتِ شاہی'' اور مختلف علمی و دینی موضوعات پر لکھے گئے ان کے مقالات کا مجموعہ ''حرفِ تابندہ'' بھی حد درجہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے ہیں۔

خردوں کی قلمی تربیت کے حوالے سے بھی مولانا نسیم اختر شاہ قیصر اپنے فیض رساں والد کے سچے جانشین ہیں، جس طرح ان کے والد کی ہمہ وقتی تربیت کے طفیل بہت سے اہلِ قلم کو نشو و ارتقا حاصل ہوا اور انہیں ابھرنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع ملے، اسی طرح مولانا نسیم اختر شاہ قیصر بھی نسلِ نو کی قلمی تربیت میں ہمہ دم مصروف رہتے اور اس کی حوصلہ بخشی و قدر افزائی میں کوئی دریغ نہیں کرتے، جہاں وہ وقف دارالعلوم دیوبند میں مقالہ نگاری سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو تربیت دیتے ہیں، وہیں انہوں نے عام طلبۂ مدارس کی صحافتی تربیت کے لیے بھی باقاعدہ ایک ادارہ ''مرکز نوائے قلم'' قائم کر رکھا ہے، اس ادارے نے اپنی عمر کے صرف چھ سال میں فضلائے مدارس کی قلمی پرداخت، صحافتی تربیت اور تخلیقی ذہن سازی کا قابلِ رشک کارنامہ انجام دیا ہے، موجودہ صحافتی منظرنامے پر نئی نسل کے کئی ایسے نام ہیں، جو بلاشبہ مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کے خوانِ تربیت کے فیض یافتہ ہیں۔

مولانا محمد عمران قاسمی

۴؍فروری ۱۹۶۵ء-۲؍شوال ۱۳۸۴ھ

شمالی بہار کی مرکزی دینی وعلمی درس گاہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ دارالعلوم بالاساتھ، سیتامڑھی کے شیخ الحدیث اور ضلع سیتامڑھی کے قاضیِ شریعت مولانا محمد عمران قاسمی ''بلواہا'' (سیتامڑھی) کے متوطن ہیں، تعلیم کی ابتدا اپنی والدہ ماجدہ کے پاس کی، عربی کی ابتدائی وثانوی تعلیم دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ، میرتی گیٹ، جودھپور (راجستھان) میں حاصل کی اور ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

قیامِ دیوبند کے زمانے میں طلبۂ ضلع مظفرپور، سیتامڑھی، ویشالی وشیوہر کی مشترکہ انجمن

''نادیۃ الاصلاح'' سے وابستہ رہے اور اس کے ماہانہ جداری پرچے ''صبحِ نو'' سے اپنا قلمی سفر شروع کیا، اسی دوران چند باذوق احباب کے ساتھ مل کر ایک روزنامہ اخباری پرچہ ''نشانِ راہ'' بھی نکالتے رہے، جس میں طلبۂ دارالعلوم کی علمی وادبی کارگزاریوں اور اس کے احاطے میں شب وروز کے دورانیے میں انجام پانے والی گوناگوں سرگرمیوں کی خبروں کے ساتھ عصری موضوعات پر عمدہ تجزیاتی مقالے بھی شائع کیے جاتے تھے، قاضی صاحب نے طالبِ علمی کے دوران ہی ''اتحاد واتفاق'' کے عنوان سے ایک مفصل مقالہ بھی لکھا، جس میں تاریخی سرگزشتوں اور حقائقِ عروج وزوالِ اقوام وملل کی روشنی میں اتحاد اور یگانگت کی ثمر خیزیوں اور تشتت وتشرذم کی اندوہ ناکیوں سے نقاب کشائی کی گئی تھی، پھر اسے باضابطہ رسالے کی شکل میں شائع بھی کیا اور موضوع کی اہمیت، صاحبِ تحریر کی علمی وتاریخی بصیرت اور اندازِ پیش کش کے حسن وکشش کی بنا پر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد کچھ دنوں جودھپور، راجستھان کے ایک مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے علاقے کے مذکورہ مدرسے سے وابستہ ہوگئے، جہاں اب بھی شیخ الحدیث کے باوقار عہدے پر فائز رہتے ہوئے بخاری ومسلم کے علاوہ فقہ وتفسیر کی مختلف کتابوں کا کامیاب درس دے رہے ہیں، ساتھ ہی دسمبر ۱۹۸۹ء سے ایک علمی، ادبی، دینی و اصلاحی رسالہ ''شفا'' بھی نکال رہے ہیں۔

قاضی صاحب اسلامی علوم میں درک اور مطالعے میں وسعت وگیرائی کے ساتھ معاینہ ومشاہدۂ انفس وآفاق کی غیر معمولی قوت بھی رکھتے ہیں اور قدرت نے انھیں ذہانت وفطانت کی وافر دولت سے بھی نوازا ہے، اس کے علاوہ ان کا ادبی ذوق بھی بہت ہی شستہ ورفتہ ہے؛ اس لیے ان کی تحریریں علمی نکات آفرینی، حوادثِ زندگی اور صبح ومسا کے تجربات سے حاصل کردہ مراحلِ حیات میں حد درجہ کارآمد دروس وعبر اور تاریخ وتہذیبِ انسانی کے نشیب وفراز کی نتیجہ خیز معرفت پر مبنی تو ہوتی ہی ہیں، ساتھ ساتھ انھیں پیش کرنے میں انتہائی سلیقہ مندی وہنروری بھی بہ تمام وکمال پائی جاتی ہے۔

قاضی صاحب کے قلم سے اب تک مختلف اسلامی، تاریخی، علمی، اصلاحی وسماجی موضوعات پر پانچ سو سے زائد مضامین چھپ چکے ہیں اور ابھی بھی تمام تر حوصلوں اور توانائیوں کے ساتھ ان کا قلم محوِ خرام ہے۔

مولانا عبدالحمید نعمانی

پ: ۱۲/دسمبر ۱۹۶۵ء - ۱۷/شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

موجودہ اردو صحافت کو ایک خاص وقار واعتبار دینے اور اس کے تعمیری مزاج کی محافظت میں جن چند اہلِ قلم کے نام نمایاں ہیں، ان میں ایک روشن نام مولانا عبدالحمید نعمانی کا بھی ہے۔

مولانا نے دینیات کی ابتدائی تعلیم مدرسہ رحمانیہ، سنتھال پرگنہ، جھارکھنڈ میں حاصل کی، متوسّطات کی تکمیل مدرسہ ناصر العلوم، مرادآباد اور مدرسہ شاہی، مرادآباد میں کی اور ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف مکمل کر کے سندِ فراغ حاصل کی۔

مولانا نعمانی زمانۂ طالبِ علمی ہی سے صحافت سے گہری وابستگی رکھتے ہیں، قیامِ دیوبند کے زمانے میں طلبۂ جھارکھنڈ کے جداری میگزین اور طلبۂ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی مشترکہ انجمن ''بزمِ سجادؒ'' کے ماہانہ میگزین ''البیان'' کی ادارت کے ساتھ دیگر رسائل واخبارات میں بھی مسلسل لکھتے رہے۔

فراغت کے بعد جمعیتِ علماے ہند کے شعبۂ تحریر سے وابستہ ہوئے اور ان کے قلم میں ایسی برق خرامی آئی کہ آج وہ جہاں تحریر کے محاذ پر جمعیت کے ''ترجمانِ اعلیٰ'' کی حیثیت رکھتے ہیں، وہیں موجودہ صحافتی منظرنامے پر ''عبدالحمید نعمانی'' ایک موقر، با اعتبار اور معنیٰ یاب نام سمجھا جاتا ہے اور ان کی تحریریں ملک کے بیش تر اخبارات میں پابندی سے چھپتیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

نعمانی صاحب سیاسی، سماجی، مذہبی وفکری موضوعات کے علاوہ ہندوستانی کلچر ومعاشرت پر بھی لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں، ان کی تحریروں میں شعور واحساس کی ہمہ گیری، فکر وخیال کی بلند پروازی، علمیت کا وفور، مطالعے کی پختگی، حالات ومسائلِ قومی وملی کے بھرپور اور متوازن تجزیوں کے ساتھ طرزِ نگارش کی سلاست وسبک روی بھی بہ تمام وکمال پائی جاتی ہے، وہ سیاست و مذہب وسماج کے ہر مسئلے کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرتے، پھر اس پر لکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں سطحیت وجذباتیت کی انتہاؤں سے دور اور معروضیت وحقیقت پسندی کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔

مولانا نعمانی نے متذکرہ موضوعات پر اب تک پانچ سو سے زائد مقالات لکھے ہیں اور ان

کا قلم ہنوز محوِ سفر ہے، مگر ان کے مقالات کا کوئی مجموعہ اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکا ہے، البتہ مختلف موضوعات پر لکھے گئے ان کے سلسلہ وار مقالات کتابچوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں، مثلاً: ''ہندو ازم'' (چار اجزا) '' دعا بعد الصلوۃ'' ، ''مسئلۂ کفو اور اشاعتِ اسلام'' ، ''عورت مذاہبِ عالم میں'' ، ''بابری مسجد اور جمعیۃ علماے ہند'' ، ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' ، ''اسلام کا تصوُّرِ امن اور دہشت گردی کی مذمت'' ، ''مسئلۂ اوقاف'' ، ''جمعیۃ علماے ہند کی مختصر تاریخ وتعارف'' ، مولانا سید اسعد مدنی کے دورِ نظامت وصدارت میں جمعیۃ علماے ہند کی خدمات'' وغیرہ۔

اسی طرح دو سفر نامے: ''سرحد اور سرحد کے اس پار'' اور ''امرتسر آگیا'' زیرِ طبع ہیں، تبصرہ نگاری میں بھی مولانا نعمانی کو درک حاصل ہے، وہ رائج الوقت طریقۂ تبصرہ کے برخلاف انتہائی بے لاگ اور مبنی برحق تبصرہ نویسی کے حوالے سے اپنی شناخت رکھتے ہیں، اب تک انہوں نے مختلف النوع موضوعات پر لکھی گئی سو سے زائد کتابوں پر تبصرے کیے ہیں، جو ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، ماہ نامہ ''ترجمانِ دارالعلوم جدید'' اور انجمن ترقیِ اردو ہند کے رسالہ ''ہماری زبان'' میں شائع ہو چکے ہیں، اگر ان تبصروں کو یک جا کر کے چھاپ دیا جائے، تو یہ تبصرہ نگاری سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے بہترین رہ نما اور قیمتی سرمایہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

مولانا رضوان احمد ندوی

پ: ۱ر فروری ۱۹۶۶ء - ۱۹ر شوال ۱۳۸۶ھ

موجودہ صحافتی منظرنامے پر مولانا رضوان احمد ندوی بھی ایک منفرد شناخت رکھتے ہیں اور ان کی تحریریں اپنی متنوع خصوصیات کی وجہ سے کافی پسند کی جاتی ہیں، جمال پور در بھنگہ ان کا وطن ہے، تعلیم کا آغاز مدرسہ اسلامیہ، ہنومان نگر، در بھنگہ سے ہوا، متوسطات مدرسہ رحمانیہ، سپول، در بھنگہ میں پڑھا، دارالعلوم ندوۃ العلما سے عالمیت اور دارالعلوم دیو بند سے فضیلت کی ڈگری حاصل کی۔

زمانۂ طالبِ علمی سے لکھتے رہے، جس سے ان کی قلمی صلاحیت مسلسل پروان چڑھتی رہی، حصولِ علم سے فراغت کے بعد بھی مقالہ نگاری کا سلسلہ جاری رہا اور مختلف رسائل وجرائد میں ان کی تحریریں شائع ہوئیں، پھر ۱۹۹۳ء میں امارتِ شرعیہ، بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے ہفتہ وار ترجمان ''نقیب'' کے سب ایڈیٹر بنائے گئے اور تب سے اب تک اس عہدے پر فائز ہیں اور ان کے پُر

مغز سیاسی تجزیے، سماجی مضامین اور علمی و ادبی نگارشات ''نقیب'' کے علاوہ متعدد اخبارات و رسائل میں بھی چھپتی رہتی ہیں۔

رضوان احمد ندوی چوں کہ اعلیٰ درجے کا صحافتی شعور، علم کی گیرائی، مشاہدۂ کائنات کی بھرپور قوت اورادبی وفنی باریکیوں پر نکتہ ورانہ نگاہ رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کے علمی، ادبی، سیاسی وسماجی؛ ہر قسم کے مضامین میں ایک خاص قسم کا وزن اور ہر ذوق کے قاری کی ذہنی آسودگی کا بھرپور سامان پایا جاتا ہے۔

مولانا رضوان احمد ندوی کے اصلاحی مقالات کا ایک مجموعہ بھی ''راہِ عمل'' کے نام سے چھپ کر تحسین وستایش کی نظروں سے دیکھا گیا ہے، اسی طرح مختلف علمی، دینی وسیاسی شخصیات پر لکھے گئے تاثراتی مضامین کا بھی ایک مجموعہ ''نقوش وتاثرات'' کے نام سے شائع ہو چکا اور مولانا کے قلم کی خوبیوں، اسلوبِ بیان کے حسن اور حقائق بیانی وصدق نگاری کی وجہ سے اسے بھی بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

مفتی محمد سلمان منصور پوری

پ: ۲۱ر فروری ۱۹۶۷ء - ۱۱ر ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ

ہندوستان کے ممتاز عالمِ دین، بابصیرت فقیہ اور پُر کشش طرزِ تحریر کے حامل اہلِ قلم مفتی محمد سلمان ''منصور پور''، ضلع مظفر نگر سے وطنی تعلق رکھتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے استاذِ حدیث وسابق نائب مہتمم مولانا قاری محمد عثمان کے صاحب زادے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے نواسے اور اپنے خاندان کی تمام تر شرافتوں اور نجابتوں کے امین ہیں، تعلیم کی ابتدا اپنے والد کے زیرِ سرپرستی جامعہ اسلامیہ جامع مسجد، امروہہ میں کی، چہارم عربی کے سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں امتیازی نمبرات کے ساتھ دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، ۱۹۸۸ء میں تخصص فی الفقہ، ۱۹۸۹ء میں تدریبِ افتا اور ۱۹۹۰ء میں تدریب فی التدریس کی۔

دیوبند کی طالبِ علمی ہی کے دوران مقالہ نگاری شروع کی اور سب سے پہلا مضمون ''اسلام میں اخلاق کی اہمیت'' کے عنوان سے لکھا، ۱۹۸۵ء میں منعقدہ شیخ الہند سیمینار کے لیے بھی ایک تحقیقی مقالہ لکھا، جو سیمینار کے مجموعۂ مضامین میں اشاعت پذیر ہوا، تمام طلبۂ دارالعلوم کی مشترکہ

لائبریری ''مدنی دار المطالعہ'' کے ماہانہ جداری میگزین ''آزاد'' کی ادارت بھی ان سے منسلک رہی اور اس طرح ان کے قلم کو ابھرنے اور چمکنے کے خاطر خواہ مواقع ملتے رہے، پھر جب تعلیم سے فراغت حاصل کر لی اور بہ سلسلۂ تدریس مدرسہ شاہی مراد آباد سے وابستہ ہوئے، تو اس وقت کے مہتمم مولانا رشید الدین حمیدیؒ نے انھیں اس کے رسالہ ''ندائے شاہی'' کا مدیر و مرتب بھی مقرر کیا اور تب سے ان کی قلمی سرگرمیوں کا اصل دور شروع ہوا، ۱۹۹۰ء سے لے کر تا حال مفتی صاحب ہی اس رسالے کے مدیر ہیں اور ان کا رسالہ ہندوستان بھر کے دینی، علمی و مذہبی مجلّات میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ اس کا سرکولیشن نو ہزار تک پہنچ چکا ہے اور ہنوز اس کی مقبولیت و شہرت ہر آن ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔

''ندائے شاہی'' کو جو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے، اس میں اس کے مدیر کی اعلیٰ ترتیبی و تنظیمی صلاحیتوں کے ساتھ ان کے قلم کی جادو نگاری کا بھی خاصا دخل ہے، ان کے رشحاتِ فکر میں معنویت و معروضیت اور ان کے ذریعے دیے جانے والے پیغام میں صدق و خلوص اور ملت کی علمی، سیاسی، اخلاقی و معاشرتی زوال مندیوں پر سچی دردمندی کا اظہار ہوتا ہے، مفتی صاحب عام علمی و دینی موضوعات کے ساتھ مذہب و معاشرت و سیاست کے خاص اور سلگتے مسئلوں پر بھی لکھتے ہیں، مگر معاشرتی موضوعات کے ذیل میں مسلمانوں کی اخلاقی پس گردیوں، عقائدی انحرافات اور ان کی شبانہ روز کی زندگی میں پائی جانے والی نو بہ نو کج ادائیوں کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مؤثر علاج کرنے میں انہیں یدِ طولیٰ اور ملکۂ راسخہ حاصل ہے، ساتھ ہی ان کا اسلوبِ بیان بھی نہایت پاکیزہ، ستھرا اور سیدھے دل کی گہرائیوں تک اتر جانے والا ہوتا ہے۔

اب تک ان کے قلم سے متذکرہ بالا موضوعات پر ہزارہا مضامین ہند و پاک کے بے شمار رسالوں میں چھپ کر بے انتہا مقبول ہو چکے ہیں اور ان کے کئی ایک مجموعے بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں، ان مجموعوں میں سے چند ایک یہ ہیں:

''اللہ سے شرم کیجیے'' اس کتاب میں قرآنِ کریم کی آیتوں اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں انتہائی سنجیدہ اسلوب میں مسلم سماج اور اس کے افراد میں پائی جانے والی فکری و اخلاقی خامیوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ان کے خطرناک عواقب و نتائج سے خبردار کیا گیا ہے، ساتھ ہی ان اخلاقی محاسن کی طرف بھی اسلامی منصوصات کی روشنی میں اشارے کیے گئے ہیں، جو انسان کو

دارین کی سرخ روئی عطا کرنے اور اسے عارضی ودائمی دونوں زندگیوں میں فلاح وکامرانی سے ہم کنار کرنے والے ہیں، اس کتاب کے تمام مضامین ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' اور دیگر رسالوں میں شائع شدہ ہیں اور ان کے لفظ لفظ سے خلوص کی چاشنی اور لکھنے والے کی مسلم امت کے تئیں فکر مندی وجذبۂ خیر خواہی کا احساس ہوتا ہے۔

''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' اس کتاب میں ان اسباب وعوامل کی نشان دہی کی گئی ہے، جو ایک معمولی مسلمان کو بھی عنداللہ تقرب ومحبوبیت کے بلندتر مقام پر پہنچاتے اور جن کی وجہ سے دنیا والوں کی نگاہیں اس کے سامنے عزت وتکریم وتعظیم سے جھک جاتی ہیں، اس کے بھی سارے مضامین رسالوں میں چھپ چکے ہیں اور کتابی شکل میں آجانے کے بعد انھیں پہلے سے زیادہ پسندیدگی، بقا اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

''تحریکِ آزادیِ ہند میں مسلم علما اور عوام کا کردار'' اس میں سوال وجواب کی شکل میں مستند تاریخی مآخذ کے حوالوں سے آزادیِ ہند کی تاریخ پر مختصر اًروشنی ڈالی گئی ہے، کتاب انتہائی معلوماتی اور آزادیِ ہند کی تاریخ میں مسلم علما وعوام کے ایسے کارناموں سے بھی آگاہی بخشنے والی ہے، جو اس موضوع کی عام کتابوں سے نہیں حاصل کی جاسکتی۔

''دعوتِ فکر وعمل'' ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک کے ان علمی، فکری، دعوتی، سماجی، سیاسی واصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، جو مفتی صاحب نے ''ندائے شاہی'' کے ادارتی صفحات پر تحریر کیے ہیں۔

''لمحاتِ فکریہ'' یہ مارچ ۲۰۰۳ء سے لے کر مئی ۲۰۰۵ء تک کے فکر انگیز ادارتی مقالات کا قابلِ قدر مجموعہ ہے۔

ان کے علاوہ بھی مختلف موضوعات پر ان کی کئی ایک چشم کشا تحریریں رسالوں کی شکل میں طبع ہوئی ہیں، گزشتہ پچیس سال کے عرصے میں وفات پانے والی علمی ودینی شخصیات پر لکھے گئے تاثراتی مضامین کا مجموعہ بھی ''ذکرِ رفتگاں'' کے نام سے مطبوع ہے، اسی طرح ان کے قلم نے اردو کے فقہی ادب میں بھی وقیع اضافے کیے ہیں۔

حقانی القاسمی

پ: ۲۶/جنوری ۱۹۷۱ء - ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ

حقانی القاسمی اردو ادب وصحافت کے موجودہ منظرنامے کا ایک انتہائی تاب ناک نام ہے، ''بگڈ ہرہ''، ضلع ارریا (بہار) کے متوطن حقانی القاسمی نے اپنی تعلیم کی ابتدا عصری علوم سے کی، پھر دینیات کی طرف متوجہ ہوئے اور بنارس کے راستے دیوبند تک رسائی حاصل ہوئی، ۱۹۸۴ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، اگلے سال یہیں سے عربی زبان وادب میں تخصص کیا، پھر ذوقِ طلب کی کشادہ دامانی نے انھیں کشاں کشاں دیوبند سے علی گڑھ پہنچادیا؛ چناں چہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی زبان وادب میں ایم اے اور ایم فل کے امتحانات پاس کیے۔

قلم وقرطاس سے حقانی صاحب کا علاقہ دیوبند ہی میں قائم ہوگیا تھا، جو علی گڑھ پہنچنے کے بعد پختہ تر ہوگیا، ان کی تحریروں میں بلا کا رچاؤ، شستگی اور شائستگی پیدا ہوئی، ادبی شعور میں توانائی آئی اور تنقیدی بصیرت کی تخلیق وافزائش بھی علی گڑھ ہی کے ادبی ماحول میں ہوئی۔

اپنی ان ہی ادبی وتنقیدی خصوصیات کے ساتھ دہلی کا رخ کیا اور ابتداءً ہفت روزہ ''اخبارِ نو'' دہلی اور ہفت روزہ ''نئی دنیا'' دہلی میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے سیاسی وادبی موضوعات پر تجزیاتی تحریریں لکھیں، پھر اس کے بعد اردو کے مشہور ادیب وشاعر صلاح الدین پرویز کے ساتھ مل کر ایک خالص ادبی مجلہ ''استعارہ'' جاری کیا، جو پانچ سال تک جاری رہا، ''استعارہ'' میں چھپنے والی حقانی القاسمی کی اعلیٰ پایے کی ادبی وتنقیدی تحریروں نے پوری اردو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی قلمی جولانیوں کی دھوم مچ گئی، فی الوقت چار سال سے سہارا انڈیا پریوار کے ماہانہ ادبی میگزین ''بزمِ سہارا'' کے شعبۂ ادارت سے وابستہ ہیں اور ان کا قلم اپنی تمام تر رعنائیوں، زیبائیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ اردو والوں کو اپنا اسیر کیے ہوئے ہے۔

روحِ الفاظ کے اَعماق میں اتر کر لکھنے والے حقانی القاسمی کے قلم میں غضب کا حسن، دل کشی اور ایک خاص قسم کی نغمگی پائی جاتی ہے، جو قاری کے ذہن ودماغ پر عجیب قسم کا سرور وکیف طاری کردیتی ہے اور وہ از خود رفتگی ووارفتگی کا شکار ہوجاتا ہے، ان کی نثر کا جمال وجلال اردو کے شستہ الفاظ کے ساتھ حجازی الفاظ کی روانی وطغیانی کی وجہ سے دو آتشہ ہوجاتا اور پڑھنے والے کے

دماغ و دل میں ایک خاص انبساطی تاثر پیدا کر دیتا ہے، حقانی القاسمی کی تحریریں جہاں علم و معلومات کے لعل و گہر لٹاتیں اور تحقیق و تنقید کے تازہ جہانوں سے آگاہی بخشتی ہیں، وہیں اسلوبِ بیان اور پیرایۂ اظہار کے ایسے سلیقے سے بھی روبہ رو کراتی ہیں، جو معاصر طبقۂ ادبا کی تحریروں میں قطعاً نایاب ہے۔

یہ ان کے قلم کی بے پناہ کشش، اثر انگیزی و علم ریزی ہی کا کرشمہ ہے کہ ان کی تحریریں نہ صرف برِّ صغیر اور یورپ و امریکہ کے مطبوعہ اور برقی ادبی و تحقیقی رسائل و جرائد میں بہ اہتمام شائع کی جاتی ہیں؛ بلکہ انگریزی، ہندی، پنجابی اور کشمیری زبانوں میں ان کے ترجمے بھی چھپتے ہیں۔

متعدّد موضوعات پر حقانی القاسمی کے ادبی، تنقیدی و تحقیقی مقالات کے کئی مجموعے چھپ کر غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکے ہیں، مثلاً:

''دارالعلوم دیو بند: ادبی شناخت نامہ'' یہ کتاب پہلی مرتبہ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے ذریعے حقانی صاحب نے دارالعلوم کی ایک علیحدہ شناخت کی بازیافت کی انتہائی کامیاب، قابلِ قدر؛ بلکہ قابلِ فخر کوشش کی ہے، اس کتاب میں دیو بند کی ادبی، تحقیقی، تنقیدی و صحافتی خدمات کا بہ اجمال احاطہ کیا گیا ہے اور اُن فرزندانِ دارالعلوم کا دل نشیں تذکرہ بھی، جنھوں نے دینی علوم کی اشاعت و ترویج و تبلیغ کے ساتھ اردو زبان و ادب و صحافت کے فروغ و ارتقا میں بھی نمایاں رول ادا کیے، بلاشبہ یہ متعلقہ موضوع پر ایک لاجواب اور بے مثال کتاب ہے۔

''خوشبو، رنگ، روشنی'' اس کا سنِ اشاعت ۲۰۰۹ء ہے اور یہ مختلف النوع موضوعات پر لکھی گئی ادبی، علمی و تنقیدی تحریروں کا انتہائی وقیع مجموعہ ہے۔

''شکیل الرحمٰن کا جمالیاتی وجدان''، یہ کتاب ۲۰۱۰ء میں منظرِ عام پر آئی ہے اور یہ جہاں اردو کے عظیم ادیب شکیل الرحمٰن کے جمالیاتی وجدان کی گہرائی و گیرائی اور ہمہ گیری کو بیان کرتی ہے، وہیں حقانی صاحب کے جمالیاتی شعور کی بلندی کا عرفان بھی عطا کرتی ہے۔

''رینو کے شہر میں''، ۲۰۰۷ء اس کا سنِ طباعت ہے، اس کتاب کی تصنیف کے ذریعے حقانی القاسمی نے وطن کی مٹی کا قرض ادا کر دیا ہے، یہ اپنی نوعیت کی انفرادی شناخت رکھنے والی کتاب ہے، اس میں پورنیہ کمشنری سے تعلق رکھنے والے تمام ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، عالموں اور دانش وروں کا احاطہ کیا گیا ہے، خواہ وہ پرانے لوگ ہوں یا نسلِ نو سے تعلق رکھنے والے ہوں، یہ واقعہ ہے کہ حقانی صاحب نے اپنی اس کتاب کے ذریعے ذروں کو آفتاب بنانے کا

کارنامہ انجام دیا ہے، یہ کتاب اس علاقے کے عظیم فکشن رائٹر پھنیشور ناتھ رینو کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔

ان کے علاوہ ''فلسطین کے چار ممتاز شعرا'' (۱۹۹۵ء) ''طوافِ دشتِ جنوں'' (۲۰۰۳ء) ''لاتخف'' (۲۰۰۴ء) ''تکلف برطرف'' (۲۰۰۵ء) ''بدن کی جمالیات'' (۲۰۱۰ء) اور تنقیدی اسمبلاژ (۲۰۱۲ء) ان کی تحقیقی و تنقیدی تحریروں اور حسین و دل فریب اسلوبِ نگارش کے اعلیٰ نمونے ہیں۔

برہان الدین قاسمی

۵/مارچ ۱۹۷۱ء - ۷/محرم الحرام ۱۳۹۱ھ

ممتاز اسلامی اسکالر اور مایۂ ناز انگریزی صحافی برہان الدین قاسمی نے ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی، پھر معروف عالمِ دین و رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے قائم کردہ ''مرکز المعارف ریسرچ اینڈ ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ'' ممبئی میں لگاتار دو سال (۹۶ - ۱۹۹۵ء) داخل رہ کر باضابطہ انگریزی زبان و ادب کا کورس کیا، اس کے بعد ایک سال (۱۹۹۷ء) دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے استاذِ حدیث اور معروف ادیب مولانا سلمان حسینی ندوی کے قائم کردہ ''اسلامک سینٹر'' کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، ۱۹۹۸ء میں ان کا تقرر مرکز المعارف کے سربراہ و استاذ کے طور پر ہوگیا، جہاں وہ اب بھی اپنے منصب پر رہتے ہوئے اہم تعلیمی، تبلیغی و انتظامی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مرکز میں طالبِ علمی ہی کے دوران انھیں انگریزی صحافت سے بھی دل چسپی پیدا ہوئی اور اسی وقت سے لکھنے لگے، اسلامک سینٹر لکھنؤ سے ایک نیوز لیٹر جاری کیا، مرکز میں آنے کے بعد وہاں سے ایک ماہانہ انگریزی رسالہ ''ایسٹرن کریسینٹ'' کے نام سے شروع کیا، جو مئی ۲۰۰۶ء سے مسلسل نکل رہا ہے اور ہندوستانی انگریزی رسائل میں اپنی ظاہری و معنوی خوبیوں کی بنا پر غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، برہان الدین قاسمی کی تحریریں ''ایسٹرن کریسینٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور انگریزی اخبار و رسائل ''پانیر''، ''ہندوستان ٹائمز''، ''دی ہندو''، ''ایشین ٹریبونز''، ''انڈین ایکسپریس''، ''ایسٹرن پوسٹ'' اور ''ملی گزٹ'' کے علاوہ بہت سی ای میگزینوں اور بیرونِ ملک

کے اخبارات میں بھی چھپتی ہیں، ساتھ ہی الیکٹرانک میڈیا سے بھی ان کی گہری وابستگی ہے اور آئے دن مختلف ٹی وی چینلس پر متنوع قومی و عالمی موضوعات پر ہونے والے مباحثات میں مرکزی رکن کی حیثیت سے ان کی شرکت ہوتی رہتی ہے۔

برہان الدین قاسمی اسلامی، علمی، سیاسی، سماجی وفکری؛ تمام موضوعات پر لکھتے ہیں اور چوں کہ وہ ایک عظیم القدر اسلامی درس گاہ کے فیض یاب اور دنیا کی سب سے زیادہ رائج ومقبول سے بھرپور واقفیت رکھنے والے اہلِ قلم ہیں؛ اس لیے ان کی تحریریں اعلیٰ ومثبت اسلامی تخیلات کی آئینہ دار اور ہر مسئلے کے حل کے لیے، خواہ وہ قومی ہو یا بین اقوامی، اسلامی طرزِ فکر پیش کرنے والی ہونے کے ساتھ انگریزی زبان، اس کی ادبی وفنی خوبیوں اور اسلوبِ نگارش کی پُرکاری وسحرکاری کے بھی اعلیٰ نمونے پیش کرنے والی ہوتی ہیں، برہان الدین قاسمی کی نگارشات میں ایک خاص قسم کی توانائی، ان کے فکر میں اعتدال ووسطیت اور ان کے اسلوبِ بیان میں ادب کی حلاوت و چاشنی پائی جاتی ہے، جسے ہر کوئی محسوس کرسکتا ہے۔

برہان الدین قاسمی کے قلم سے اب تک سیکڑوں مضامین کے علاوہ ایک باضابطہ تصنیف بھی منظرِ عام پر آچکی ہے، جس میں انھوں نے دارالعلوم کے قیام کے مقاصد واہداف اور انگریزی سامراج سے نبردآزمائی میں اکابرِ دیوبند کی بلند حوصلگی وبے جگری کی تاریخ سے پردہ اٹھایا ہے۔

وہ انگریزی میں شعرگوئی کا بھی عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور اب تک مظاہرِ حیات کے گوناگوں پہلوؤں سے آگاہی بخشنے والی سو سے زائد نظمیں لکھ چکے ہیں۔

عابدانور قاسمی

پ: ۱۲/جولائی ۱۹۷۱ء-۱۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

مشہور قومی نیوز ایجنسی یو، این، آئی کی اردو سروس کے تاسیسی رکن اور ایک موقر ومعتبر صحافی کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھنے والے عابدانور قاسمی کا آبائی وطن ''بھجن پورہ'' صاحب گنج، ضلع ارریا ہے، انھوں نے تعلیمی سلسلے کا آغاز اپنے وطن سے کیا اور سوم عربی سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھا، ۱۹۸۹ء میں فراغت حاصل کی۔

قیامِ دارالعلوم ہی کے دوران عابدانور کی ''صحافتی تگ ودو'' شروع ہوچکی تھی؛ چناں چہ

جہاں انھوں نے اپنے ضلع کے جداری پرچے میں مسلسل لکھا، وہیں صوبۂ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی مشترکہ انجمن بزمِ سجاد کے آرگن ماہ نامہ "البیان" کی مسلسل تین سال تک ادارت کی، جس سے ان کی ہمتِ قلم رانی کو غیر معمولی حوصلہ، توانائی اور بال وپر حاصل ہوئے، پھر ان کے ذاتی ہفت روزہ "شاہین" نے تو ان کی قوتِ پرواز کو پوری طرح نکھار دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تحریریں ہفت روزہ "نئی دنیا"، پندرہ روزہ "دیوبند ٹائمز" اور پندرہ روزہ "آئینۂ دارالعلوم" جیسے اخبارات ورسائل میں چھپنے لگیں۔

دیوبند میں قلم پروری ولوح نوازی کا جو شعور ملا تھا اور اس حوالے سے مبدأ فیاض نے انھیں جو غیر معمولی صلاحیتیں بخشی تھیں، ان کے ساتھ انھوں نے دارالسلطنت دہلی کا رخ کیا اور وہاں کی ہنگامہ زار زندگی اور نا اعترافی کی شکار صحافتی دنیا میں بھی مسلسل جہد وریاض کے ذریعے اپنے وجود ہی نہیں؛ بلکہ اپنے تفوق وامتیاز کو بھی منوا کر چھوڑا، آٹھ، نو مہینے روز نامہ "راشٹریہ سہارا" دہلی کے سب ایڈیٹر رہے، ماہ نامہ "معارفِ قاسم جدید" کے ڈھائی سال نائب مدیر رہے، اردو کے ساتھ ہندی صحافت میں بھی قلم آزمایا اور ماہ نامہ "سچ کی پکار" اور "وچار پریورتن" میں بھی سب ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

فی الوقت گزشتہ سات سال سے ماہ نامہ "صفا ٹائمس" دہلی کے مدیر ہیں (جو اب روزنامے سے تبدیل ہوگیا ہے) ہندوستان کی مشہور نیوز ایجنسی یو این آئی کے تاسیسی رکن ہیں اور ساتھ ہی ہندوستان کے بیشتر رسائل واخبارات کے کالم نگار بھی۔

ویسے تو عابد انور صاحب ہر موضوع پر لکھتے ہیں، مگر ایسے موضوعات ان کے لیے ترجیحی حیثیت رکھتے ہیں، جن سے معاصر اردو صحافیوں کی آگاہی تقریباً نہ کے برابر ہے، مثلاً: سماجی آگہی، ماحولیاتی بیداری، خواتین اور بچے اور ترقیاتی منصوبہ بندی، ان موضوعات پر عابد انور پوری بصیرت، دقتِ نظری اور دیدہ ریزی کے ساتھ لکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھیں سراہا بھی جاتا ہے۔

عابد انور کی تحریروں کی ایک خاص بات ان کا فکری توازن بھی ہے، وہ کسی بھی مسئلے پر لکھتے وقت اس کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں پر بھرپور نگاہ رکھتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کا قلم اعتدال کے چوکھٹے سے تجاوز نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ جس طرح سیاسی مسائل پر ان کی تجزیاتی تحریروں اور ہندوستانی معاشرے میں زہر گھولنے کی کوشش کرنے والی سیاسی پارٹیوں اور

ان کی انتہا پسندانہ پالیسیوں کو طشت از بام کرنے والے ان کے مقالات کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسی طرح موجودہ طبقۂ علما کی گوناگوں بے اعتدالیوں، ان کے قول و عمل میں پائے جانے والے تضادات اور شریعت کے نام پر ان کی غیر شرعی دھاچوکڑیوں سے نقاب اٹھانے والے ان کے مضامین بھی حقیقت پسند ذہن و دماغ کو اپیل کرتے اور انھیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

عابد انور کی تحریروں کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ انتہائی سہل و سادہ اسلوب میں پیش کرنے کا سلیقہ بہ خوبی جانتے ہیں، ان کی تحریروں میں جملوں کی ساختیات کی تکلف آمیز حسن کاری کی بہ جائے قوتِ ترسیل کا زور زیادہ پایا جاتا ہے، وہ جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں، مکمل شرح و بسط کے ساتھ لکھتے ہیں اور ان کی کوشش الفاظ کو بنانے، سنوارنے سے زیادہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ترسیل کی ناکامی کے شکار نہ ہوں؛ چناں چہ ان کی تحریریں ہر کہہ ومہہ بہ آسانی پڑھ لیتا اور معلومات کے جواہر پاروں اور افکارِ تازہ کے تازہ جہانوں سے کماحقہ حظ اٹھاتا ہے۔

دیوبند کے پرداختہ عابد انور کی صحافتی اعتباریت، وقعت اور قدر و منزلت کی رفعت کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی فکر انگیز تحریریں ہندوستان و پاکستان کے مشہور اخبارات کے علاوہ متحدہ عرب امارات کے اردو اخبار ''دوبئی ٹائمس'' اور ''دوبئی پوسٹ'' میں بھی اہتمام سے شائع کی جاتی ہیں۔

ہندوستان کے مشہور انگریزی روزنامہ ''ہندوستان ٹائمس'' کا عابد انور کے مضمون کو موضوعِ گفتگو بنانا اور اس پر ریویو کرنا اس بات پر دال ہے کہ عابد انور پیشہ ور قلم کار نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے قلم میں خلوص ہے، قوت ہے، معلومات کا سرمایہ ہے، حالات و حوادث سے نبرد آزما ہونے کی جرأت ہے، حق پسندی ہے اور وہ سب کچھ ہے، جو ایک بامقصد صحافی کے قلم میں ہونا چاہیے۔

عابد انور کے بائیس انتہائی قیمتی مقالات کا ایک مجموعہ ۲۰۰۹ء میں ''تناظرات'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، یہ مقالات ویسے تو اسلامیات، سماجیات اور سیاسیات؛ ہر سہ موضوعات پر لکھے گئے ہیں، مگر سماجی و سیاسی عنوانات پر لکھتے وقت بھی عابد انور نے اسلامی افکار کی روشنی سے اقتباس کیا ہے، انھوں نے فسطائیت اور استعماریت کے خلاف لکھتے وقت اس جمہوری زاویۂ فکر کو اختیار کیا ہے، جس کی بنیاد قرآن و حدیث کی تعلیمات ہے، نہ کہ اس جمہوری طرزِ خیال کو، جس کی نیو لادینیت پر اٹھی ہے۔

عبدالقادر شمس قاسمی

پ: ۲۵/جون ۱۹۷۲ء - ۱۵/شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ

موجودہ اردو صحافت کے جینیس اور دیدۂ بینا رکھنے والے عالمِ دین عبدالقادر شمس قاسمی کا تعلق صوبۂ بہار کے ضلع ارریا سے ہے، تعلیم کا آغاز مدرسہ امدادالعلوم، ارریا سے کیا، عربی کے ابتدائی درجات دارالعلوم ڈوریا، ارریا میں پڑھے، ثانوی وعلیا درجاتِ عربیہ کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۹۸۹ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کر کے فضیلت کا سرٹیفکٹ حاصل کیا۔

دینیات کی تکمیل کے بعد عصری دانش گاہوں سے بھی خوب استفاضہ کیا، بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ سے فوقانیہ (دسویں) اور بہار انٹرمیڈیٹ کونسل سے انٹر کے امتحانات پاس کیے، الشمس ملیہ ڈگری کالج سے بی اے آنرس کیا، جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے جرنلزم کا کورس کیا۔

قلم رانی کا ذوق دیوبند ہی میں پیدا ہوا، جسے طلبۂ ضلع ارریا کے ماہانہ جداری میگزین ''الاصلاح'' میں مسلسل مقالہ نگاری سے خاطر خواہ نشو ونما حاصل ہوئی اور عہدِ طالبِ علمی ہی میں عبدالقادر شمس کی تحریریں رسائل و اخبارات کی زینت بننے لگیں اور اس طرح ان کے قلم میں جہاں غیر معمولی روانی پیدا ہوگئی، وہیں اربابِ علم ونظر کو ان کی خلاّقانہ صلاحیتوں، فکرِ رسا اور بلند پرواز ذہن کا بھی بہ خوبی احساس ہوگیا؛ چناں چہ دیوبند سے نکلنے کے بعد انھیں کئی ایک موقر رسائل کی ادارت کا موقع ملا، تین سال (۹۸-۱۹۹۵ء) ماہ نامہ ''ملی کارواں'' پٹنہ کے مدیر رہے، پانچ سال (۲۰۰۳ء-۱۹۹۸ء) ماہ نامہ ''ملی اتحاد'' کے اسسٹینٹ ایڈیٹر رہے اور فقیہ العصر قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کی وفات پر اس رسالے کا خصوصی شمارہ: '' قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نمبر'' نکالا، جس کو ملک بھر میں سراہا گیا، ۲۰۰۳ء سے تا حال سہارا گروپ کے مقبولِ خاص و عام ہفت روزہ اخباری میگزین ''عالمی سہارا'' کے سینئر سب ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اپنی ایمان دارانہ وحق پرستانہ صحافتی کارکردگیوں پر نشانِ صحافت اور ملی رائٹرس فورم ایوارڈ سے سرفراز کیے جانے والے عبدالقادر شمس قاسمی آج کے صحافتی کینوس پر ایک نابغہ صحافی کی

حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے ہیں، وہ سلیس، خوب صورت اور دل نشیں زبان و اسلوب میں سیاسیات، سماجیات، مذہبیات اور دیگر بہت سے قومی و بین الاقوامی مسائل پر پوری ایمان داری کے ساتھ لکھتے، جمہوریہ ہند کے معتبر و مشہور اخبارات میں چھپتے اور ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں، عبدالقادر شمس کا علم گہرا، مطالعہ عمیق اور مشاہدہ وسیع وعریض ہے، ملکی و عالمی سیاسیات کے بدلتے منظر ناموں پر ان کی گرفت کامل، اپنے منصب اور اس کی ذمے داریوں کا انھیں بھرپور احساس اور اپنے افکار وخیالات کے پیش کرنے میں ان کے یہاں سلیقہ مندی ہے؛ اس لیے وہ جو کچھ لکھیں، اسے ہر طبقے میں پسند کیا جاتا، اعتبار کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اس کی صحت وصدق کا یقین کیا جاتا ہے۔

یہ ان کی صحافت کی امانت داری اور ہمہ گیر مقبولیت کی روشن دلیل ہے کہ ان کی تجزیاتی تحریریں اردو کے ساتھ متعدد ہندی وانگریزی اخبارات میں بھی بہ اہتمام چھاپی جاتی ہیں۔

شمس صاحب کے سامنے یہ حقیقت روشن ہے کہ آج کے تحیر زا برقی حصولیابیوں اور بہ سرعت انقلاب پذیر ہوتی ہوئی زندگی اور اس میں رونما ہونے والے نو بہ نو واقعات وحوادث سے باخبر کرنے والے نیوز چینلوں کے سیلِ رواں کے اس دور میں صرف مطبوعہ صحافت کو درست اور تعمیری افکار وخیالات کی ترسیل کا ذریعہ سمجھ لینا بہت زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوسکتا؛ اس لیے وہ الیکٹرانک میڈیا سے وابستگی کو نہ صرف عصری ضرورت سمجھتے ہیں؛ بلکہ وہ خود بھی اس سے باقاعدہ منسلک ہیں اور متعدد ٹی وی چینلس پر مختلف ادبی وسیاسی موضوعات پر پیش کیے گئے مباحثات میں موقر رکن کی حیثیت سے شریک ہو چکے ہیں، اسی طرح آل انڈیا ریڈیو سے ان کی بہت سی تقریریں بھی نشر ہو چکی ہیں، ایسے وقت میں، جب کہ عام طور پر الیکٹرانک میڈیا زر کشی، شخصی و اجتماعی جذبات کے استحصال، فحاشی وعریانیت کے فروغ اور گوناگوں قباحتوں کی اشاعت وترویج کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے، عبدالقادر شمس جیسے فرض شناس، صالح جذبات کے حامل، امین ودیانت دار اور علم ونظر میں وسعت رکھنے والے صحافی کی اس سے وابستگی نہ صرف استحسان کی نظر سے دیکھی جانی چاہیے؛ بلکہ ان کی اور ان جیسے تمام لوگوں کی ہر ممکن سطح پر حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔

مفتی محمد ساجد قاسمی

پ: ۱۴ر ستمبر ۱۹۷۲ء - ۵ر شعبان ۱۳۹۲ھ

شمالی ہند کے ضلع ہردوئی کے متوطن، دار العلوم دیوبند کے عربی زبان وادب کے موقر وممتاز استاذ اور عربی واردو؛ ہر دو زبان میں شستہ، سلیس اور بلیغ قلم کے مالک مفتی محمد ساجد قاسمی نے اپنی تعلیم کی شروعات مدرسہ محمودیہ، پہانی ضلع ہردوئی سے کی، فارسی درجات مدرسہ کاشف العلوم، پہانی میں پڑھے اور اول عربی تا چہارم عربی مدرسہ جامع العلوم، کان پور میں تحصیلِ علم کی، سالِ پنجم میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۹۵ء میں اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی اور اگلے سال یہیں سے تکمیلِ افتا کیا، عصری علوم سے بھی مناسبت تھی اور ان میں استعداد بہم پہنچانے کا بھی شوق تھا؛ چناں چہ فراغت کے بعد علم وقلم کی دیگر بہت سی خدمات انجام دینے کے ساتھ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد سے ایم اے، ڈپلومہ ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن اور سرٹیفکٹ ان انگلش لینگویج کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔

عرصۂ طالبِ علمی ہی میں عربی واردو دونوں زبانوں میں مشقِ تحریر جاری رہی اور دار العلوم دیوبند کی جداری میگزینوں میں لکھتے رہے، البتہ کسی رسالے میں چھپنے کی نوبت اس وقت آئی، جب خدمتِ تدریس سے وابستہ ہو گئے؛ چناں چہ پہلا عربی مقالہ ماہ نامہ "الحرم" مراد آباد میں اس وقت شائع ہوا، جب بجنور کے مدرسہ جامعۃ القرآن والسنۃ الخیریہ کے استاذ تھے اور اردو کا پہلا مضمون مدرسہ شاہی کے ماہانہ رسالہ "ندائے شاہی" میں چھپا، اس وقت مفتی صاحب مدرسہ شاہی کے استاذ بھی تھے اور "ندائے شاہی" کے رکنِ ادارۂ تحریر بھی، پھر مدرسہ شاہی سے ایک ماہانہ عربی مجلّہ بھی "الثقافۃ الاسلامیۃ" کے نام سے جاری کیا، جس کے زمانۂ قیامِ شاہی تک مدیر رہے، پھر جب ۲۰۰۲ء میں دار العلوم دیوبند میں آ گئے، تو انھیں لکھنے کا خوب موقع ملا اور ان کا بہرۂ صحافت ایسا کھلا کہ ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے دسیوں رسائل میں ان کی تحریریں نظر آنے لگیں، جس کا سلسلہ آئے دن بڑھتا ہی جا رہا ہے، مفتی صاحب کے اب تک پچاس سے زائد عربی واردو مقالات جن رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں مذکورہ بالا تینوں رسائل کے علاوہ ماہ نامہ "الداعی" دیوبند، پندرہ روزہ "الرائد" لکھنؤ، ماہ نامہ "الثقافۃ" کیرالہ، ماہ نامہ "النور"

اکل کوا، ماہ نامہ دارالعلوم" دیوبند، "ترجمانِ دارالعلوم" دہلی، "نوائے ہادی" کان پور، "سفیرِ حق"، کان پور اور "انابت"، چنئی بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

مفتی محمد ساجد قاسمی عموماً علمی، ادبی، اصلاحی اور فکری موضوعات پر لکھتے ہیں اور ہر موضوع کا بہ خوبی حق ادا کرتے ہیں، ان کے قلم سے نکلنے والے خواہ عربی مقالات ہوں یا اردو مضامین، ان میں الفاظ کا حسنِ انتخاب، مطالب کا تسلسل، منطق کی گیرائی، استدلال کا خلوص، زبان کی روانی، بیان کا سحر اور اسلوبِ تحریر کی شگفتگی؛ سب کمال کی حد تک پائے جاتے ہیں؛ اس لیے ان کا قاری جہاں علم وادب کے قیمتی نکات پر مطلع ہوتا، افکار ومعانی کی روشن کائنات سے باخبر ہوتا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے تعلق سے اسلام کے واضح ارشادات سے واقفیت حاصل کرتا ہے، وہیں ان کی تحریر میں موقع بہ موقع استعمال کیے جانے والے حسین استعارات، پُرکشش تعبیرات اور دل چسپ امثال بادِ نسیم کے طرب انگیز جھونکوں کی مانند اس کے قلب ودماغ کو مست ومخمور کردیتے اور وہ دیر تک ان کی خوشبوؤں کو محسوس کرتا اور ان سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

مفتی صاحب کو عربی سے اردو ترجمہ نگاری میں بھی کمال حاصل ہے اور اس حوالے سے ان کے کئی روشن کارنامے منظرِ عام پر آچکے ہیں، جن میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصانیف "حجۃ الاسلام"، "انتصار الاسلام" اور "مباحثۂ شاہ جہاں پور ومیلۂ خداشناسی" کے تراجم "حجة الاسلام"، "ردود علىٰ اعتراضات موجهة الى الاسلام" اور "محاورات في الدين" بالخصوص قابلِ ذکر ہیں، مفتی صاحب نے حضرت نانوتوی کی تحریروں کا (جو اکابرِ دیوبند کی تحریروں میں اپنے انغلاقات اور عسیر الفہم ہونے کے حوالے سے مشہور ہیں) انتہائی سلیس وشگفتہ ترجمہ کرکے جہاں معاصر طبقۂ اہلِ علم وادب کے دلوں میں اپنی غیر معمولی قابلیتوں کا نقش بٹھادیا ہے، وہیں افکارِ نانوتوی کی وسیع تر پیمانے پر ترسیل واشاعت کی طرف حوصلہ مندانہ پیش رفت کرکے علمائے دیوبند پر عائد ہونے والی ایک عظیم الشان ذمے داری کی تکمیل کی طرف قدم بڑھایا ہے، اس پر فضلائے دیوبند کی موجودہ پوری نسل کی طرف سے ان کی جتنی بھی حوصلہ بخشی وقدر افزائی کی جائے، کم ہے۔

رضوان الحق مظفر پوری

پ: ۱۰/اکتوبر ۱۹۷۲ء-۲/رمضان ۱۳۹۲ھ

اردو کی موجودہ صحافتی دنیا سے مثبت تحریروں، سنجیدہ فکر پاروں اور پُر خلوص جد وجہد کے ذریعے اپنی امتیازی حیثیت منوالینے والے رضوان الحق قاسمی مظفر پوری نے تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں ''رام پور سکھری''، ضلع مظفر پور کے مدرسہ دارالملت سے کیا، دو سال شمالی بہار کے سب سے بافیض ادارہ جامعہ عربیہ اشرف العلوم، کنہواں، ضلع سیتا مڑھی میں پڑھا اور سوم عربی سے دورۂ حدیث شریف تک دارالعلوم وقف دیو بند میں متعلم رہے، ۱۹۹۲ء میں فراغت حاصل کی، پھر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد سے بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے۔

فراغت کے بعد ہی رضوان الحق کا صحافتی کیریر شروع ہو گیا تھا اور وہ اس وقت سے اب تک کئی اخبارات و رسائل میں بہ حیثیت مدیر و نائب مدیر خدمات انجام دے چکے ہیں، ۱۹۹۳ء سے ۱۹۹۵ء تک روز نامہ ''ہندوستان'' ممبئی کے سب ایڈیٹر رہے، ۲۰۰۱ء میں چھ مہینے دہلی کے روز نامہ اخبار ''ان دنوں'' اور ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء تک ماہ نامہ ''معارفِ قاسمِ جدید'' دہلی کی بھی سب ایڈیٹری کی، مارچ ۲۰۰۶ء سے روز نامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی سے بہ حیثیت سب ایڈیٹر وابستہ ہوئے اور ان دنوں تقریباً سال بھر سے اس کے پٹنہ ایڈیشن میں سرگرمِ کار ہیں۔

رضوان الحق شگفتہ فکر کے حامل اہلِ قلم ہیں، ان کے قلم میں جذباتیت، سطحیت اور اشتعال انگیزی کی بہ جائے احوال و مسائل کی بھرپور، سنجیدہ، اور دیدہ ورانہ تجزیہ کاری اور اخذ و استنتاج کی بھرپور قابلیت پائی جاتی ہے، وہ مذہبی، سوانحی، اصلاحی و علمی موضوعات کے علاوہ سماجیات پر بھی لکھتے ہیں اور خاص طور سے مؤخر الذکر موضوع سے متعلق ان کی تحریروں میں بہت زیادہ دقتِ نظری اور دروں بینی کے عناصر پائے جاتے ہیں، چوں کہ بنیادی طور پر ان کا تعلق دیہی علاقے سے ہے؛ اس لیے ان کی نگاہ سماج کی بڑی سے بڑی خرابیوں سے لے کر ہلکی پھلکی کوتاہیوں اور ان کے اسباب پر بھی ہے اور وہ سماجیات پر لکھتے وقت ان سب کا بہ خوبی احاطہ کرتے ہیں۔

رضوان الحق کا اسلوب پیچیدہ نہیں، سہل المنال، زود فہم اور سادہ و آسان ہے، ان کی تحریروں میں سلاست ہے، سبک نویسی ہے، ترسیل و ابلاغ کی بھرپور قوت ہے اور ہر سطح کے قاری کو مطمئن کرنے کی پوری صلاحیت بھی، وہ اپنی تحریروں میں نہ ایسی زبان استعمال کرتے ہیں، جس

میں عربی و فارسی و انگریزی کے موٹے موٹے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں اور جسے پڑھنا اور سمجھنا قاری کے لیے دریاے شور عبور کرنے کے مترادف ہو اور نہ ایسی کج مج زبان کہ لوگ پڑھنے سے پہلے ہی اسے ''ڈسٹ بن'' کے حوالے کر دیں۔

رضوان الحق کے قلم سے یوں تو سیکڑوں مقالات اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں، مگر ان مقالات کا کوئی مجموعہ منظرِ عام پر نہیں آیا ہے، البتہ ان کی ایک تحقیقی تصنیف، جو شمالی بہار بالخصوص ضلع سیتامڑھی، مظفر پور و دربھنگہ کے بزرگانِ دین اور علماے کرام کی خدمات کے تذکروں پر مشتمل ہے، زیرِ طبع ہے، رضوان الحق کی یہ کوشش جہاں شمالی بہار کے ان گم نام بزرگوں اور علماے امت کو تاریخ کے اوراق میں زندگی عطا کرے گی، وہیں ان کے تکان نا آشنا ذوقِ تحقیق و جستجو کی آئینہ دار بھی ثابت ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

مولانا وارث مظہری قاسمی

پ: ۲۵؍نومبر ۱۹۷۴ء-۱۰؍ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ

موجودہ صحافتی کینوس پر ایک ابھرتا ہوا نام مولانا وارث مظہری قاسمی کا بھی ہے، اپنے وطن ''رام پور''، ضلع سمستی پور (بہار) کے مدرسہ ضیاء العلوم سے تعلیم کا آغاز کیا، متوسطات تک وہیں تعلیم حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۵ء میں فراغت پائی۔

مذہبی علوم کے ساتھ عصری اداروں سے بھی استفادہ کیا؛ چناں چہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی زبان وادب میں ایم اے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی اے اور ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) پاس کیا۔

مولانا وارث مظہری متوازن اور سنجیدہ فکر کے حامل عالمِ دین اور صحافی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، ان کی تحریروں میں مطالعہ ومشاہدہ کی وسعت کے ساتھ اعلیٰ تخیلات کا اظہار بھی ہوتا ہے، ان کا قلمی سفر اڑیسہ اردو اکیڈمی کے رسالہ ''فروغِ ادب'' سے شروع ہوا اور آج وہ ہندوستان کے گنے چنے معیاری رسالوں میں سے ایک ماہ نامہ ''ترجمان دارالعلوم جدید'' (جس کے وہ گیارہ سال سے مدیر ہیں) کے ادارتی صفحات کے علاوہ برصغیر ہندوپاک کے بہت سے اخبارات ورسائل میں بھی تسلسل کے ساتھ چھپتے ہیں۔

مولانا وارث مظہری کو اس اعتبار سے یک گونہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کا قلم معروف علمی، اصلاحی، سماجی وسیاسی موضوعات کے علاوہ ان عنوانات پر بھی پوری تیز گامی کے ساتھ چلتا ہے، جن کو معاصر طبقۂ علما مس نہیں کرتا یا تو ناواقفیت کی وجہ سے یا روایتی مصلحت پسندی کی بنا پر، فکرِ اسلامی اور اس کی تجدید، بین مذاہبی مکالمہ اور اس کی ضرورت واہمیت، مدارس کے نصاب میں اصلاح وترمیم کی ضرورت، مسلکی اتحاد اور اس کی اہمیت، اسلام اور اعتدال پسندی اور سماج میں عورت کا کردار؛ یہ وہ موضوعات ہیں، جن پر وارث مظہری پورے انفتاح قلب، بصیرت مندی، دقتِ نظری، معروضیت اور غیر جانب داری کے ساتھ لکھتے رہے ہیں اور حقیقت پسند اہلِ علم و دانش کے حلقے میں انھیں پذیرائی بھی حاصل ہوئی ہے۔

وارث مظہری قاسمی کے قیمتی مقالات کے کئی مجموعے بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں، مثلاً: موجودہ دور میں مسلمانوں کو فکر وعمل جیسی عظیم گم گشتہ دولت کی بازیافت کرنے کی دعوت دینے والی کتاب ''دعوتِ فکر وعمل'' جو ۲۰۱۰ء میں چھپی ہے، دینی مدارس پر دہشت گردی کے الزامات سے پردہ اٹھانے والی تحریروں کا مجموعہ ''دینی مدارس اور دہشت گردی: الزامات اور حقائق''، جو ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی ہے، عصرِ حاضر کے تناظر میں قرآنی تعلیمات کی تعمیل کی اہمیت بیان کرنے والے مقالات کا مجموعہ ''قرآنی تعلیمات اور عصرِ حاضر'' جس کی اشاعت ۲۰۱۲ء میں ہوئی ہے۔

مولانا وارث مظہری انگریزی زبان وادب اور اس کے خم وپیچ سے بھی بہ خوبی واقفیت رکھتے ہیں اور مختلف موضوعات پر مشتمل تقریباً آٹھ کتابوں کا انگریزی سے اردو ترجمہ کر چکے ہیں، جنھیں میڈیا پبلی کیشنز نئی دہلی اور اُدھین کیندر ممبئی نے شائع کیا ہے۔

امام الحسن قاسمی

پ: ۱۹۷۵ء-۱۳۹۵ھ

کامیاب صحافی اور تجربہ کار اہلِ قلم امام الحسن قاسمی کی ابتدائی وثانوی تعلیم مدرسہ ریاض العلوم، ضلع چمپارن (بہار) مدرسہ معروفیہ، مئو اور جامعہ رحیمیہ، مہندیان، دہلی میں ہوئی، ۱۹۸۴ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۸۶ء میں فراغت حاصل کی۔

دینی تعلیم سے فراغت کے بعد عصری علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور پٹنہ یونیورسٹی سے بی،

اے اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد سے بی ایڈ کی ڈگری لی۔

۱۹۹۰ء میں صحافتی زندگی کی شروعات بہار کے مشہور اخبار روزنامہ ''قومی تنظیم'' کے سینیر سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کی اور تاحال اس عہدے پر فائز ہیں، اس مدت میں امام الحسن قاسمی نے سیکڑوں عصری موضوعات پر بے شمار مضامین تحریر کیے ہیں، امام الحسن شگفتہ طرزِ تحریر اور وسعتِ فکر کے حامل اہلِ قلم ہیں، ان کی تحریروں میں حقائق بیانی وفکر انگیزی کے عناصر بہ تمام وکمال پائے جاتے ہیں، بہار کے دیگر بہت سے اخبارات میں ''قومی تنظیم'' کو جو وقار واعتبار حاصل ہے، اس میں یقیناً امام الحسن کی معنیٰ یاب قلم رانی اور ان کے فکر وتدبر کا دخل ہے۔

امام الحسن قاسمی کا آج کے عہدِ مسابقت ومنافستِ بے جا اور اپنے خول میں بند رہنے کی خو کے زمانے میں ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اخبار میں ایک خصوصی گوشہ ''یوتھ فیچر'' کے نام سے شروع کیا تھا، جس کے تحت وہ ہر ہفتے نئے فضلاے مدارس اور عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کو نئے موضوعات دیتے اور ان سے لکھواتے تھے، آج جو دنیاے صحافت میں صوبۂ بہار کے شہرت یاب اہلِ قلم کی بڑی تعداد نظر آتی ہے ان میں سے بہتوں کو ابھارنے، اجالنے اور چمکانے میں بلاشرکتِ غیر امام الحسن کے ''یوتھ فیچر'' کا ہاتھ ہے، کہ اسی نے ان کی خفتہ صلاحیتوں کو برانگیخت کیا اور ان کی قوتِ پرواز کو بال وپر بخشے ہیں۔

پرنٹ میڈیا میں سرگرم رول ادا کرنے کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا کو بھی امام الحسن کا تعاون حاصل ہے، وہ پٹنہ ٹیلی ویژن کے دور درشن چینل (اردو سکشن) اور ریڈیو آکاش وانی پٹنہ سے بھی مختلف عنوانات پر مقالات پڑھتے ہیں اور انھیں کافی سراہا جاتا ہے۔

امام الحسن قاسمی نے اپنے اب تک کے صحافتی سفر میں علمی، اخلاقی، مذہبی، اصلاحی، سماجی و سیاسی موضوعات پر جو مقالات لکھے ہیں، ان کا ایک مجموعہ بھی ''رشحاتِ امام'' کے نام سے مرتب کیا ہے، جو طباعتی مرحلے میں ہے۔

یوسف رام پوری

پ:۱۹ ر مئی ۱۹۷۵ء-۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

فضلاے دیوبند کی موجودہ پود میں ایک معتبر اہلِ قلم کی حیثیت سے معروف مولانا محمد یوسف مغربی یوپی کے قصبہ ''ٹانڈہ بادلی''، ضلع رام پور کے متوطن ہیں، تعلیم کا آغاز اپنے قصبے کے مدرسہ عربیہ ضیاء الاسلام سے کیا اور دوم عربی تک وہیں زیرِ تعلیم رہے، سوم اور چہارم ٹانڈہ ہی کے مدرسہ روضۃ العلوم میں پڑھا، ۱۹۹۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۹۵ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس کے بعد لگاتار دو سال شیخ الہند اکیڈمی سے وابستہ رہے اور تحریر وصحافت میں استعداد بہم پہنچائی۔

دیوبند کے علاوہ عصری دانش گاہوں سے بھی استفادہ کیا اور جامعہ اردو علی گڑھ سے معلمِ اردو، آگرہ یونیورسٹی، آگرہ سے اردو زبان وادب میں بی اے (۱۹۹۶ء) ایم اے (۲۰۰۹ء) اور دہلی یونیورسٹی، دہلی سے ایم فل (۲۰۱۱ء) کے امتحانات پاس کیے اور فی الحال پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔

مقالہ نگاری کا ذوق عرصۂ طالب علمی ہی سے تھا؛ چناں چہ دیوبند کے قیام کے دوران طلبۂ ضلع رام پور کے جداری میگزین ''جوہر'' کے مدیر رہے، پھر جب فراغت کے بعد شیخ الہند اکیڈمی میں داخل ہوئے، تو اسے مزید جلا حاصل ہوئی اور ان کے قلم کی رفتار میں خاطر خواہ سرعت پیدا ہو گئی، ۱۹۹۷ء میں ان کا پہلا مضمون ''شکستہ کشتی کے نئے ملاح'' کے زیرِ عنوان مشہور اردو روزنامہ ''قومی آواز'' دہلی میں شائع ہوا، جس سے انھیں بے پناہ حوصلہ ملا اور دیوبند سے نکلنے کے بعد جہاں انھوں نے روزنامہ ''امین'' پٹنہ میں تقریباً چھ مہینے ادارتی تحریریں لکھیں اور فی الحال بھی ایک اردو ای میگزین ''بصیرت آن لائن'' کی ایڈیٹری کر رہے ہیں (جو www.baseeraton line پر دستیاب ہے) وہیں ان کے مقالات بھی تبھی سے روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''، ''انقلاب''، ''منصف'' حیدرآباد، ''اردو ٹائمز'' ممبئی، ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ''فاروقی تنظیم'' رانچی، ''سالار'' بنگلور، ''صحافت'' دہلی، ''ہمارا سماج'' دہلی، ''آزاد ہند'' کولکاتہ وغیرہ میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔

یوسف رام پوری گزشتہ پندرہ سالوں سے لکھ رہے ہیں اور اس عرصے میں جہاں ان کے ہزاروں مقالات ملک وبیرونِ ملک کے اردو اخبارات ورسائل میں چھپ چکے ہیں، وہیں مختلف

علمی کانفرنسوں اور آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن سے بھی انھیں دسیوں مقالات پیش کرنے کے مواقع ملے ہیں۔

یوسف رام پوری کی نگاہ دوررس، فکر صائب اور بلند پرواز اور قلم تیز طرار ہے، وہ مختلف اصلاحی، فکری وادبی موضوعات سمیت معاصر احوال ومسائل پر بھی خوب لکھتے ہیں، ان کی تحریروں میں سنجیدگی، معروضیت اور حقائق سے ہم آہنگی کے ساتھ سلاست، خوش اسلوبی اور اندازِ پیش کش کا حسن بھی پایا جاتا ہے، جو قاری کی نگاہ کے ساتھ اس کے دل ودماغ پر بھی اپنی خوبیوں کے گہرے نقوش مرتسم کیے بغیر نہیں رہتا۔

متذکرہ بالا موضوعات پر اخبارات ورسائل میں چھپنے والے ہزاروں مقالات کے علاوہ عصرِ حاضر کے اہم ترین اور سلگتے ہوئے بین اقوامی مسئلے پر ان کی ایک کتاب ''اسلام، امن اور دہشت گردی'' بھی موضوع کی حساسیت اور مصنف کے قلم کی قوت کی بنا پر کافی پسند کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

پ: ۱۲ر فروری ۱۹۷۷ء-۲۳ر صفر المظفر ۱۳۹۷ھ

موجودہ صحافتی حلقوں میں وقار واعتبار کی نگاہ سے دیکھے جانے والے ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب نے ۱۹۹۷ء میں دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری اور جامعہ اردو علی گڑھ سے فاضل ادب کا سرٹیفیکٹ بھی حاصل کیا۔

شہاب الدین ثاقب نے قلم کی کاشت دورِ تحصیل ہی سے شروع کردی تھی اور دیوبند میں رہتے ہوئے جداری میگزین کے علاوہ متعدد ماہ ناموں اور اخبارات میں لکھتے رہے، دیوبند سے نکلنے اور علی گڑھ سے وابستہ ہونے کے بعد ان کے جولانِ قلم میں مزید سبک خرامی آئی اور آج ان کی تحریریں جہاں ہندوستان کے بیسیوں رسائل واخبارات میں پابندی سے چھپتی ہیں، وہیں وہ ماہ نامہ ''معارفِ قاسم جدید'' دہلی کے ایڈیٹر اور روز نامہ ''انقلاب'' دہلی کے سب ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔

''ہر پور بیشی''، ضلع مظفر پور (بہار) سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب کی تحریریں الفاظ واسلوب کے اعتبار سے سلیس ہوتی ہیں، ساتھ ہی ان میں معلومات کی وسعت اور مطالعہ ومشاہدہ کی گیرائی بھی پائی جاتی ہے، ثاقب صاحب چوں کہ قدیم وجدید ہر دواداروں کے خوشہ چیں ہیں؛ اس لیے ان کے فکر ونظر میں سنجیدگی وتوازن بھی پایا جاتا ہے، ان کی تحریریں عالمی وقومی سیاسیات کے علاوہ مذہبی، علمی اور سوانحی موضوعات پر بھی چھپتیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

اخبارات ورسائل میں چھپنے والے ان کے مقالات کا اب تک کوئی مجموعہ تو شائع نہیں ہوا ہے، البتہ ''معارفِ قاسم جدید'' دہلی کے کئی ایک خصوصی شماروں کے کے علاوہ ان کی ترتیب دی ہوئی کئی کتابیں ہیں، جو ان کے علمی، ادبی، وصحافتی شعور کی بلندی وہمہ جہتی پر دال ہیں، مثلاً: صوبۂ بہار کے ذی استعداد عالمِ دین اور متنوع علمی ودینی خدمات کے حوالے سے اپنی پہچان رکھنے والے مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی حیات وخدمات کے مختلف گوشوں کو محیط ''متاعِ زندگی''، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مجلّہ ''وقار''، ''تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت اور جامعہ القاسم دار العلوم الاسلامیہ'' اور ''مرکزی مدرسہ بورڈ علما کی نظر میں'' وغیرہ۔

ثاقب صاحب افسانہ نگاری سے بھی دل چسپی رکھتے ہیں اور مختلف رسالوں میں ان کے افسانے چھپتے رہے ہیں، ان کے افسانوں کا ایک مجموعہ بھی ''چمتکار کا انتظار'' کے نام سے زیرِ طبع ہے۔

مفتی اعجاز ارشد قاسمی

پ: ۶ر مئی ۱۹۷۷ء-۲۷رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ

موجودہ صحافتی حلقوں کو اپنی انفرادی صلاحیتوں کا اظہار کر کے چونکا دینے والے مفتی اعجاز ارشد قاسمی کی پیدائش شمالی بہار کے ضلع مدھوبنی کی معروف بستی ''چندر سین پور'' میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ بشارت العلوم، کھرایاں پتھرا (مدھوبنی) میں حاصل کی، ۱۹۹۴ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۹۷ء میں اعلیٰ نمبرات حاصل کر کے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، ۱۹۹۸ء میں افتا کا کورس کیا، اس کے بعد تدریبِ صحافت کے لیے لگاتار دو سال ''شیخ الہند اکیڈمی'' سے وابستہ رہے، غیر معمولی محنت ولگن، شوق وذوق اور تحقیق وجستجو کی خو کی بنا پر کچھ ہی دنوں میں ان کا قلم رواں ہو گیا اور ملک بھر کے رسائل ومجلات میں ان کی تحریریں شائع ہونے لگیں، کئی ایک

صحافتی مسابقوں میں امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی، اکیڈمی سے وابستگی کے دوران ہی جولائی ۲۰۰۰ء سے جنوری ۲۰۰۱ء تک روزنامہ ''عوام'' دہلی کی مجلسِ ادارت میں شامل رہے، اس کے بعد تین مہینے مولانا بدرالدین علی اجمل القاسمی کے قائم کردہ ادارے ''مرکز المعارف'' سے منسلک رہ کر اکابرِ دیوبند کی تصانیف پر تحقیق وتخریج کا کام کیا، پھر دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ انٹرنیٹ سے وابستہ ہوئے اور آن لائن ترجمہ نگاری وانشا کی ذمے داریاں ان کے سپرد رہیں، ۲۰۰۶ء کے اواخر میں دارالعلوم سے علیحدہ ہوگئے اور باضابطہ دہلی میں سکونت اختیار کرلی۔

دہلی میں قیام کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے (۲۰۰۷ء) دہلی یونیورسٹی، دہلی سے ایم اے (۲۰۰۹ء) اور ۲۰۱۱ء میں ''معاصر علماے دیوبند کی شاعری'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ایم فل کی ڈگری حاصل کی، اِن دنوں ''مدارس کے مجلّات کی صحافتی اہمیت'' پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تیار کر رہے ہیں، ساتھ ہی دہلی وقف بورڈ کے رکن، دہلی حکومت کے محکمۂ اطلاعات وتشہیر کے اردو افسر اور اس سے شائع ہونے والے اردو ماہ نامہ ''دلی'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی ملی، لسانی وصحافتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اعجاز ارشد قاسمی کی تحریریں ویسے تو شیخ الہند اکیڈمی سے وابستگی کے دوران ہی ملک بھر کے مجلّات واخبارات میں شائع ہونے لگی تھیں اور ان کی قلمی صلاحیتوں کا اعتراف بھی کیا جانے لگا تھا، مگر ۲۰۰۲ء میں صحافت کے مبادی اور اصول وقواعد سے واقف کرانے والی ان کی مایۂ ناز تصنیف ''من شاہِ جہانم'' نے غیر معمولی طور پر پوری اردو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور دیوبند کے فیض یافتہ مفتی اعجاز ارشد کی طرف جدید وقدیم؛ ہر دو طبقے کے اہلِ علم ودانش کی نگاہیں عزت و تکریم کے ساتھ اٹھنے لگیں، اس کتاب کی تقریبِ رونمائی دہلی میں جناب اخلاق الرحمٰن قدوائی، پروفیسر محسن عثمانی ندوی، م افضل، ڈاکٹر طاہر محمود، پروفیسر سراج حسین، پروفیسر اختر الواسع اور ڈاکٹر عزیز برنی کے ہاتھوں عمل میں آئی اور سب نے متفقہ طور پر اعجاز ارشد قاسمی کے زرخیز ذہن، بلند پرواز فکر، عمیق تر صحافتی شعور اور شستہ نگار قلم کو دل سے سراہا اور بے پناہ حوصلہ افزائیوں سے نوازا۔

ان کی دوسری کتاب ''جہاد اور دہشت گردی'' بھی وقت کے سلگتے ہوئے موضوع پر انتہائی بصیرت افروز اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے اور ان کی پہلی کتاب کی مانند اسے بھی خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

پ: ۱۳؍مئی ۱۹۷۷ء-۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند کے استاذِ حدیث اور اردو کے فصیح و بلیغ قلم کار مولانا فضیل احمد ناصری نے تعلیم کی شروعات اپنے وطن ''بلہا''، ضلع مدھوبنی کے مدرسہ مہر العلوم میں اپنے والدِ گرامی مولانا جمیل احمد ناصری کے پاس کی، جو اس مدرسے کے بانی و مہتمم بھی تھے، حفظِ قرآن کی تکمیل دارالعلوم حسینیہ پروہی پتونا (مدھوبنی) میں کی، دورۂ حفظ کے لیے مدرسہ دینیہ غازی پور (یوپی) میں داخل ہوئے اور جناب قاری شبیر احمد صاحب (۱) کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، پھر جب قاری صاحب غازی پور سے اپنے وطن آ گئے اور ۱۹۸۲ء میں شکر پور (دربھنگہ) میں مدرسہ اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالی، تو مولانا ناصری بھی وہیں چلے آئے اور فارسی سے پنجم عربی تک اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی، ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا۔

قلم رانی کا ذوق شکر پور کی طالبِ علمی کے زمانے میں پیدا ہوا، جو مہ و سال کی رفتار کے ساتھ شباب آشنا ہوتا گیا، دارالعلوم دیوبند کے عرصۂ قیام میں طلبۂ ضلع دربھنگہ، مدھوبنی و سمستی پور کی مشترکہ انجمن تہذیب الافکار کے ماہانہ جداری میگزین ''افکار'' کے ایک سال سب ایڈیٹر اور ایک سال ایڈیٹر رہے، اسی دوران متعدد تحقیقی مقالات لکھے، جو دیوبند سے شائع ہونے والے ماہ نامہ ''پیغامِ محمود'' میں طبع ہوئے اور پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔

فراغت کے بعد چار سال ممبئی کے مشہور مدرسہ دارالعلوم عزیزیہ، میرا روڈ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور اس عرصے میں وہاں کے اردو اخباروں میں خوب لکھا، دو سال روزنامہ ''اردو ٹائمز'' کی کالم نگاری کی اور روزنامہ ''انقلاب'' میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہے، پھر گجرات کے مدرسہ فیضان القرآن اور جامعہ دارالقرآن سے وابستہ رہے اور تدریس کے ساتھ قلم کی راہ سے فکر و نظر کی آب یاری بھی جاری رہی۔

---

(۱) جو فی الوقت شمالی بہار کی مشہور دینی درس گاہوں میں سے ایک مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواڑہ ضلع دربھنگہ کے روحِ رواں ہیں اور اردو زبان و ادب پر بصیرت مندانہ نگاہ رکھتے ہیں۔

۲۶/اپریل ۲۰۰۸ء کو ہندوستان کے عظیم محدث، خطیب اور انشا پرداز مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی رحلت کا جاں کاہ حادثہ پیش آیا، جس کی کسک ہندوستان سمیت فکرِ دیوبند سے وابستہ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں نے محسوس کی اور سبھوں نے ان کی کم و بیش ساٹھ سالہ خدمات کو اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے بہ قدر تحریری و تقریری خراجِ تحسین پیش کیا۔

اس موقعے سے مولانا ناصری نے بھی شاہ صاحبؒ پر ایک مضمون ''تجھ سا نہیں دیکھا'' کے زیرِ عنوان لکھا، جو ماہ نامہ ''محدثِ عصر'' دیوبند میں شائع ہوا اور تاثراتی ہونے کے باوصف شاہ صاحب کی بے پناہ علمی، ادبی، اصلاحی و خطابتی سرگرمیوں اور خدمات کا بھرپور جائزہ ہونے کے ساتھ ان کے علمی، ادبی و خطابتی تمیُّزات کا حسین مرقع بھی تھا اور اس کا انداز و اسلوبِ نگارش ایسا پُرکشش تھا کہ جس نے بھی پڑھا، وہ صاحبِ مضمون کے قلم کی قوت و جاذبیت کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا اور بالآخر یہی مضمون ان کی دیوبند سے وابستگی کی تقریب ٹھہرا۔

۲۰۰۸ء کے اواخر میں انھیں جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند میں تقرر کرلیا گیا، جہاں وہ استاذِ حدیث ہیں اور اس کے ترجمان ماہ نامہ ''محدثِ عصر'' کے رکن مجلسِ ادارت اور مرتب بھی، دیوبند میں آنے کے بعد ان کے قلم کے خرام میں بلا کی برق وَشی پیدا ہوچکی ہے؛ چناں چہ جہاں وہ اپنے رسالے میں گزشتہ دو سالوں سے ''شورِ محشر سے پہلے'' کے زیرِ موضوع قسط وار ایک مفصل و محقق مقالہ لکھ رہے ہیں، جس میں وہ احادیثِ نبویؐ میں وارد علاماتِ قیامت کے عصرِ حاضر کے تناظر میں عمدہ تجزیے پیش کرتے ہیں، ''نقد و نظر'' کے تحت تازہ مطبوعات پر تبصرے کے لیے ان ہی کا قلم خاص ہے اور جامعہ امام محمد انور شاہ کے احوال و کوائف بھی بہ پابندی وہی لکھتے ہیں، وہیں گزشتہ دو سال (۱۱-۲۰۱۰ء) دہلی کے روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' کے کالم نگار بھی رہ چکے ہیں، ساتھ ہی ملک بھر سے شائع ہونے والے بہت سے اردو اخبارات اور رسائل و مجلات میں بھی ان کی تحریریں مسلسل چھپ رہی ہیں اور ان کی شہرت و مقبولیت کا گراف لگاتار بڑھتا جا رہا ہے۔

مولانا فضیل احمد ناصری علمی، ادبی، اصلاحی، سماجی، سیاسی و سوانحی؛ ہر موضوع پر لکھتے ہیں اور ان کی تحریریں افکار و خیالات کی رفعت و بلند پروازی کی آئینہ دار تو ہوتی ہی ہیں، ساتھ ہی ان کا

ادبی سراپا بھی بڑا دل آویز ہوتا ہے، ان کی نگارشات میں وجد آفریں غنائیت اور قاری پر سحر طاری کر دینے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے، وہ گھسے پٹے جملوں، پامال اسلوب اور مبتذل تعبیرات کے ذریعے اس کے ذوق ووجدان کی اکتاہٹ وگھبراہٹ کا سبب نہیں بنتے؛ بلکہ ان کا قلم ہرآن نئے نئے اور خوش منظر جملے تراشتا، طرز اظہار کے سحر انگیز نمونے پیش کرتا، تعبیرات، تشبیہات اور استعارات کے جادو جگاتا اور اپنی تمام تر شوخیوں اور رنگینیوں سمیت قاری کے شعور واحساس پر چھا جاتا ہے۔

ان کے قلم کا یہ رنگ ویسے تو ان کی ہر نوع کی تحریروں میں پایا جاتا ہے، مگر حلیہ نگاری میں اس کا نقش کچھ زیادہ ہی گہرا ہوتا ہے؛ چناں چہ جب وہ کسی شخصیت کا خاکہ کھینچتے ہیں، تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ متعلقہ شخصیت اپنی واقعی شکل وصورت، علمی خصائص، اخلاقی امتیازات اور متعدد خصوصیتوں سمیت نگاہوں کے سامنے براجمان ہے۔

مولانا ناصری نے ۱۹۹۹ء سے لے کر اب تک ڈھائی سو سے زیادہ علمی، ادبی، سیاسی، سماجی واصلاحی مضامین کے علاوہ پندرہ کبارِ اہلِ علم و دانش کے خاکے بھی لکھے ہیں، جو مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے اور اب ان کا ایک مجموعہ بھی مرحلۂ طباعت میں ہے۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی

پ: ۱؍دسمبر ۱۹۷۸ء-۳۰؍ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

دیوبند کی نئی نسل کے اہل قلم میں مفتی تنظیم عالم قاسمی کا نام بھی نمایاں ہے، انھوں نے ابتدائی اور سوم عربی تک کی تعلیم علاقے کے مدرسوں میں حاصل کی، سالِ چہارم میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۹۷ء میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کر کے سندِ فضیلت حاصل کی اور ۱۹۹۸ء میں یہیں سے تخصص فی الفقہ بھی کیا۔

اس کے علاوہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد سے اردو میں ایم اے وایم فل اور کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا سے عربی زبان وادب میں بی اے بھی پاس کیا۔

قیامِ دار العلوم ہی کے دوران صحافت سے وابستہ ہوئے؛ چناں چہ ضلعی انجمن کے ترجمان جداری میگزین کی ادارت کے علاوہ ذاتی ہفت روزہ ''صحافت'' بھی نکالا اور متعدد ماہ ناموں میں

لکھتے رہے، دار العلوم سے نکلنے کے بعد ان کے قلم میں مزید تیز گامی آئی اور ملک کے کئی ایک اخبارات ورسائل میں ان کے مقالات مسلسل شائع ہونے لگے، فی الوقت روز نامہ ''منصف'' حیدرآباد، روز نامہ ''راشٹریہ سہارا'' بنگلور، روز نامہ ''انقلاب'' ممبئی، روز نامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ہفت روزہ ''نقیب'' پٹنہ ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، سہ روزہ ''دعوت'' دہلی، ماہ نامہ ''زندگیِ نو'' دہلی، ماہ مانہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد، ماہ نامہ ''ترجمانِ دار العلوم'' دہلی، ماہ نامہ ''الفرقان'' لکھنؤ، ماہ نامہ ''ترجمان دیوبند'' دیوبند، ماہ نامہ ''دار العلوم'' دیوبند، ماہ نامہ ''نوائے ہادی'' کان پور اور ماہ نامہ ''حج میگزین'' ممبئی وغیرہ میں ان کی تحریریں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتیں اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔

تنظیم عالم قاسمی عام طور پر اسلامیات وسماجیات پر لکھتے ہیں، ان کی تحریروں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی دقیقہ رسی اور ژرف نگاہی سے تاریخِ اسلام کے مختلف اہم واقعات وحقائق کی ایسی عصری تطبیق پیش کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن ودماغ عش عش کر اٹھتے ہیں، ان کی اسی انفرادی خصوصیت کی بنا پر ان کے ایک مقالہ بہ عنوان ''موجودہ حالات میں غزوۂ احزاب کا اسوہ'' پر روز نامہ منصف نے انھیں اعزاز سے بھی نوازا ہے۔

ان کی تحریروں کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ ان میں الفاظ کے دروبست کی بے جا تحسین وتزیین کاری کی بہ جائے قوتِ ترسیل وابلاغ کا زور نمایاں رہتا ہے، ان کے تمام تر مقالات قرآن وحدیث کے براہین حقہ سے لیس ہوتے ہیں، وہ اسلامی تعلیمات اور تاریخِ اسلامی کے روشن واقعات وحقائق کے ذریعے مسلم معاشرے کی زوال پذیری کا علاج کرنا بہ خوبی جانتے ہیں، وہ چوں کہ ایک بابصیرت اور اپنی ذمّے داریوں کا ادراک رکھنے والے عالمِ دین ہیں؛ اس لیے وہ قلم کی راہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔

تنظیم عالم قاسمی کی تحریریں روایتی معنوں میں ادبیت کی حامل نہیں ہوتیں، مگر ان میں ایسی غیر محسوس مقناطیسیت اور مسلم امت کے مسائل ومشکلات تئیں لکھنے والے کے قلب کے اضطراب اور سوزِ دروں کی عکاسی پائی جاتی ہے کہ وہ بہ راہِ راست قاری کے قلب کے راستے روح میں اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

ضلع بانکا، بہار سے تعلق رکھنے والے مفتی تنظیم عالم قاسمی کی تحریری، تدریسی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز حیدرآباد ہے، جہاں وہ معروف اسلامی دانش گاہ دار العلوم سبیل السلام کے استاذِ

حدیث، وہاں سے نکلنے والے سہ ماہی علمی، ادبی و تحقیقی رسالہ ''صفا'' کے نائب مدیر اور سہ لسانی پندرہ روزہ ''اصلاحِ معاشرہ'' کے مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں، مختلف سماجی موضوعات پر روزنامہ ''منصف'' میں شائع شدہ ان کے مقالات کا ایک قابل قدر مجموعہ حیدر آباد اردو اکیڈمی کے جزوی تعاون سے ''سماج کو بہتر بنایئے'' کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے، اس کے علاوہ اردو کے فقہی ادب میں بھی ان کے قلم نے کئی ایک وقیع اضافے کیے ہیں۔

نور اللہ جاوید قاسمی

پ: ۱۷/اپریل ۱۹۷۹ء - ۱۹/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

دارالسلطنت دہلی سے اپنی صحافتی جدوجہد کا آغاز کرنے والے اور فی الوقت شہر کولکاتہ کے بااعتبار صحافی کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھنے والے نور اللہ جاوید ہند و نیپال کی سرحد پر واقع شمالی بہار کے ضلع سیتامڑھی سے نسبت رکھتے ہیں، تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے کیا، فارسی سے پنجم عربی تک مدرسہ امدادیہ اشرفیہ، طیب نگر، راجو پٹی، سیتامڑھی میں تعلیم حاصل کی، ششم سے دورۂ حدیث شریف تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھا اور ۱۹۹۹ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

لوح وقلم کی پرورش کا شوق بُدوِّ شعور ہی سے تھا؛ چنانچہ مدرسہ امدادیہ کی طالبِ علمی کے زمانے میں وہاں کی دیواری میگزین ''الاشرف'' کے مدیر رہے اور دیوبند میں بھی ان کا قلم مستقل محوِ سفر رہا؛ چناں چہ طلبۂ سیتامڑھی، مظفر پور، ویشالی وشیوہر کے ماہ نامہ ''صبحِ نو'' کی ادارت کی، صوبۂ بہار، جھارکھنڈ، اڑیسہ و نیپال کی انجمن بزم سجاد اور آل طلبۂ دارالعلوم لائبریری مدنی دارالمطالعہ کے تحت ہونے والے مقالہ نویسی کے مقابلوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

دیوبند سے نکلنے کے بعد صحافت ہی کو اپنا کاروائی میدان بنایا اور دہلی کے مشہور اخبارات روزنامہ ''ان دنوں''، روزنامہ ''عوام'' اور روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' سے منسلک رہے، ''معارفِ قاسم جدید'' کی ادارت کی، اس کی ادارت کے زمانے میں سیرت النبیؐ پر ایک خصوصی شمارہ شائع کیا، جس سے ان کی غیر معمولی علمی، ادبی وفکری قابلیتوں کا شہرہ ہوا اور پورے ہندوستان میں اس شمارے کو سراہا گیا۔

پھر دہلی سے کولکاتہ کی راہ لی اور وہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا سکہ جمادیا، روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' کولکاتہ کی سب ایڈیٹری کی اور فی الوقت وہاں کے مشہور ومقبول اخبار روزنامہ ''آزاد ہند'' کے سینیر سب ایڈیٹر اور متعدد اخبارات کے مستقل کالم نگار کی حیثیت سے اردو صحافت کو اپنے قلم کی فیاضیوں سے مالا مال کررہے ہیں۔

نوراللہ جاوید کے قلم میں معلومات کی کثرت وجدت، افکار کی بلندی، اسلوبِ بیان کی شگفتگی اور پیرایۂ اظہار کا حسن؛ سب پائے جاتے ہیں، ان کی تحریروں کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحبِ تحریر کا فکری افق نہایت ہی وسیع ہے، اس کی نظر اور نظریے میں سنجیدگی ہے اور اس کے مطالعے میں قوت و وسعت ہے ساتھ ہی یہ خیال بھی ذہن میں جم جاتا ہے کہ لکھنے والا زبان وادب کے خم وپیچ سے بھی بہ خوبی واقف ہے۔

نوراللہ جاوید مختلف دینی، اصلاحی اور سیاسی موضوعات کے علاوہ عالمِ اسلام کی موجودہ سیاسیات پر بھی بصیرت افروز اور فکرانگیز تجزیاتی تحریریں لکھتے ہیں، اسی طرح عصرِ حاضر کے مطابق اسلامی فکر کی تجدید وتجزیہ، عہدِ اسلامی میں انسانی اقدار کا تحفظ، مسلم حکمراں اور انسانی حقوق؛ یہ وہ موضوعات ہیں، جن پر نوراللہ جاوید کا قلم خوب چلتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل و مشکلات پر بھی نوراللہ جاوید مسلسل لکھتے رہے ہیں، محض لکھنے کی غرض سے نہیں؛ بلکہ ہر سلگتے مسئلے میں ہندوستانی مسلمانوں کو سلامتی، اعتدال اور وسطیت کی راہ بتانے کی غرض سے، انھیں قنوطیت کی تاریکیوں سے نکال کر رجائیت پسند بنانے کی غرض سے، انھیں منفی فکر سے استخلاص عطا کرکے مثبت فکر کا حامل بنانے کی غرض سے اور یقیناً یہ نوراللہ جاوید کے قلم کا کارنامہ ہے، جسے شہر کولکاتہ کی ملی تنظیم ''ملی اتحاد پریشد'' نے محسوس کیا اور انہیں ملی ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا ہے۔

تذکرہ نویسی سے بھی نوراللہ جاوید کو خاصی دل چسپی ہے اور شخصیات پر ان کے مضامین رسائل واخبارات میں چھپتے رہتے ہیں، ضلع سیتامڑھی سے تعلق رکھنے والے اربابِ فضل وکمال کے تذکروں پر مشتمل ان کی تحریروں کا ایک مجموعہ ''گلِ سرسبد'' کے نام سے زیورِ طبع آراستہ ہوچکا ہے، اس مجموعے میں زیرتذکرہ شخصیات گو اپنے زمانے میں علم وکمال اور خلوص وللہیت کے حوالے سے معروف رہی ہیں، مگر نسلِ نو کی کم علمی کہیے یا ان کا شیوۂ فراموش کاری کہ وہ ان میں سے بیش تر کے ناموں سے بھی واقف نہیں، چہ جائے کہ ان کے کارناموں کو یاد رکھتی، نوراللہ جاوید

کی یہ کاوش یقیناً کامیاب کہی جاسکتی ہے، اس کے ذریعے جہاں انہوں نے قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ، خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا عبدالعزیز بسنتیؒ، شمالی بہار کے مسلمانوں میں علمِ دین کی حفاظت و اشاعت و ترویج کی روح پھونک دینے والے حافظ رمضان علیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب کنہواںؒ، ہادی ممبئی مولانا عبدالعزیز براریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ، فخرِ بہار مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب کماویؒ اور حضرت مولانا عبدالحنان بالا ساتھویؒ کی ارواح کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے، وہیں انھیں اوراق تاریخ میں تابندگی، پائندگی اور بقاے دوام بھی بخش دی ہے۔

مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی

پ: ۱۴/۱۰/اکتوبر ۱۹۷۹ء - ۲۱/ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ

انگریزی و اردو دونوں زبانوں میں سنجیدہ و باوقار تحریریں لکھنے والے اور دارالعلوم دیوبند کے ویب ایڈیٹر مفتی محمد اللہ خلیلی کی ابتدائی و ثانوی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم اور مدرسہ انوارالعلوم ''ہنسوڑ''، ضلع امبیڈکر نگر میں ہوئی، ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی، اس کے بعد یہیں سے عربی زبان وادب اور فقہ میں تخصص کیا، اس کے بعد مرکز المعارف ممبئی سے انگریزی زبان وادب کا دوسالہ کورس کیا، اس کے علاوہ فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے (عربی) ایم اے (اسلامک اسٹڈیز) اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے ایم اے (انگریزی) اور ڈپلوما ان جرنلزم بھی پاس کیا۔

مقالہ نگاری کا سلسلہ ۱۹۹۳ء ہی سے شروع ہوا، دیوبند میں مسلسل مشق و ممارست، پھر تین سال تک طلبۂ ضلع فیض آباد کے ماہانہ رسالہ ''الفیض'' کی ادارت اور آل طلبۂ دارالعلوم لائبریری مدنی دارالمطالعہ کے ہفتہ وار دیواری پرچہ ''البلاغ'' (اردو و عربی) کی مجلسِ ادارت کی سہ سالہ ممبری کے دوران ان کے صحافتی شعور کو غیر معمولی توانائی و حوصلہ مندی حاصل ہوئی اور ان کی نگارشات میں نکھار پیدا ہوگیا۔

پھر مرکز المعارف میں انگریزی زبان وادب سے آشنائی اور اس زبان میں بھی قلم رانی کا ذوق پیدا ہوا اور اردو کے ساتھ متعدد انگریزی اخبارات و رسائل میں بھی ان کی تحریریں شائع ہونے لگیں۔

مفتی محمد اللہ خلیلی ان دنوں جہاں دار العلوم دیو بند کے شعبۂ انٹرنیٹ سے وابستہ ہیں اور دار العلوم کی ویب سائٹ کے لیے مواد کی تیاری واشاعت کی ذمے داری بہ خوبی نبھانے کے ساتھ ایک ویب پورٹل www.deoband.net بھی چلا رہے ہیں، جو کافی مشہور ومقبول ہے، وہیں ان کا قلم بھی پیہم محوِ سفر ہے اور ان کے اردو مضامین ملک کے مشہور اخبارات ورسائل میں تو چھپتے ہی ہیں، ساتھ ہی وہ ممبئی کے انگریزی ماہ نامہ ''ایسٹرن کریسینٹ'' کے خصوصی نامہ نگار بھی ہیں اور ان کے انگریزی مضامین بھی انگریزی کے مختلف اخبارات اور ای میگزینس میں چھپتے رہتے ہیں۔

مفتی محمد اللہ ہمہ جہت نگاہ، گہرا علم اور زرخیز فکر رکھتے ہیں، ان کے مضامین خواہ اردو کے ہوں یا انگریزی کے، غیر معمولی بصیرت مندی اور متعلقہ مسئلے کی غیر جانب دارانہ ومنصفانہ تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ساتھ ہی ان کے یہاں ادائے مطلب میں مکمل وضوح، شفافیت اور سادگی بھی پائی جاتی ہے، ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی عصری آگہی کو سطحی اغراض ومصالح کی برآری کے لیے استعمال نہیں کرتے؛ بلکہ اپنی حیثیت ومنصب کا بھرپور ادراک ولحاظ کرتے ہوئے اسلام اور اسلامی تعلیمات وافکار کی زیادہ سے زیادہ اشاعت وتوسیع ان کا واحد نصب العین اور مطمحِ نظر ہے، عصرِ حاضر میں، جب کہ کم نگاہی کا دور دورہ اور ژرف نگاہی کے عنوان سے گم رہی کے علم برداروں کا ہجوم ہے، مفتی محمد اللہ خلیلی ایسے اہلِ فکر وقلم کے وجود کی اہمیت ووقعت مزید دوچند ہو جاتی ہے۔

مختلف علمی، دینی واصلاحی موضوعات پر درجنوں اردو وانگریزی مقالات کے علاوہ ان کے قلم سے کئی کتابیں بھی آچکی ہیں، جن میں مدرسی نظام ونصابِ تعلیم کے مبنی بر حقائق تجزیوں پر مشتمل ان کے انگریزی مضامین کا مجموعہ "MadrasaEducation:its StrrengthandWeakness" جس کی اشاعت ۲۰۰۵ء میں مانک پبلیکیشن دہلی سے ہوئی ہے اور بنیادی اسلامی موضوعات پر مختصر تقریروں کا مجموعہ "islamic Speeches" جسے ۲۰۱۲ء میں دار المعارف دیوبند نے شائع کیا ہے، خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں، اسی طرح ہندی داں وابستگانِ دار العلوم کی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل ''دار العلوم دیوبند کا اتہاس''، بھی ان ہی کی کدو کاوش سے منظرِ عام پر آسکا ہے اور ان سب کے علاوہ مفتی محمد اللہ خلیلی کا

ایک عظیم الشان کارنامہ جمعیتِ علماے ہند کے سابق ناظمِ عمومی، مستند مورخ اور شگفتہ نگار اہلِ قلم مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''تحریکِ ریشمی رومال'' کا انگریزی ترجمہ ہے، جو "SilkLetterMovement" کے نام سے شیخ الہند اکیڈمی (دار العلوم دیوبند) کے زیرِ اہتمام چھپ چکا ہے۔

عبدالواحد رحمانی

پ: ۱ر جنوری ۱۹۸۰ء-۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

لوح و قلم کی مخلصانہ پرورش کے ذریعے موجودہ صحافتی دنیا کو اپنے وجود کا احساس دلانے میں کامیاب رہنے والے عبدالواحد رحمانی ارریا (بہار) کے متوطن ہیں، تعلیم کی شروعات مدرسہ امداد العلوم، ارریا اور دار العلوم رحمانی ارریا سے کی، ثانوی تعلیم صوبۂ گجرات کی معروف علمی و دینی دانش گاہ جامعہ مظہرِ سعادت، ہانسوٹ میں حاصل کی اور ۱۹۹۶ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

مذہبی علوم کی تکمیل کے بعد بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، پٹنہ سے دسویں و بارہویں کے امتحانات پاس کیے، الامین کالج، بنگلور سے بی اے، بنگلور یونیورسٹی سے ایم اے اور بی این منڈل یونیورسٹی، مدھے پورہ (بہار) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور حیدر آباد سینٹرل یونیورسٹی، حیدر آباد سے جرنلزم کا کورس کیا۔

قلم و قرطاس سے ناطہ دیوبند ہی میں قائم ہوا، جو دن بہ دن استوار ہوتا گیا، دیوبند میں دیواری پرچہ ''الحرم'' کے متواتر تین سال مدیر رہے، دیوبند سے نکلنے کے بعد ہفت روزہ ''تہذیب ایکسپریس'' بنگلور کے دو سال (۲۰۰۰ء-۱۹۹۹ء) سب ایڈیٹر رہے، ماہ نامہ ''نقوشِ عالم'' بنگلور کی لگاتار پانچ سال (۵-۲۰۰۱ء) ادارت کی، سہارا گروپ کے ہندی ہفتہ وار اخباری پرچہ ''سمے'' اور اردو ہفت روزہ ''عالمی سہارا'' سے تین سال (۵-۲۰۰۳ء) کے لیے وابستہ ہوئے، ۲۰۰۶ء میں روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' پٹنہ ایڈیشن کے سب ایڈیٹر و انچارج مقرر کیے گئے اور تا حال اس عہدے پر رہ کر مشاطۂ صحافتِ اردو کوشانہ کر رہے ہیں۔

عبدالواحد رحمانی چوں کہ اب تک کئی ایک اہم و مقتدر اخبارات و رسائل سے وابستہ رہ چکے ہیں اور ان کے قلم نے دیوبند میں جو سفر شروع کیا تھا، اس میں تسلسل پوری تابانیوں کے ساتھ

جاری ہے؛ اس لیے ان کے یہاں فکر کی ہمہ گیری، بیان و اظہار میں سنجیدہ پن اور علم و مطالعے میں تعمق؛ سب اوصاف پائے جاتے ہیں، وہ موجودہ تمام عصری مسائل پر لکھتے ہیں اور ان کا حق ادا کر دیتے ہیں، ان کے زیرِ قلم آنے کے بعد کوئی بھی موضوع کسی بھی اعتبار سے ناتمام نہیں رہتا؛ بلکہ وہ اپنی نظر کی ہمہ جہتی اور قلم کی توانائی سے اس کا بھرپور احاطہ کرتے اور قاری کے علمی، فکری و ذہنی اطمینان کا پورا سامان کرتے ہیں۔

خواجہ بندہ نواز ایوارڈ، فنکارانِ اردو ایوارڈ اور صحافتی ایوارڈ سے نوازے گئے عبدالواحد رحمانی کی تحریریں نہ صرف ہندوستان بھر کے بے شمار اردو اخبارات میں شائع کی جاتیں اور دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں؛ بلکہ پاکستان اور خلیجی ممالک کے متعدد اردو اخبارات میں بھی انہیں اہتمام سے چھاپا جاتا ہے۔

برقی صحافت سے بھی عبدالواحد رحمانی سرگرم رکن کی حیثیت سے وابستہ ہیں اور اب تک ڈی ڈی ا، پٹنہ دور درشن، سہارا سمے، مہوا چینل اور موریہ ٹی وی وغیرہ پر بہ حیثیت صحافی کئی مباحثوں میں شرکت کے ساتھ آل انڈیا ریڈیو کے لیے ایک درجن سے زائد مقالات تحریر کر چکے ہیں۔

مفتی محمود زبیر قاسمی

پ: ۱۹۸۱ء-۱۴۰۱ھ

اسلامی و سماجی موضوعات پر عمدہ تحریریں لکھنے والے جنوبی ہند کے معروف شہر حیدر آباد کے مفتی محمود زبیر قاسمی کی ابتدائی و ثانوی تعلیم دارالعلوم رحمانیہ، حیدر آباد میں ہوئی، چار سال دارالعلوم دیوبند میں متعلم رہے اور ۲۰۰۲ء میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد ایفل یونیورسٹی حیدر آباد سے ڈپلومہ ان ٹرانسلیشن (عربی و انگریزی) اور مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدر آباد سے ایم اے (اردو) بھی پاس کیا۔

علم و مطالعے کے شعور کے ساتھ ہی تحریر و انشا کا ذوق بھی پیدا ہوا، جسے دیوبند میں کافی نشو و بلوغ اور توانائی حاصل ہوئی، پھر دیوبند سے نکلنے کے بعد انھیں متعدد رسالوں کی ادارت اور بہت سے اخبارات میں مسلسل کالم نگاری کا موقع ملتا رہا، جس نے ان کے قلم کو پیہم محوِ سفر رکھا اور ان کی تحریروں میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے گئے۔

۲۰۰۵ء سے ۲۰۰۸ء تک جنوبی ہند کی مشہور علمی، ملی و سماجی تنظیم مجلسِ علمیہ کے ماہ نامہ ''ضیاے علم'' کے سب ایڈیٹر رہے اور ۲۰۰۸ء سے تا حال دارالعلوم حیدرآباد کے ماہانہ آرگن ''پیام'' کے مدیرِ مسئول ہیں اور ان کی تحریریں حیدرآباد و بنگلور کے مشہور روزنامہ اخبارات ''منصف''، ''سیاست''، ''اعتماد'' اور ''سالار'' کے ساتھ ممبئی، دہلی اور شمالی ہندوستان کے بہت سے اخبارات میں بھی بہ کثرت شائع ہوتی ہیں۔

محمود زبیر قاسمی عام طور پر علمی، اسلامی و سماجی موضوعات پر لکھتے ہیں اور بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ لکھتے ہیں، ان کی نگارشات میں عام اہلِ صحافت کی مانند افکار کی کج ادائی اور حالات و مسائل کے تجزیے میں ناپختہ کاری کی بہ جاے راست روی اور بصیرت مندی جھلکتی ہیں، ساتھ ہی معاشرت و سیاست کے حوالے سے اسلامی توجیہات وارشادات سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روشناس کرانے اور انہیں اپنے روز و شب میں برپا کرنے پر ابھارنے کا جذبۂ بے پایاں بھی ان کے سینے میں موج زن رہتا ہے، جس کا وہ پوری دردمندی و فکرمندی کے ساتھ اظہار کرتے اور فریضۂ تبلیغِ حق میں کسی بھی قسم کی مصلحت کوشی یا کوتاہی کو آڑے نہیں آنے دیتے۔

اس لیے محمود زبیر قاسمی کی تحریریں جہاں اپنے اندر پائی جانے والی علمی وسعت، مشاہدے کی گیرائی اور مسئلۂ متعلقہ کے پیش کردہ جائزوں کی معنویت کی وجہ سے اہلِ فکر و نظر کو مسلسل اپنی جانب ملتفت کر رہی ہیں، وہیں ان کا داعیانہ و مصلحانہ جذبہ بھی ان کی مقبولیتوں میں لگاتار اضافہ کر رہا ہے۔

ابرار احمد اجراوی

۱۳؍مئی ۱۹۸۲ء - ۱۹؍رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

نسلِ نو کے ابھرتے قلم کار ابرار احمد ''اجرا'' ضلع مدھوبنی (بہار) سے نسبت رکھتے ہیں، تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں ہی کے مدرسہ ''فیض الغربا'' سے کیا، وہیں دینیات کی ابتدائی کتب پڑھیں اور حفظِ قرآن کی تکمیل بھی وہیں کی، دورِ قرآن مدرسہ بشارت العلوم، کھرایاں پتھرا (دربھنگہ) میں کیا، فارسی اور عربی کے ابتدائی و ثانوی درجات مدرسہ خادم العلوم، ہاپوڑ میں پڑھے، ششم عربی کے سال دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۲ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، ۲۰۰۳ء میں تکمیل ادبِ عربی، ۲۰۰۴ء میں تخصص فی الادب اور ۲۰۰۵ء میں تخصص فی الفقہ کیا، اس کے بعد

لگاتار دو سال معین مدرس بھی رہے، اسی دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے پرائیویٹ طریقے پر بی اے (اردو) بھی کیا، ۲۰۰۷ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی میں ایم اے میں داخل ہوئے، ایم اے مکمل کر لینے کے بعد وہیں سے ایم فل بھی پاس کیا اور ہنوز ''عربی ناول اور اس کے اردو ترجمے: ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔

قلم کی کاشت دیوبند ہی میں شروع کی، جو منزل بہ منزل ترقی وعروج کی راہ طے کرتی رہی، دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے عرصے میں دیگر جداری پرچوں میں مسلسل مشقِ تحریر کے ساتھ صوبۂ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کی مرکزی وسربراہ انجمن ''بزمِ سجاد'' کے ہفت روزہ اخباری پرچہ ''آئینۂ ایام'' کے خاکہ سازوں میں شامل رہے، فراغت کے بعد متعدد اختصاصی شعبوں سے وابستگی کے دوران ہندوستان کے بہت سے رسائل ومجلات سمیت اخبارات میں بھی لکھا، دیوبند سے دہلی منتقلی اور ایک بین اقوامی عصری تعلیم گاہ سے منسلک ہونے کے بعد جہاں ان کے فکر ونظر کو بہت سے نئے اور وسیع علمی وادبی جہانوں سے آشنائی حاصل ہوئی، وہیں ان کے قلم میں بھی سریع الحرکتی، کثرت نگاری اور سلاست وشستگی کے اوصاف پیدا ہوئے۔

عام معاشرتی وسماجی موضوعات کے علاوہ علم وادب وتحقیق کے مختلف عنوانات بھی ابرار احمد اجراوی کی دست رس میں ہیں اور ان سب پر ان کے مضامین ملک کے مشہور اخبارات ورسائل روزنامہ ''راشٹریہ سہارا''، ''منصف'' حیدر آباد، ''سیاست'' بنگلور، ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ''اڑان'' کشمیر، ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی، ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، ''عالمی سہارا'' دہلی، ''نئی دنیا'' دہلی، ماہ نامہ ''آجکل'' دہلی، ''اردو دنیا'' دہلی، ''زبان وادب'' پٹنہ، سہ ماہی ''حسنِ تدبیر'' دہلی، ماہ نامہ ''بزمِ سہارا''، ''ترجمانِ دارالعلوم'' دہلی، ''ترجمانِ دیوبند'' دیوبند وغیرہ میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔

ابرار احمد اجراوی مطبوعہ اخبارات ورسائل کے علاوہ متعدد ویب میگزینوں اور اخباروں کے لیے بھی لکھتے ہیں، الیکٹرانک میڈیا سے بھی ان کی وابستگی ہے اور آل انڈیا ریڈیو سے ان کی متعدد تقریریں نشر ہو چکی ہیں، کئی ایک ٹی وی چینلوں پر ہونے والے سیاسی وسماجی ڈائیلاگ میں بھی وہ شرکت کر چکے ہیں۔

متذکرہ موضوعات پر سو سے زیادہ مقالات کے علاوہ ان کا ایک اہم کام مشہور اسلامی اسکالر و مصنف مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی مایۂ ناز تصنیف ''تذکیر بسورۃ الکہف'' اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی معروف کتاب ''اسلام اور مغربی تہذیب'' کی تحقیق، تخریج وترتیبِ نو بھی ہے، عربی سے اردو ترجمہ نگاری میں بھی انھیں درک حاصل ہے اور قیامِ دیوبند کے زمانے میں وہ مشہور عربی و اردو صحافی و ادیب مولانا نور عالم خلیل امینی کی متعدد تحریروں کا انتہائی شگفتہ ترجمہ کر چکے ہیں، مولانا امینی نے اپنی کئی اردو تصانیف میں ان کے کیے ہوئے مترجم مضامین کو اُن کے نام کی نشان دہی کے ساتھ شائع کیا ہے، عربی سے اردو کے علاوہ انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی ترجمہ نگاری میں بھی وہ مہارت رکھتے ہیں اور اس کے بھی کئی عمدہ نمونے پیش کر چکے ہیں۔

مولانا شاہد معین قاسمی

پ: ۱۹؍جنوری ۱۹۸۳ء-۴؍ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ

قلم کی طاقت کو خدائی امانت سمجھ کر مسلمانوں کی اخلاقی، سماجی و عقائدی اصلاح کی پاکیزہ کوششوں میں مصروف مولانا شاہد معین قاسمی ''مٹھیا''، ضلع روتہٹ (نیپال) سے تعلق رکھتے ہیں، تعلیم کا آغاز مدرسہ محمودیہ، راج پور، نیپال سے کیا، حفظِ کلام اللہ کی تکمیل اور دوم عربی تک کی کتابیں مدرسہ تجوید القرآن، خیروا، چمپارن میں پڑھیں، دو سال جامعہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر، اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۲ء میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، اگلے سال عربی زبان وادب میں تخصص اور اس کے بعد یہیں سے دو سالہ انگریزی کا کورس بھی کیا۔

فراغت کے بعد جمعیتِ علمائے ہند سے وابستہ ہوئے اور متنوع علمی و دینی سرگرمیوں میں حصہ لیا، ۲۰۰۶ء کے اواخر میں مولانا بدرالدین علی اجمل القاسمی کے قائم کردہ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر سے منسلک ہو گئے اور تب ہی اپنی قلمی سرگرمیوں کا باضابطہ آغاز بمبئی کے مشہور روزنامہ اخبار ''اردو ٹائمز'' سے کیا، پہلے سوال و جواب کا کالم

شروع کیا، پھر ''حقائق اور غلط فہمیاں'' کے تحت لکھنے لگے، جس کا سلسلہ ۲۰۱۰ء تک جاری رہا، اسی اخبار کے جمعہ میگزین میں ''قرآن اور امنِ عالم'' کے زیرِ عنوان ایک طویل الذیل مضمون لکھا، جس کی تکمیل ۲۰۰۹ء کے اخیر میں ہوئی، ''اسلام عقل کی نظر میں'' کے عنوان سے ''راشٹریہ سہارا'' بمبئی میں سال بھر لکھا، ۲۰۰۸ء میں کم و بیش چھ ماہ روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی کے کالم نگار رہے اور اس دوران مختلف سماجی مسائل پر بیش بہا تحریریں لکھیں، رمضان المبارک کے مہینے میں سلسلہ وار پورے قرآن کا تفسیری خلاصہ لکھا، جو ''اردو ٹائمز'' بمبئی، ''انقلاب'' بمبئی اور ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی میں شائع ہوا اور کافی سراہا گیا، اس کے علاوہ متعدد عصری موضوعات پر بھی لکھتے رہے، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

شاہد معین صاحب اردو، عربی و انگریزی زبانوں مہارت رکھنے کے ساتھ اپنے سینے میں اسلام کی اشاعت اور اس کی درخشاں تعلیمات کی وسیع تر پیمانے پر ترسیل کی خاطر مچلتا رہنے والا دل بھی رکھتے ہیں اور اس کے لیے جہاں وہ اپنی خطابتی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں، وہیں انھوں نے اپنے قلم کو بھی اسی بابرکت کام کے لیے وقف کر رکھا ہے، وہ سماجیات و اصلاحیات کے ذیل میں قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات سے اقتباس کر کے ان خطوط کی بھی نشان دہی کرتے ہیں، جن پر گام زن ہو کر ایک مسلمان نہ صرف اِس دنیا میں کام رانیوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے؛ بلکہ حیاتِ اخروی میں بھی ہمہ نوع فوز و فلاح اور نادیدہ نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی راہیں اس کے لیے کھل سکتی ہیں۔

شاہد معین قاسمی کا اسلوب بھی موضوعات کی مناسبت سے بڑا سادہ و سہل اور ہر قسم کے تکلفات اور لفظیاتی پیچیدگیوں سے مبرا ہے؛ اس لیے جہاں ان کا جذبۂ صالح قاری پر اثر انداز ہوتا ہے، وہیں طرزِ اظہار کی سادگی بھی اسے ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے اور وہ ادنیٰ دشواری کے بغیر زندگی گزارنے کے روشن و کام یاب اصولوں سے باخبر ہوتا جاتا ہے۔

منظر امام قاسمی

پ: ۱۹۸۳ء-۱۴۰۳ھ

اپنی انفرادی قابلیتوں اور متمیزانہ صلاحیتوں کی بنا پر قومی انگریزی صحافت میں نمایاں نام و مقام حاصل کر لینے والے منظر امام قاسمی ''مہدی نگر''، ضلع پورنیہ سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالاطہر، مہدی نگر اور ثانوی تعلیم مدرسہ افضل المعارف، الہ آباد سے حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، دیوبند کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے، ایم اے، ایڈوانس ڈپلومہ ان جرنلزم، ڈپلومہ وایڈوانس ڈپلومہ ان فرنچ اور ڈپلومہ ان ماڈرن عربک کیا اور قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان سے ڈپلومہ ان کمپیوٹر اور ڈپلومہ ان اردو کی بھی ڈگری حاصل کی۔

منظر امام قاسمی کا قلم اردو سے زیادہ انگریزی زبان میں رواں ہے اور وہ اب تک کئی ایک انگریزی اخبارات ورسائل سے باضابطہ وابستہ رہ چکے ہیں، جون ۲۰۰۱ء سے اگست ۲۰۰۴ء تک پندرہ روزہ ''ملی گزٹ'' دہلی کے معاون مدیر رہے، جون ۲۰۰۰ء سے اپریل ۲۰۰۱ء تک ''یونگ مسلم ڈائجسٹ''، بنگلور سے ٹرینی جرنلسٹ کی حیثیت سے وابستہ رہے، ایک سال ماہ نامہ ''صفا ٹائمس'' کی ادارت کی اور اسلامک دعوہ سینٹر، دہلی کے ماہانہ نیوز لیٹر کے مارچ ۲۰۱۱ء تا فروری ۲۰۱۲ء مدیر رہے، ان کے علاوہ بہت سے ملکی وغیر ملکی اخبارات اور میگزینوں میں بھی ان کے مضامین، مراسلوں، رپورٹس اور تبصروں کی اشاعت جاری رہی، جس کا تسلسل ہنوز برقرار ہے، منظر امام قاسمی کی تحریریں جن انگریزی اخبارات ورسائل میں چھپتی ہیں، ان میں ماہ نامہ ''ایسٹرن کریسینٹ''، ممبئی ہفت روزہ ''ایسٹرن پوسٹ'' کولکاتہ، ''سعو دی گزٹ''، ریاض ''مسلم انڈیا''، روزنامہ ''دی ہندو''، ''ہندوستان ٹائمس''، ''دی ٹائمس آف انڈیا''، ''تہلکہ''، ''دی ایشین ایج''، ''دی انڈین ایکسپریس''، دی ٹیلی گراف'' اور ''سنڈے گارجین'' خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

منظر امام قاسمی چوں کہ عالمِ اسلام کی ایک ممتاز ترین اسلامی دانش گاہ کے فاضل ہیں اور انگریزی زبان وادب پر فن کارانہ نگاہ رکھنے والے اہلِ قلم بھی؛ اس لیے ان کی نگارشات جہاں قواعد واصولِ ادبِ انگریزی پر کھری اترنے والی ہوتیں اور ان میں تعبیرات کا حسن اور طرزِ تحریر کی دل کشی اچھی طرح پائی جاتی ہے، وہیں ان کے ذریعے دیا جانے والا پیغام قرآن وحدیث سے

اقتباس کردہ اور ان سے جھلکنے والے افکار میں خالص اسلامی روح (pureislamic spirit) کارفرما ہوتی ہے، وہ سیاسیات، سماجیات اور دیگر کسی بھی عصری موضوع پر لکھتے وقت اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہیں کہ ان کا علمی و فکری خمیر ایک عظیم الشان اسلامی مدرسے سے اٹھا ہے اور وہ صرف ایک انگریزی قلم کار ہی نہیں؛ بلکہ منصب نبوت کے حامل عالم دین بھی ہیں۔

چناں چہ منظر امام قاسمی کو اگر پروفیشنل تجربات کی بنا پر ابھرنے اور نکھرنے کے لگاتار مواقع مل رہے ہیں، تو ساتھ ہی دنیا کی رائج ترین زبان میں اسلامی افکار کی اشاعت و ترسیل کی وجہ سے ان کو خالص دین دار اور علما کے حلقوں میں بھی ایک خاص قدر و منزلت حاصل ہے، جس میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

انگریزی زبان میں پانچ سو سے زائد مقالات، مراسلات، تبصروں اور سوانحی مضامین کے علاوہ منظر امام قاسمی نے متعدد کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی کیے ہیں اور کئی کتابوں کے ترجمے و ترتیب میں بہ طور معاون شریک رہے ہیں، جن میں اردو کے مایہ ناز صحافی اور ممتاز ملی رہنما و عالم دین مولانا اسرار الحق قاسمی کی کتاب ''اسلام اور معاشرہ'' کا ترجمہ "IslamAnd Society"، ان ہی کی دوسری کتاب ''عورت اور مسلم معاشرہ'' کا ترجمہ "GenderJu sticeInIslam"، مولانا رحمت اللہ ندوی کی کتاب ''ہدیہ اور رشوت'' کا ترجمہ "Gift AndBribe" اور حقانی القاسمی کی معرکۃ الآرا تصنیف ''دارالعلوم دیوبند: ادبی شناخت نامہ'' کے ایک باب ''انار اور آزادی کی تحریک'' کا ترجمہ (مطبوعہ: ملی گزٹ، دسمبر ۲۰۰۶ء) بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

مفتی محمد ساجد کھجناوری قاسمی

پ: ۱۵/اگست ۱۹۸۳ء - ۶/ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ

بے پناہ حوصلوں اور امنگوں کے ساتھ قلم کی کاشت میں مصروف مفتی محمد ساجد ''کھجناور'' ضلع سہارن پور سے تعلق رکھتے ہیں، ابتدائی تعلیم اور حفظِ کلام اللہ کی تکمیل علاقے کے مدرسہ عزیز القرآن میں کی، ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تجوید و قرائت میں داخل ہوئے اور دو سالہ کورس مکمل کیا، فارسی کی کتابیں خارج میں پڑھیں، ۲۰۰۱ء میں اہلیتی امتحان میں کامیابی حاصل کر کے عربی کے سالِ اول عربی میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۸ء میں درسِ نظامی کی تکمیل

کی، ۲۰۰۹ء میں جامعہ مظاہرِ علوم سہارن پور سے تخصص فی الفقہ کیا، ساتھ ہی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے بی اے (اردو) کے امتحانات بھی پاس کیے۔

مقالہ نگاری سے دل چسپی اسی وقت پیدا ہوئی، جب دیوبند میں عربی کے ثانوی درجات میں زیرِ تعلیم تھے، اس کے بعد مسلسل لکھتے رہے، تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ سے وابستہ رہتے ہوئے، متعدد عربی کتب کی کامیاب تدریس کے ساتھ اس کے ترجمان ماہ نامہ ''صدائے حق'' کی ادارتی ذمے داریاں بھی بہ احسنِ وجوہ نبھا رہے ہیں۔

مفتی محمد ساجد کھجناوری کی تحریریں ''صدائے حق'' کے علاوہ ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ دیوبند'' دیوبند، ''محدثِ عصر'' دیوبند، ''آئینۂ مظاہرِ علوم'' سہارنپور، ''اذانِ بلال'' آگرہ، ''حرا کا پیغام'' مانک مئو، ''نقوشِ اسلام'' مظفر آباد، سہ ماہی ''حسنِ تدبیر'' دہلی اور ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' دہلی، سہ روزہ ''دعوت'' دہلی کے علاوہ مختلف روزناموں میں بھی چھپتیں اور پسند کی جاتی ہیں۔

وہ عموماً اصلاحی موضوعات پر لکھتے ہیں اور اس ذیل میں اسلامی اخلاقیات ومعاشرت کی تعلیم وتبلیغ ان کا مقصد ہوتا ہے، وہ اپنے قلم کو افکار کی تعمیر، اعمال کی اصلاح، طرزِ زندگی میں صالحیت وشفافیت پیدا کرنے اور حیاتِ انسانی کے ہر مرحلے میں اسلامی ہدایات وتوجیہات کو بہ روے کار لانے کی تلقین کے پاکیزہ فریضے کی انجام دہی میں مصروف رکھتے ہیں۔

تذکرہ وسوانح نویسی سے بھی انھیں خاص دل چسپی ہے اور اب تک متعدد دینی وعلمی شخصیات کے تذکرے ان کے قلم سے نکل کر دادو تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

فاروق اعظم قاسمی

پ: ۵/جولائی ۱۹۸۵ء – ۲۷/شوال ۱۴۰۵ھ

جواں سال و جواں حوصلہ اہلِ قلم فضلاے دیوبند میں فاروق اعظم قاسمی بھی شامل ہیں، ''مشکی پور''، ضلع کھگڑیا (بہار) کے متوطن فاروق اعظم قاسمی نے ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ عربیہ، امرتھ ضلع جموئی میں حاصل کی، حفظِ کلام اللہ کی تکمیل مدرسہ محمودیہ، مبارک پور، سہرسہ اور قراءت وتجوید و فارسی درجات جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ میں پڑھے اور اول عربی تا دورۂ

حدیث شریف دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر ۲۰۰۷ء میں سندِ فراغ حاصل کی، اس کے بعد یہیں سے انگریزی زبان وادب کا دوسالہ کورس کیا، پھر عصری دانش گاہوں کا رخ کیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے (اسلامیات) اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے ایم اے (اردو زبان وادب) پاس کیا اور ہنوز ایم فل کر رہے ہیں۔

فاروق اعظم علم ومطالعے کے رسیا اور تحقیق وتلاش کے شیدائی ہونے کے ساتھ خامہ فرسائی کا قابلِ رشک ذوق بھی دارالعلوم دیوبند سے ہی رکھتے ہیں اور اس حوالے سے ان کے غیر معمولی ریاض کی بنا پر قیامِ دیوبند ہی کے زمانے سے ان کی تحریریں ملک کے بہت سے رسائل واخبارات میں شائع ہونے لگی تھیں، جس کا دائرہ آج ہندوستان سے گزر چکا ہے اور ان کا قلم اپنے ملک کے موقر اخبارات روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی ''انقلاب'' دہلی ''قومی تنظیم'' پٹنہ، ''صحافت'' دہلی اور مختلف علمی، ادبی وتحقیقی خصوصیتوں کے حامل رسائل ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ دارالعلوم'' دہلی، ترجمانِ دیوبند'' دیوبند، ''فیصل'' دہلی، ''اذانِ بلال'' آگرہ، سہ ماہی ''حسنِ تدبیر'' دہلی، ''فکر وتحقیق'' دہلی، ماہ نامہ ''نیا دور'' لکھنؤ، ''زبان وادب'' پٹنہ اور ''بزمِ سہارا'' دہلی کے ساتھ پاکستان کے معروف علمی رسائل ماہ نامہ ''الفاروق'' کراچی، ہفتہ وار ''ختمِ نبوت'' کراچی اور ماہ نامہ ''القاسم'' نوشہرہ وغیرہ میں بھی اپنی گوناگوں قابلیتوں کے جوت جگا رہا ہے۔

فاروق اعظم عام طور پر علمی وادبی موضوعات پر لکھتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیرِ قلم آنے والی ہر بات مستند ہو، معتبر ہو اور پوری چھان پھٹک کے بعد لکھی جائے، ساتھ ہی ان کے پیشِ نگاہ یہ بھی رہتا ہے کہ اسے ایسے اسلوب میں پیش کیا جائے، جو سطحیت وپیچیدگی سے پوری طرح پاک ہو اور پڑھنے والا معلومات کے موتی چننے کے ساتھ اس کی لسانی عمدگی سے بھی حظ اٹھاتا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی حیثیت گو معاصر ادبی وصحافتی دنیا میں تازہ وارد کی ہے، مگر ان کے نوخیز قلم کی بلند حوصلگی، ان کی تحریروں کے بین السطور سے جھلکنے والی علمی، ادبی وتحقیقی گیرائیاں اور ان کے طرزِ بیان کی مسحور کن دل آویزیاں ہیں، جو قد آورانِ علم وادب وصحافت کو مسلسل اپنی وقعت کا احساس دلا رہی ہیں اور فاروق اعظم شہرت ومقبولیت کی ایک کے بعد ایک منزل طے کرتے جارہے ہیں۔

فاروق اعظم قاسمی کے قلمی سرمایے میں پچاسوں شائع شدہ علمی، ادبی، تحقیقی وتاریخی مقالات کے علاوہ دیوبند کے فاضلِ یگانہ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذِ اجل اور اپنے وقت کے

بلند قامت اسلامی اسکالر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی زندگی کے بہ ظاہر مخفی گوشے کے دیدہ ورانہ مطالعے پر مشتمل ''مناظرِ گیلانی: شخصیت رشاعری'' اور ''آؤ قلم پکڑنا سیکھیں!'' بھی ہیں، اول الذکر کتاب میں صاحبِ موصوف نے مولانا گیلانی کے دست یاب شعری سرمایے کی روشنی میں ان کی سخن سنجانہ قابلیتوں کا سراغ لگانے کے ساتھ انتہائی دقتِ نظری کے ساتھ ان کے بکھرے ہوئے اشعار کو یک جا بھی کیا ہے، جب کہ ثانی الذکر کتاب نو واردانِ بساطِ قلم و قرطاس کو مقالہ نگاری کے مبادی سے واقف کرانے اور اردو زبان کے قواعد و اصول سے باخبر کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

سعید ہاشمی

پ: ۲۵/ستمبر ۱۹۸۵ء-- ۱۰/محرم الحرام ۱۴۰۶ھ

مخلصانہ صحافتی جدوجہد میں مصروف نوجوان فاضلِ دیوبند سعید ہاشمی کا تعلق مشرقی یوپی کے ''نعمت پور لبِ راہ'' محمود آباد، ضلع سیتاپور سے ہے، ابتدائی تعلیم تا سوم عربی مدرسہ شمس العلوم ''پینتے پور'' (سیتاپور) میں حاصل کی، چہارم مدرسہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد میں پڑھا، پنجم کے سال مدرسہ امدادالاسلام، کمال پور، بلندشہر اور ششم میں مدرسہ عربیہ دارالرشاد، بارہ بنکی میں متعلم رہے، ہفتم عربی میں دارالعلوم وقف دیوبند میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۷ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، دیوبند کے علاوہ الہ آباد بورڈ سے منشی، عالم اور فاضل کے امتحانات بھی پاس کیے۔

سعید ہاشمی فراغت کے بعد سے ہی صحافت سے وابستہ ہیں اور اب تک کئی ایک قومی و علاقائی سطح کے اخبارات سے بہ حیثیت نامہ نگار منسلک رہ چکے ہیں، جن میں روزنامہ ''جدید خبر'' دہلی، ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی، ''جدید میل'' دہلی، ''وارثِ اودھ'' لکھنؤ، ''قومی خبریں'' لکھنؤ اور ہفت روزہ ''جدید مرکز'' لکھنؤ شامل ہیں، جب کہ فی الحال بھی وہ اردو کے مشہور اخبار روزنامہ ''انقلاب'' میرٹھ اور ہفت روزہ ''گواہ'' حیدرآباد کی دیوبند سے نمایندگی کر رہے ہیں۔

صرف پانچ سال کے عرصے میں اتنے سارے اخبارات سے وابستگی نے انھیں جہاں مختلف کامیاب تجرباتی مرحلوں سے گزارا ہے، وہیں اس سے ان کے صحافتی شعور میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے، ان کے اندر خود اعتمادی و قوتِ ارادی کا جوہر ابھرا ہے، اپنے وجود کا ثبوت فراہم کرنے کا جذبہ بے

پایاں پیدا ہوا ہے اور انھیں خبرنگاری وخبر سازی کا عمدہ ملکہ بھی حاصل ہو گیا ہے۔

خوب سے خوب تر کی تلاش میں محو رہنے کی خو اور ہم دست امکانات کو بہ روے کار لانے اور انھیں بر وقت استعمال کرنے کی جو اسپرٹ سعید ہاشمی کے اندر پائی جاتی ہے، وہ یقیناً ان کے مستقبل کے کامیاب صحافتی کیریر کی غمازی کرتی ہے۔

محمد جسیم الدین قاسمی

پ: ۱۵/جنوری ۱۹۸۶ء-۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

اپنی علمی وقلمی انفرادیتوں کے حوالے سے اکیسویں صدی کے فضلاے دیوبند میں ممتاز مقام رکھنے والے محمد جسیم الدین قاسمی ''ددری''، ضلع سیتامڑھی (بہار) سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ اسلامیہ میں ہوئی، فارسی تا دوم عربی شمالی بہار کی شہرت یاب دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، بالاساتھ، سیتامڑھی میں پڑھا اور سوم سے ششم عربی تک مدرسہ امدادیہ اشرفیہ، طیب نگر، راجوپٹی، سیتامڑھی میں تعلیم حاصل کی، موقوف علیہ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۲۰۰۲ء میں اعلیٰ نمبرات کے ساتھ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی اور اگلے سال یہیں سے عربی زبان وادب میں تخصص بھی کیا، دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے (عربی) دہلی یونیورسٹی سے ایم اے، پی ایچ ڈی اور جواہر لال یونیورسٹی سے ایڈوانس ڈپلومہ ان جرنلزم کی ڈگری حاصل کی۔

جسیم الدین قاسمی شروع ہی سے تحقیق وتجسس والا ذہن اور پیہم محوِ سفر رہنے والا قلم رکھتے ہیں، اس وجہ سے جہاں ان کا ذہن متنوع علمی، دینی، ادبی، تاریخی وسیاسی معلومات کے حوالے سے گنجِ شائیگاں کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں افزونی کا عمل مسلسل جاری ہے، وہیں ان کا قلم بھی لگاتار علم وادب وتاریخ وتحقیق وسیاست کے تازہ بہ تازہ عنوانات پر دیوبند ہی سے گہر افشانیاں کرتا رہا ہے، دیوبند میں اثناے قیام طلبۂ سیتامڑھی، مظفرپور، ویشالی وشیوہر کی انجمن نادیۃ الاصلاح کے ترجمان ماہ نامہ ''صبحِ نو'' کی ادارت کی، سجاد لائبریری کے ماہانہ آرگن ''البیان'' کے مدیرِ اعلیٰ رہے، دیوبند سے نکلنے کے بعد علم وادب وثقافت کی سرزمین علی گڑھ کی منفرد و بافیض تحقیقی وصحافتی تربیت گاہ ''ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی'' میں دو سال ریسرچ اسکالر رہے اور اس دوران مختلف

عصری موضوعات پر تحقیقی مضامین لکھے، جو ملک کے مشہور مجلات میں شائع ہوئے، ۲۰۰۵ء سے باضابطہ صحافتی کیریر کا آغاز کیا اور تین سال ہفت روزہ ''نئی دنیا'' کے سب ایڈیٹر رہے، ۲۰۰۹ء میں روزنامہ ''صحافت'' دہلی کی سب ایڈیٹری کی، دوسال (۱۱-۲۰۱۰ء) روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' اور ہفت روزہ ''عالمی سہارا'' کے ایڈیٹوریل پیج میں ترجمہ نگار رہے اور ان دنوں روزنامہ ''انقلاب'' دہلی سے وابستہ ہیں۔

جسیم الدین قاسمی کی صحافتی زندگی گو ایک دہائی سے بھی متجاوز نہیں ہے، مگر ان کے قلم کی توانائی وزرخیزی اور قومی شہرت کے حامل اخبارات سے لگاتار وابستگی نے ان کے صحافتی شعور میں غیر معمولی رفعت اور فکر ونظر میں وسعت عطا کر دی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں ہندوستان کے بیشتر روزنامہ اخبارات کے علاوہ ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ دیوبند'' دیوبند، ''زندگیِ نو'' دہلی، ''ترجمان القرآن'' لاہور، ''بانگِ حرا'' لکھنؤ اور ماہ نامہ ''بزمِ سہارا'' دہلی جیسے معیاری رسائل میں بھی چھپتیں اور بہ نگاہِ قدر دیکھی جاتی ہیں۔

جسیم الدین قاسمی اب تک اخبارات ورسائل میں درجنوں مضامین کے ساتھ کئی ایک ملکی و عالمی نوعیت کے سیمیناروں میں بھی اپنے گراں قدر تحقیقی مقالات پیش کر چکے ہیں، جن میں ''مدارسِ اسلامیہ اور دعوتِ دین'' کے موضوع پر جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ کا عالمی سیمینار، دہلی یونیورسٹی، دہلی کا دو روزہ سیمینار اور ''اردو صحافت میں روزگار'' کے عنوان سے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے اشتراک سے معروف علمی وسماجی تنظیم سالویشن کے زیرِ اہتمام منعقدہ قومی سیمینار بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

ساتھ ہی عصرِ حاضر کے پس منظر میں بے حد اہمیت کے حامل موضوعات پر ان کی کئی تحریریں کتابچوں کی شکل میں چھپ کر اکابرِ علمائے امت اور اسلام پسند حلقوں کی طرف سے کافی پذیرائی حاصل کر چکی ہیں، اسلام اور عدل وانصاف، اسلام اور پڑوسی، اسلام اور سچائی، اسلام اور ناپ تول اور اسلام اور امانت داری جیسے اہم ترین عنوانات پر عصری اسلوب میں لکھے گئے جسیم الدین قاسمی کے یہ رسالے ہر حساس، باشعور، اسلام پسند اور حقائق شناس شخص کو مطالعے کی دعوت دیتے اور اسے خود احتسابی وخویش نگاہی پر ابھارتے ہیں۔

نورالسلام ندوی

پ: ۱۲/اپریل ۱۹۸۸ء-۲۳/شعبان ۱۴۰۸ھ

معاصر گلشنِ صحافتِ اردو کے غنچۂ نو دمیدہ نورالسلام ندوی ''جمال پور'' دربھنگہ سے تعلق رکھتے ہیں، تعلیم کا آغاز اپنے گھر سے کیا، ثانوی تعلیم مدرسہ رحمانیہ سپول، دربھنگہ میں حاصل کی، دارالعلوم ندوۃ العلما سے عالمیت اور وقف دارالعلوم دیوبند سے ۲۰۰۷ء میں فضیلت کا سرٹیفکٹ حاصل کیا، اس کے علاوہ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے عالم آرٹس، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ سے اردو جرنلزم اینڈ ماس کمیونیکیشن اور امتیاز کے ساتھ ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

لکھنؤ کے عرصۂ قیام ہی میں مقالہ نگاری شروع کی اور روزنامہ ''صحافت''، لکھنؤ میں ان کے کئی مضامین شائع ہوئے، دیوبند میں بھی اپنے ذوق قلم فرسا کی تسکین کا سامان فراہم کرتے رہے، فراغت کے بعد صحافت ہی کو بہ طور میدان کار منتخب کیا اور پٹنہ کے مشہور روزنامہ اخبار ''قومی تنظیم'' سے وابستہ ہوگئے، فی الوقت ان کی تحریریں قومی تنظیم کے علاوہ اور بہت سے اخبارات اور علمی وادبی مجلات میں بھی چھپتی ہیں۔

نورالسلام سیاسیاتِ حاضرہ پر تجزیاتی تحریروں کے ساتھ سماجی ومذہبی موضوعات پر بھی لکھتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں، ان کی تحریروں میں سنجیدگی، معروضیت، ایمان داری، غیر جانب داری اور روانی وسلاست جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں، جو کسی بھی تحریر میں اثر انگیزی وزندگی پیدا کرتے اور اس کے ساتھ صاحبِ تحریر کو بھی صحافت کی دنیا میں اعتبار، مقبولیت اور ہر دل عزیزی بخشتے ہیں، کہ صحافت محض ایک پیشہ نہیں؛ بلکہ معاشرت وسیاست کی سچی اور حقیقت بیاں ترجمانی کا نام ہے۔

نورالسلام کا ایک قابلِ قدر کارنامہ، جس نے انھیں اپنی عمر سے بھی آگے کردیا اور جس کی بنا پر بڑے بڑے اصحابِ نظر وفکر کی نگاہِ تحسین ان کی طرف اٹھنے لگی ہے، ان کی کتاب ''رہنمائے صحافت'' ہے، اس کے ذریعے جہاں انھوں نے نو واردانِ صحافت، اس سے دل چسپی رکھنے والوں اور اس کو اپنا کاروانی میدان بنانے والوں کو بہترین تربیت گاہ فراہم کی ہے، وہیں اربابِ فکر ودانش کو ایک مرتبہ پھر دیوبند کے ایک فاضل نے اپنے گہرے صحافتی شعور کا احساس دلا دیا ہے، اس سے پہلے بھی دیوبند ہی کے ایک فیض یافتہ مفتی اعجاز ارشد قاسمی نے ''من شاہِ جہانم'' لکھ کر پیشہ ورانِ قلم وقرطاس کو سکتے میں ڈال دیا تھا اور ادب وصحافت کے بڑے بڑے جغادری بھی اپنی پست قامتی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

سہیل اختر قاسمی

پ: ۳؍فروری ۱۹۸۹ء - ۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

اہلِ قلم فضلاے دیوبند کی نئی کھیپ میں ایک ابھرتا ہوا نام سہیل اختر قاسمی کا بھی ہے، سہیل اختر راوڑکیلا (اڑیسہ) کے متوطن ہیں، ابتدائی تعلیم جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا (مہاراشٹر) میں حاصل کی اور اول و دوم عربی کی کتابیں دارالعلوم الاسلامیہ، پٹنہ میں پڑھیں، سوم عربی میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۲۰۰۹ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے عربی زبان وادب میں بی اے آنرس بھی پاس کیا۔

سہیل اختر عرصۂ طالب علمی ہی سے قلم وقرطاس سے والہانہ رشتہ رکھتے ہیں، قیامِ دیوبند ہی کے دوران مسلسل لکھتے رہے، یہاں تک کہ اسی زمانے میں ان کی تحریریں ہندوستان کے موقر اخبارات اور ماہانہ رسائل میں چھپنے لگیں، فراغت کے بعد اسی دشت کی آبلہ پائی کو اپنی دل چسپیوں کا محور بنالیا، جس نے ان کی صحافتی قابلیتوں کو اچھی طرح اُجال دیا؛ چناں چہ دیوبند سے نکلتے ہی روزنامہ ''ہمارا سماج'' دہلی کے سب ایڈیٹر بنائے گئے، ۲۰۱۰ء میں روزنامہ ''صحافت'' دہلی کے نائب ایڈیٹر رہے اور مئی ۲۰۱۱ء سے دہلی سے روزنامہ ''انقلاب'' دہلی کی نمائندگی کررہے ہیں، ساتھ ہی اخبارات ومجلات میں مقالہ نگاری کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

سہیل اختر قاسمی کے قلم سے نکل کر اب تک مختلف علمی، فکری، تحقیقی وسیاسی موضوعات پر چالیس سے زائد مضامین ملک کے مشہور اخبارات و جرائد روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' دہلی، ''ہمارا سماج'' دہلی، ''صحافت'' دہلی، ''آزاد ہند'' کولکاتہ، ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیوبند، ''ترجمانِ دیوبند'' دیوبند، ''حج میگزین'' بمبئی اور ''محدثِ عصر'' دیوبند وغیرہ چھپ چکے اور اپنی ظاہری ومعنوی خوبیوں کی بنا پر کافی پسند بھی کیے گئے ہیں۔

یہ واقعہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے اب تک کے مختصر تحریری کیریر میں متذکرہ عنوانات پر لکھتے ہوئے جس دیدہ ریزی اور دقتِ نظری کا مظاہرہ کیا ہے، وہ ان کے ترقی پذیر صحافتی شعور کا ''شناس نامہ'' بھی ہے اور اگر ان کی قلمی جولانیوں کی شرح اسی طرح برقرار رہی، تو چمکتے ہوئے مستقبل کا ''پیش نامہ'' بھی۔

عمران عاکف خان قاسمی

پ: ۱۰/ اکتوبر ۱۹۸۹ء - ۸/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

جواں حوصلہ اہلِ قلم فضلاے دیوبند میں عمران عاکف خان قاسمی بھی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، ''بھرت پور'' (راجستھان) سے ان کا وطنی رشتہ ہے، تعلیم کا آغاز الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم محمدیہ، میل کھیڑلا، بھرت پور سے کیا اور عربی کے ابتدائی درجات بھی وہیں پڑھے، ثانوی تعلیم راندیر (گجرات) کے معروف علمی ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم اشرفیہ میں حاصل کی اور ۲۰۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی، ساتھ ہی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد سے ایم اے (اردو) بھی پاس کیا۔

ادب وصحافت سے شغف زمانۂ طالبِ علمی ہی میں پیدا ہوا، جس میں دیوبند کے قیام کے عرصے میں مزید توانائی آئی اور اسی دوران ان کے مضامین ہندوستان کے بہت سے اخبارات ورسائل میں شائع ہونے لگے، پھر فراغت کے بعد انھیں ایک سے زائد رسالوں اور اخبار میں کام کرنے کا موقع ملا؛ چناں چہ ستمبر ۲۰۱۰ء سے فروری ۲۰۱۱ء تک دہلی کے مشہور اردو رسالہ ''اللہ کی پکار'' میں سب ایڈیٹری کی، مارچ ۲۰۱۱ء سے فروری ۲۰۱۲ء تک ''مسائلِ دین ودنیا اور طب'' سے منسلک رہے اور مارچ ۲۰۱۲ء سے ستمبر ۲۰۱۲ء تک روزنامہ ''جدید خبر'' کی مجلسِ ادارت میں شامل رہے اور اس طرح ان کی ادبی وصحافتی قابلیتیں اجاگر ہوتی رہیں۔

عمران عاکف اِن دنوں گو باضابطہ کسی رسالے یا اخبار سے وابستہ نہیں ہیں، مگر ان کے جواں دم قلم کی فیاضیاں پورے عروج پر ہیں اور ہندوستان سمیت بیرونِ ملک کے اخبارات ورسائل میں بھی ان کی نگارشات مسلسل شائع ہورہی ہیں۔

عمران عاکف کے سیاسی تجزیے اور سماجی مضامین میں بڑی گیرائی، تہ داری اور نظر و فکر کی درخشانی پائی جاتی ہے، وہ مذکورہ موضوعات کے کسی بھی گوشے پر لکھتے وقت انتہائی حقیقت بیانی اور چابک دستی کا مظاہرہ کرتے اور اس کے تمام تر پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔

اُن کا ادبی وتخلیقی شعور بھی خاصا بلند اور وسیع ہے اور اس حوالے سے بھی وہ پوری دیدہ وری کا ثبوت دے رہے ہیں، ٹھیٹھ سیاسی اور خالص سماجی احوال ومسائل کے ساتھ مختلف عنوانات پر افسانہ نگاری اور کہانیاں لکھنے کا بھی وہ عمدہ ذوق رکھتے ہیں، ان کے افسانوں اور کہانیوں میں خارجی حقائق اور صداقتوں کے اظہار وبیان کے ساتھ سسپنس، دل کشی اور جاذبیت ورعنائی کے عناصر بھی بہ تمام وکمال پائے جاتے ہیں۔

دہلی، حیدرآباد، ممبئی، کولکاتہ، پٹنہ، رانچی، سری نگر، بنگلور اور پاکستان، جاپان اور کینڈا تک کے اردو رسائل واخبارات تک میں اپنے قلم کی گہرافشانیوں کا نشان قائم کر لینے والے عمران عاکف خان قاسمی ابھی صحافت وادب کے میدان کے ''نو وارد'' ہیں، مگر ان کی ادبی فتح مندیوں اور صحافتی حصول یابیوں کا تسلسل اس قدر توانا وتیز رفتار ہے کہ وہ بہت سے ''آزمودہ کاروں'' پر بھی بازی مارتے جارہے ہیں۔

شاہ نواز بدر قاسمی

۱۵/اگست ۱۹۸۹ء-۷/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

چکمکہ، ضلع سہرسہ، بہار سے منسوب شاہ نواز بدر قاسمی کی تعلیم کی ابتدا گاؤں کے پرائمری اسکول میں ان کے والدِ محترم ماسٹر محمد بدرالدین صاحب کے زیرِ نگرانی ہوئی، دینیات کا آغاز سمری بختیار پور کے مدرسہ قاسمیہ دارالقرآن سے کیا، فارسی درجات مدرسہ امدادیہ، دربھنگہ میں پڑھے اور اول عربی سے تا انتہا دارالعلوم وقف دیوبند میں تعلیم حاصل کر کے ۲۰۱۱ء میں دورے کی تکمیل کی، اس کے علاوہ جامعہ دینیات دیوبند سے فضیلت اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد سے ایم اے (اردو) بھی پاس کیا۔

وقف دارالعلوم کی طالبِ علمی کے دوران طلبۂ سہرسہ ومدھے پورہ کی مشترکہ انجمن کے دیواری پرچہ ''المنت'' کے ایڈیٹر رہے، وہاں کی مرکزی انجمن بزمِ حجۃ الاسلام کے اخباری نشریہ ''الرسالہ'' اور پندرہ روزہ ''القاسم'' کی بھی ادارت کی، طالبِ علمی ہی کے دوران دوسال دیوبند کے مشہور رسالہ ماہ نامہ ''ترجمانِ دیوبند'' میں خبرنامہ کا کالم لکھا، اسی طرح دارالعلوم وقف

کے ترجمان ماہ نامہ ''ندائے دارالعلوم'' میں بھی سال بھر ''کوائفِ جامعہ'' لکھتے رہے۔

۲۰۱۰ء سے دہلی کے اردو روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' میں نامہ نگاری شروع کی اور ان دنوں ''ہندوستان ایکسپریس'' سمیت پٹنہ کے ''قومی تنظیم''، ممبئی کے ''اردو ٹائمز'' اور بھوپال کے ''اردو ایکشن'' کی بھی دیوبند سے نمایندگی کرر ہے ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے متعدد فقہی سیمیناروں کی تیار کردہ ان کی رپورٹس بھی ملک بھر کے مشہور رسائل واخبارات میں شائع ہوچکی ہیں اور ان کے ایک سے زائد سوانحی مضامین بھی کئی اخباروں اور سہ ماہی ''حسنِ تدبیر'' دہلی'' اصحابِ صفہ'' آگرہ، ماہ نامہ ''اذانِ بلال'' آگرہ، ''صوت القرآن'' احمد آباد، اور ''حج میگزین''، ممبئی وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔

شاہ نواز بدر کی صحافتی جولانیاں ابھی ابتدائی مرحلے میں ہیں، مگر وہ اپنے اندر ابھرنے اور آگے بڑھنے کا بے پناہ حوصلہ وجذبہ رکھتے ہیں، جوان شاء اللہ اُنھیں اس میدان میں خاطر خواہ کامیابی وبامرادی سے ہم کنار کرے گا۔

☆☆☆☆☆

آن لائن صحافت اور فضلاے دار العلوم دیو بند

آن لائن صحافت کیا ہے؟:

انفارمیشن ٹکنالوجی کے میدانوں میں دمادم واقع ہونے والے حیرت ناک تغیرات اور اس کی بے پناہ حصول یابیوں سے حیاتِ انسانی کا ایسا کوئی بھی پہلو نہیں، جو متاثر نہ ہو، خانگی و آفیشیل امور سے لے کر تجارت و معیشت و معاشرت و سیاست تک کا کوئی بھی شعبہ اس کی زد سے باہر نہیں، ذرائع ابلاغ کے عجیب وغریب اور ہمہ گیر و ہمہ رس سیلاب نے انسانی زندگی کو مشینی رفتار دے دی ہے، ساری کائنات اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ایک گاؤں کی مانند ہو چکی ہے، موجودہ ابلاغی وسائل میں اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ساتھ ایک نیا شعبہ انٹرنیٹ کا بھی جڑ گیا ہے، جو ان سب سے ''دراز دست'' بھی ہے، ''تہ رس'' بھی اور ''دوررس'' بھی؛ چناں چہ اگر آپ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے استعمال سے واقف ہیں، تو محض ماؤس پر پڑنے والی آپ کی انگلی کی معمولی سی دبش آپ کو پل بھر میں دنیا بھر کی اطلاعات و معلومات فراہم کرا سکتی اور منٹوں میں آپ کو موجودہ گلوبل معاشرے سے آگاہی بخش سکتی ہے۔

پس منظر و پیش منظر:

۱۹۶۰ء کی دہائی میں کمپیوٹر اور ٹیلی کمیونیکیشن کے اشتراک نے مواصلاتی نظام میں اُس نئی صحافت (NewMedia) کو جنم دیا، جسے ہم Web/OnlineJournalism کہتے ہیں، مذکورہ دہائی کے سرِ آغاز میں کچھ ذہین افراد نے سوچا کہ کیوں نہ سائنسی تحقیق کے لیے کئی کمپیوٹروں کو باہم مربوط کر کے ایک انفارمیشن نیٹ ورک تشکیل دیا جائے، اس سمت میں سب سے پہلے ایک امریکی پروفیسر آف سائنس J.C.RLicklider نے ۱۹۶۲ء میں کمپیوٹر نیٹ ورک کا عالمی نظریہ (GlobalTheory) پیش کیا، اس کے بعد ایک پروجیکٹ کے طور پر ایک دوسرے سائنس داں لارنس رابرٹس نے ۱۹۶۵ء میں ٹیلی فون لائن کے ذریعے (Computer Massachusetts) کو CaliforniaComputer سے جوڑنے میں کامیابی حاصل کی اور انٹرنیٹ، جسے اس وقت ARPANET کہا جاتا تھا، کی بنیاد ڈالی، دنیا میں پہلی بار ۱۹۶۹ء میں انٹرنیٹ کو آن لائن کیا گیا، انٹرنیٹ پر صحافت کی شروعات ۱۹۹۰ء میں اس وقت ہوئی، جب شمالی کیرولینا کی News&Observer کمپنی نے Nandoland نامی نیوز

ویب سائٹ بنائی، اس کے بعد سے انٹرنیٹ کی دنیا میں لگاتار نئے تجربات کی دوڑ جاری ہے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کا شاید ہی کوئی قابلِ ذکر اخبار، میگزین اور ٹی وی چینل ہوگا، جس کی اپنی ویب سائٹ نہ ہو۔

اردو زبان اور انٹرنیٹ:۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے، انٹرنیٹ سے اس کی شناسائی کی مدت زیادہ سے زیادہ پندرہ سال پرانی ہے، اردو کو انٹرنیٹ سے متعارف کرانے کی پہلی کوشش پاکستان کے سید ظفر کاظمی نے کی تھی، انھوں نے ہی پہلی دفعہ اردو شاعری پر تبادلۂ خیالات کے لیے **(ALUP)Alt LanguageUrduPoetry** نامی نیوز گروپ تیار کیا تھا، ابتدا میں اس کی حیثیت صرف ایک ذاتی **Wabpage** کی تھی اور اس میں رومن رسم الخط والی اردو استعمال ہوتی تھی، چوں کہ اس وقت نیٹ پر استعمال کرنے کے لیے کوئی اردو سافٹ ویئر نہیں تھا؛ اس لیے زیادہ تر کام اسی رومن اردو میں ہوتا تھا، پاکستانی ڈاٹا مینجمینٹ سروسز **(PDMS)** کا اردو سافٹ ویئر **urdu98** اور ہندوستانی سافٹ ویئر کمپنی کنسیپٹ سافٹ ویئر کا **Inpage** آنے کے بعد اردو ویب پیج میں زبردست ترقی ہوئی اور نئی نئی ویب سائٹس وجود میں آنے لگیں۔

اردو صحافت اور انٹرنیٹ:

ورلڈ وائڈ ویب (*www*) پر اردو کی سب سے پہلی ویب سائٹ **urdustan.com** کے نام سے وجود میں آئی، یہ ویب سائٹ اگست ۱۹۹۸ء میں لانچ کی گئی، البتہ سب سے وسیع اور مقبولِ عام ویب سائٹ **urdupoint.com** ہے **urdunet** کو پہلا نیوز پورٹل مانا جاتا ہے، دیگر زبانوں کی طرح اردو اخبارات اور بہت سی میگزینیں بھی اپنا ای ایڈیشن نکال رہی ہیں، اس حوالے سے سبقت پاکستان کے مشہور اخبار روزنامہ ''جنگ'' کو حاصل ہے، اس نے سب سے پہلے اپنا نیٹ ایڈیشن شروع کیا تھا، جرمنی سے نکلنے والی ادبی میگزین ''جدید ادب'' انٹر نیٹ پر شائع ہونے والی پہلی اردو میگزین ہے، آج اردو کے تمام بڑے اخبارات اور بہت سے رسائل اپنا نیٹ ایڈیشن نکال رہے ہیں۔

اردو میں کچھ ایسی ویب سائٹیں ہیں، جو خبروں کے لیے وقف ہیں، ان میں
alqamaronline,bbcurdu.com,urdunews.net/urdu.com
urdupoint.com,urdustan.com مشہور و مقبول اور بڑی ویب سائٹس ہیں۔

ہندوستان اور آن لائن صحافت:

ہندوستان میں ۱۴راگست ۱۹۹۵ء کو VSNL نے ملک میں پہلی بار انٹرنیٹ سروس کا آغاز کیا، شروع میں تین چار سال تک انٹرنیٹ کی دنیا پر VSNL کی اجارہ داری قائم رہی؛ لیکن ۱۹۹۸ء میں InternetProcessSystem (IPS) پالیسی نافذ ہونے کے بعد اس سمت میں تیزی سے ترقی کے مراحل طے ہونے لگے اور تجارت کے علاوہ خبروں کی ترسیل کے لیے بھی انٹرنیٹ کا استعمال شروع ہوا، ہندوستان میں خبروں کی پہلی ویب سائٹ بنانے کا سہرا مشہور انگریزی اخبار ''دی ہندو'' کے سر ہے، اس اخبار نے ۱۹۹۵ء میں اپنا ای ایڈیشن جاری کیا، پونے یونیورسٹی میں کیے گئے ایک ریسرچ کے مطابق ۱۹۹۸ء میں پورے ملک میں ۴۸ ایسے اخبارات تھے، جن کا انٹرنیٹ ایڈیشن نکلتا تھا۔

۱۹۹۶ء میں Rediff نے اپنی پہلی ویب سائٹ لانچ کی؛ لیکن خالص News SentrictWebsite کے طور پر ''تہلکہ'' نے ۲۰۰۰ء میں پہلا نیوز پورٹل شروع کیا، اپنی تفتیشی و تحقیقی صحافت کی بہ دولت جلد ہی انٹرنیٹ کی صحافت میں اسے ایک ایک خاص شناخت حاصل ہوگئی، آج ہندوستان کے تمام بڑے اخباروں اور بہت سے رسالوں کا اپنا انٹرنیٹ ایڈیشن ہے، انگلی کی معمولی جنبش سے آپ ان تمام کی ورق گردانی کر سکتے ہیں، اخبارات اور رسائل کے علاوہ ویب دنیا میں انٹرنیٹ کی بڑی کمپنیاں yahoo,rediff,google,mns موجود ہیں، ان کے علاوہ اور دیگر معلومات کے لیے ریڈیو اور ٹی وی چینلس کی ویب سائٹوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کی دوسری زبانوں کی مانند اردو نے بھی جلد ہی ورلڈ وائڈ ویب سے اپنے کو مربوط کرلیا ہے، آج اردو ویب سائٹس بھی کافی تعداد میں اپنے تمام تر تنوع اور رنگارنگی کے ساتھ موجود ہیں، یہاں آپ کو اخبارات اور رسائل کے آن لائن ایڈیشن کے علاوہ ادب وثقافت سے متعلق ایک پورے جہان سے آگاہی حاصل ہوگی، شعرا، ادبا اور قلم کاروں کی ڈائریکٹری بھی موجود ہے، جس کی مدد سے آپ انٹرنیٹ پر بہ راہِ راست ان سے واقفیت حاصل کرسکتے اور ان کی تخلیقات سے مستفید ہوسکتے ہیں، آپ کو اگر مشاعروں سے دل چسپی ہے، تو آپ مشاعرے کی ویب سائٹ پر جایئے اور اپنے من پسند شعرا کے کلام کو پڑھ اور سن لیجیے، موجودہ شعرا کی نجی ویب سائٹ (Blog) کے علاوہ غالب، اقبال

اور فیض احمد فیض وغیرہ جیسے شعرا کا کلام بھی وافر مقدار میں نیٹ پر دست یاب ہے، قومی و بین اقوامی خبریں، ادبی، ثقافتی پروگرام، سائنس وٹکنالوجی اور زندگی کے تمام تر شعبوں سے متعلق معلومات ومواد ہمہ دم انٹرنیٹ پر موجود ہیں، آپ جب چاہیں، ان سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

انٹرنیٹ پر پہلا ہندوستانی اردو اخبار:

ہندوستان میں سب سے پہلے حیدرآباد کے کثیر الاشاعت اردو اخبار روزنامہ ''سیاست'' نے ۱۵؍اگست ۱۹۹۷ء میں اپنا ای ایڈیشن شروع کیا، اردو کا پہلا ای پیپر ہونے کا شرف بھی اسی اخبار کو حاصل ہے، ۳۰؍اکتوبر ۲۰۰۴ء کو وزیرِ اعظم من موہن سنگھ کے ہاتھوں اس کا اجرا ہوا تھا۔

ویب دنیا روز بہ روز رو بہ ترقی و عروج ہے اور دیگر زبانوں کو عالم گیریت عطا کرنے کے ساتھ اُس نے اردو کو بھی کافی وسعت پذیریوں سے ہم کنار کیا ہے اور اردو ادب کا دامن اس کی وجہ سے پہلے سے بہت زیادہ دراز ہو چکا ہے، گرچہ ابھی بھی اردو دنیا کو اس حوالے سے کئی کمیوں کا سامنا ہے اور ویب دنیا میں اسے وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں، جو دیگر زبانوں کو حاصل ہیں۔

انٹرنیٹ اور اسلامی صحافت:

موجودہ دور میں بحمد اللہ ایسے باتوفیق لوگ بھی روے زمین کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں، جو خالص اسلامی الفکر ہونے اور اسلامی علوم میں دست گاہ رکھنے کے ساتھ عصری علوم اور ذرائعِ ابلاغ کو برتنے کا بھی ہنرمندانہ سلیقہ رکھتے اور اسلام کی درست تصویر پیش کرنے اور اس کی تبلیغ واشاعت کی مخلصانہ کوششوں میں لگے رہتے ہیں؛ چناں چہ اس حوالے سے جہاں عالمِ عربی واسلامی کے اہلِ علم وقلم کی طرف سے قابلِ قدر پیش رفت دیکھنے کو مل رہی ہے اور وہاں کے بیش تر معیاری اسلامی رسالے (اخبارات کے ساتھ) اپنی E-Copy بھی نکالتے ہیں، وہیں بہت سے داعیانہ مزاج واوصاف کے حامل علما اور اہلِ فکر ودانش بھی کثیر تعداد میں اپنی نجی ویب سائٹس چلا رہے ہیں، اسی طرح پاکستان کے بہت سے موقر مدارس کی اپنی ویب سائٹس ہیں اور ان پر ان کے تعارف وغیرہ کے ساتھ وہاں سے نکلنے والے رسائل مثلاً: ماہ نامہ ''الفاروق'' (اردو وعربی) کراچی، ''البلاغ (اردو عربی وانگریزی) کراچی''، ''ماہ نامہ ''بینات'' (اردو وعربی) بنوری ٹاؤن کراچی، ماہ نامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ، ماہ نامہ ''الابرار''، ماہ نامہ ''''الحق'' اکوڑہ خٹک، ''الخیر''

ملتان، اور ''فقیہ'' سرگودھا وغیرہ نیٹ پر دست یاب ہیں، نیز وہاں کے علما، دعات اور مفکرین کی دسیوں ایسی ویب سائٹیں بھی ہیں، جن پر ان کے بیانات، تحریرات اور اکابر امت کے وقیع قلمی رشحات آپ کو پڑھنے اور سننے کو ملیں گے۔

ہندوستان میں بھی دینی مدارس کی تعداد ہزاروں میں ہے، البتہ ان میں چند مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی باضابطہ ویب سائٹیں ہیں، جن پر ان کا مکمل تعارف اور دیگر تفصیلات اور ان سے جاری رسائل ومجلات بھی اہتمام سے ڈالے جاتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی ویب سائٹ:

دیگر اداروں کی مانند دارالعلوم دیوبند کی بھی نجی ویب سائٹ www.darululoom-deoband.com کے عنوان سے ہے، اس کی شروعات ۲۰۰۰ء میں ہوئی تھی، اس ویب سائٹ پر مختلف مرکزی عناوین کے تحت دارالعلوم، اس کے ارکانِ تاسیسی وشوریٰ اور نمایاں ومشاہیر فضلا کے متعلق ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، اس پر دارالعلوم دیوبند کی تازہ ترین خبریں، نصابِ تعلیم، نتائجِ امتحانات اور ماہ نامہ ''دارالعلوم'' و''الداعی'' کے شمارے بھی دست یاب ہیں۔

تعارفِ دارالعلوم:

اس عنوان کے ذیل میں ہندوستانی تاریخ میں واقع ہونے والے ان انقلابات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، جن کے نتیجے میں یہاں سے مسلمانوں کا علمی، دینی، سیاسی ومعاشی غلبہ جاتا رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمہ نوعی تسلط ہوگیا تھا، اس کے بعد ان حالات کا تذکرہ ہے، جن کے سبب اکابرِ دارالعلوم نے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالنی ضروری سمجھی، اس میں دارالعلوم کے قیام کے نصب العین اور اس کے اساسی اصول وضوابطِ کار پر بھی بحث کی گئی ہے، حضرت نانوتویؒ کے الہامی ہشت گانہ اصول کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

مسلک ومشرب:

اس کے ذیل میں شرعی علوم، تصوف وسلوک اور اتباعِ سنت وغیرہ کے حوالے سے اکابر دیوبند کے مسلک ومشرب کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔

تعارفِ علمائے دیوبند:

اس میں دارالعلوم کے ارکانِ تاسیسی، اب تک کے مہتممین، صدور وشیوخ الحدیث، مفتیانِ کرام اور ارکانِ مجلسِ شوریٰ کا اجمالی تذکرہ وتعارف ہے۔

مشاہیرِ علمائے دیوبند:

اس عنوان کے تحت دارالعلوم دیوبند سے علم وتربیت حاصل کر کے دنیا بھر کے خطوں میں تفسیر، حدیث، علمِ کلام، تصنیف وتالیف، فقہ وافتا، درس وتدریس، تبلیغ واشاعتِ دین، تصوف و سلوک، جہاد وقیادتِ اسلامی اور ادب وصحافت کے میدانوں میں خدمات انجام دینے والے مشاہیر فرزندانِ دیوبند کی طبقہ وار اجمالی فہرست درج کی گئی ہے۔

نظامِ تعلیم وتربیت:

اس میں پہلے قدرے تفصیل سے عربی کے نصابِ تعلیم کے مختلف ادوار اور ان میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے بعد دارالعلوم کے نصابِ تعلیم کے توازن، افادیت اور ثمرخیزی کو بیان کیا گیا ہے۔

دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات:

اس میں عصرِ حاضر کے رائج مختلف طرق و نظام ہائے تعلیم پر مختصر تبصرے کے ساتھ دارالعلوم کے تعلیمی نظام کی متنوع خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، یہ تمام چیزیں اردو کے علاوہ عربی، انگریزی اور ہندی زبانوں میں بھی موجود ہیں۔

دارالعلوم کے اردو ترجمان ماہ نامہ ''دارالعلوم'' اور عربی ترجمان ماہ نامہ ''الداعی'' کے تازہ شماروں کے ساتھ گزشتہ تین سالوں کے مکمل شمارے بھی دیکھے جاسکتے ہیں، دارالعلوم کے دارالافتا کی بھی علیحدہ ویب سائٹ www.darulifta-deoband.org کے عنوان سے ہے، جس پر آن لائن کیے جانے والے فقہی سوالوں کے جوابات دیے جاتے ہیں۔

فضلائے دارالعلوم اور آن لائن صحافت:

دارالعلوم کے موجودہ فضلا کی ایک معتد بہ تعداد جہاں موجودہ پرنٹ والیکٹرانک میڈیا سے مربوط اور قابلِ قدر خدمات میں مصروف ہے، وہیں ان میں سے بہت سے آن لائن صحافت سے

بھی وابستہ ہیں اوران کی ادبی، علمی وسماجی نگارشات اخبارات اور رسائلِ مطبوعہ کے علاوہ بیسیوں ای میگزینس میں بھی بہ پابندی چھپتی ہیں، ایسے فضلاے دیوبند میں ڈاکٹر منور حسن کمال، عبدالقادر شمس قاسمی، عابد انور، عبدالواحد رحمانی، وارث مظہری قاسمی، مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی، برہان الدین قاسمی، مدثر احمد قاسمی، منظر امام قاسمی، ابرار احمد اجراوی، فاروق اعظم قاسمی اور عمران عاکف خان قاسمی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، ان میں سے بیش تر کے ذاتی **Blogs** بھی ہیں، جن پر ان کے مضامین دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں۔

دارالعلوم کے ممتاز فاضل ہندوستان کے دیدہ ور فقیہ اور مشہور اہلِ قلم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ذاتی ویب سائٹ ***www.khalidsaifullah.com*** کے عنوان سے ہے، جس پر ان کی بصیرت افروز تحریروں کا خاصا ذخیرہ موجود ہے اور ہند و بیرونِ ہند کے مطبوعہ دینی و علمی رسائل سمیت بہت سی ای میگزینوں میں بھی اُن کی وہ تحریریں نقل کی جاتی ہیں۔

مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت دارالعلوم دیوبند کے نائب ناظم مولانا شاہ عالم گورکھپوری بھی ایک ویب سائٹ ***www.mtkn-deoband.org*** چلا رہے ہیں، اس ویب سائٹ پر انھوں نے جہاں ختمِ نبوت سے متعلق علماے دیوبند کی وقیع تحریروں اور مرزائیت کی تردید وتضعیف کے لیے عمدہ مواد مہیا کر رکھا ہے، وہیں وہ اس پر ایک رسالہ بھی ''ختمِ نبوت'' کے نام سے نکال رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے ویب ایڈیٹر مفتی محمد اللہ قاسمی بھی دارالعلوم کی ویب سائٹ کے لیے مواد تیار کرنے کے ساتھ ایک نیوز پورٹل بہ عنوان ***www.deoband.net*** چلا رہے ہیں، جو مذہبی حلقوں میں کافی مقبول ومعتبر ہے۔

دارالعلوم کے ایک اور فاضل مولانا نجیب قاسمی (مقیم ریاض) بھی اپنی ویب سائٹ ***www.najeebqasmi.com*** کے ذریعے بہترین علمی وتبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دارالعلوم ہی کے ایک جواں سال وباصلاحیت فاضل مولانا غفران ساجد قاسمی (یہ بھی ریاض میں مقیم ہیں) ایک ماہانہ ای میگزین ''بصیرت آن لائن'' کے نام سے نکال رہے ہیں،

اسے www.baseeratonline.com پر پڑھا جاسکتا ہے۔

اسی طرح وقف دارالعلوم دیوبند اور حلقۂ دیوبند کے ممتاز تعلیمی ادارے دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ، مدرسہ شاہی، مرادآباد، جامعہ مظاہرِ علوم، سہارن پور کی بھی ویب سائٹیں ہیں، جن پر وہاں سے نکلنے والے رسائل بھی موجود ہیں، اسی سالہ قدیم علمی، ادبی، تحقیقی و اصلاحی رسالہ ماہ نامہ ''الفرقان'' کا بھی جنوری ۲۰۱۳ء سے نیٹ ایڈیشن شروع کردیا گیا ہے، یہ رسالہ www.tauba.com پر دست یاب ہے، تازہ شمارے کے علاوہ ۲۰۱۱ء تک کے مکمل شمارے بھی دیکھے جاسکتے ہیں، چنئی کا ماہ نامہ انابت بھی www.inaabat.com پر موجود ہے، دارالعلوم دیوبند کے رکنِ شوریٰ مولانا بدرالدین اجمل علی القاسمی کے قائم کردہ ادارہ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سے مولانا برہان الدین قاسمی کے زیرِ ادارت نکلنے والا ماہانہ انگریزی رسالہ ''ایسٹرن کریسینٹ'' بھی www.easterncrescent.in پر پڑھا جاسکتا ہے، عبدالباسط اسماعیل کے زیرِ ادارت جاری ہفت روزہ انگریزی اخباری میگزین ''دی ایسٹرن پوسٹ'' کا بھی نیٹ ایڈیشن www.theeasdternpost.com پر نکلتا ہے، ممبئی سے امتیاز رحمٰن مرچنٹ کے زیرِ ادارت شائع ہونے والی ہندوستان کی واحد اقتصادی اسلامی انگریزی میگزین ''اسلامی تجارہ'' بھی www.islamitijara.com پر پڑھی جاسکتی ہے، ممبئی ہی کی بلوزم میڈیا کمپنی کا ماہانہ انگریزی رسالہ ''معلم'' اور بنگلور کا ''میڈیا اسکین'' بھی اپنی ای کاپی نکالتے ہیں۔

چوتھا باب

فکرِ دیوبند کے ترجمان مجلّات ورسائل

تعارفی تذکرہ

''اس باب میں اُن رسالوں کا، اُن کے مشمولات کی روشنی میں تعارف پیش کیا گیا ہے، جو ہندوستان بھر سے فضلاے دارالعلوم کی ادارت، سرپرستی یا نگرانی میں نکلتے ہیں یا جن کے ادارۂ تحریر کے ارکان میں دارالعلوم کے فاضل شامل ہیں یا جن کے ضمیر وخمیر میں دیوبندی فکر جولاں ہے، ان رسالوں کے جو صفحات درج کیے گئے ہیں، وہ عمومی ہیں استثنائی صورتیں مستثنیٰ ہیں''۔

ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' (صفحات:۶۴)

یہ ماہانہ رسالہ ہے، جو حضرت الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے ہاتھوں قائم کردہ اداروں میں سے ایک مدرسہ شاہی مرادآباد سے شائع ہوتا ہے، اس کا آغاز ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، جب ادارے کے مہتمم مولانا رشیدالدین حمیدیؒ تھے، اس کے مدیر و مرتب شروع ہی سے مفتی محمد سلمان منصور پوری ہیں، یہ رسالہ ان چند علمی و مذہبی رسائل میں شامل ہے، جنھیں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہے، ''نورِ ہدایت'' کے تحت اس کی ادارتی تحریریں، ''نظر و فکر'' میں شائع ہونے والے علمی و فکری مضامین، ''افاداتِ قرآنیہ'' میں خداوندی کلام کے مقتبس حصوں کی تفسیر، ''درسِ حدیث'' کے ضمن میں نبی پاکؐ کے ذریعے امتِ مرحومہ کو دی گئی رہنمائیوں کی ہم دردانہ نشان دہی، ''مقالات و مضامین'' میں شائع ہونے والی گراں قدر سیاسی و سماجی تجزیاتی تحریریں، ''مطالعہ کی میز'' میں نئی مطبوعات پر کیے جانے والے بیش قیمت و حقیقت افروز تبصرے اور ''جامعہ کے شب و روز'' گل دستۂ شاہی کے وہ خوش منظر و عطر بیز پھول ہیں، جن کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے ایک دنیا مسرور و مسحور ہو رہی اور جن کے ذریعے فکر و نظر کے چمنستان میں تازہ بہ تازہ گل شگوفے کھل رہے ہیں، اس رسالے کے کئی ضخیم اور تاریخی و دستاویزی شمارے بھی نکلے ہیں، جن میں ''تاریخِ شاہی نمبر''، ''حج و زیارت نمبر'' اور ''نعت النبی نمبر'' خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

ماہ نامہ ''مظاہرِ علوم'' (صفحات:۴۸)

اپریل ۱۹۹۳ء سے لگاتار اشاعت پذیر یہ رسالہ جامعہ مظاہرِ علوم، سہارن پور (جدید) کا ترجمان ہے، اس کی سرپرستی مولانا محمد طلحہ صاحب فرماتے ہیں، جو مظاہرِ علوم کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کے رکنِ مجلسِ شوریٰ بھی ہیں، اس کے نگراں مولانا محمد شاہد، امینِ عام مظاہرِ علوم ہیں، جب کہ مدیرِ مسئول مولانا محمد سلمان، ناظم مظاہرِ علوم اور مدیرِ تحریر مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیر آبادی ہیں، اس رسالے کا اداریہ مدیرِ تحریر کے قلم سے ہوتا ہے، جسے وہ علمی و دینی اور موقع بہ موقع سیاسی و سماجی موضوعات پر بھی لکھتے ہیں، ''درسِ قرآن'' اور ''درسِ حدیث'' بھی اس کے خاص اور مستقل کالم ہیں، ''مقالات و مضامین'' کے کالم میں علمی، دینی، فکری و تحقیقی مضامین چھاپے جاتے

ہیں، ہند و بیرونِ ہند کے دیگر موقر رسائل کے عمدہ اور منتخب مقالات بھی حسبِ موقع ان کے شکریے کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں، ''شریعت کی نظر میں'' بھی اس کا مسلسل کالم ہے، جس میں مختلف شرعی مسائل پر علمائے اسلام کے فتاویٰ درج ہوتے ہیں، اس ادارے سے گزشتہ سولہ سالوں سے ایک عربی ماہانہ رسالہ ''المظاہر'' (مدیر: مولانا شاکر فرخ ندوی) بھی پابندی سے نکل رہا ہے۔

آئینۂ مظاہرِ علوم (صفحات:۴۸)

یہ ماہانہ رسالہ مظاہرِ علوم قدیم کا ترجمان ہے، اس کے سرپرست مولانا محمد سعیدی، مدیرِ مسئول مولانا ریاض الحسن مظاہری اور مدیرِ تحریر مفتی ناصرالدین مظاہری ہیں، اداریہ سمیت اس کے دیگر تمام مشمولات علمی و دینی نوعیت کے ہوتے ہیں، اس کے کئی اہم خصوصی شمارے بھی منظرِ عام پر آکر کافی پسند کیے گئے ہیں، جن میں مولانا مفتی مظفرالاسلامؒ (سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم) کی حیات و خدمات پر مشتمل ''فقیہ الاسلام نمبر''، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئیؒ پر ''محی السنہ نمبر'' مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ پر ''شیخ الادب نمبر'' اور ''تحفظِ ختمِ نبوت نمبر'' بہ طورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

ماہ نامہ ''اذانِ بلال'' (صفحات:۶۴)

یہ رسالہ شہرِ تاج کے معروف علمی و دینی ادارہ ''دارالعلوم، آگرہ'' سے گزشتہ تیئیس برسوں سے جاری ہے، اس کے مدیر مولانا ابوالبرکات مظاہری اور سرپرست مولانا محمد سالم قاسمی ہیں، اس رسالے کے مشمولات تمام تر علمی و دینی نوعیت کے ہوتے ہیں، فقہی موضوعات پر بھی لکھا جاتا ہے، ''تعارف و تبصرہ'' میں نئی تصانیف پر تبصرہ کیا جاتا ہے، جب کہ ''خبرنامہ'' میں ملکی اخبارات کی منتخب خبریں شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''المحمود'' (صفحات:۴۸)

یہ رسالہ ۱۹۹۷ء سے جامعہ محمودیہ، علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ سے بہ یادگار فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نکل رہا ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ مفتی محمد فاروق، مہتمم جامعہ محمودیہ اور معاون

مدیر مولانا سرور عالم رحمانی ہیں، یہ رسالہ قرآنی افادات اور نبوی ارشادات کے علاوہ عموماً دعوتی واصلاحی مواد کی اشاعت پر زور دیتا ہے، اس میں مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور دیگر اصحاب تصوف وسلوک کے اقوال، ملفوظات اور ان کی حیات وخدمات سے متعلق تحریریں بھی اکثر وبیش تر شائع کی جاتی ہیں، ''احوال وکوائف'' میں جامعہ محمودیہ کے شب روز کی سرگرمیوں کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں، ''کتاب المسائل'' کے تحت آئے دن پیش آنے والے مسائل کا شرعی حل بیان کیا جاتا ہے اور ''عالمی خبریں'' بھی اس رسالے کا مسلسل کالم ہے، جس میں ہندوستان سمیت دیگر ممالکِ عالم کی منتخب خبریں ہوتی ہیں۔

ماہ نامہ ''ارمغانِ ولی اللہ'' (صفحات: ۴۰)

یہ رسالہ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے آبائی وطن پھلت سے گزشتہ بیس سالوں سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرست مشہور عالمِ دین اور داعی الی اللہ مولانا محمد کلیم صدیقی اور مدیر مولانا وصی سلیمان ندوی ہیں، اس میں اکثر وبیش تر دعوتی مضامین اشاعت پذیر ہوتے ہیں، مولانا موصوف کے ذریعے دامنِ اسلام سے وابستہ ہونے والے خوش قسمت افراد کے انٹرویوز بھی ''نسیمِ ہدایت کے جھونکے'' کے زیرِ عنوان مسلسل چھاپے جاتے ہیں، ''خبروں کی دنیا'' اور ''فقہی مسائل'' بھی اس کے خاص کالم ہیں۔

ماہ نامہ ''تحفۂ خواتین'' (صفحات: ۶۴)

جامعہ احسن البنات، مراد آباد کا آرگن یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۰ء سے متواتر نکل رہا ہے، اس رسالے کے خصوصی سرپرست مولانا محمد سلمان حسینی ندوی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی عبدالرؤف سیتاپوری اور نگراں مولانا خضر محمد کشمیری، استاذ دار العلوم دیوبند ہیں، جب کہ اس کی مدیرہ محترمہ غزالہ اختر شمسی اور معاون مدیر مفتی اہل اللہ قاسمی ہیں، خواتینِ اسلام کا ترجمان یہ رسالہ گوناگوں خوبیوں اور ظاہری ومعنوی حسن وجمال اور آرائشوں کا حسین مرقع ہے، ''نظر وفکر'' اس کا افتتاحی کالم ہے، جس میں غزالہ اختر صاحبہ کا عمدہ اور معلومات سے بھرپور مضمون ہوتا ہے، ''درسِ قرآن'' و ''درسِ حدیث'' بھی اس کے مستقل کالم ہیں، حمدیہ نظمیں اور نعتیں بھی اہتمام

سے چھاپی جاتی ہیں، ان کے علاوہ مختلف علمی، دینی، معاشرتی و اصلاحی موضوعات پر بیش قیمت مقالات اس رسالے کی رونق کو دوبالا کرتے ہیں، ''صحت نامہ'' میں طبی مضامین شائع کیے جاتے ہیں، ''دنیا کی خبریں'' عالمی اخبار کے لیے خاص ہے، ''آپ کا دستر خوان'' بھی اس کا ایک مخصوص کالم ہے، جس میں انواع و اقسام کے کھانے تیار کرنے کے طریقے بتلائے جاتے ہیں، اس رسالے میں بچوں کے لیے بھی ایک خصوصی گوشہ ہے، جس میں تربیتِ اطفال کے رہ نما اصول اور انھیں ذہنی تفریح مہیا کرنے والی کہانیاں شائع کی جاتی ہیں، ''جامعہ کے شب و روز'' میں ادارے کی مختلف سرگرمیوں کی تفصیلات درج ہوتی ہیں، خواتین کے اس رسالے کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس کے مذکورہ تمام موضوعات پر خامہ فرسائی کرنے والی بیشتر خواتین ہوتی ہیں، جن میں جامعہ احسن البنات کی استانیوں کے ساتھ طالبات بھی شامل ہوتی ہیں۔

سہ ماہی ''احوال و آثار'' (صفحات: ۱۳۰)

یہ ایک خالص علمی، تحقیقی، سوانحی و تاریخی مجلہ ہے، جو جولائی - ستمبر ۲۰۰۱ء سے معروف عالم و محقق مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کے زیرِ ادارت حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر سے شائع ہو رہا ہے، اس رسالے کا سراپا انتہائی پُرکشش و خوش منظر ہونے کے ساتھ تحقیق و تاریخ کے نو بہ نو روزن وا کرنے والا ہوتا ہے، اس رسالے کے ذریعے مولانا کاندھلوی عام نگاہوں سے اوجھل علمائے دیوبند کی متنوع خدمات کو ثبوت و شواہد کی روشنی میں پیش کرنے اور علمی دنیا کو قابلِ اعتماد مواد فراہم کرنے کی بیش بہا خدمت انجام دے رہے ہیں اور کئی تحقیقی تصنیفات، جو مولانا موصوف کے قلم سے نکلی ہیں، پہلے وہ اِسی کے صفحات پر بالاقساط چھپ چکی ہیں۔

ماہ نامہ ''یادگارِ اسلاف'' (صفحات: ۶۴)

یہ رسالہ میرٹھ کی معروف علمی و دینی درس گاہ جامعہ گلزارِ حسینیہ، اجراڑہ، میرٹھ سے گزشتہ بارہ سالوں سے مسلسل نکل رہا ہے، اس کے نگرانِ اعلیٰ مشہور عالمِ دین مولانا عبد اللہ مغیثی، صدر آل انڈیا ملی کونسل، جب کہ مدیر التحریر مولانا عقیل احمد قاسمی اور مدیرِ مسئول مولانا آس محمد گلزار قاسمی ہیں، اس کا آغاز مدیرِ مسئول کے اداریے سے ہوتا ہے، جس میں وہ تازہ موضوعات پر عمدہ

تجزیاتی مضمون لکھتے ہیں، ''درسِ قرآن'' اور ''درسِ حدیث'' بھی اس کے خاص کالم ہیں، ان کے علاوہ اس میں علمی، اصلاحی، معاشرتی، فکری و سیاسی؛ تمام تر عنوانات پر عمدہ مقالات اشاعت پذیر ہوتے ہیں، ''طب وصحت'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں انسانی امراض اور ان کے علاج کے تعلق سے نئی دریافتوں اور وسائل کی نشان دہی کی جاتی ہے، ''تنقید وتصویب'' کے تحت نئی مطبوعات پر تبصرے کیے جاتے ہیں، مولانا عبداللہ مغیثی کے اسفار کی روداد، خانقاہِ مغیثی کے معمولات اور جامعہ گلزارِ حسینیہ کے احوال وکوائف بھی پابندی سے شائع ہوتے ہیں، ''عالمی منظر نامہ'' میں ہندوستان اور بیرونِ ہند کی خاص خبریں دی جاتیں ہیں، جب کہ ''یادِ رفتگاں'' میں گرد وپیش کی معروف شخصیات یا کسی عالمی شخصیت کی وفات پر تاثراتی تحریریں شائع کی جاتی ہیں، یہ رسالہ بھی اپنے مشمولات کے تنوع، موضوعات کی رنگارنگی اور گوناگوں خوبیوں کی بنا پر کافی مقبول اور پسندیدہ ہے۔

ماہ نامہ ''حرا کا پیغام'' (صفحات: ۴۸)

یہ رسالہ مئی ۲۰۰۴ء سے المعہد الاسلامی، مانک مئو، سہارن پور سے نکل رہا ہے، اس کے نگراں ومدیرِ اعلیٰ معروف عالمِ دین واہلِ قلم مولانا محمد ناظم ندوی ہیں، جب کہ اس کی مجلسِ ادارت میں مولانا محمد انعام اللہ قاسمی، مولانا شاکر فرخ ندوی، مولانا خالد سلیم الحسینی اور مولانا زبیر احمد شامل ہیں، اس رسالے کا اداریہ انتہائی وقیع، علم ریز اور بصیرت افروز ہوتا ہے، اس میں جہاں معروف علمی واصلاحی موضوعات پوری دیدہ ریزی کے ساتھ برتے جاتے ہیں، وہیں عصرِ حاضر کے سیاسی وفکری وسماجی موضوعات پر بھی بڑی باریک بینی اور تہ رسی کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اس کے اداریہ نگار مولانا محمد ناظم ندوی چوں کہ ایک بابصیرت عالمِ دین ہونے کے ساتھ زبان وادب کی مختلف اداؤں سے بھی گہری آگہی رکھتے ہیں؛ اس لیے ان کا ادارتی مضمون اس حوالے سے بھی بڑا جان دار ہوتا ہے، اس کے بعد اس رسالے میں جامعہ مظاہرِ علوم کے شیخ الحدیث اور موجودہ وقت میں علمِ حدیث اور اس کے جملہ پہلوؤں سے سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والے محدث مولانا محمد یونس جون پوری کی معرکہ آرا تحقیقات بھی بہ مداومت شائع کی جاتی ہیں، اس میں شامل دیگر مقالات بھی چلتے ہوئے موضوعات کے علاوہ فکر وتحقیق کے نئے نئے عنوانوں کو بھی مس کرنے والے ہوتے ہیں، ''المعہد الاسلامی کے شب روز'' بھی اس کا دائمی کالم ہے، رسالے

کے آخری صفحے پر عصری سیاسیات پر جو طنزیاتی مضمون ہوتا ہے، وہ بھی اپنے جلو میں زبان وادب کی چاشنیوں کے ساتھ فکر وخیال کی نئی راہوں سے آشنائی بخشنے والا ہوتا ہے۔

ماہ نامہ ''نقوشِ اسلام'' (صفحات:۴۸)

یہ رسالہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی، سہارن پور سے نکل رہا ہے، اس کے چیف ایڈیٹر مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی، معاون ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی اور ارکانِ ادارت مولانا محمود حسن حسنی ندوی، مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری اور مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری ہیں، اداریہ سمیت اس رسالے کے تمام مضامین علمی، دینی واصلاحی عناوین کا احاطہ کرتے ہیں، سیاسیات پر بھی اچھے مقالات شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، تاریخی تحریریں بھی اس رسالے میں اکثر شائع ہوتی ہیں، ادبیات پر بھی لکھا جاتا ہے، ''تبصرے'' بھی اس کا مستقل کالم ہے اور اخیر میں قومی وبین اقوامی خبریں بھی ضرور چھاپی جاتی ہیں۔

سہ ماہی ''حکیم الامت'' (صفحات:۴۸)

ظاہری ومعنوی خوبیوں سے لیس یہ رسالہ جنوری-مارچ ۲۰۰۹ء سے ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر سے نکل رہا ہے، اس کے نگراں مولانا سید نجم الحسن تھانوی، ناظم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ اور مدیر مولانا بدر الحسن شعیب تھانوی ہیں، اس رسالے میں بہ طورِ خاص حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نادر تحریریں، آپ کے افادات وملفوظات کے علاوہ ہندوپاک کے چوٹی کے اہلِ قلم وصاحبِ دل حضرات کی اثر انگیز تحریریں بھی شائع کی جاتی ہیں، اس کا ہر مضمون بے پناہ افادیت کا حامل ہوتا اور دل کی دنیا میں حیرت ناک انقلاب برپا کردینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ماہ نامہ ''صدائے حق'' (صفحات:۴۸)

جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ کا ترجمان یہ مجلّہ ۲۰۱۰ء سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مدیرِ مسئول مولانا مفتی خالد سیف اللہ ہیں، جو جامعہ کے شیخ الحدیث اور ناظم بھی ہیں، جب کہ معاون مدیر مولانا عبدالواجد ندوی، مدیرِ انتظامی مولانا قاری عبید الرحمٰن قاسمی اور مدیرِ تحریر مفتی محمد ساجد

کھجناوری ہیں، اس کا ادارتی مضمون دینی و علمی موضوعات کے علاوہ عصری عنوانات پر بھی عموماً مفتی محمد ساجد لکھتے ہیں، ''ضیاے قرآن'' منتخب آیاتِ قرآنی کی تفسیر اور ''ضیاے حدیث'' میں مخصوص حدیثوں کی تشریح کے ذیل میں ان کے ذریعے دی گئیں ہدایات و تعلیمات سے روشناس کیا جاتا ہے، ''مقالات و مضامین'' کے تحت عام طور پر علمی و مذہبی تحریریں ہوتی ہیں، ''مسائل و فتاویٰ'' میں روزمرہ پیش آمدہ مسئلوں کا قرآن و حدیث اور اسلامی منصوصات کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے، ''اخبارِ جامعہ'' کے تحت جامعہ اشرف العلوم کی علمی و دینی سرگرمیوں، جامعہ اور طلبۂ جامعہ کے خاص خاص اجلاسوں کی روداد شائع کی جاتی ہے، جب کہ ''کتابی دنیا'' عموماً ناظمِ جامعہ کی تصانیف کے تعارف کے لیے خاص ہے، بانیِ جامعہ مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ کی حیات و خدمات کے مبسوط تذکرے پر مشتمل اس کا ایک خصوصی شمارہ بھی آچکا ہے۔

ماہ نامہ ''تحقیقاتِ اسلامی'' (صفحات:۴۸)

یہ رسالہ فروری ۲۰۱۱ء سے انجمن دعوت الی الحق، کیرانہ، ضلع مظفر نگر سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مدیرِ مسئول مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی اور مدیرِ تحریر مولانا محمد صغیر قاسمی ہیں، اس کا آغاز مدیرِ تحریر کے ادارتی مضمون سے ہوتا ہے، جسے وہ ''صریرِ خامہ'' کے عنوان سے مختلف علمی، دینی و فکری موضوعات پر لکھتے ہیں، ''مقالات و مضامین'' کے تحت ہند و بیرونِ ہند کے مشہور اور با اعتبار اہلِ قلم کی نگارشات کو جگہ دی جاتی ہے، گزشتہ اکابر علما کے مضامین بھی موقع بہ موقع شائع کیے جاتے ہیں، ''خبر نامہ'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں عام طور پر ملکی اخبارات کے اقتباسات چھاپے جاتے ہیں۔

سہ ماہی ''دعوۃ الصدق'' (صفحات:۵۶)

مرشد الامت مفتی مہربان علی شاہ بڑوتیؒ کی یاد میں نکلنے والا یہ رسالہ ۲۰۱۱ء سے جامعہ فلاحِ دارین الاسلامیہ، بلاسپور، مظفر نگر سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرستوں میں مفتی حبیب اللہ مہاجر مدنی، مولانا عبدالخالق سنبھلی، نائب مہتمم دار العلوم دیوبند اور مفتی مجد القدوس خبیب رومی، مفتی مظاہر علوم (قدیم) شامل ہیں، جب کہ اس کی نگرانی مولانا محمد اسماعیل صادق قاسمی فرماتے ہیں اور اس کے مدیرِ تحریر مولانا میر زاہد مکھیالوی قاسمی، مدیرِ مسئول مفتی محمد عابد بدیع قاسمی اور معاون مفتی

اشفاق عالم قاسمی ہیں، اس رسالے کا اداریہ نگراں کے قلم سے ہوتا ہے، جسے وہ عموماً علمی ومذہبی موضوعات پر لکھتے ہیں، "تعلیم القرآن" اور "تعلیم الحدیث" بھی اس کے مستقل کالم ہیں، ان کے علاوہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی وغیرہ کی تحریریں اور افادات بھی اس رسالے میں مسلسل چھاپی جاتی ہیں اور اس کے دیگر مضامین بھی اکثر وبیشتر دینی، علمی واصلاحی نوعیت ہی کے ہوتے ہیں، "آپ کے دینی مسائل" اور "احوالِ جامعہ" بھی اس رسالے کے مستقل کالم ہیں۔

ماہ نامہ "نوائے حق" (صفحات:۶۴)

جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کا ترجمان یہ رسالہ گزشتہ ایک سال سے جاری ہے، مولانا ڈاکٹر سید محمد طارق (مہتمم جامعہ) اس رسالے کے سرپرست اور مولانا رفاقت حسین مدیر ہیں، رسالہ خالص علمی نوعیت کا ہے، فقہی مضامین بھی بہ کثرت شائع ہوتے ہیں اور جامعہ کی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی بہ اہتمام چھاپی جاتی ہیں۔

سہ ماہی "پیغامِ خلیل" (صفحات:۴۸)

جامعہ عربیہ خلیلیہ، انبیہٹہ پیرزادگان سے یہ رسالہ بھی ۲۰۱۲ء سے نکل رہا ہے، اس کے نگراں مولانا معین الدین صاحب اور مدیر مولانا مسیح اللہ انبیہٹوی ہیں، رسالہ اپنے مشمولات کے اعتبار سے عمدہ ہوتا ہے، نگرانِ رسالہ کے تجزیاتی اداریے اور اس کے علاوہ دیگر علمی، تحقیقی وفکری مضامین میں کافی تنوع اور ہر ذوق کے قاری کی تسکین کا سامان پایا جاتا ہے، "جامعہ کے شب وروز" بھی اس کا مستقل کالم ہے۔

ماہ نامہ "الفرقان" (صفحات:۵۶)

گزشتہ اسی سالوں سے پیہم اشاعت پذیر اس رسالے کے بانی مولانا محمد منظور نعمانیؒ تھے اور فی الوقت اس کے مدیر مولانا مرحوم کے قابل فرزند مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ہیں، یہ رسالہ اپنی وسیع تر وکثیر الجہات خدمات کے حوالے سے ماضی کی روشن تاریخ تو رکھتا ہی ہے، عصرِ حاضر میں بھی اس کی علمی وفکری انفرادیت مسلم ہے، "نگاہِ اولیں" کے تحت شائع ہونے والی مولانا سجاد

نعمانی کی تحریریں جہاں چشم کشا اور فکر انگیز ہوتی ہیں، وہیں ''محفلِ قرآن'' کے زیرِ عنوان مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے سلسلہ وار قرآنی افادات بھی غیر معمولی وقعت کے حامل ہوتے ہیں، برِصغیر کے معروف بزرگ اور اپنی سادہ و پرکار و سحر کار تقریر و تحریر کے ذریعے دلوں کی کایا پلٹ دینے کی بے پناہ صلاحیتوں سے لیس مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی کی نگارشات اور ان کی تقریروں کے اقتباسات بھی اس رسالے میں مسلسل شائع کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ دیگر بزرگانِ دین کے ملفوظات اور متنوع علمی، دینی، تحقیقی و تاریخی موضوعات پر بھی قیمتی مقالات اس رسالے میں اہتمام سے چھپتے ہیں۔

ماہ نامہ ''البدر'' (صفحات: ۴۰)

دارالعلوم فاروقیہ، کاکوری، لکھنؤ کا ترجمان یہ رسالہ گزشتہ چھتیس سالوں سے لگاتار نکل رہا ہے، اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالعلی فاروقی (فاضلِ دیوبند و ایم اے) ہیں، جب کہ مجلسِ ادارت کے ارکان میں مولانا محمد شفیع قاسمی، مولانا محمد کاظم ندوی اور مولانا عبدالولی فاروقی شامل ہیں، سیاسیات و سماجیات پر خیال انگیز و تجزیاتی تحریروں پر مشتمل اداریے سے اس کا آغاز ہوتا ہے، جسے ایڈیٹر مولانا عبدالعلی صاحب ''پہلی بات'' کے ادارتی کالم میں لکھتے ہیں، اس کے بعد معروف علمی و دینی موضوعات سمیت عصری سیاسیات پر بھی معروف قلم کاروں اور صحافیوں کے مقالات شائع کیے جاتے ہیں، ''آئینہ'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں سیاست و معاشرت و مذہب کے عنوان پر پائی جانے والی گوناگوں ناہمواریوں پر طنز کے تیشے چلائے جاتے ہیں۔

ماہ نامہ ''رضوان'' (صفحات: ۴۰)

یہ رسالہ گزشتہ چھپن سالوں سے بہ یادگار مولانا محمد حسنی ندویؒ، لکھنؤ سے نکل رہا ہے، اس کے موجودہ مدیر مولانا محمد حمزہ حسنی ہیں، یہ رسالہ بنیادی طور پر خواتین کا ترجمان ہے اور اس محاذ پر انتہائی کامیاب بھی ہے، اداریہ سمیت اس کے دیگر بیشتر مشمولات خواتین کو درپیش مسائل و مشکلات کا حل پیش کرنے والے اور اسلام کی طرف سے عورتوں کو دیے جانے والے علمی، معاشرتی و معاشی حقوق کی نشان دہی کرنے والے ہوتے ہیں، عصرِ حاضر میں عریانیت و فحاشی کے

امنڈتے ہوئے سیلاب پر بند باندھنے اور اسلام کی بیٹیوں کو اسلامی اخلاق و عادات کے زیور سے آراستہ ہونے کی تلقین کرنا بھی اس رسالے کے نصب العین میں شامل ہے، فقہی مسائل اور طبی عنوانات پر بھی اس رسالے میں مسلسل لکھا جاتا ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مرد قلم کاروں کے ساتھ خواتین اہلِ قلم کی بھی خاصی تعداد ہر ماہ چھپتی ہے۔

ماہ نامہ ''المؤمنات'' (صفحات: ۴۰)

یہ رسالہ لکھنؤ میں خواتینِ اسلام کی معروف و معتبر درس گاہ جامعۃ المؤمنات الاسلامیہ سے جنوری ۲۰۰۲ء سے شائع ہو رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مدیرۂ اعزازی سعیدہ نظام الحق، مدیرِ مسئول مولانا نجیب الحسن صدیقی ندوی، مدیرِ انتظامی مولانا مطیع الحق انظر قاسمی ندوی، مدیرِ تحریر مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی اور معاون مدیر مولانا وقار الدین لطیفی ندوی ہیں، مدیرِ تحریر کے قلم سے اس رسالے کا اداریہ کافی دل چسپ اور اداریہ نگار کی علمی گیرائی، مشاہداتی عمق، سیاسی بصیرت، عصری آگہی اور زبان و بیان پر بھرپور قدرت کا عکاس ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس رسالے میں عموماً علمی، دینی واصلاحی مقالات شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، اسلامی مہینوں کے فضائل و مسائل اور تذکارِ صحابیات بھی اس کے مخصوص عنوانات ہیں، دیگر فکری و تحقیقی موضوعات پر بھی ہندوستان کے موقر اہلِ قلم کے مقالات کو جگہ دی جاتی ہے، چوں کہ یہ رسالہ بنیادی طور پر خواتین کی ترجمانی کرتا ہے؛ اس لیے عورتوں کے گوناگوں مسائل اور ان کے حقوق و فرائض کے تئیں اسلامی تصورات ور جحانات کی بھی اس رسالے میں کما حقہ تشریح کی جاتی ہے، طبی مضامین بھی اس میں پابندی سے چھاپے جاتے ہیں اور اس کے کالم نگاروں میں بھی مرد اہلِ قلم کے علاوہ جامعۃ المؤمنات کی معلمات اور طالبات کی معتدبہ تعداد ہر مہینے شاملِ اشاعت رہتی ہے۔

ماہ نامہ ''نوائے ہادی'' (صفحات: ۶۶)

قلی بازار، کان پور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ اشاعت العلوم سے جنوری ۲۰۰۱ء سے اشاعت پذیر ہونے والا یہ رسالہ اپنے گیٹ اپ، علمی و ادبی خصائص اور مختلف النوع امتیازی اوصاف کی بنا پر شہرت یاب بھی ہے اور غیر معمولی افادیت و معنویت کا حامل بھی، اس کے مدیر

اعلیٰ حافظ عبدالقدوس ہادی اور مدیر مولانا اخلاق ندوی ہیں، اس کا ابتدائیہ مدیرِ اعلیٰ، جب کہ اداریہ مدیر کے قلم سے ہوتا ہے، خصوصی تحریر کے تحت موقع اور زمانے سے ہم آہنگ کسی مشہور اہلِ قلم کا مضمون ہوتا ہے، ''افادات واقتباسات'' میں اسلامی ذخائرِ تاریخ سے اہم واقعات اور اسلامی شعرا کی منتخب منظومات شائع کی جاتی ہیں، ''اصلاحیات'' کے ذیل میں مسلمانوں کی زندگی میں درآنے والی گوناگوں اخلاقی وعقائدی کج رویوں کے علاج کی تدبیریں پیش کی جاتی ہیں، ''سیرۃ النبیؐ'' میں نبیِ پاکؐ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشے اور آپ کے قولی و عملی ہدایات و پیغامات ہوتے ہیں، ''سیرۃ الصحابہؓ'' میں قرنِ اول کے ان جاں سپارنفوس کی قابلِ رشک زندگیوں سے روشناس کرایا جاتا ہے، جوکوکبۂ نبویؐ کے ارکان اور دینِ حنیف کے اولیں پاسبان و محافظ تھے، ''عبرت ونصیحت'' کے تحت مسلمانوں کے خفتہ قلوب کو بیدار کرنے اور ان کی افسردہ حس پر کچوکے لگانے والی تحریریں شائع کی جاتی ہیں، ''فکر ونظر'' میں معاصر مسائل وقضایا سے نمٹنے کے اسلامی طریقے بتلائے جاتے ہیں، ''کتاب المسائل'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، ''احوال و جائزے'' میں موجودہ عالمی منظرنامے پر پائی جانے والی علمی، فکری ومعاشرتی بے راہ رویوں سے نقاب ہٹایا جاتا ہے، ''تصویرِ وطن'' میں ملکی سیاسیات میں برپا ہونے والی اتھل پتھل پر معروف مبصرین اور تجزیہ کاروں کی نگارشات کو جگہ دی جاتی ہے، ''گوشۂ طلبہ'' بھی اس کا ایک خاص کالم ہے، جس میں طالبانِ علوم کو حصولِ مقصد میں کام رانی وسرخ روئی سے ہم کنار کرنے کے زریں اصول سے باخبر کیا جاتا ہے، ''گوشۂ خواتین'' میں عموماً انسانی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی تلقین کی جاتی اور عورتوں کے حقوق وفرائض سے روشناس کرایا جاتا ہے، اس کا آخری کالم ''رفتارِ زمانہ'' ہے، جس میں جامعہ اشاعت العلوم کے ساتھ اخبارِ عالم اور ہندوستان کی ملی تنظیموں کی خبریں بھی چھاپی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''سفیرِ حق'' (صفحات: ۴۸)

یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۸ء سے جامعہ محمودیہ اشرف العلوم، جاجمؤ، کان پور سے بہ یادگار مولانا مبین الحق قاسمیؒ نکل رہا ہے، اس کے مدیرِ مسئول مولانا متین الحق قاسمی، جب کہ مدیرِ تحریر مولانا راشد وحید قاسمی ہیں، اس رسالے میں علمی ودینی موضوعات کے علاوہ انسانی زندگی کو کامیاب بنانے

والے اثر دار عوامل ومحرکات پر مشتمل تحریروں کے ساتھ مختلف تاریخی وتحقیقی گوشوں پر بھی عمدہ اور قابلِ قدر مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اس رسالے کی ترتیب وتنظیم کاری اور ظاہری شکل وصورت بھی اپنے اندر کشش وجاذبیت کا بھرپور سامان رکھتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ''سفیرِ حق'' کی مقبولیت واشاعت میں روزافزوں اضافہ ہورہا ہے اور باذوق طبقہ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

ماہ نامہ ''وصیۃ العرفان'' (صفحات: ۴۸)

جنوری ۱۹۸۷ء سے یہ رسالہ مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ خاںؒ کی خانقاہ سے نکل رہا ہے، فی الوقت اس رسالے کے سرپرست مولانا شاہ قاری مبین اور مدیر مولانا احمد مکین ہیں، یہ رسالہ خالص اصلاحی ہے، اس میں مولانا شاہ وصی اللہؒ اور ان کے موجودہ جانشین مولانا قاری مبین سمیت دیگر اکابرو اسلاف کے ارشادات، ملفوظات وافادات اور ان کی اصلاحی تحریریں بہ مواظبت شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''نورالعلوم'' (صفحات: ۴۰)

مشرقی یوپی کی قدیم اور بافیض دینی درس گاہ جامعہ مسعودیہ نورالعلوم، بہرائچ کا آرگن یہ رسالہ چھیاسٹھ سالوں سے پیہم شائع ہورہا ہے، اس کے موجودہ مدیرِ اعلیٰ مولانا حیات اللہ قاسمی اور مدیر مولانا حارث عبدالرحیم فاروقی ہیں، ''سچی بات'' کے زیرِ عنوان مدیر کی ادارتی تحریر اور متنوع علمی، دینی، سوانحی وادبی موضوعات پر عمدہ مضامین کے علاوہ فرقِ باطلہ کی تردید میں بھی اس رسالے میں اہتمام سے لکھا جاتا ہے، ''خبر نامہ'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں جامعہ مسعودیہ کے احوال وکوائف سمیت منتخب قومی وبین اقوامی خبریں بھی چھاپی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''نقوشِ حیات'' (صفحات: ۲۴)

معروف اہلِ قلم مولانا صادق علی قاسمی بستوی کے زیرِ ادارت شائع ہونے والا یہ رسالہ جنوری ۱۹۸۸ء سے جاری ہے، اس کے سب ایڈیٹر سمیع اللہ انصاری اور مینیجنگ ایڈیٹر خالد کمال ہیں، اس رسالے میں عام روش کے برخلاف ہمیشہ مختلف اور اچھوتے موضوعات پر ذہن ودماغ

کو اپیل کرنے والے مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اسلامیات سمیت سیاسیات، سماجیات اور ادب وتنقید سے متعلق اس کے مشمولات میں بڑی توانائی، دل کشی اور فکر وخیال کو اُجالنے کی بھرپور صفت پائی جاتی ہے۔

ماہ نامہ ''ریاض الجنہ'' (صفحات:۴۸)

شمالی ہند کے خطۂ شرق کے مشہور اسلامی ادارہ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جون پور کا ترجمان یہ رسالہ جنوری ۱۹۸۲ء سے متواتر شائع ہو رہا ہے، البتہ شروع میں کم وبیش پانچ سال ''الریاض'' کے نام سے نکلا، پھر ''ریاض الجنہ'' ہوگیا اور اس کے بعد سے یہ اسی نام سے جاری ہے، اس کے مدیرِ مسئول مولانا عبدالرحیم مظاہری ہیں، اداریہ سمیت ''درسِ قرآن وحدیث'' اس کے مستقل کالم ہیں، ان کے علاوہ اس میں شائع شدہ دیگر تمام مضامین علمی، دینی، اصلاحی وتربیتی نوعیت کے ہوتے ہیں، کبھی کبھی حالاتِ حاضرہ پر بھی لکھا جاتا ہے، ''عالمی خبریں'' بھی اس کا خاص کالم ہے، جس میں عموماً بی بی سی اردو کی منتخب خبریں دی جاتی ہیں، ''باب الفتاویٰ'' میں دینی سوالات کے جوابات اور اخیر میں ادارے سے طبع شدہ کتابوں کا اشتہار اور مدرسے کے تعاون کی گزارشات بھی اکثر شائع کی جاتی ہیں۔

سہ ماہی ''المآثر'' (صفحات:۸۰)

یہ رسالہ ۱۹۹۲ء سے مدرسہ مرقات العلوم، مئو سے ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی یاد میں نکل رہا ہے، اس کے بانی مولانا عبدالرشید اعظمی، مدیرِ تحریر مولانا اعجاز احمد اعظمی، مدیرِ مسئول مولانا انور رشید اعظمی اور نائب مدیر ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی ہیں، یہ رسالہ خالص علمی وتحقیقی نوعیت کا ہے، مدیرِ تحریر کے ''حرفِ آغاز'' کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے تفسیری افادات، اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی علمی تحقیقات اور ان کی نادر اور غیر مطبوعہ تحریریں اس رسالے میں پابندی سے چھپتی ہیں، ان کے علاوہ دیگر علمی ودینی موضوعات پر بھی اہلِ علم وقلم کے مقالات شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں۔

سہ ماہی ''المفتاح'' (صفحات:۹۶)

یہ مجلّہ شمالی ہند کے مشرقی خطے کے معروف اور قدیم علمی و دینی ادارہ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، مئو سے گزشتہ چودہ سالوں سے نکل رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست مولانا صفی اللہ مفتاحی، ایڈیٹر مولانا افتخار احمد مفتاحی، معاون ایڈیٹران مولانا عطاء الرحمٰن مفتاحی، مولانا شمیم اختر مفتاحی اور مولانا محمد الیاس مفتاحی ہیں، جب کہ مدیرِ مسئول مولانا خورشید احمد مفتاحی ہیں، اس کا آغاز عصریات پر فاضل مدیر کی پُر مغز اور تجزیاتی وفکر انگیز تحریر سے ہوتا ہے، مقالات کے کالم میں ہندوستان بھر کے معروف اور باوقار قلم کاروں کے مضامین موضوعات کے تنوع کے ساتھ چھاپے جاتے ہیں، ''درسِ قرآن'' بھی اس رسالے کا مستقل کالم ہے، حمدوں، نعتوں، غزلیات اور دیگر اصنافِ سخن کی اشاعت بھی اس رسالے میں مسلسل ہوتی ہے، رسالے کا ظاہری سراپا بھی دیدہ زیب اور خوب صورت ہوتا ہے۔

ماہ نامہ ''فیضانِ اشرف'' (صفحات:۴۸)

یہ ماہانہ رسالہ شیخ المشائخ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی یاد میں، مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ سے جنوری ۲۰۰۱ء سے شائع ہو رہا ہے، اس رسالے کے مدیر مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری اور معاون مدیر مولانا عبدالرشید مظاہری ہیں، اس کا اداریہ بالعموم سیاسی موضوعات پر مدیرِ اعلیٰ کے قلم سے ہوتا ہے، اس کے بعد ''درسِ قرآن'' و ''درسِ حدیث'' کا مسلسل کالم، پھر دینی، دعوتی و اصلاحی مضامین ہوتے ہیں، عصرِ حاضر کے فقہی مسائل کا حل بھی ''متفرق مسائل'' کے زیرِ عنوان پیش کیا جاتا ہے اور ''خبر نامہ'' کے کالم میں ملکی اخبارات کی منتخب خبریں درج کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''ضیاء الاسلام'' (صفحات:۴۸)

جنوری ۲۰۰۱ء میں یہ رسالہ خطۂ اعظم گڑھ کی مشہور علمی درس گاہ مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور سے شروع کیا گیا تھا، اس کے شروع کے اٹھارہ شمارے ''الاسلام'' کے نام سے نکلے، پھر اس کا

نام ''ضیاء الاسلام'' ہوگیا اور تب سے یہ اسی نام سے نکل رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست مولانا اعجاز احمد اعظمی، نگراں مولانا انتخاب عالم اعظمی اور مدیر مولانا ضیاء الحق خیرآبادی قاسمی ہیں، اس کا اداریہ عموماً مولانا اعجاز احمد اعظمی مختلف علمی واصلاحی موضوعات پر لکھتے ہیں، اس کے بقیہ مقالات بھی بیش تر ان ہی عنوانات کا احاطہ کرتے ہیں، موقع بہ موقع تاریخی وتحقیقی مقالات بھی شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، رسالے کے اخیر میں ہر ماہ دینی مسائل پر فتوے بھی بہ مداومت چھاپے جاتے ہیں، یہ رسالہ بھی اپنی علمیت اور وزن دار مشمولات کی بنا پر اہلِ علم کے حلقوں میں خاصا مقبول ہے، معروف اسلامی اہلِ قلم اور مؤرخ حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی متنوع خدمات اور جہدِ مسلسل سے عبارت زندگی پر اس کا ایک ضخیم خصوصی شمارہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

سہ ماہی ''ترجمانِ شیرازِ ہند'' (صفحات:۷۲)

تنظیم ابنائے قدیم جامعہ حسینیہ، لال دروازہ، جون پور کے زیرِ انتظام اشاعت پذیر یہ رسالہ اپنی عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہے، اس کے مدیرِ تحریر مولانا وسیم احمد قاسمی اور مدیرانِ معاون مولانا ارشاد احمد قاسمی اور مولانا محمد خالد قاسمی ہیں، ''نقشِ اولیں'' کے تحت اس کا ادارتی مضمون ہوتا ہے، جسے عموماً علمی، دینی وفکری موضوعات پر مدیرِ تحریر لکھتے ہیں، ''درسِ قرآن وحدیث'' بھی اس کے تسلسل کے ساتھ شائع ہونے والے کالم ہیں، اس کے بقیہ مضامین خالص علمی، دینی واصلاحی نوعیت کے ہوتے ہیں، کبھی کبھی تاریخی مضامین بھی شاملِ اشاعت ہوتے ہیں، ''باب الفتاویٰ'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، جس میں متنوع الجہات فقہی سوالوں کے جوابات دیے جاتے ہیں۔

سہ ماہی ''نوائے دارالعلوم'' (صفحات:۸۰)

مئو کی معروف ومشہور علمی و دینی دانش گاہ دارالعلوم، مئو کا یہ سہ ماہی ترجمان گزشتہ چار سالوں سے نکل رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست حافظ ذکی احمد نقشبندی، مدیر مولانا احمد اللہ قاسمی ندوی اور نائب مدیر ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی ہیں، یہ ایک خالص علمی ودینی رسالہ ہے، اداریے کے علاوہ ''تنویر القرآن'' اور ''درسِ حدیث'' بھی اس کے مستقل کالم ہیں، ''باب

الاستفسار'' کے تحت ادارے کے دارالافتا کو موصول ہونے والے فقہی سوالات کے جوابات شائع کیے جاتے ہیں، ''وفیات'' میں حالیہ وفات پانے والی علمی و دینی شخصیات پر تاثراتی وتعزیتی مضامین ہوتے ہیں، ''نوائے دارالعلوم کی ڈاک'' میں مدیرِ رسالہ کو ارسال کیے جانے والے مراسلات ہوتے ہیں اور ''کوائفِ دارالعلوم'' کے تحت ادارے کی شبانہ روز کی مختلف سرگرمیوں اور تقریبات کی روداد شائع کی جاتی ہے، اس رسالے کا گیٹ اپ بھی عمدہ اور جاذبِ نظر ہونے کے ساتھ اس کی ترتیب وتدوین بھی مدیر کی دقتِ نظری وحسنِ سلیقگی کا مظہر ہوتی ہے۔

شش ماہی ''فیضِ شیخ الہند'' (صفحات:۹۶)

دیوبند کے مایۂ نازو نامور ترین فرزند اور عظیم مجاہدِ آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی یاد میں قائم مدرسہ شیخ الہند، قاسم آباد، انجان شہید، اعظم گڑھ سے شائع شدہ اس رسالے کے مدیرِ مسئول مولانا فرقان بدرالدین قاسمی اور مدیرِ تحریر مولانا محمد عابد اعظمی قاسمی ہیں، ''پہلی بات'' سے اس کا آغاز ہوتا ہے، جسے مدیرِ تحریر کا قلم سیاسیات وسماجیات پر بڑی عمدگی ودروں بینی کے ساتھ لکھتا ہے، ''درسِ قرآن'' میں معروف عالمِ دین اور اسلامی اہلِ قلم مولانا اعجاز احمد اعظمی کے تفسیری افاضات ہوتے ہیں، ''درسِ حدیث'' کے تحت منتخب حدیثوں کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے، ان کے بعد دیگر علمی، دینی، اصلاحی وتاریخی موضوعات کو محیط مضامین شائع کیے جاتے ہیں، ''تعارف وتبصرہ'' اور ''وفیات'' بھی اس کے ریگولر کالم ہیں۔

سہ ماہی ''نشانِ راہ'' (صفحات:۸۰)

مجمع الثقافۃ الاسلامیہ، مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ کا آرگن یہ دولسانی رسالہ جولائی-ستمبر ۲۰۱۱ء سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرست مولانا عبدالخالق مدراسی، استاذِ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مجیب اللہ گونڈوی، ناظمِ مجلسِ تعلیمی دارالعلوم دیوبند اور نگراں مولانا عبدالرب قاسمی، مہتمم مدرسہ فرقانیہ، گونڈہ ہیں، جب کہ اس کے ایڈیٹر مفتی محمد ابراہیم قاسمی ہیں، یہ رسالہ گوکہ ابھی نوخیز اور حدیث السن ہے، مگر اس کی ظاہری ومعنوی خوبیاں بے پناہ ہیں؛ جن کی بنا پر اہلِ علم ونظر میں اسے بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جہاں اس رسالے کا اداریہ قومی وبین الاقوامی

سیاسیات پر اداریہ ایڈیٹر رسالہ کی گہری نگاہ کا غماز اور بصیرت افروز وخیال انگیز تجزیات سے لیس ہوتا ہے، وہیں ملک بھر کے معروف قلم کار، اہلِ دانشو، ، ریسرچ اسکالرس کی قیمتی نگارشات بھی اس رسالے میں بلا کسی تحفظ کے شائع کی جاتی ہیں، دیگر دینی درس گاہوں کے رسائل کی مانند ''فقہ وفتاویٰ'' اور ''مدرسہ کے شب وروز'' بھی اس کے مسلسل کالم ہیں، جنہیں بہ خوبی برتا جاتا ہے، اس کے مشمولہ ہندی مضامین کا گوشہ اس اعتبار سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعے ملک کی قومی زبان میں خالص اور صاف شفاف اسلامی افکار وپیغامات کی ترسیل وتبلیغ ہورہی ہے، جو ہندوستان کے موجودہ احوال کے تناظر میں حددرجہ ضروری بھی ہے اور اس کی معنویت بھی پہلے سے کئی گونہ فزوں تر ہے۔

ماہ نامہ ''احیاے اسلام'' (صفحات:۵۶)

یہ رسالہ دارالعلوم فیضِ محمدی، مہراج گنج کا آرگن ہے، اس کے سرپرست مولانا طارق شفیق ندوی، لکچرر اسلامیہ انٹر کالج، گورکھپور، مدیر مولانا محی الدین قاسمی ندوی اور معاون مدیر مولانا احسان الحق قاسمی ہیں، ''احیاے قرآن'' اور ''احیاے حدیث'' اس کے مستقل کالم ہیں، جن میں قرآن وحدیث کی تعلیمات پیش کی جاتی ہیں، ان کے بعد مختلف علمی، اصلاحی واخلاقی موضوعات پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں، ''احوالِ دارالعلوم'' بھی اس رسالے کا خصوصی کالم ہے، جس میں دارالعلوم فیضِ محمدی کی شب وروز کی خبریں چھاپی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''ترجمانِ دارالعلوم'' (صفحات:۸۰)

تنظیم ابناے قدیم، دارالعلوم دیوبند، دہلی کا ترجمان یہ رسالہ جون ۱۹۹۳ء سے نکل رہا ہے، اس کے مدیر انتظامی مولانا فرید الزماں کیرانوی اور مدیر تحریر مولانا وارث مظہری قاسمی ہیں، یہ رسالہ اپنی شکل وصورت، علمی، ادبی وتحقیقی معیار کی بلند آہنگی اور متنوع خصوصیتوں کی بنا پر واقعی دارالعلوم دیوبند کا ترجمان اور اس کے مبنی برحق ووسطیت مسلک وزاویۂ نگاہ کا ترجمان ہے، اس رسالے کے اداریہ سمیت شاملِ اشاعت تمام مضامین غیر معمولی بصیرت مندی، علمی وسعت، مشاہداتی گیرائی وتعمق کے آئینہ دار ہوتے ہیں، جہاں اس کے سیاسی تجزیے اہلِ فکر ونظر کی دنیا

میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور اس کے تاریخی مقالات انتہائی مستند و معتبر ہوتے ہیں، وہیں اس کے ادبی عنوانات پر لکھے جانے والے مقالات میں بھی بڑی شستگی و دل کشی پائی جاتی ہے، اس رسالے کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں دیگر مکاتبِ فکر کے سنجیدہ اور ذی علم قلم کاروں کو بھی پوری کشادہ دلی کے ساتھ جگہ دی جاتی ہے، ''تعارف وتبصرہ'' کے تحت نئی مطبوعات پر بے لاگ اور برحق تبصروں کے ساتھ ملکی و عالمی، بہ طورِ خاص دارالعلوم دیوبند اور فرزندانِ دارالعلوم کی علمی، ادبی، تصنیفی، ملی و دینی سرگرمیوں سے متعلق خبریں بھی اس رسالے میں اہتمام سے شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''ملی اتحاد'' (صفحات: ۴۸)

اس رسالے کو ۱۹۹۷ء میں فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے آل انڈیا ملی کونسل سے جاری کیا تھا، فی الوقت اس کے سرپرست مولانا عبداللہ مغیثی، صدر آل انڈیا ملی کونسل اور نگراں ڈاکٹر منظور عالم ہیں، جب کہ مدیرِ اعزازی ڈاکٹر سید عبدالباری اور معاونین صفی اختر اور بسمل عارفی ہیں، یہ رسالہ انتہائی وقیع اور اپنے مشمولات کے اعتبار سے غیر معمولی معنویت و افادیت کا حامل ہے، جہاں اس کے اداریے میں تازہ سیاسی مسائل پر دیدہ ورانہ تبصرہ کیا جاتا ہے، وہیں اس کے دیگر علمی، فکری، سماجی، سیاسی، ادبی و تحقیقی مضامین بھی قارئین کے لیے بے پناہ جذب وکشش رکھنے والے ہوتے ہیں، ''سخنور'' میں نئے شعرا کا تعارف کرایا جاتا ہے، ''تبصرہ وتعارف'' بھی اس کا خاص کالم ہے اور اخیر میں آل انڈیا ملی کونسل سمیت دیگر ملی وسماجی تنظیموں کی خبریں بھی اس رسالے میں پابندی سے شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''معارفِ قاسم جدید'' (صفحات: ٦٦)

یہ ایک علمی، ادبی، دعوتی، فکری و اصلاحی رسالہ ہے، جو ۲۰۰۱ء سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی یاد میں دہلی سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اور مدیر ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی ہیں، یہ رسالہ بھی اپنے حسین گیٹ اپ اور معنوی خوبیوں کی بنا پر پسندیدہ ہے، گیارہ سال کے عرصے میں اس نے متذکرہ موضوعات پر انتہائی قیمتی شذرات ومقالات کے ساتھ کئی خصوصی شمارے، مثلاً: ''قاضی مجاہد الاسلام نمبر''، ''سیرۃ النبی نمبر''، ''پیامِ انسانیت نمبر''، ''مسلم پرسنل لا نمبر'' نکالے ہیں، جنھیں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

ماہ نامہ ''سَروشانتی'' ہندی (صفحات:۳۲)

ورلڈ پیس آرگنائزیشن، نئی دہلی کا یہ ماہانہ آرگن گزشتہ آٹھ سالوں سے لگاتار جاری ہے، اس کے مدیر دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا اعجاز الرحمٰن شاہین ہیں، یہ رسالہ ہندی داں مسلمانوں کے ساتھ ملک کی اکثریت تک، اس کی زبان میں اسلامی افکار وخیالات اور اس کی صاف شفاف تعلیمات، بہ طورِ خاص اسلام کے تصورِ امن کو پہنچانے کا قابلِ قدر کارنامہ انجام دے رہا ہے، اس کا ''مہیلا پرشٹھ'' (خواتین کا صفحہ) بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، کہ اس میں شامل جہانِ نسواں سے متعلق مضامین عورتوں کے حقوق کے تئیں اسلام کے انصاف پسندانہ؛ بلکہ فیاضانہ رجحان کو واضح کرتے اور اس حوالے سے اسلام کے خلاف اُچھالے جارہے بے جا الزامات کی روشن حقائق وتاریخِ اسلامی کی روشنی میں تردید کرتے ہیں، اس میں کسی شک وشبہے کی گنجایش نہیں کہ دیوبند کے پروردہ اعجاز الرحمٰن شاہین اپنی دیگر امن پرورانہ سرگرمیوں اور خاص طور سے اس رسالے کے ذریعے غیر اردو داں مسلمانوں کے ساتھ ملک میں لسانی، تہذیبی ومعاشی غلبہ رکھنے والے برادرانِ وطن کے فکروخیال کی صیقل گری کا قابلِ رشک کردار نبھا رہے ہیں۔

ماہ نامہ ''نعرۂ تکبیر'' (صفحات:۶۴)

مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی یاد میں مارچ ۲۰۰۲ء سے نکل رہے اس رسالے کے مدیرِ اعلیٰ مفتی افروز عالم قاسمی اور معاون مدیر اسعد ربانی ہیں، اس رسالے میں اکابرِ دیوبند کی تحریروں کی اشاعت پر خصوصی توجہ دینے کے ساتھ موجودہ مشہور ومقبول اہلِ قلم کی تحریریں بھی اہتمام سے چھاپی جاتی ہیں، مختلف موضوعات کو سمیٹنے اور ہر ایک پر عمدہ سے عمدہ مواد فراہم کرنے کا مفتی افروز عالم قاسمی کو اچھا سلیقہ آتا ہے، اس رسالے کو دہلی و بیرونِ دہلی کے دینی مدارس اور ملی تنظیموں کی جانب سے اشتہارات بھی خوب ملتے ہیں۔

سہ ماہی ''حسنِ تدبیر''

تنظیم علماے حق، دہلی سے شائع ہونے والا یہ رسالہ اپنی عمر کی آٹھ کامیاب منزلیں طے کر چکا ہے، اس کے مدیر مولانا اعجاز عرفی قاسمی اور معاون مدیر اسعد مختار ہیں، یہ ایک علمی، ادبی و دستاویزی نوعیت رکھنے والا رسالہ ہے، دیگر بہت سے رسائل ومجلات میں اسے یہ اختصاص و تفوق حاصل ہے کہ اس نے اپنی محدود و مختصر عمر میں علوم وافکارِ دیوبند کو عصری اسلوب میں پیش کرنے کے ساتھ کئی ایک اکابرِ دیوبند کی حیات وخدمات پر تاریخی وتحقیقی خصوصی گوشے بھی شائع کیے ہیں، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تجدیدی کارناموں اور روشن تخیلات سے آگاہی بخشنے والا ''حکیم الامت نمبر'' (صفحات: ۳۲۸) خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی ہفت پہلو شخصیت کو نئے رنگ وآہنگ میں پیش کرنے والا ''امام العصر نمبر'' (صفحات: ۴۸۰) اپنے وقت کے فیلسوفِ اسلام اور دینی علوم کے اسرار ورموز سے بہ تمام وکمال واقفیت رکھنے والے دارالعلوم دیوبند کے کامیاب ترین مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کو ان کے شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کرنے والا ''حکیم الاسلام نمبر'' (صفحات: ۲۵۰) علومِ حدیث کی بے پناہ خدمت انجام دینے والے اور اقوال واحادیثِ نبویؐ کی تشریح وتبیین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے رکھنے والے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی حیات وخدمات کا حسین مرقع ''شیخ زکریاؒ نمبر'' (ص: ۶۷۲) اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم وافکار کے ترجمان اور اپنے عہد کے بے مثال ادیب وخطیب مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کی یاد میں نکلنے والا خصوصی شمارہ (صفحات: ۴۷۰) ''حسنِ تدبیر'' کے روشن کارنامے ہیں، ان کے علاوہ مدارسِ اسلامیہ کے تعلیمی نصاب، تربیتی نظام اور انھیں درپیش مسائل وچیلنجز کے بصیرت مندانہ جائزوں کو شامل ''مدارس نمبر'' (صفحات: ۷۰۰) اور ہندی مسلمانوں کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک اہم ترین مسئلۂ اوقاف کے علمی، منطقی، معروضی وسیاسی تجزیوں پر مشتمل ''اوقاف نمبر'' (صفحات: ۱۵۰) ''حسنِ تدبیر'' ہی سے یادگار ہیں اور اس کی مقبولیت وشہرت اور مدیرِ رسالہ کی انتھک ہمت وحوصلہ کا آئینہ خانہ بھی۔

سہ ماہی ''پیغام'' (صفحات: ۶۴)

یہ رسالہ ۲۰۰۲ء سے مدرسہ زینت القرآن، ویلکم، سیلم پور، دہلی سے نکل رہا ہے، اس کے مدیر محمد سلیم انصاری اور مدیر مولانا وسیم اختر قاسمی ہیں، ''درسِ قرآن'' سے اس رسالے کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد مدیرِ رسالہ کا ادارتی مضمون، جسے وہ اکثر دینی واصلاحی موضوعات پر لکھتے ہیں، البتہ اس کے مقالات کے کالم میں تنوع ہوتا ہے؛ چناں چہ ان میں علمی، اصلاحی، سماجی وسیاسی؛ ہر قسم کی عمدہ اور فکر انگیز تحریریں ہوتی ہیں، ''طب وصحت'' بھی اس کا خصوصی اور مستقل کالم ہے، جس میں طبی مضامین ہوتے ہیں، اسی طرح دینی مسائل کے حل کے لیے ''کتاب المسائل'' کا گوشہ بھی پابندی سے اشاعت پذیر ہوتا ہے، اس رسالے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ہر شمارے میں دو تین ہندی مضامین بھی بالالتزام چھاپے جاتے ہیں، رسالے کا ظاہری سراپا بھی قاری کے دل ونگاہ کے لیے اپنے اندر جذب وکشش کا بھرپور سامان رکھتا ہے۔

ماہ نامہ ''علمی صدا'' (صفحات: ۳۸)

یہ رسالہ گزشتہ نو سالوں سے مسلم لیگ آف مسلمس ان انڈیا، دہلی کی طرف سے نکل رہا ہے، اس کے ایڈیٹر محمد عارف عثمانی اور جوائنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر عبید اقبال عاصم قاسمی ہیں، یہ ایک علمی، مذہبی واصلاحی نوعیت کا رسالہ ہے، تاریخی وتحقیقی عنوانات پر بھی اس رسالے میں اچھے مقالات شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، سوانحی موضوعات پر بھی لکھا جاتا ہے، صوفی طاہر حسن عثمانیؒ کی حیات وخدمات پر اس کا ایک خصوصی شمارہ بھی نکل چکا ہے۔

سہ ماہی ''خبر نامہ'' (صفحات: ۴۰)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ترجمان یہ رسالہ اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۶ء میں جاری ہوا تھا، اس رسالے کے ایڈیٹر بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین، امیرِ شریعت بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ ہیں، رسالے کا گیٹ اپ عمدہ اور دیدہ زیب ہونے کے ساتھ مواد اور مشمولات کے اعتبار سے بھی اس میں کشش اور معنویت ہوتی ہے اور اس میں ملک بھر کے چوٹی کے اہلِ قلم کے فکر انگیز اور خیال آفریں مقالات شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، بہ طور خاص ہندوستانی

مسلمانوں کے پرسنل مسائل اوران کے تئیں ہندی حکومت کی جانب دارانہ ومتعصبانہ پالیسیوں سے اس رسالے کے ذریعے مسلمانوں کو اہتمام کے ساتھ باخبر کیا جاتا اور ارباب اقتدار کی کم ظرفیوں سے آگاہ کرتے ہوئے، اُنھیں اپنے دینی تشخصات اور شرعی علائم پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے کی تلقین کی جاتی ہے، وقفے وقفے سے منعقد ہوتے رہنے والے بورڈ کے اجلاسوں اوراس کی دیگر ملی وقومی سرگرمیوں سے متعلق خبریں بھی اس رسالے میں بہ تواتر چھپتی ہیں۔

ماہ نامہ ''مسائلِ دین دنیااورطب'' (صفحات:۵۶)

پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی سے گزشتہ چار سالوں سے نکل رہے اس رسالے کے ایڈیٹر طٰہٰ نسیم، سب ایڈیٹر اسلم مقبول اور مشاورتی بورڈ کے ارکان میں مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر شمیم نکہت، شب نور اور فرحین عمید ہیں، یہ رسالہ انتہائی باوقار اور معیاری ہے، اس میں طبی موضوعات پر عمدہ اور تحقیقی مضامین کے علاوہ عصری موضوعات پر بھی بصیرت افروز تحریریں شائع کی جاتی ہیں، خاص طور سے ایڈیٹر کا ادارتی مضمون وقت کے حساس مسائل میں بہترین رہ بری کرنے والا ہوتا ہے، روحانی اور شرعی مسائل کے حل کے لیے بھی اس میں مستقل کالم ہے، ''آپ کا صفحہ'' مراسلات کے لیے ہے اور آخری صفحے میں ''طبی خبریں'' شائع کی جاتی ہیں۔

سہ ماہی ''فقہ اسلامی'' (صفحات:۱۳۰)

ادارہ فقہی تحقیقات، دہلی سے اشاعت پذیر اس رسالے کے نگراں مولانا بدرالحسن قاسمی، ایڈیٹر مولانا افتخار حسین مدنی اور معاونین مولانا محمد اسلام قاسمی، مولانا ولی احمد سبیلی، مولانا احمد بدر القاسمی اور مولانا دبیر احمد قاسمی ہیں، ''سخن ہائے گفتنی'' سے اس کا آغاز مولانا بدرالحسن قاسمی کی تحریروں سے ہوتا ہے، ''علمی وفقہی مسائل'' میں عصرِ حاضر کے جدید مسائل پر تحقیقی مقالات شائع کیے جاتے ہیں، ''کھوئے ہووؤں کی جستجو'' وفیات پر لکھنے کے لیے ہے ''کانفرنسیں وسیمینار'' میں عالمِ اسلامی میں فقہی موضوعات پر ہونے والے مذاکرات کی رپورٹس اوران میں زیرِ بحث آنے والے مسائل پر مختصر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں، جب کہ ''کتابوں کا تعارف'' جدید عربی و اردو کتابوں کے تعارف کے لیے خاص ہے، رسالہ اپنے مواد اور ترتیب کے ساتھ ظاہری سراپا میں بھی جمال ودل نشینی کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔

سہ ماہی ''شفا'' (صفحات: ۴۸)

یہ رسالہ دسمبر ۱۹۸۹ء سے شمالی بہار کی معروف ومرکزی علمی ودینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ دارالعلوم، بالاساتھ، سیتامڑھی سے مسلسل شائع ہورہا ہے، اس کے نگراں مولانا محمد فاروق قاسمی، مدیرِ اعلیٰ مولانا وقاری حفظ الرحمٰن (جو ادارے کے مہتمم بھی ہیں) مدیرِ تحریر ومرتب جامعہ کے شیخ الحدیث اور ضلع سیتامڑھی کے قاضیِ شریعت مولانا محمد عمران قاسمی، نائب مدیر مولانا مفتی ثناء اللہ عابد قاسمی اور معاون مدیر مولانا عزیز اختر قاسمی ہیں، رسالے کا آغاز مدیرِ تحریر کے بصیرت افروز اداریے سے ہوتا ہے، جسے وہ عموماً سماجیات اور وقفے وقفے سے دیگر موضوعات پر بھی ''معروضات'' کے عنوان سے لکھتے ہیں، اس کے بعد ''درسِ قرآن'' کے ذیل میں خداوندی پیغامات کی تفہیم وتبلیغ کی جاتی اور ''درسِ حدیث'' کے تحت نبویؐ ہدایات وتوجیہات سے روشناس کیا جاتا ہے، مقالات ومضامین کے کالم میں اکثر وبیشتر اساتذۂ دارالعلوم بالاساتھ کے علمی، دینی واصلاحی مقالات اور کبھی کبھی دوسرے اہلِ علم وقلم کے مضامین بھی شائع کیے جاتے ہیں، ''باب الاستفسار'' میں فقہی سوالات کے جوابات اور ''کوائفِ جامعہ'' کے تحت دارالعلوم بالاساتھ کی تعلیمی کارکردگیوں اور اس کے زیرِ انتظام علاقے کے مختلف گاؤں میں تعلیمی بیداری واصلاحِ معاشرہ کے زیرِ موضوع کیے جانے والے اجلاسوں کی روداد شائع کی جاتی ہے۔

سہ ماہی ''ندائے بصیرت'' (صفحات: ۸۰)

مدرسہ چشمۂ فیض، ململ، مدھوبنی کے ترجمان اس رسالے کی اشاعت ۲۰۰۲ء سے ہورہی ہے، اس کے سرپرست مولانا وصی احمد صدیقی قاسمی، چیف ایڈیٹر مولانا نظام الدین ندوی اور ایڈیٹر مولانا شافع عارفی قاسمی ہیں، ''نوائے بصیرت'' اس کا اداریتی کالم ہے، جب کہ ''درسِ قرآن'' اور ''درسِ حدیث'' بھی اس میں مسلسل شائع ہوتے ہیں، اس رسالے کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں گنے چنے اور سرسری موضوعات پر دو چار طولانی مضامین چھاپ کر کام چلانے کی بہ جائے علمی، ادبی، فکری، سیاسی، سماجی، طبی، سائنسی، تنقیدی وفقہی موضوعات پر چھوٹے چھوٹے اور عمدہ مضامین کی اشاعت پر زور دیا جاتا ہے، ''احوال وکوائف'' میں چشمۂ فیض کی خبریں ہوتی ہیں اور قارئین کی آرا اور ان کے مراسلات بھی بہ پابندی چھاپے جاتے ہیں، رسالے کی ترتیب بھی خوش انداز اور مدیر کے ذوق کی نفاست کا ''اعلامیہ'' ہوتی ہے۔

سہ ماہی ''دعوتِ حق'' (صفحات:۱۰۰)

ادارہ دعوتِ حق منورواشریف، سمستی پور(بہار) سے ۲۰۰۴ء سے جاری اس رسالے کے نگراں و مدیرِ اعلی مولانا اختر امام عادل قاسمی اور مدیر مولانا محمد رضوان قاسمی ہیں، یہ رسالہ اپنے سراپا کے اعتبار سے وقیع اور پر مغز ہوتا ہے، چوں کہ اس کے مدیرِ اعلیٰ خود بھی قلم وقرطاس سے گہرا اور طویل ناطہ رکھتے ہیں اور ہندوستان کے بہت سے مجلّات میں ان کے مضامین مستقل شائع ہوتے اور پسند کیے جاتے ہیں؛اس لیے اُن کا رسالہ بھی جہاں خود مولانا موصوف کی فکر انگیز تحریروں کا مرقع ہوتا ہے، وہیں ملک بھر کے مشاہیر اہلِ قلم کی نگارشات بھی اس میں پابندی سے چھاپی جاتی ہیں، ''تنقید وتبصرہ''، ''وفیات''، ''آپ کے خطوط'' اور ''خبریں'' بھی اس رسالے میں پابندی سے چھپتی ہیں، مئی ۲۰۰۵ء میں دینی مدارس کی تاریخ،نصابِ تعلیم ونظامِ تربیت اوران کو درپیش مسائل ومشکلات کے ہمہ گیر جائزوں کوشامل ۲۹۶ صفحات پر مشتمل اس کا خصوصی شمارہ بھی شائع ہوکر بے انتہا مقبول ہوا ہے۔

ماہ نامہ ''ندائے قاسم'' (صفحات:۶۴)

اس رسالے کی اشاعت ہر ماہ کے شروع میں صوبۂ بہار کے دارالسلطنت پٹنہ کے معروف علمی ودینی ادارے جامعہ مدنیہ، سبل پور سے ہوتی ہے،اس کا اجرا چھ سال قبل مذکورہ درس گاہ کے بانی مولانا محمد قاسم نے کیا تھا،اس رسالے کی نگرانی مولانا محمد ناظم فرماتے ہیں، جو جامعہ مدنیہ کے ناظم بھی ہیں، جب کہ اس کے مدیرِ مسئول مولانا محمد سالم اور مدیر مولانا خالد انور پورنوی ہیں، رسالے کی ابتدا مدیر تحریر کے ادارتی مضمون سے ہوتی ہے،اس کے بعد ''درسِ قرآن'' اور ''درسِ حدیث''، پھر مختلف علمی، ادبی، سیاسی وسماجی موضوعات پر مشہور اہلِ قلم کے عمدہ اور معلومات افزا مقالات ہوتے ہیں، اسلامی فقہ کی روشنی میں مسلمانوں کے شب وروز میں پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے ''کتاب المسائل'' کا کالم خاص ہے، ''آپ کے خطوط'' میں ایڈیٹر کے نام آنے والے خطوط شائع کیے جاتے ہیں اور ''شب وروز'' کے تحت جامعہ مدنیہ اور مہتمم جامعہ کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کی تفصیلات شائع کی جاتی ہیں۔

دو ماہی ''اصلاحِ امت'' (صفحات: ۶۴)

یہ رسالہ تنظیم اصلاحِ معاشرہ ضلع ارریہ کی جانب سے شائع ہوتا ہے، مولانا احمد نصر بنارسی اس کے سرپرست اور مولانا حدیث اللہ نصر بھاگل پوری مدیر ہیں، اس رسالے میں خالص اصلاحی نوعیت کے مضامین شائع کیے جاتے ہیں، تنظیم اصلاحِ معاشرہ کی سرگرمیوں اور تنظیم کے مقاصد کی تکمیل کے لیے مفید مواد کی اشاعت پر بھی اس رسالے میں کافی زور دیا جاتا ہے۔

سہ ماہی ''ندائے محمود'' (صفحات: ۸۸)

شمالی بہار کی معروف وقدیم ترین علمی درس گاہ مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم، دملہ، مدھوبنی (بہار) کا ترجمان یہ رسالہ فروری-اپریل ۲۰۱۳ء میں جاری ہوا ہے، اس کے چیف ایڈیٹر مولانا قاضی اعجاز احمد قاسمی، ایڈیٹر مولانا عمر فاروق قاسمی، سب ایڈیٹر مولانا یوسف قاسمی، معاون ایڈیٹر مولانا کفیل احمد قاسمی اور مینیجنگ ایڈیٹر مولانا محمد انس قاسمی ہیں، رسالہ اپنے مشمولات کے اعتبار سے ہمہ جہت اور انتہائی مفید ہے، اس کے پہلے شمارے میں درسِ قرآن وحدیث کے ساتھ سیاسیات، دینیات، سماجیات، ادبیات، شخصیات، خواتین کے مسائل ومشکلات اور نئے مسائل پر بھی جان دار تحریریں شائع کی گئی ہیں، مجموعی طور پر اس رسالے میں زندگی کے بھرپور آثار پائے جاتے ہیں اور اگر ذمہ داران کے حوصلہ وہمت کی تابانی برقرار رہے، تو اسے مجلّاتی صحافت میں منفرد شناخت حاصل ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

سہ ماہی ''صفا'' (صفحات: ۱۳۰)

یہ رسالہ حیدر آباد کی مشہور ومعروف اسلامی وعلمی دانش گاہ دار العلوم سبیل السلام سے نکلتا ہے، اس کا اجرا ۱۹۷۶ء میں اردو کے منفرد ادیب وخطیب مولانا محمد رضوان القاسمی دربھنگویؒ نے کیا تھا، اِن دنوں اس کے مدیرِ اعلیٰ مولانا محمد حسان القاسمی، مدیر ڈاکٹر سید حسنین احمد ندوی (فاضلِ دیوبند) مدیرِ مسئول مولانا نعمان بدر قاسمی ندوی اور نائب مدیر مفتی تنظیم عالم قاسمی ہیں، یہ رسالہ جہاں اپنے ظاہری پیراہن میں ''لباسِ حریر'' کا مصداق ہوتا ہے، وہیں مشمولات کی ہمہ

جہتی اور ان کے گونا گوں حسن کی وجہ سے اس میں مکمل طور پر ''عروسِ جمیل'' کی خوبو پائی جاتی ہے، جہاں اس رسالے کا افتتاحی کالم نو بہ نو موضوعات کا، ان کے تمام اطراف و جوانب کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، وہیں اس کے دیگر علمی، دینی، ادبی، تحقیقی و تنقیدی مقالات میں بھی بے پناہ علمیت، ادب کی چاشنی اور اسلوبِ نگارش کا جمال پایا جاتا ہے، ''سوال و جواب'' دینی مسائل کی تفہیم کے لیے خاص ہے، جب کہ ''خبر نامہ'' دارالعلوم سبیل السلام کی شبانہ روز کی سرگرمیوں اور ان کی تفصیلات سے آگاہی بخشنے کا ذریعہ ہے۔

سہ ماہی ''بحث و نظر'' (صفحات:۱۰۰)

یہ ایک خالص علمی، تحقیقی و فقہی رسالہ ہے، اس کا اجرا ۱۹۸۸ء میں فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے امارتِ شرعیہ، پٹنہ سے کیا تھا ان کی وفات تک اس کی اشاعت پٹنہ ہی سے ہوتی رہی، قاضی صاحب کی وفات کے بعد اس کا احیا مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے حیدر آباد سے کیا اور تب سے یہ رسالہ وہیں سے شائع ہو رہا ہے، فی الوقت اس کے مدیر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور نائب مدیر مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناظمِ امارتِ شرعیہ، پٹنہ ہیں، اس رسالے کا اپنی نمود کے اولِ دن سے ہی ایک خاص نہاد یعنی فقہی تحقیقات کی اشاعت اور باشعور مسلمانوں تک ان کی ترسیل ہے؛ چناں چہ اس کا ہر شمارہ اس حوالے سے بے انتہا افادیت کا حامل ہوتا اور عصرِ حاضر کے تناظر میں پیدا ہونے والے مسائلِ روز مرہ کی دیدہ ورانہ تحقیق، چھان پھٹک اور قرآن وسنت اور اسلامی منصوصات کی روشنی میں ان کے تشفی بخش حل پر مشتمل ہوتا ہے، ویسے اس کے اداریے میں فاضل مدیر کی ملکی و عالمی سیاسیات اور مسلم معاشرے میں پائے جانے والے اتار چڑھاؤ پر بصیرت مندانہ تجزیاتی تحریریں بھی خاص معنویت کی حامل ہوتی ہیں، اسی طرح فقہی شخصیات اور فقہی اداروں کا تعارف اور مولانا رحمانی کے قائم کردہ ادارے ''المعہد العالی الاسلامی'' کی خبریں بھی اس مجلّے میں بہ مواظبت شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''الفیصل'' (صفحات: ۳۲)

مرکزِ اسلامی، حیدرآباد سے شائع شدہ اس رسالے کے مدیرِ مسئول مولانا محمد ہاشم القاسمی ہیں، یہ رسالہ اپنی قامت وضخامت کے اعتبار سے گرچہ بہت زیادہ وقیع نہیں کہا جاسکتا، مگر اس کے مواد ومضامین کی ہمہ جہتی اور زبان وبیان کے اعتبار سے اس رسالے کی شگفتگی اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتی ہے، جہاں اس کا ''حرفِ آغاز'' مدیرِ مسئول کی عصری آگہی، سیاسی بصیرت، علمی گیرائی، مطالعاتی عمق، مشاہداتی وسعت اور مختلف اسالیبِ نثر کو بہ خوبی برتنے پر ان کی بھرپور قوت کا عکاس ہوتا ہے، وہیں اس میں شائع ہونے والا ہر مضمون خواہ علمی ہو یا فکری، دینی ہو یا سیاسی، سماجی ہو یا ادبی وتنقیدی اور اصلاحی واخلاقی؛ اپنے آپ میں بے مثال اور قاری کے افکار وخیالات اور معلومات کی کائنات میں بیش از بیش اضافات کرنے والا ہوتا ہے۔

ماہ نامہ ''ضیاے علم'' (صفحات: ۴۸)

مجلسِ علمیہ، آندھرا پردیش کا ترجمان یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۲ء سے شائع ہو رہا ہے، اس کے سرپرست مولانا سید اکبر مفتاحی، مدیرِ مسئول مولانا محمد عبد القوی اور مدیرِ تحریر مولانا احمد ومیض ندوی ہیں، جب کہ مجلسِ ادارت کے ارکان مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا سید احسان الدین قاسمی ہیں، اس کا سراپا بھی انتہائی باوقعت اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اداریہ سمیت اس کے تمام مضامین معاصر افکار وسیاسیات اور سماجی مسائل کے عمدہ تجزیوں اور فکر انگیز تبصروں پر مشتمل ہوتے ہیں، باطل فرقوں کی دھاچوکڑیوں اور منحرفانہ ذہنیتوں کے حامل اربابِ فکر وتحقیق کی سمیت وزہرناکی سے بھی اس رسالے میں پابندی سے باخبر کیا جاتا ہے، ''وفیات'' بھی اس کا مخصوص کالم ہے، جس میں علمی ودینی اشخاص کی وفات پر تاثراتی تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''نداے صالحین'' (صفحات: ۴۸)

مدرسۂ صالحین، حیدرآباد کا یہ ماہانہ آرگن اکتوبر ۲۰۰۶ء سے لگاتار نکل رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن مفتاحی، مدیرِ اعلیٰ مفتی محمد سلمان منصورپوری اور مرتب

و مدیرِ مسئول مفتی احمد عبدالحسیب تنویر قاسمی ہیں، یہ ایک دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ ہے اور اس کے تمام تر مضامین بہ شمول اداریہ ان ہی موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں، رسالے کے اخیر میں ادارے کے زیرِ اہتمام طبع ہونے والی کتابوں کا تعارف بھی عموماً شائع ہوتا ہے۔

ماہ نامہ ''حضرتِ عائشہؓ'' (صفحات: ۵۲)

اس رسالے کے سرپرست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مدیر حافظ محمد خواجہ نذیر الدین سبیلی اور نائب مولانا عارف باللہ قاسمی ہیں اور یہ جامعہ عائشہ، حیدرآباد سے گزشتہ پانچ سالوں سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مشمولات تمام تر علمی و دینی انداز کے ہوتے ہیں اور مسلم معاشرے کو دعوتِ اصلاح دینے والی تحریریں بھی اس میں مسلسل چھاپی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''پیام'' (صفحات: ۴۰)

یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۸ء سے مدرسہ اسلامیہ دار العلوم رحمانیہ، حیدرآباد سے شائع ہو رہا ہے، اس کے مدیرِ مسئول مولانا مفتی غیاث الدین رحمانی قاسمی، مدیر مفتی محمود زبیر قاسمی اور نائب مدیر مولانا محمد مجیب الدین قاسمی ہیں، اس رسالے کا اداریہ، جسے مدیر مفتی محمود زبیر قاسمی لکھتے ہیں، عمدہ اور معلوماتی ہوتا ہے، ''درسِ قرآن'' اور ''درسِ حدیث'' بھی اس کے خصوصی اور مسلسل چھپنے والے کالم ہیں، ان کے علاوہ ''فقہیات''، ''اصلاحِ معاشرہ''، ''تعلیم و تربیت''، ''مقالات و مضامین''، ''گوشۂ ختمِ نبوت'' اور ''احوال و کوائف'' بھی اس رسالے کے مستقل کالم ہیں، جنھیں ہر ماہ بڑی لگن اور خوش اسلوبی کے ساتھ برتا جاتا ہے۔

ماہ نامہ ''اشرف الجرائد'' (صفحات: ۴۸)

ادارہ اشرف العلوم، حیدرآباد کا ترجمان یہ رسالہ بھی ۲۰۰۸ء کی جنوری سے نکل رہا ہے، اس کے مدیر مولانا محمد عبدالقوی اور ان کے معاونین مفتی مقبول احمد مفتاحی، مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی، مولانا سید نذیر احمد قاسمی اور مولانا فرید احمد قاسمی ہیں، اس رسالے کا مزاج بھی خالص علمی و اسلامی ہے، اس کے ''پیشِ گفتار'' میں عموماً اکابر علما و بزرگانِ دین کے نصیحت آمیز مضامین و افادات شائع کیے جاتے ہیں، ''درسِ قرآن'' و ''درسِ حدیث'' بھی دیگر مذہبی رسائل کی مانند اس

کے مستقل کالم ہیں، ''سرمایۂ بصیرت'' گزشتہ یا موجودہ کسی بڑے عالم واہلِ قلم کے فکر انگیز مضمون کے لیے خاص ہے، ''شعائرِ اسلامی'' پر بھی اس میں عمدہ نگارشات چھپتی ہیں، عباداتِ اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر بھی اکثر لکھا جاتا ہے، ان کے علاوہ اسلامی مدارس کے ذمے داران، اساتذہ وطلبہ کے لیے بھی اس میں خاص مضامین شائع ہوتے ہیں، حمدیہ ونعتیہ نظمیں، مختلف معاشرتی موضوعات پر شرعی مسائل اور منتخب قومی وعالمی خبریں بھی اس رسالے میں بہ اہتمام شائع کی جاتی ہیں، یہ رسالہ ''تحفظِ مدارسِ دینیہ'' کے عنوان سے مارچ ۲۰۱۰ء میں اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق حقیؒ کے خلیفۂ اجل مولانا قاری امیر حسنؒ کی حیات وخدمات پر نومبر ۲۰۱۲ء میں انتہائی وقیع، دستاویزی وتاریخی خصوصی شمارے بھی نکال چکا ہے۔

پندرہ روزہ ''اصلاحِ معاشرہ'' (صفحات: ۴۸)

یہ میگزین جماعتِ اصلاحِ معاشرہ وازالۂ منکرات، حیدر آباد کا ترجمان ہے اور جنوری ۲۰۰۹ء سے جاری ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ ایم اے نعیم، مدیر مفتی تنظیم عالم قاسمی، نائب مدیر مولانا ممشاد علی قاسمی اور معاون مولانا خالد بانجاح نظامی ہیں، اس رسالے کا بھی جہاں ظاہر خوش منظر ہوتا ہے، وہیں معنوی اعتبار سے بھی اس میں رنگا رنگی اور قاری کی ذہنی تسکین کا بھرپور سامان پایا جاتا ہے، یہ رسالہ تفسیرِ قرآن، تشریحِ حدیث، اصلاحِ اخلاق واحوال اور سماجیات وسیاسیات پر بیش قیمت اور اثر انگیز تحریروں کے ساتھ خاص عورتوں اور بچوں کے لیے بھی مضامین اور مختصر کہانیاں شائع کرتا ہے، طبی مقالات اور فکاہی واقعات کے علاوہ ملکی خبریں، بین الاقوامی خبریں، دیگر جماعتی رپورٹس اور جماعتِ اصلاحِ معاشرہ وازالۂ منکرات کے شب وروز بھی اس کے مستقل کالم ہیں اور سبھوں کو پوری محنت، دل چسپی اور دیدہ ریزی کے ساتھ برتا جاتا ہے، اس رسالے کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کے اداریے اور حسبِ صواب دید چند اہم مضامین کے انگریزی وتیلگو ترجمے بھی افادے کی توسیع کی غرض سے ہر شمارے میں شائع کیے جاتے ہیں۔

چہار ماہی ’’حدیث‘‘ (صفحات: ۱۴۸)

مرکزِ امام محمد قاسم نانوتویؒ برائے بین الاقوامی اسلامی ایوارڈ، حیدرآباد سے خوب صورت کتابی سائز میں شائع ہونے والے اس علمی، تحقیقی و دستاویزی مجلّے کے سرپرست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مدیر اُن کے قابل فرزند مولانا عمر عابدین قاسمی مدنی ہیں، اس کا پہلا شمارہ جنوری-اپریل ۲۰۱۳ء میں منظرِ عام پر آیا ہے، اپنے مشمولات کے اعتبار سے یہ نہایت ہی انفرادی نوعیت رکھنے والا مجلّہ ہے اور ہندوستان بھر سے شائع ہونے والے بے شمار علمی و دینی رسائل میں یہ اپنے اعلیٰ علمی و تحقیقی معیار کے لحاظ سے اول نمبر پر رکھے جانے کے قابل ہے، علومِ حدیث کے مختلف اطراف و جوانب پر تحقیقی مواد پیش کرنا اور اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے مواد فراہم کرنا اس رسالے کا ارتکازی ہدف ہے اور اس کے پہلے شمارے کے مقالات سے یہ اندازہ لگانا بالکل بہ جا ہے کہ مدیرِ رسالہ نے اپنے مقصد کو صرف قرطاس تک محدود نہیں رکھا ہے؛ بلکہ اس کو برتنے کی بھی مکمل کوشش کی ہے؛ چناں چہ اس شمارے کے آغاز میں ملک و بیرونِ ملک کے چوٹی کے اہلِ علم و قلم کے حوصلہ افزا پیغامات کے بعد پہلے نمبر پر معروف حنفی عالم شیخ عوامہ کے صاحب زادے ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ کی علامہ ابن الصلاح کی معروف کتاب ’’علوم الحدیث‘‘ پر مبسوط اور بصیرت افروز ریویو کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے، دوسرا مضمون مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا ’’حدیث سے اخذ و استنباط میں فقہاے حنفیہ کا منہج‘‘ کے عنوان سے ہے، مولانا موصوف نے اس میں تاریخی حقائق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ ائمۂ احناف استنباطِ احکام میں قرآن کے بعد احادیث کو کس قدر زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اس کو پڑھنے کے بعد بعض کور مغزوں کی طرف سے دیے جانے والے اُس مغالطے کی قلعی کھل جاتی ہے کہ احناف احادیث پر اعتماد نہیں کرتے اور حدیث کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، تیسرا مقالہ مدیرِ رسالہ کا ’’صحابیاتؓ اور خدمتِ حدیث‘‘ کے عنوان سے اپنے موضوع پر بھرپور، مکمل اور بیش قیمتی ہے، چوتھا مقالہ بہ عنوان ’’خواتین اور کسبِ معاش: حدیث و سیرت کے حوالے سے‘‘ ہے، مقالہ نگار ڈاکٹر ثمینہ تابش، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد ہیں، یہ مقالہ بھی انتہائی مرتب، محقق اور معلومات افزا ہے' پانچواں مقالہ ’’قائدانہ صفات: کتاب و سنت کی روشنی میں‘‘ (مترجم) کے عنوان سے الاستاذ ابو زید المقری کا ہے، اس میں مختلف ذیلی عناوین اور وقیع

مباحث کے ذریعے قیادتِ اسلامی اور اسلامی قائد کے اوصاف ومقتضیات پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، چھٹے نمبر پر معروف عالمِ دین اور اسلامی اسکالر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کا مضمون ''حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ: معروف محدث اور حاشیہ نگار'' ہے، اس میں موصوف نے اپنے فن کارانہ اسلوب اور محققانہ اسٹائل میں حضرت سہارن پوری کی حیات اور ان کی حدیثی خدمات پر روشنی ڈالی ہے، اخیر میں ''فقہ السنہ'' کا کالم ہے، جس کے تحت کتاب وسنت کی روشنی میں مختلف شرعی سوالوں کا حل پیش کیا گیا ہے...... مولانا عمر عابدین کا یہ اقدام بلاشبہ ہندوستان کے معاصر علمی ماحول میں نئے طرز کا ہے، اگر ان کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی اور وہ اس رسالے کو پابندی سے نکالتے رہے، تو ان شاء اللہ اس کے ذریعے علمِ حدیث کی وقیع وثمردار خدمت انجام پائے گی اور علمِ حدیث پر بحث وتحقیق کے نئے دروازے کھلیں گے۔

ماہ نامہ ''نقوشِ عالم'' (صفحات: ۵۶)

جنوری ۱۹۹۶ء سے جاری بنگلور کے اس رسالے کے چیف ایڈیٹر ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی، ایڈیٹر ڈاکٹر محمد فاروق اعظم حبان قاسمی اور سب ایڈیٹر مولانا محمد عثمان حبان دل دار قاسمی ہیں، یہ رسالہ اپنی جاذبِ نظری اور موضوعات کی کثیر جہتی کی بنا پر کافی شہرت یاب اور پسندیدہ ہے، اس کے نقشِ اول سے لے کر نقشِ آخر تک کا ہر نقش بڑا ہی دل چسپ اور اثر آفریں ہوتا ہے، اس میں جہاں عالمِ اسلام بالخصوص اسلامیانِ ہند کے سماجی، سیاسی، معاشرتی ومذہبی مسائل اور عصریات پر سیر حاصل مضامین شائع ہوتے ہیں، وہیں مسلمانوں کی موجودہ سب سے بڑی ٹریجڈی تشتت وافتراق اور تحزب پسندی وتفرقہ بازی سے نجات دلانے کے لیے قرآنِ کریم اور اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں مسلسل ایسے مضامین بھی چھاپے جاتے ہیں، جو مسلمانوں کی مسلکی منافرتوں اور گروہی خلیجوں کو پاٹنے میں معاون ثابت ہوں، اس رسالے کی ایک اور صفت، جو اسے انفرادیت وتمیز عطا کرتی ہے، وہ اس میں ہر ماہ شائع ہونے والا طب اور مختلف النوع امراضِ انسانی سے متعلق انتہائی مفید اور معلومات افزا مضامین کا معتد بہ ذخیرہ ہے، یہ رسالہ ہر سال ایک خصوصی شمارہ بھی وقتی ضرورت کے تحت کسی نہ کسی خاص موضوع پر نکالتا ہے، ماضی میں اس کے کئی خصوصی نمبرات نکل چکے ہیں، جن میں ''سیرتِ مصطفیٰؐ نمبر''، ''مدارسِ اسلامیہ نمبر''، اور ''زکوٰۃ نمبر'' کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اب تک ان کے کئی ایڈیشن بھی چھپ چکے ہیں۔

ماہ نامہ ''میڈیا اسکین'' انگریزی (صفحات: ۴۰)

جنوری ۲۰۰۹ء سے اشاعت پذیر اس انتہائی معیاری ومقبول انگریزی میگزین کے چیف ایڈیٹر ایم اے رحیم اور ایڈیٹر عبدالعلیم جنید ہیں، ایڈیٹوریل سے اس رسالے کا آغاز ہوتا ہے، جس میں چیف ایڈیٹر کی معاصر احوال ومسائل پر چشم کشا اور فکر انگیز تحریر ہوتی ہے، ''اِن باکس'' میں ہندو بیرونِ ہند کے قارئین کے خطوط و پیغامات شائع کیے جاتے ہیں، ''میڈیا ڈائری'' میں عموماً ان حساس موضوعات کو چھیڑا جاتا ہے، جو مسلم کمیونٹی سے وابستہ ہوتے اور جن کے تئیں قومی میڈیا پہلو تہی ونظر اندازی کا رویہ اختیار کرتا ہے، ''کور اسٹوری'' میں خاص اور منفرد نوعیت کے حامل عنوانات پر لکھا جاتا ہے، ''نیشنل'' قومی سیاسیات ومعاشرت پر مضامین کے لیے خاص ہے، ''اسٹیٹ اسکین'' میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے حالات پر تجزیاتی مضامین شامل کیے جاتے ہیں، ''انٹرنیشنل'' عالمی مسائل کے لیے خاص ہے، ''نیوز ان بریف'' میں منتخب مختصر سیاسی، ملی و سماجی خبریں ہوتی ہیں، ان کے علاوہ ''ایجوکیشن'' اور ''ہیلتھ'' بھی اس کے مستقل کالم ہیں۔

ماہ نامہ ''ضیاء'' (صفحات: ۵۸)

جامعہ ضیاء العلوم، کنڈلور، ضلع اڈپی (کرناٹک) سے جولائی ۲۰۱۲ء سے یہ رسالہ نکل رہا ہے، اس کے سرپرست مولانا سید رابع حسنی ندوی، مدیر مولانا ضمیر احمد خلیفہ رشادی اور نائب مدیر مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی ہیں، یہ رسالہ نو خیز ہے، مگر اپنے اندر جذب وکشش کی کئی ساری خوبیاں رکھتا ہے، اس میں عام اسلامی، اخلاقی، سماجی، سیاسی وعلمی موضوعات کے ساتھ فکری، تحقیقی وادبی موضوعات پر بھی معیاری اور خوب صورت مضامین شائع کیے جاتے ہیں، ''یادِ رفتگاں'' وفات پانے والے اہلِ علم وادب پر تعزیتی وتاثراتی تحریروں کے لیے خاص ہے، ''گوشۂ طلبہ'' میں جامعہ کے باذوق متعلمین کے مضامین شائع کیے جاتے ہیں، ''احوال وکوائف'' بھی اخبارِ جامعہ کی اشاعت کے لیے اس کا مستقل کالم ہے۔

ماہ نامہ ''تکبیرِ مسلسل'' (صفحات:۴۰)

یہ رسالہ ستمبر۲۰۱۲ء سے مجلس تحفظِ شریعت، کرناٹک کی طرف سے نکل رہا ہے، اس کے مدیر مسئول مولانا مفتی شعیب اللہ خاں مفتاحی، مدیر مولانا افتخار احمد قاسمی اور مرتب مولانا نذیر احمد قاسمی ہیں، ''شذرات'' کے عنوان سے اس کا اداریہ مدیر رسالہ سیاسیات وسماجیات پر لکھتے ہیں، ''قرآن آپ سے مخاطب ہے'' اور ''حدیث آپ سے ہم کلام ہے'' اس کے خصوصی کالم ہیں، ان کے علاوہ ''علمی مقالات''، ''اصلاحی مضامین''، ''شخصیات''، ''تبرکاتِ اکابر'' اور ''اخبارِ جہاں'' بھی اس رسالے کے باضابطہ کالم ہیں، جنھیں بہ مواظبت برتا جاتا ہے، اس رسالے کا ظاہری پیکر بھی باصرہ نواز اور ترتیب وتدوین بھی دل آویز ہوتا ہے۔

ماہ نامہ ''انابت'' (صفحات:۶۴)

یہ رسالہ چنئی سے مارچ ۲۰۱۱ء سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا مفتی شعیب اللہ خاں مفتاحی، نگراں مولانا محمد امجد ومفتی احمد بیات، مدیر تحریر مفتی سعادت اللہ خان، نائب مدیر مولانا محمد آفتاب عالم ندوی اور مدیر مسئول مولانا اسامہ عمران ذاکر قاسمی ہیں، یہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، خالص دینی واصلاحی ہے اور ایسے مضامین کی اشاعت پر اس کا ارتکاز ہے، جو مسلمانوں میں فکرِ آخرت، زندگی کے ہر شعبے میں اتباعِ سنت کا جذبہ، اللہ کی طرف رجوع وانابت اور اس کے سامنے تضرع اور ابتہال کا داعیہ پیدا کرنے والے ہوں، اسی محوری مقصد کے ذیل میں اس رسالے میں قرآنی آیات کی تفسیر، احادیثِ مبارکہ کی تشریح، سماجیات وعقائد سے متعلق تحریریں، تزکیہ واحسان کی ترغیب دینے والے مواد، فقہ وفتاویٰ، صحابہؓ کی زندگیوں کے روشن واقعات اور خواتینِ اسلام کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی وبامرادی سے ہم کناری کا ضامن طرزِ زندگی کی تلقین کرنے والے اصول مسلسل شائع کیے جاتے ہیں، اس کی ایک خاص صفت یہ بھی ہے کہ اس میں شائع شدہ اردو مضامین کے انگریزی ترجمے بھی دائرۂ افادیت کو پھیلانے کی غرض سے ہر ماہ شائع کیے جاتے ہیں، اس رسالے کی اپنی ویب سائٹ بھی www.inaabat.com کے عنوان سے ہے، جس پر اس کا ہر تازہ شمارہ پڑھا جاسکتا ہے۔

ماہ نامہ ''صوت القرآن'' (صفحات:۶۴)

اس رسالے کی اشاعت شاہ وجیہ الدین اکیڈمی، احمد آباد (گجرات) سے جولائی ۱۹۹۹ء سے ہورہی ہے، اس کے بانی و مدیرِ مسئول مولانا عبدالاحد قاسمی تاراپوری اور مرتب مفتی رضوان القاسمی تاراپوری ہیں، اس کا اداریہ عموماً سیاسیات پر مدیرِ رسالہ لکھتے ہیں ''رسالت''، ''لمحۂ فکریہ''، ''یادِ ایام''، ''قرآنیات''، ''معرفت''، ''گوشۂ طلبہ''، ''حالاتِ حاضرہ''، ''اصلاحِ معاشرہ''، ''سوال وجواب''، ''احوال وکوائف'' اور ''آپ کے خطوط'' اس رسالے کے مستقل کالم ہیں، ''لقاے رب'' بھی اس کا خاص کالم ہے، جس میں ملکی وعالمی سطح کی علمی ودینی شخصیات کی وفات پر تعزیتی وتاثراتی مضامین شائع کیے جاتے ہیں، مذکورہ ادارے سے گجراتی زبان میں بھی ایک اصلاحی وتبلیغی رسالہ ''آنند'' کے نام سے ہر ماہ نکلتا ہے۔

ماہ نامہ ''ندائے حرم'' (صفحات:۴۰)

مئی ۲۰۱۰ء سے اشاعت پذیر یہ رسالہ جامعہ کنز العلوم، احمد آباد (گجرات) کا ترجمان ہے، اس کے ادارۂ تحریر میں مولانا محمد صدیق پٹنی اور مولانا محمد جنید اکبر ندوی ہیں، جب کہ اس کے مدیرِ مسئول مولانا احمد حسین پٹنی مظاہری ہیں، یہ رسالہ اکثر وبیش تر اصلاحی واخلاقی مضامین شائع کرتا ہے، فکری موضوعات پر بھی وقفے وقفے سے اس میں اچھے مقالات چھاپے جاتے ہیں، تحقیقی وتاریخی عنوانات پر بھی لکھا جاتا ہے، اسی طرح اسلام کی منور تعلیمات سے متاثر ہوکر اس کے حظیرۂ قدس میں پناہ لینے والے خوش بخت افراد کے اسلام قبول کرنے کی روداد یں بھی اکثر اس رسالے میں شائع کی جاتی ہیں، ''فقہی مسائل'' بھی اس کا ریگولر کالم ہے، جس میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا حل کیا جاتا ہے۔

ماہ نامہ ''حج میگزین'' (صفحات:۷۲)

یہ رسالہ حج کمیٹی آف انڈیا کا آرگن ہے، اس کے مدیر ڈاکٹر شیخ شاکر حسین، معاون محبوب خان پٹھان اور نائب مدیر مولانا محمد شاہد ناصری حنفی ہیں، ''ندائے حرا'' اور ''ندائے طیبہ'' سے اس

رسالے کی شروعات ہوتی ہے، پھر نائب مدیر کے قلم سے اسلامیات اور موقع بہ موقع سیاسیات پر بھی تجزیاتی اداریہ ہوتا ہے، ''اعیان الحجاج'' میں اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں حج وزیارت سے شرف یاب ہونے والے مشاہیرِ امت کے اسفار کی روداد چھاپی جاتی ہے، ''معلم الحجاج'' حج اور ارکانِ حج وعمرہ سے آگاہی بخشنے کا ذریعہ ہے، ''حرمین شریفین'' میں مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کی تاریخ اور حرمین شریفین سے متعلق مضامین اشاعت پذیر ہوتے ہیں، ''سیرت الانبیا'' بھی اس کا مستقل، بہترین اور دل کش کالم ہے، ''حج اور ہندوستان'' کے گوشے میں گزشتہ زمانوں میں حج وزیارت سے مشرف ہونے والے کبارِ علماے ہند کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں، ''حج کی مشکلات اور ان کا حل'' بھی سلسلہ وار کالم ہے، جس میں سعودی حکومت کی شرعی سنگینی کے نتیجے میں قرنِ اول کے بے نشان کردیے گئے متبرک مقامات کی نشان دہی کی جاتی اور دورانِ سفرِ حج کے متوقع اندیشوں سے خلاصی کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں، ''سفر نامۂ حجاز'' میں ماضی کے اہلِ علم وقلم کے سفرنامہ ہاے حجاز کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، ''مضامین ومقالات'' میں دیگر علمی، دینی وسماجی مضامین چھپتے ہیں، ہر مہینے کم ازکم ایک طبی مضمون بھی بالالتزام شائع ہوتا ہے اور ان سب کے علاوہ ''حج کمیٹی کی خبریں''، ''ایڈیٹر کی ڈاک'' اور ''رنگِ سخن'' (شعری کالم) بھی پابندی سے چھاپے جاتے ہیں۔

ماہ نامہ ''منشورِ کاشف'' (صفحات:۴۸)

جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، اورنگ آباد (مہاراشٹر) کا ترجمان یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۳ء سے لگاتار شائع ہورہا ہے، اس کے مدیرِ اعلیٰ مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی، مدیرِ تحریر مولانا محمد معز الدین فاروقی ندوی، نائب مدیر مولانا محمد کلیم الدین کاشفی ندوی اور ارکانِ ادارت مولانا محمد مجیب الدین قاسمی، مولانا محمد نسیم الدین مفتاحی، مولانا مفتی محمد نعیم مفتاحی، مولانا عبد القدیر قاسمی ندوی، پروفیسر عبد الوہاب جذب، مولانا شیخ علیم الدین ندوی اور مولانا عبد اللہ قاسمی ہیں، اداریے سے اس کی شروعات ہوتی ہے، جو عموماً مذہبی عنوانات پر لکھا جاتا ہے، درسِ قرآن وحدیث بھی اس کے مسلسل کالم ہیں، مضامین کے کالم میں بھی عموماً دینی واصلاحی عناوین ہی کو سمیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے، اردو کے معروف شعرا کا کلام بھی چھاپا جاتا ہے، فقہی مسائل کے حل کے

لیے ''سوال آپ کے''اس کا مستقل کالم ہے، جب کہ جامعہ کے شب و روز بھی بہ اہتمام چھاپے جاتے ہیں، موقع بہ موقع یہ رسالہ خصوصی نمبرات بھی نکالتا ہے۔

ماہ نامہ ''ایسٹرن کریسینٹ'' انگریزی (صفحات: ۴۸)

دار العلوم دیو بند کے رکنِ شوریٰ مولانا بدر الدین علی اجمل القاسمی کا قائم کردہ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ممبئی گزشتہ بیس سالوں سے مدارس، بالخصوص فضلاے دار العلوم دیو بند کو انگریزی زبان و ادب کی زبردست، منظم اور انتہائی مفید و ثمر خیز تعلیم دے رہا ہے؛ چناں چہ گزشتہ دو عشروں کے دوران وہاں سے سیکڑوں فضلاے دیو بند تیار ہو کر ملکی و عالمی سطح پر دینِ حنیف کی وسیع تر خدمات میں سرگرم ہیں اور مسلکِ دیو بند کی ترجمانی کا عظیم الشان کارنامہ انجام دے رہے ہیں، ساتھ ہی یہ ادارہ بہ طورِ خود بھی صاف شفاف، معیاری، مقصدی و اسلامی صحافت کو انگریزی زبان کے عصری اسلوب و طرزِ بیان میں ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اسلامی افکار و تعلیمات و ہدایات کی تبلیغ کرنے کا بھی بے مثال کارنامہ انجام دے رہا ہے، مئی ۲۰۰۶ء سے نکل رہے نظر کو خیرہ کر دینے والی طلعت و تابش اور باوزن مشمولات سے مزین اس کے انگریزی ماہانہ رسالہ ''ایسٹرن کریسینٹ'' کے چیف ایڈیٹر مولانا برہان الدین قاسمی اور سب ایڈیٹر مولانا مدثر احمد قاسمی ہیں، جب کہ اس کے سرپرست مولانا بدر الدین علی اجمل القاسمی ہیں، ہندوستان کے مشہور شہروں میں اس رسالے کے باضابطہ رپورٹرز اور کالم نگار پائے جاتے ہیں، جن میں سے بیش تر نسبتِ قاسمی سے بہرہ ور ہیں اور وہ ہر ماہ اپنے شہر کی سیاسی خبروں کے ساتھ ان پر تجزیاتی مضامین بھی رسالے کو ارسال کرتے ہیں، احمد آباد (گجرات) سے عبد الحفیظ لکھانی، دہلی سے سکندر اعظم قاسمی، گوہاٹی سے رنجیت کمار چودھری، دیو بند سے مفتی محمد اللہ خلیلی قاسمی، کشمیر سے ڈاکٹر محمد حنیف مہاجن، کیرالا سے مثیر خان قاسمی، کولکاتہ سے یاسر عمار اسماعیل اور پٹنہ سے منظر بلال قاسمی اس کے لیے مسلسل رپورٹنگ اور کالم نگاری کرتے ہیں، رسالے کا آغاز قرآنی حکم و اسرار کی تبیین سے ہوتا ہے، اس کے بعد ملکی و عالمی سیاسیات پر خبریں اور مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اسلامی عنوانات پر بھی اکثر و بیش تر لکھا جاتا ہے، سماجیات بھی اس کا مستقل کالم ہے، تاریخ کے محقق مآخذ کی روشنی میں مستند تحریریں بھی اس رسالے میں اہتمام سے چھاپی جاتی ہیں، اس کے

صفحات پر متعدد اکابر دیوبند کے وقیع علمی، اصلاحی وتاریخی رشحات بھی ترجمہ کرکے شائع کیے جاچکے ہیں، مسلمانوں کے شب وروز کے دینی مسائل کے حل کے لیے "کوئچن فضر" اس کا رگولر کالم ہے، "لیٹرٹو دی ایڈیٹر" میں ہندوستان وبیرون ہند سے ایڈیٹر کے نام آنے والے خطوط شائع کیے جاتے ہیں، رسالے کا اداریہ، جو اس کا "افتتاحیہ" بھی ہوتا ہے، اپنے اندر مدیر کی غیر معمولی علمیت، شعور کی بلندی، وسعتِ نگاہی اور انگریزی زبان وادب کے خم وپیچ سے بہ تمام وکمال آگاہی کا مرقع ہوتا ہے، ۲۰۰۸ء میں یہ رسالہ ہندوستان بھر کی اسلامی انگریزی میگزینس میں سب سے پسندیدہ قرار دیا جاچکا ہے۔

ماہ نامہ "ادراکِ جدید" (صفحات: ۶۴)

مدرسہ فیض العلوم، نیرل، کوکن سے اکتوبر ۲۰۰۸ء سے اس رسالے کی اشاعت ہورہی ہے، اس کے سرپرست مولانا شوکت علی نظیر، نگراں مولانا عبدالسلام کلیائی اور مدیر مسئول مولانا عبدالسلام نجے القاسمی ہیں، پُرمغز اور مفکرانہ اداریے سے اس کا آغاز ہوتا ہے، "درسِ قرآن" و "درسِ حدیث" بھی اس کے خاص کالم ہیں، ان کے علاوہ مختلف علمی، دینی، اصلاحی، تحقیقی وتاریخی موضوعات پر مشہور وقابلِ قدر اربابِ قلم کی نگارشات بھی اس رسالے میں بہ پابندی چھاپی جاتی ہیں، درونِ رسالہ جگہ بہ جگہ شعری قطعات، نصیحت آمیز وحکمت ریز اقوال اور تاریخ کی معتبر تحریروں کے اقتباسات کا اندراج اور ساتھ ہی رسالے کی ظاہری چمک دمک اور دیدہ زیبی فاضل مدیر کی غیر معمولی علمی آگہی، فکر کی بلندی، سلیقہ مندی، نفاست پسندی اور جمالیاتی ذوق کی غمازی کرتی ہے۔

ماہ نامہ "اسلامی تجارہ" انگریزی (صفحات: ۸۴)

یہ رسالہ انگریزی زبان میں ممبئی سے فروری ۲۰۰۹ء سے نکل رہا ہے، مولانا محمد ولی رحمانی اور ماہرِ اقتصادیات ڈاکٹر ایم وائی خان اس کے نگراں اور چیف ایڈیٹر امتیاز رحمن مرچنٹ ہیں، جب کہ معاون ایڈیٹران میں مفتی محمد یحیٰ قاسمی، مفتی محمد انوارالحق قاسمی اور عبیدالرحمن خان شامل ہیں، یہ رسالہ بنیادی طور پر اسلامی معاشیات اور ان کے متعلقات پر قرآن وحدیث کی تصریحات اور متقدمین ومتاخرین فقہا کی تحقیقات پیش کرتا ہے، ان کے علاوہ قومی وبین اقوامی سطح پر پائے

جانے والے معاشی نظریات وقوانین کا اسلامی فقہ کی روشنی میں تجزیہ بھی کیا جاتا ہے، عالمی پیمانے پر پایا جانے والا معاشی بحران اور اقتصادی تپ محرقہ، جس سے ترقی پذیر وترقی یافتہ؛ ہر دو قسم کے ممالک دوچار ہیں، ان سے نمٹنے کے لیے ان معاشی اصولوں کی نشان دہی بھی کی جاتی ہے، جو قرآن وسنت سے مترشح ہوتے اور جن کا ایک طویل زمانے تک اسلامی حکومتیں انتہائی کامیاب تجربہ کرچکی ہیں، اس رسالے میں اسلامی معاشیات سے متعلق پوچھے گئے سوالوں کے جوابات اور قارئین کے مراسلات بھی ہر ماہ شائع کیے جاتے ہیں...... ایسے وقت میں، جب کہ چہار دانگ عالم میں سود، قمار بازی، رشوت، خرید وفروخت کی استحصالانہ شکلیں اور نہ جانے لوٹ کھسوٹ کے کتنے متعارف وغیر متعارف طریقے رائج ہیں، دارالعلوم دیوبند کے ان باکمال فضلا کا یہ رسالہ دانش وراور انگریزی داں مذہب پسند طبقہ اور متدین قسم کے تجارت پیشہ مسلمانوں کو انتہائی شفاف اور دونوں جہانوں کی فلاح وکامرانی کی ضامن سرمایہ کاری وتجارت کی بہترین، نفع بخش، معتبر اور مستند ''گائیڈ لائن'' فراہم کررہا ہے، بحمد اللہ یہ رسالہ اپنے مقصد میں کامیابی کی منزلیں بھی بہ سرعت طے کرتا جارہا ہے اور مختصر مدتِ اشاعت میں اس کے قارئین کا دائرہ ہندوستان سے گزر کر ایشیا کے دیگر ممالک اور یورپ وافریقہ تک پہنچ چکا ہے۔

ماہ نامہ ''باب العلم'' (صفحات: ۴۸)

فیروس ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی طرف سے یہ رسالہ اگست ۲۰۱۱ء سے جاری ہے، اس کے سرپرست الحاج عبدالرزاق اسماعیل کالسیکر، نگراں الحاج عبدالغنی اطلس والا، مدیر مولانا عبدالبر اثری فلاحی اور ارکانِ مجلسِ ادارت مولانا عبدالمنان مظہر قاسمی، مولانا نصیر عالم اعظمی، مولانا حیات اللہ نعیم قاسمی، مولانا اختر سلطان اصلاحی اور مولانا شفیع الرحمٰن عمری ہیں، اس رسالے کے مشمولات کو متنوع رکھنے کی کوشش کی جاتی اور عام علمی واصلاحی موضوعات کے ساتھ ادب و معاشرت وغیرہ کے مختلف پہلوؤں پر اچھے مضامین شاملِ اشاعت کیے جاتے ہیں، خواتین اور اطفال کے لیے اس میں خصوصی گوشے محفوظ ہیں، قارئین کی آرا بھی بہ التزام نشر کی جاتی ہیں، ''فیروس فاؤنڈیشن کے شب وروز'' اور تین چار انگریزی مضامین بھی اس رسالے میں اہتمام سے شائع ہوتے ہیں۔

ماہ نامہ ''شاہراہِ علم'' (صفحات:۷۲)

صوبۂ مہاراشٹر کی عظیم علمی و دینی دانش گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا کا ترجمان یہ رسالہ جنوری ۲۰۱۲ء سے جاری ہے، اس کے سرپرست مولانا غلام محمد وستانوی، مہتمم جامعہ اشاعت العلوم ورکنِ شوریٰ دار العلوم دیوبند اور مدیر مولانا محمد حذیفہ وستانوی ہیں، اس رسالے میں اداریہ اور ''انوارِ قرآنی'' و ''انوارِ نبوی'' کے علاوہ حضرت تھانویؒ وحضرت باندویؒ کے افادات ومعارفِ علمیہ کے ساتھ مولانا وستانوی کے ملفوظات بھی بہ اہتمام شائع کیے جاتے ہیں، ان کے علاوہ اس میں دیگر علمی، دینی، فقہی، تحقیقی وتاریخی موضوعات پر بھی عمدہ مقالات چھپتے ہیں، رسالے کے اخیر میں ایک ہندی مضمون بھی ضرور شائع کیا جاتا ہے، تاکہ غیر اردو داں حضرات اسلامی افکار وہدایات سے روشناس ہوسکے، مذکورہ ادارے سے ایک عربی ماہانہ میگزین ''النور'' (مدیر مولانا عبدالرحمٰن ملی ندوی) اور انگریزی وگجراتی زبان میں ماہ نامہ ''بیانِ مصطفیٰ'' بھی شائع ہوتے ہیں۔

ماہ نامہ ''معلم'' انگریزی (صفحات:۴۸)

ممبئی کی شہرت یاب ومعتبر میڈیا کمپنی بلوزم میڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ کی طرف سے اس میگزین کا اجرا گزشتہ سال مئی میں ہوا تھا، اس میگزین کے ایڈیٹر ان چیف مولانا عبیدالرحمٰن قاسمی ہیں، جو اس کمپنی کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی ہیں، ہندوستان سے نکلنے والی یہ پہلی مسلم لائف اسٹائل میگزین بے پناہ مقبولیت وشہرت حاصل کرتی جارہی ہے، اس میگزین میں اسلامی معاشرت کے ہر پہلو پر انتہائی سنجیدہ وشستہ انگریزی میں بہترین اور کارآمد مواد پیش کیا جاتا ہے، رسالے کا گیٹ اپ بھی ایڈیٹر کے ذوق کی نفاست کا غماز ہوتا ہے، اس کے ناظرین وقارئین کا حلقہ روز بہ روز وسعت پذیر ہے اور ہندوستان کے علاوہ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ملائیشیا اور انڈونیشیا وغیرہ تک میں اس رسالے نے اپنی شناخت بنائی ہے۔

ماہ نامہ ''گلشنِ اردو'' (صفحات:۵۶)

مہاراشٹر کے عظیم وقدیم دینی وعلمی ادارہ معہدِ ملت، مالیگاؤں سے شائع ہونے والے اس رسالے کا آغاز بھی مئی ۲۰۱۲ء میں ہوا ہے، اس کے سرپرست مولانا قاضی عبدالاحد ازہری، مدیرِ اعلیٰ مولانا محمد ادریس عقیل قاسمی ملی اور مدیرِ مسئول مولانا محمد عمرین محفوظ ملی رحمانی ہیں'' درسِ قرآن'' اس رسالے کا سرِ آغاز ہے، ''سرِ محفل'' اس کا ادارتی کالم ہے، جسے مدیرِ مسئول کا قلم بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے لکھتا ہے، اس کے علاوہ اس میں علمی، فکری، اصلاحی، تاریخی، ادبی و تنقیدی؛ ہر قسم کی بہترین اور علم ریز تحریریں چھاپی جاتی ہیں، ''تبصرہ'' بھی اس کا دائمی کالم ہے، اسلامی قانون بھی اس رسالے میں دفعہ وار پیش کیے جاتے ہیں، ''ملکی خبریں'' اور ''کوائفِ معہد'' کے علاوہ ''شہرِ عزیز کی سرگرمیاں'' کے تحت مالیگاؤں میں چھیڑی جانے والی دینی وملی سرگرمیوں کی خبریں بھی بالالتزام اشاعت پذیر ہوتی ہیں، ''گلشن کی ڈاک'' مراسلات کے لیے خاص ہے۔

ماہ نامہ ''ترجمانِ اہل السنہ والجماعہ'' (صفحات:۴۸)

نالاسوپارہ، ضلع تھانہ سے نومبر ۲۰۱۲ء میں اس کا اجرا ہوا ہے، اس کے سرپرست مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری، نگراں مولانا مفتی سید محمد حذیفہ، مدیرِ تحریر مولانا ہلال احمد اور مدیرِ مسئول جمیل ہاشمی ہیں، اس رسالے میں بنیادی طور پر دلائل وبراہین کے ساتھ فقہِ حنفی کی تایید وتصویب کی جاتی، سلفِ صالح سے بغض وعناد رکھنے والے نام نہاد سلفیوں کی طرف سے برپا کیے جانے والے ہنگامہ ہاے رستاخیز کا علمی ومنطقی محاسبہ کیا جاتا اور ان کی ہفوات ومغلظات کا قرآن وحدیث کی واضح وبین نصوص کی روشنی میں جواب دیا جاتا ہے، رسالے میں شامل تمام مضامین علم وتحقیق کی کسوٹی پر پورا اترنے والے اور زبان وبیان کی خوبیوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔

ماہ نامہ ''دینِ مبین'' (صفحات:۶۴)

جنوری ۱۹۸۵ء سے لگاتار اشاعت پذیر جامعہ اسلامیہ عربیہ، مسجد ترجمہ والی، بھوپال کے ترجمان اس رسالے کے سرپرست مولانا مفتی عبدالرزاق خاں صاحب، چیف ایڈیٹر مولانا محمد

احمد خان اور ایڈیٹر مفتی رشید الدین قاسمی ہیں، جب کہ سب ایڈیٹر مفتی عبدالمعبود قاسمی ہیں، یہ رسالہ ادارہ یہ سمیت خالص علمی، دینی، اصلاحی و اخلاقی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، البتہ دیگر موضوعات پر بھی وقفے وقفے سے لکھا جاتا ہے، مذکورہ ادارے سے ایک ہندی میگزین بھی ''دینِ مبین'' ہی کے نام سے نکلتا ہے اور وہ بھی اپنی عمر کی اکیس بہاریں دیکھ چکا ہے۔

ماہ نامہ ''دعوتِ خیر'' (صفحات:۳۲)

جامعہ حسینیہ خیر العلوم، بھوپال کا یہ رسالہ جولائی ۲۰۰۱ء سے جاری ہے، اس کے نگراں مفتی عبدالرحیم قاسمی اور ارکانِ ادارۂ تحریر جناب شیخ عبدالمجید اور مولانا عبدالحلیم رحیمی ہیں، اس کے مضامین کی نوعیت بھی علمی و دینی انداز کی ہوتی ہے، اس کے قلم کاروں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہیں، نئی مطبوعات پر تبصرے اور مدرسے کا تعارف بھی پابندی سے چھاپا جاتا ہے۔

ماہ نامہ ''نور الہدیٰ'' (صفحات:۸۰)

یہ رسالہ ستمبر ۲۰۱۱ء سے رحمانی کلینک، مسجد اندر پوری، بھوپال سے بہ یادگار قطب الاقطاب مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ شائع ہو رہا ہے، اس کے چیف ایڈیٹر مفتی محمد نور الہدیٰ قاسمی اور ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر مفتی عرفان عالم قاسمی ہیں، جب کہ سرپرست مولانا حسین احمد قاسمی اور نگراں مولانا محمد قاسم مونگیری ہیں، اس رسالے میں عام علمی و اصلاحی مضامین کے علاوہ مختلف ادبی و تحقیقی عنوانات پر بھی دل چسپ اور علم ریز مقالات شائع کیے جاتے ہیں، نعت و حمد اور دیگر منظومات بھی اس رسالے میں اہتمام سے چھاپی جاتی ہیں، ظاہری سراپا کے اعتبار سے بھی اس رسالے میں کشش اور خوب صورتی پائی جاتی ہے۔

ماہ نامہ ''ندائے خدیجہؓ'' (صفحات:۴۰)

جامعۃ المؤمنات خدیجۃ الکبریٰ، چٹائی پورہ، بدھوارہ، بھوپال سے اکتوبر ۲۰۱۲ء سے شائع ہونے والے اس رسالے کے چیف ایڈیٹر مفتی ابوالکلام قاسمی اور ایڈیٹر نسرین یوسف ہیں، بنیادی طور پر یہ رسالہ خواتین کا ترجمان ہے اور عورتوں سے متعلق اسلامی تعلیمات وارشادات پر زور دیتا ہے۔

ماہ نامہ ''جانبِ منزل'' ہندی (صفحات: ۳۰)

یہ رسالہ جامعہ فیض القرآن، نانڈڑی، ضلع جودھ پور، راجستھان سے گزشتہ سات سالوں سے نکل رہا ہے، اس کا آغاز جنوری ۲۰۰۶ء میں ہوا تھا، رسالے کے ایڈیٹر مولانا ذوالفقار احمد قاسمی بہرائچی ہیں، اس میں آسان وعام فہم ہندی زبان میں دینی واصلاحی مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اخلاقیات واعمال سے متعلق قرآنی آیات اوراحادیث کے اقتباسات کے ہندی ترجمے بھی پابندی سے چھاپے جاتے ہیں، ذوالفقار احمد قاسمی اردو کے بھی شستہ نگار اہلِ قلم ہیں، مگراس کے باوجودان کا ہندی رسالہ نکالنا بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ہندوستان کے عمومی ماحول میں اسلامی افکاروتعلیمات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت وترویج اور تبلیغِ اسلام کے تئیں ان کی سچی لگن اورتڑپ پر دال ہے۔

ماہ نامہ ''اصلاح المؤمنات'' (۱۸)

صوبۂ راجستھان میں لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت میں مصروف الجامعۃ العالیہ سے یہ رسالہ جنوری ۲۰۰۷ء سے نکل رہا ہے، اس کے سرپرست مفتی حکیم احمد حسن، مدیر مولانا سید انور شاہ بغدادی اور نائب مدیر مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی ہیں، اس رسالے میں عام علمی، دینی، اصلاحی وفقہی مضامین کے علاوہ خواتین اوران کے حقوق وفرائض سے متعلق مقالات بھی پابندی سے چھاپے جاتے ہیں اوراس کے کالم نویسوں میں مدیر ونائب مدیر اور ملک کے دیگر علما وقلم کاروں کے ساتھ جامعہ عالیہ کی معلمات اوروہاں کی بااستعداد طالبات بھی ہوتی ہے۔

ماہ نامہ ''النور'' (صفحات: ۴۰)

دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، کشمیر سے گزشتہ چوبیس سالوں سے شائع ہونے والے اس رسالے کی ادارت مولانا رحمت اللہ میر قاسمی رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کرتے ہیں، رسالے کی شروعات ''ابتدائیہ'' سے ہوتی ہے، جسے مدیرِ رسالہ عموماً علمی ودینی موضوعات پر اور کبھی کبھی سیاسیات پر بھی لکھتے ہیں، ''اسباقِ تفسیر'' اور ''اسباقِ حدیث'' بھی اس کے خصوصی کالم ہیں،

''مقالات ومضامین''میں متنوع عنوانات پر ہندوستان بھر کے چیدہ اور منتخب اہلِ قلم کے مضامین ہوتے ہیں، ''ملفوظات'' بھی اس کا خصوصی گوشہ ہے، جس میں فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ارشادات بہ مواظبت چھاپے جاتے ہیں اور ''اخبارِ دار العلوم'' میں دار العلوم رحیمیہ کی خبریں اور اس کے احاطے میں منعقدہ اجلاسوں کی روداد شائع کی جاتی ہیں، اس رسالے کے اب تک متعدد خصوصی شمارے بھی نکل کر کافی مقبول ہوئے ہیں۔

ماہ نامہ ''فکر ونظر'' (صفحات: ۴۸)

یہ رسالہ جامعہ ضیاء العلوم، پونچھ (جموں وکشمیر) سے جنوری ۲۰۰۴ء سے نکل رہا ہے، اس کے سر پرست مولانا غلام قادر، مدیرِ تحریر مولانا غلام نبی کشمیری، مدیرِ مسئول مولانا سعید احمد حبیب اور معاونین مولانا ریاض احمد میر اور حافظ افتخار احمد ہیں، ''نظرات'' کے زیرِ عنوان اس رسالے کا اداریہ مولانا غلام نبی کشمیری مختلف النوع موضوعات پر اپنے پُرکشش اور دل نشیں انداز میں تحریر فرماتے ہیں، ''کتاب وسنت'' میں درسِ قرآن ودرسِ حدیث ہوتے ہیں، ''مقالات ومضامین'' میں علمی، دینی، فکری وسوانحی تحریریں چھاپی جاتی ہیں، ''کوائفِ جامعہ'' بھی اس کا مستقل کالم ہے، مدرسے کی معاونت کے لیے اہلِ خیر کو متوجہ کرنے والی اپیلیں بھی اس رسالے میں اکثر شائع کی جاتی ہیں۔

ماہ نامہ ''ندائے اسلام فریدیہ'' (صفحات: ۳۲)

جامعہ فریدیہ، بھدرواره، جموں وکشمیر کا ترجمان یہ رسالہ جولائی ۲۰۰۹ء سے نکل رہا ہے، اس کے سر پرست مولانا حفظ الرحمٰن اور مدیر مفتی شاہ محمد ملک قاسمی ہیں، اداریہ سمیت اس کے تمام مضامین اصلاحی، تذکیری ودعوتی موضوعات کو محیط ہوتے ہیں، فقہ وفتاویٰ کے لیے بھی اس میں ایک گوشہ مخصوص ہے، ''ختمِ نبوت'' کا بھی مسلسل کالم ہے، اسی طرح ''شعر وادب'' کا کالم بھی مستقل ہے۔

دو ماہی ''اذانِ بلال'' (صفحات:۴۸)

یہ رسالہ دارالعلوم بلالیہ، سری نگر، جموں و کشمیر سے نکلتا ہے، اس کے سرپرست مفتی عبدالرشید مفتاحی اور ایڈیٹر مفتی محمد فاروق قاسمی ہیں، رسالہ دینی و اصلاحی ہے، فکری موضوعات پر بھی کبھی کبھی لکھا جاتا ہے، رسالے کے اخیر میں دارالعلوم بلالیہ کی خبریں اور اس کے احاطے میں انجام پانے والی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی چھاپی جاتی ہیں۔

سہ ماہی ''الانور'' (صفحات:۴۸)

مرکزی دارالعلوم، دودھوان، کپواڑہ، کشمیر کا ترجمان یہ رسالہ فخرِ کشمیر خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری کی یاد میں جاری کیا گیا ہے، اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالعزیز قریشی ہیں، جو اس ادارے کے ناظمِ تعلیمات بھی ہیں، اداریہ سمیت اس رسالے کے دیگر مشمولات بھی فکر انگیز ہوتے ہیں، موضوعات کو متنوع رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سہ ماہی ''التبیان'' (صفحات:۴۸)

اس رسالے کی اشاعت جامعہ روضۃ الصالحات، بادام باغ، سوپور، کشمیر سے ہوتی ہے، مولانا غلام نبی قاسمی کشمیری اس کے سرپرست، مولانا سید محمد امین مظاہری مدیر اعلیٰ اور مولانا احتشام الحق نائب مدیر ہیں، اس کے کالم بھی دینی و اصلاحی انداز کے ہوتے ہیں، البتہ خواتین کے تعلق سے اس رسالے میں اہتمام سے لکھا جاتا ہے۔

سہ ماہی ''صدائے مدینۃ العلوم'' (صفحات:۸۰)

اس رسالے کی اشاعت جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، معماری، بردوان (مغربی بنگال) سے گزشتہ پانچ سالوں سے ہو رہی ہے، اس کے سرپرست حافظ غلام احمد مرتضیٰ بانیِ جامعہ معماری، نگراں مولانا قاری شمس الدین احمد قاسمی وعلیگ، مدیر مولانا سعید الرحمٰن، اور مدیر تحریر مولانا محمد فرخ ادریس قاسمی ہیں، اداریے سے اس رسالے کا آغاز ہوتا ہے، جسے مدیرِ تحریر عموماً اصلاحی و سماجی موضوعات پر لکھتے ہیں، ''درسِ قرآن'' و ''درسِ حدیث'' اس کے مسلسل کالم ہیں، ''مشعلِ

راہ'' میں اکثر وبیش تر ایسے مضامین چھاپے جاتے ہیں، جو مسلمانوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں کام آنے والے اصولوں اور مبادیات سے واقف کرانے والے اور اسلامی ہدایات وتعلیمات سے باخبر کرنے والے ہوتے ہیں، ''منتخب فقہی مسائل'' کے زیرِ عنوان ہر ماہ دینی وشرعی مسائل بیان کیے جاتے ہیں، ''تعارفِ جامعہ'' بھی اس رسالے میں تسلسل کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔

ماہ نامہ ''دارالسلام'' (صفحات: ۳۲)

دارالسلام اسلامی مرکز، مالیرکوٹلہ، پنجاب کا یہ ترجمان اپریل ۱۹۸۷ء سے نکل رہا ہے، اس رسالے کے سرپرست مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اور ایڈیٹر طارق عمیر عثمانی ہیں، ''حرف وحکایت'' اس رسالے کا اداریتی کالم ہے، جسے ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں، اس کے بعد مفتی فضیل الرحمٰن صاحب کے علمی، فقہی، تحقیقی وسوانحی مقالات ہوتے ہیں، اکابرِ دیوبند کے ملفوظات و ارشادات بھی اس رسالے میں بہ اہتمام شائع کیے جاتے ہیں، ''احکام ومسائل'' میں مفتی صاحب کے یہاں آنے والے فقہی سوالات کے جوابات ہوتے ہیں، ''تبصرۂ کتب'' میں نئی مطبوعات پر تبصرہ کیا جاتا ہے اور اخیر میں دارالسلام اسلامی مرکز کی دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں کی تفصیلات بھی التزاماً شائع کی جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

پانچواں باب

ذمہ دارانِ رسائل کی خدمت میں

چند گزارشات، چند تجاویز

...کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

معاصر دنیا کے دم بہ دم تغیر پذیر حالات پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی باشعور شخص اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں ہوسکتا کہ آج سائنس اور انفارمیشن ٹیکنالوجی اور جدید فلسفۂ تمدن نے حصول یابیوں اور ترقیات کے جو منازل طے کرلیے ہیں، گزشتہ صدیوں؛ بلکہ چند دہائی پیشتر بھی ان کا تصور تک ایک عجوبے سے کم نہیں تھا، برقی مقناطیسی لہروں کے ذریعے ابلاغ ومواصلات کے میدان میں جو تیز تر مراحلِ تقدم وترقی طے ہوئے ہیں، ہوا میں اڑنے اور زمین پر دوڑنے والے ذرائع ووسائل کی ایجادات کا جو سیل رواں ہے اور عصرِ جدید کی مشینی رفتار کے ساتھ بھاگتی دوڑتی زندگی نے جو اپنے لیے نت نئی سہولیات مہیا کرلی ہیں، ان سب نے طویل تر خطۂ ارضی کو محیط اس دنیا کو عالمی گاؤں (globalvillage) میں بدل کر رکھ دیا ہے، مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے فاصلے سمٹ کر انگشت ہائے انسانی کی معمولی دبش تلے آگئے ہیں؛ چناں چہ آج جہاں اقصائے شرق سے اقصائے غرب تک رسائی چند گھنٹوں میں ممکن ہے، وہیں دنیا کے کسی بھی گوشے میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعے کی تمام تر روداد کا لمحے بھر میں پورے عالم میں پہنچ جانا انتہائی آسان اور معمول کی بات ہے، اس میں کوئی دورائیں نہیں ہوسکتیں کہ آج کا دور ابلاغی تقلّبات اور ٹیکنیکل دھماکوں (Explosions) کا دور ہے۔

گزشتہ کسی بھی زمانے سے زیادہ؛ بلکہ بہت زیادہ موجودہ میڈیا خود مکتفی بن چکا ہے، یہاں تک کہ آج کے جمہوری نظامِ حکم رانی کے عروج کے اس دور میں اسے جمہوریت کے چوتھے ستون کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے اور اس کے قبضے میں سیاست ومعاشرت کی ہر دھکتی ہوئی رگ ہے، حکومتوں کے اقبال وادبار، عالمی وملکی سیاست میں برپا ہونے والے مد وجزر، خاک نشینوں کی تاج پوشی اور بالانشینوں کی خاک بوسی، قوموں اور ملکوں کی فکری واخلاقی زندگی میں برپا ہونے والے تغیرات وتموُّجات اور تہذیبی وسماجی سطح پر واقع ہونے والی اتھل پتھل میں عصری میڈیا ایک مؤثر ترین عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔

مگر عالمی سطح پر اہلِ اسلام کی شومیِ قسمت یہ ہے کہ وسائلِ علم ومعیشت وترقی کے دیگر شعبوں میں پس روی کے ساتھ میدانِ صحافت میں بھی وہ بری طرح پچھڑے پن کا شکار ہیں؛ چناں چہ دیگر

ترقیاتی وسائل کی مانند میڈیا کی باگ ڈور بھی ایسے عناصر کے قبضہ وتصرف میں ہے، جن کی ماضی کی پوری تاریخ اسلام سے بغض وعناد اور حسد وکینہ پروری سے عبارت ہے، مسلمانوں میں ایسے اہلِ صحافت بہت ہی کم یاب ہیں، جو ایک طرف علم وعمل، پیشہ ورانہ تعلیم وامور میں مہارت اور جدید صحافت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو کر ہم عصر صحافت پر اثر انداز ہونے کے جتن کریں اور دوسری طرف اسلام، اس کی شفاف تعلیمات اور روشن ہدایات سے انھیں والہانہ تعلق اور اپنے دین، قرآن اور نبیِ آخرالزماںؐ کے لائے ہوئے سرمدی پیغامات کی ابدی سچائیوں پر ایسا زلزلہ افگن یقین ہو کہ وہ زمانے کی تبدیلی کا نعرہ لگا کر اساسیاتِ اسلام سے برگشتگی اور اس کے بنیادی عقائد سے انحراف کا شکار ہونے کی بہ جائے خود زمانے کو ان اسلامی اصول وعقائد کا پابند بنانے کی پوزیشن میں ہوں۔

اس وقت میدانِ صحافت میں موجود مسلمان اہلِ قلم کی کثیر تعداد تو ایسے طبقے پر مشتمل ہے، جس کا فکر شیشہ گرانِ فرنگ کا شرمندۂ احسان، جس کی نگاہیں تہذیبِ نوی کے لمعان سے چکا چوند اور جس کے دین وایمان کی بنیادیں تک ہلی ہوئی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہونے کے باوصف ان کی تحریروں میں کسی قسم کا اسلامی رنگ نظر نہیں آتا؛ بلکہ موقعِ صد افسوس تو یہ ہے کہ خود ان ہی کا قلم اکثر وبیش تر اسلام اور مسلمانوں کے لیے دشنہ وخنجر کا کام کر جاتا ہے اور وہ اسلامی شعائر پر کیچڑ اچھالنے، مسلماتِ اسلام میں تبدیلی وتحریف کی وکالت کرنے اور اس گئے گزرے دور میں بھی اسلام کی تعلیم وتبلیغ واشاعت میں لگے رہنے والے معدودے چند بندگانِ خدا مست کے وقار وعزت کو اپنے قلم کی انیوں سے مجروح کرنے میں کوئی باک نہیں محسوس کرتے......اور حیرت ہے کہ یہی یاوہ نگاریاں اور قلم درازیاں انھیں ''روشن خیال''، ''وسیع الفکر'' اور ''اسلامی علوم وفنون پر اتھارٹی'' بنادیتی ہیں......ع

انقلابات ہیں زمانے کے!

موجودہ میڈیا کی اس سیاہ فضا میں امید کی کرن ایک تو دارالعلوم دیو بند اور اس جیسے دیگر اسلامی مدارس کے وہ فضلا ہیں، جو پورے ملک میں انگریزی، ہندی، اردو اور دیگر علاقائی زبانوں کی صحافت سے وابستہ ہیں اور ممکنہ حد تک مثبت اقدار وافکار وخیالات کے ابلاغ میں مصروف ہیں، مگر ان کی موجودہ تعداد، موجودہ احوال کی ہلاکت ناکی کے مقابلے میں آٹے میں نمک کی مانند ہے؛ لہٰذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فرزندانِ مدارس ایک بڑی تعداد میں دینی علوم

میں اختصاص، مہارت اور تمیز حاصل کرنے کے ساتھ عصری مطالبات کے ادراک اور اسلام اور مسلمانوں کو درپیش ابلاغی چیلنج سے نمٹنے کی زبردست استعداد بہم پہنچا کر اِس میدان کا رخ کریں، وہ یہ سمجھ لیں کہ جس طرح انیسویں صدی میں عیسائیوں اور آریوں کو نیچا دکھانا اور ان کے لائے ہوئے طوفانِ دہریت ولادینیت کا رخ موڑنا اور بیسویں صدی میں برطانوی سامراج سے دو بہ دو ہوکر اسے ہندوستان بدر کردینے کی جاں کاہ کوششیں بہ روے کار لانا اور اس راہ میں کسی بھی قسم کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرنا ایک اہم دینی فریضہ اور وقت کا تقاضا تھا، جسے اس وقت کے اہلِ علم وقلم نے محسوس کیا اور اس فریضے کی ادائیگی میں ذرہ بھر کوتاہی گوارہ نہ کی، اسی طرح ہم عصر میڈیا کا اسلام کے تئیں معاندانہ رویہ اور اُس کے خلاف اُس کے بڑھتے ہوئے خطرناک تیور بھی اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے اکیسویں صدی کا ایک زبردست چیلنج ہیں، جس سے دودو ہاتھ کرنے اور اُسے صحیح رخ پر لانے کے لیے فضلاے دارالعلوم دیوبند اور دیگر صائب الفکر اور اسلامی نہاد ومزاج سے بہرہ ور اہلِ قلم کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں میدان میں آکر موٴثر رول ادا کرنا ہوگا۔

موجودہ وقت میں مسلمانوں کے لیے دوسری امید کی کرن وہ رسائل ومجلات ہیں، جو مختلف اسلامی مدرسوں، اداروں اور تنظیموں کے زیرِ انتظام شائع کیے جاتے ہیں، ان میں سے ہر رسالے کا اپنا اپنا انداز واسلوب ہے، جس میں وہ دعوت وتبلیغ اسلامی کا فریضہ ادا کرتے اور مغربی وملکی متعصب میڈیا کے پھیلائے ہوئے عقائدی، اخلاقی وفکری دھند کو صاف کرنے کی حتی الامکان کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

مگر ان رسالوں کا مشترکہ المیہ ان کے قارئین کا افسوس ناک اختصار ہے، چند ایک کو مستثنیٰ کرکے بیش تر رسائل کا حلقۂ اشاعت اُس وسعت سے محروم ہے، جو کسی بھی رسالے کی اہم ضرورت اور بنیادی تقاضا ہے، اس کی ایک وجہ جہاں عام پڑھے لکھے لوگوں میں افسانوی اور رومان انگیز لٹریچر کی طرف بڑھتا رجحان، ٹھوس علمی، دینی، اصلاحی واخلاقی جرائد سے ان کی وحشت اور سطحی وشہوت ناک مزاج رکھنے والی تحریروں سے ان کا ذہنی لگاوٴ ہے، وہیں اس کی ایک بڑی وجہ ان رسائل کا گھسا پٹا اور (عموماً) زندگی کی ادنیٰ رمق سے بھی محروم معیار بھی ہے، دین کی اشاعت اور اسلام کی تبلیغ کی غرض سے شائع ہونے والے یہ رسائل یا تو خالص علمی وتحقیقی

مقالات سے گراں بار ہوتے ہیں یا سلبی اور مناظرانہ تحریریں ان میں شائع ہوتی ہیں یا بس ادائیگیِ رسمِ کہن کے لیے ادھر ادھر سے از کار رفتہ مواد کو جمع کر کے رسالے کو مرحوم ہونے سے بچانے کی کوشش بھر کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عام تعلیم یافتہ حلقے میں ان رسائل کی یہ کیٹیگریاں کسی بھی طرح قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں، جس کا نتیجہ سامنے ہے کہ انھیں یا تو خالص دینی جذبہ رکھنے والا مخصوص طبقہ پڑھتا ہے یا پھر وہ لائبریریوں کی زینت بنتے ہیں۔

اس بات کو عصرِ حاضر کے دانش وران سمیت بڑے بڑے علما بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر وقت کی اپنی ضرورت اور ہر زمانے کے کچھ مطالبات ہوتے ہیں، جنھیں تسلیم کرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی فکر کرنا ہی دانش مندی ہے، جب کہ گرد و پیش کے مقتضیات سے یکسر منہ موڑ لینا اور حقائق سے آنکھیں میچ کر روایات کے گلیاروں میں زندگی بسر کرنے پر مصر رہنا قطعاً بے دانشی اور ابلہی ہے؛ چناں چہ ہمارے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں رہنی چاہیے کہ نصف صدی پیشتر کا مزاج آج سے یکسر جدا تھا، پچاس سال پہلے اگر کوئی رسالہ کچھ خاص اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر نکالا جاتا تھا، تو آج ان اصولوں میں کافی کچھ تبدیلیاں لانی پڑیں گی، اگر کوئی ان ضرورتوں کو محسوس نہیں کرتا اور آج بھی اس کا رسالہ اسی قدیم طرز پر نکل رہا ہے، تو اسے جمود کے علاوہ اور کیا نام دیا جاسکتا ہے اور یہی وہ جمود ہے، جس نے ان مذہبی رسائل کی ریڑھ مار رکھی ہے۔

ان رسائل کے محدود سرکولیشن کی ایک بڑی وجہ ان سے وابستہ افراد کی عدمِ دل چسپی اور اس حوالے سے ان کی بے نیازانہ خُو بھی ہے، رسالے کے ٹائٹل پیج پر زیرِ سرپرستی، زیرِ نگرانی، مجلسِ مشاورت، ایڈیٹران چیف، سب ایڈیٹر وغیرہ وغیرہ عہدوں اور مناصب کی بھرمار ہوتی ہے، مگر یہ ایک تلخ ترین حقیقت ہے کہ نہ سرپرست کو رسالے کے بارے میں کچھ معلوم رہتا ہے، نا ہی نگراں اور مشاورتی بورڈ کے ارکان کو، حتی کہ بہت سے ''ایڈیٹرانِ گرامی قدر'' کا بھی یہ حال ہے کہ اُنھیں خبر نہیں ہوتی کہ میرے زیرِ ادارت چل رہے رسالے میں کیا چھپ رہا ہے؟ کیوں چھپ رہا ہے؟ ایسا تو نہیں کہ رجسٹرڈ ماہانہ ہے اور اشاعت سہ ماہی، شش ماہی یا سالانہ ہو رہی ہے؟ جب کبھی ان کے رسالے میں باہم متنازع اور متصادم مقالات شائع ہوجاتے ہیں اور کوئی قاری ان سے اس کے متعلق سوال کرتا ہے، تو وہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ابھی رسالہ نہیں دیکھا ہے، دیکھ کر بتاؤں گا''، یہ الگ بات ہے کہ ایک زمانے میں ان رسائل سے وابستہ بہت سی ایسی شخصیات

بھی رہی ہیں، جن کے آبشارِ قلم کی صدائیں دامنِ دل کو کھینچتیں اور ذہن ودماغ کو طمانیت بخشتی تھیں، مگر ان میں سے اکثر یا تو دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں یا جو رہ گئی ہیں، وہ زندگی کے اس مرحلے میں ہیں کہ اس حوالے سے ان کی طرف سے پہلے جیسی سرگرمی کی توقع نہیں جاسکتی، ادھر ان رسائل سے وابستہ جوئی نسل ہے، وہ ان کی اشاعت کو ایک روایتی فریضے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور جو نئے باحوصلہ اہلِ قلم ان رسائل سے وابستہ ہیں، اُن پر رسالے کی ذمے داریوں کے ساتھ ''خداوندانِ مدارس'' کی طرف سے اتنے سارے اضافی بوجھ ڈال دیے جاتے ہیں کہ وہ رسالے کی تحسین، تزیین اور اس کے معیار کو بہتر بنانے کی طرف توجہ ہی نہیں دے پاتے، بہت سے دینی رسائل ومجلات (جن میں کئی ایک وہ بھی ہیں، جن کا گزشتہ باب میں تعارفی تذکرہ کیا گیا، چوں کہ تنقید وتبصرہ راقم کا مطمحِ نظر نہیں تھا؛ اس لیے اس کے قلم نے اُدھر کا رخ نہیں کیا) کا معیار ومواد زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ رسالے کی مقررہ ضخامت کی جہاں تہاں سے خانہ پُری کر کے مرتبین نے ایک رسمی ذمے داری کا بوجھ اتارا ہے اور بس! یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے تمام دینی رسالوں کی حیثیت قارئین کی نگاہوں میں اتری ہوئی پاپوش کی رہ جاتی ہے اور ان کی تعدادِ اشاعت بڑھنے کی بہ جائے روز بہ روز مائل بہ زوال ہوتی جاتی ہے۔

مدارس کے مجلات اور دینی رسائل کی عمومی صورتِ حال یہی ہے، حالاں کہ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اب خود اہلِ مدارس میں بھی میڈیا کے تئیں کافی بیداری اور تیقظ آیا ہے، فضلاے مدارس کی خاصی تعداد آئے دن اِس طرف آرہی ہے اور متعدد مرکزی درس گاہوں میں صحافت کے باضابطہ کورسز شروع کردیے گئے ہیں، ایسے میں ان رسائل کے مدیران اور وابستگان کو بھی اپنے رسائل میں تبدیلی لانی ہوگی، ان میں تنوع اور جاذبیت پیدا کرنی ہوگی، ان کے گیٹ اپ اور ظاہری سراپا کو بھی پُرکشش بنانا ہوگا اور ان کے سرکولیشن کے اضافے کے لیے بھی غیر معمولی کوشش کرنی ہوگی؛ تاکہ ان کے ذریعے سے انجام پانے والا اسلامی صحافت کو فروغ دینے اور دعوت وافکار وعلومِ اسلامی کو عام کرنے کا کام منظم اور پُرکشش انداز میں لوگوں کے سامنے آئے، ان کی طرف لوگوں کے قلوب مائل ہوں، نگاہیں کھنچیں، ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد میں بڑھوتری ہو اور اذہان وقلوب پر اسلام کے خلاف موجودہ متعصب میڈیا کی طرف سے پھیلائے ہوئے منفی اثرات کا ازالہ ہو۔

سفارشات وتجاویز:

چند سالوں قبل دہلی کے آزاد صحافی اور دستاویزی فلم ساز ارشد امان اللہ نے مدرسہ جرنلزم پر ایک تحقیقی مقالہ تیار کیا تھا، اپنے مقالے کے اخیر میں انہوں نے ان رسائل کے ذمے داروں کے سامنے کچھ ایسی تجاویز اور سفارشات پیش کی تھیں، جن کو بہ روے کار لانا موجودہ دور میں دینی مجلات کی اشاعت کی توسیع اور ان کی مقبولیت کے اضافے میں اہم رول ادا کرسکتا ہے، راقم ان کے شکریے اور حسبِ ضرورت تبدیلیوں کے ساتھ انھیں پیش کرتا ہے:

(۱) فوکس اور اختصاص:

مدارس سے نکل رہے تقریباً تمام میگزین ایک دوسرے کے کلون (مشابہ) ہوتے ہیں، ان میں موضوعات، مواد اور مشتملات کی یک رنگی پائی جاتی ہے، آج کا دور اختصاص کا ہے؛ اس لیے آج اختصاصی رسالوں کی اشد ضرورت ہے، مثلاً: فرقہ پرستی کے مطالعے کے لیے وقف ایک سنجیدہ میگزین کی اس دور میں بے حد پذیرائی ہوگی، اسی طرح دوسرے عصری موضوعات کی تفہیم وتشریح وتحلیل کے لیے مختص رسالے بھی پسند کیے جائیں گے۔

(۲) منظّم کالم سازی اور اس پر مداومت:

ان پرچوں کے اڈیٹران روایتی کالمز کے علاوہ چار پانچ طویل مضامین چھاپ کر کام چلا لیتے ہیں، اس کی ایک وجہ تو ان اڈیٹران میں کالم سازی کے سلیقے کا فقدان ہے اور دوسری وجہ ان کی بے توجہی بھی ہے، ضرورت ہے کہ پوری دل چسپی وجگر سوزی کا ثبوت دیتے ہوئے منظّم کالم سازی کی جائے اور کم صفحات میں متنوع مواد پیش کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے قلم کاروں کو بھی اختصار کے ساتھ الفاظ کی متعین ومحدود تعداد میں اظہارِ رائے کا پابند کرنا ہوگا، ایک بار طے شدہ کالموں پر مداومت برتنے سے بھی پرچے کی شناخت بنتی ہے اور رسالہ مختلف عمروں اور بیک گراؤنڈ کے افراد کے لیے پرکشش بن جاتا ہے، نیز مدیر کو اپنی صواب دید کے مطابق یا قارئین کی درخواست پر کسی کالم کو ختم یا نئے کالموں کا اضافہ بھی کرتے رہنا چاہیے، اس سلسلے میں کان پور سے نکل رہے ماہ نامہ ''نوائے ہادی''، اجراڑہ، میرٹھ کے ماہ نامہ ''یادگارِ اسلاف'' اور

حیدرآباد کے پندرہ روزہ ''اصلاحِ معاشرہ'' اور دیگر کئی رسالوں میں خوش آیند تجربے دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

(۳) قارئین کی توقعات کو پورا کرنا:

ریڈرشپ کو بڑھانے کے لیے قارئین کو ان کی دل چسپی اور ضرورت کی معلومات فراہم کرنا بھی ضروری ہے، مثلاً: مسلمانوں کی موجودہ تعلیمی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالت پر اعداد وشمار پر مبنی مضامین وغیرہ۔

(۴) یونیورسٹیز اور عصری دانش گاہوں میں زیرِ تعلیم فضلائے مدارس اور مین اسٹریم میڈیا کے معتبر قلم کاروں سے مستقل روابط اور ان سے قلمی تعاون لیتے رہنا:

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ حالات اور لحہ بہ لحہ دنیا کے بدلتے منظرنامے سے علما عموماً ناواقف ہوتے ہیں، اسی طرح نئے علوم اور جدید طرز ہائے تحقیق سے بھی وہ بہت حد تک ناآشنا ہوتے ہیں؛ لہٰذا یونیورسٹیوں میں زیرِ تعلیم قابل، صائب الفکر اور ذی استعداد فضلا کے قلمی تعاون سے اس خلا کو پورا کیا جاسکتا ہے، نیز یہ کہ مین اسٹریم میڈیا کے معروف اور مستند اہلِ قلم کو بھی لکھنے کی دعوت دی جاسکتی ہے، اس حوالے سے لکھنؤ سے تقریباً چار دہائیوں سے جاری ماہ نامہ ''البدر'' اور تنظیم ابنائے قدیم کے ماہ نامہ ''ترجمانِ دارالعلوم'' کی روش لائقِ ستائش وتحسین ہے۔

(۵) میڈیا لائبریری کا قیام:

رسالے کی ایک لائبریری بھی ہونی چاہیے، جو کالم نویسوں کے لیے انفارمیشن بینک کا کام دے، مناسب اور باصلاحیت افراد کا تقرر کرکے اسے میڈیا واچ سیل کی شکل بھی دی جاسکتی ہے، ہندی اور انگریزی میڈیا میں زیرِ بحث مسائل سے اپنے قارئین کو باخبر رکھنے کے لیے ہر ماہ ایک دو اچھے ہندی وانگریزی مضامین کے ترجمے بھی رسالے کی افادیت میں خاطر خواہ اضافہ کرسکتے ہیں، وہ رسالے، جو بہ یک وقت دو یا اس سے زائد زبانوں میں شائع ہوتے ہیں (مثلاً: ''نشانِ راہ'' گونڈہ ''شاہراہِ علم'' اکل کوا ''اصلاحِ معاشرہ'' حیدرآباد ''انابت'' چنئی ''پیغام'' دہلی اور ''باب العلم'' ممبئی وغیرہ) ان کے لیے یہ کام دوسرے رسالوں کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔

(۶) ایڈیٹرس ایسوسی ایشن کا قیام:

ان پرچوں کے ایڈیٹروں کی ایک تنظیم ہونی چاہیے، جو ان کے مسائل و مشکلات کو حکومت تک پہنچا سکے اور اس تعلق سے پیش آنے والی اڑچنوں پر جلد قابو یاب ہوا جا سکے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مدیر حضرات مدرسی صحافت میں ہونے والے نئے تجربات سے واقف رہیں گے، اسی طرح اسے فروغ دینے کے نئے وسائل تک رسائی میں بھی انھیں کافی مدد ملے گی۔

(۷) طلبۂ مدارس کو عوامی میڈیا کے صحافیوں سے استفادے کا موقع فراہم کرنا:

گزشتہ سالوں میں دار العلوم دیوبند اور ندوہ سمیت کئی بڑے اسلامی مدرسوں نے اپنے یہاں صحافت کا کورس شروع کیا ہے، مگر ضرورت ہے کہ اس کے ساتھ بے توجہانہ و بے نیازانہ برتاؤ کرنے اور اسے صرف کاغذی سطح تک محدود رکھنے کی بہ جائے منظم کیا جائے اور دیگر تعلیمی شعبوں کی مانند اسے بھی غیر معمولی اہمیت دی جائے، اس شعبے میں باصلاحیت و متحرک اساتذہ اور تربیت کاروں کا تقرر کیا جائے، ذمہ دارانِ مدارس اگر تجربہ کار، کہنہ مشق، سلجھے ہوئے اور اصحابِ فکر و نظر صحافیوں کو گیسٹ لکچرار کے طور پر بلایا کریں اور مہینے میں کم از کم ایک دفعہ عصری صحافت پر ان کا محاضرہ ہو، تو اس سے شعبۂ صحافت کے ساتھ اس سے دل چسپی رکھنے والے دیگر طلبہ کو بھی کافی کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا، اسی طرح باصلاحیت طلبہ کے لیے مین اسٹریم اخبارات میں انٹرن شپ کا انتظام کرنا بھی رسائل کے معیار کو بہتر بنانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

(۸) انٹرنیٹ سے معاونت حاصل کرنا:

ان رسائل کی بہتری، تزیین اور انہیں مختلف حیثیتوں سے ممتاز و نظر افروز بنانے کے لیے انٹرنیٹ سے بھی تعاون لیا جا سکتا ہے، کہ یہ گوناگوں معلومات کا جامِ جہاں نما اور بے شمار انکشافات و اکتشافات کے بحرِ مواج کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۹) مؤثر مارکیٹنگ اور پیشہ ورانہ حکمتِ عملی:

عموماً ان رسالوں کو نئے خریدار دو مواقع پر حاصل ہوتے ہیں (۱) رمضان کے مہینے میں، جب مدارس کے سفرا چندے کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اپنے مدرسوں کے رسالوں کے لیے نئے ممبران بھی مہیا کرتے ہیں (۲) کسی خاص تقریب اور جلسے کے موقعے سے، جب میگزین کے اسٹال پر آکر باذوق اور خواہش مند حضرات خود ہی اس کے خریدار بنتے ہیں، مدارس کے مہتممین، جو دیگر بہت سے غیر ضروری ''امور'' کی انجام دہی کے لیے مستقل عملہ رکھتے ہیں، اگر وہاں ایک شخص کا صرف اسی لیے تقرر کیا جائے یا سفراے مدرسہ کے لیے معقول معاوضہ طے کر کے انھیں یہ ذمے داری بھی دی جائے کہ وہ رسالے کے لیے خریداروں کی فراہمی کا کام کریں، تو اس سے ان کا تبلیغی و اصلاحی مشن بھی کامیابی سے ہم کنار ہوگا، ان کے مدرسوں کی بھی تشہیر ہوگی اور ساتھ ہی وہاں سے نکل رہے رسالوں کے سرکولیشن میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوگا، اس حوالے سے مدرسہ شاہی مرادآباد کا طرزِ عمل نہایت عمدہ بھی ہے اور لائقِ تقلید بھی، موجودہ وقت میں اس مدرسے سے نکلنے والا ماہ نامہ ''ندائے شاہی'' ہر ماہ نو ہزار کی تعداد میں چھپتا ہے، اس کی وجہ اس پرچے کی خوبیوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہاں کے سفرا کو رسالے کے لیے خریداروں کی فراہمی کے عوض علیحدہ کمیشن دی جاتی ہے؛ چناں چہ وہ فراہمیِ چندہ کے ساتھ رسالے کے لیے نئے خریدار بھی مہیا کرتے ہیں، جس سے انھیں بھی فائدہ ہوتا ہے، مدرسے کو بھی اور تبلیغِ دین کے سلسلے میں وسعت بھی ہوتی جاتی ہے، اسی طرح دل کش اسکیموں اور مؤثر تشہیر کے ذریعے بھی ان پرچوں کی تعدادِ اشاعت بڑھائی جاسکتی ہے، جیسا کہ متعدد ادبی رسائل اور اخبارات والے اکثر وبیش تر اس حکمتِ عملی سے کام لے کر بے پناہ مالی منفعت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح ایک مؤثر مارکیٹنگ پالیسی اور رسالے کے لیے باقاعدہ اسٹاف کی تعیین اور اس میں حسبِ موقع وضرورت اضافہ کرتے رہنا اور اسے ہمہ دم متحرک وسرگرم رکھنا بھی ان رسالوں کی تعدادِ اشاعت میں افزونی کا سبب ہوگا، بہ راہِ راست اور یقینی طور پر پرچے کی آمدنی میں اچھال آئے گا اور پھر اس کے معیار کو بہتر بنانے میں بھی مدد ملے گی۔

پس نوشت:

بیسویں صدی کے اوائل میں مشرقِ وسطیٰ اور برصغیر میں مسلمانوں کی صحافت واقعی ایسی تھی، جسے ایک مؤثر دینی واسلامی صحافت قرار دیا جاسکتا ہے اور جو عصرِ حاضر کی اسلامی صحافت کے لیے آئیڈیل اور نمونہ بھی ہے، اس نے ایک طرف مغربی تمدن وتہذیب کے کھوکھلے پن کو عالم آشکارا کیا، مسلمانوں کی دینی وملی خمیت کو اجاگر کرنے کی قابلِ قدر کوششیں کیں، جنگِ آزادی میں سربراہانہ طور پر حصہ لیا، اسلام کی اساسی تعلیمات کی محافظت کے لیے باضابطہ اقدامات کیے اور دوسری طرف مغرب کے بڑھتے ہوئے سیلابِ بے حیائی وعریانیت کے سامنے بند باندھے رکھا اور مادر پدر آزاد مغربی صحافت کے ذریعے نئی نسل میں پھیلنے والی فحاشی، اخلاقی بے راہ روی اور جنسی اشتعال انگیزی کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ''الہلال'' و''البلاغ''، مولانا محمد علی جوہرؒ کے ''کامریڈ'' و''ہمدرد''، مولانا ظفرعلی خانؒ کے ''زمیندار''، مولانا غلام رسول مہرؒ کے ''انقلاب''، مولانا شائق احمد عثمانیؒ کے ''عصرِ جدید''، مولانا حامد الانصاری غازیؒ کے ''مدینہ''، مولانا عمر دراز بیگؒ کے ''جدت''، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ''معارف'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے ''صدق''، ''سچ'' اور ''صدقِ جدید''، مولانا مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ''الفرقان''، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کے ''برہان''، اسی طرح دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلما لکھنؤ اور برصغیر کے دیگر اسلامی وملی اداروں سے نکلنے والے رسائل خاص اہمیت رکھتے ہیں، جنھوں نے اسلامی صحافت کی نمائندگی کی اور اس کے فروغ وارتقا میں اہم کردار ادا کیا، ان کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ میں شکیب ارسلانؒ، حسن البنا شہیدؒ، سید قطب شہیدؒ، محمد الغزالیؒ، شیخ محمد عبدہؒ اور الاخوان المسلمون سے وابستگی رکھنے والے صحافیوں اور ادیبوں نے عمومی طور پر دینی واسلامی صحافت کو اُجالا اور دنیائے مغرب کی متعصب وعریانیت زدہ صحافت سے نبرد آزما رہے۔

لیکن بیسویں صدی کے وسط سے، جب کہ مغربی تہذیب وتمدن اور مغربی میڈیا کی پکڑ عالمی معاشرے پر سخت سے سخت ہونے لگی، تو برصغیر سمیت مشرقِ وسطیٰ؛ بلکہ پوری اسلامی دنیا کی صحافت سے اسلامیت کی چھاپ کا اثر دھیما پڑنے لگا اور اس پر سے دینی گرفت روز بہ روز کم زور اور ڈھیلی پڑتی گئی، یہاں تک کہ مغربی صحافت ان خطوں میں اپنی راہ؛ بلکہ شاہ راہ بنانے میں

کامیاب ہوگئی اور یوں مشرقی معاشرہ (بہ شمول عالمِ عربی واسلامی) آزادیٔ صحافت کے نام پر صلیبی وصہیونی لابی کی اُس دوررس اور منظم سازش کا شکار ہوکر رہ گیا، جس کے خطرناک نتائج کا مشاہدہ ہم آج بہ دیدۂ عبرت نگاہ کررہے ہیں اور جو ایک سرکش عفریت کی طرح پوری دنیا میں اپنے پاؤں پسار چکی ہے۔

یہ وقت کا تقاضا اور پیشہ ورانہ صحافت سے منسلک فضلاے مدارس اور دینی رسائل کی واحد اور اہم ترین ذمے داری ہے کہ وہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار کریں، ان کے ملی جذبات پر دستک دیں، ان کے اندر اسلامی روح پیدا کریں اور اس کی محافظت کریں، مسلم معاشرے میں محمدیؐ وقرآنی کلچر کی تخلیق وافزایش کے لیے جاں توڑ کوشش کریں، اسلام کی درخشاں تعلیمات پر مغرب اور مغرب زدہ دانش وروں کے تابڑتوڑ حملوں کے مؤثر اور دنداں شکن جواب کے لیے ہمہ دم مستعد رہیں اور آزادیٔ صحافت کے نظرفریب عنوان سے مغربی صحافت کے ذریعے نسلِ مسلم میں پھیلنے والی اخلاقی زوال مندیوں اور فکری وعقائدی انحرافات کے اُس سیلِ بے اماں پر قابو پانے کے لیے ہر ممکن تگ ودو کریں، جس نے مغربی دنیا کا تیاپانچا کرنے اور اس کے خاندانی ومعاشرتی نظام کو تہ وبالا کرنے کے بعد دنیاے مشرق کو بھی اپنی خطرناکیوں، زہرناکیوں اور اندوہ ناکیوں کی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور بہ طورِ خاص مسلمانوں کو پورے طور سے اسلام اور اسلامی تعلیمات واخلاقیات سے بے بہرہ کرکے انھیں دائمی طور پر سیہ روز وسیہ کار بنادینا چاہتا ہے۔

اشتراکی فلسفے کی ناکامی کے بعد محدود اور نارسا عقلِ انسانی کے تراشیدہ اس مغربی فلسفۂ تمدن کی خوش نما عمارت بھی اب ازکاررفتہ ہوچکی ہے، اس کی بنیادیں ہل چکی ہیں اور اب عن قریب اُس تہذیب کی دیوقامت عمارت کے زمیں بوس ہونے کی باری ہے، جس کے پھیلائے ہوئے ناسور نے بنی نوعِ انساں کو محرومیوں، دکھوں، رستے ہوئے زخموں اور سلگتے ہوئے داغوں کے سوا کچھ بھی نہیں دیا، عیشِ فراواں اور صنعت وتجارت وحکومت کی وسعت پسندانہ پالیسیوں کے عمومی رجحان کے باوجود چین وسکون اور آرام واطمینانِ قلب سے کوسوں دور مغرب کی مظلوم اور ستم زدہ انسانیت اب کسی مسیحا کی تلاش میں ہے اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے، جو پوری دنیا کے ہر دکھ اور اس کے ہر درد کا درماں بن سکتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اس وقت مغربی دنیا کے شہہ دماغ اسلام ہی کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ رہے ہیں اور ذرائعِ ابلاغ کی تیزتر حصول یابیوں سے فائدہ

اٹھا کر اپنی تمام تر طاقت وقوت کے ذریعے اسلام کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف ہیں؛ اس لیے اسلامی صحافت کو عروج اور فروغ بخشنے اور ابلاغ وتبلیغ ودعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے کے لیے صرف اسلامی قلم ہی کافی نہیں؛ بلکہ اپنی ذمے داری کا کامل احساس، اسے انجام دینے کے حوالے سے مکمل سنجیدگی، ساتھ ہی قلم کار کے دل کا وہ درد، اخلاص کی وہ تڑپ اور جگر کا وہ خون بھی ضروری ہے، جس کے بغیر ہر نقش ناتمام اور ہر تابش سراب کی نمود ہے، کہ سازِ دل کا مضراب چوٹ سے آشنا ہو، تبھی نغمہ سرائی شگفتگیِ قلب کا سامان بنتی ہے۔

نوارا تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

☆☆☆☆

صاحبِ کتاب ایک نظر میں

نام: محمد نایاب حسن

قلمی نام: نایاب حسن قاسمی

ولدیت: جناب عبدالخالق صاحب (بی ایس سی بہار یونیورسٹی، مظفر پور)

پیدائش: ۳۱/جنوری ۱۹۹۰ء-۴/رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

ابتدائی وثانوی تعلیم: مدرسہ تجوید القرآن، بدھ نگرا، ضلع سیتامڑھی، مدرسہ فلاح المسلمین، بھوارہ، مدھوبنی، جامعہ مدینۃ المعارف، جوگیشوری، ممبئی، اول تا ششم عربی دارالعلوم بالا ساتھ، سیتامڑھی (بہار)

عالمیت: بہار ایجوکیشن مدرسہ بورڈ، پٹنہ (۲۰۰۷ء)

فضیلت: دارالعلوم دیوبند (۲۰۰۹ء)

تکمیلِ ادبِ عربی: دارالعلوم دیوبند (۲۰۱۰ء)

تدریبِ صحافت: شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند (۱۲-۲۰۱۱ء)

مضمون نگاری: دارالعلوم بالا ساتھ کی طالب علمی کے زمانے میں وہاں کے دیواری پرچے "القاسم" (اردو) اور "النادی" و"الاعزاز" (عربی) کی تین سال ادارت کی، دارالعلوم دیوبند میں طلبہ ضلع مظفر پور، سیتامڑھی، ویشالی وشیوہر کی مشترکہ انجمن "نادیۃ الاصلاح" کے ماہانہ جداری پرچہ "صبحِ نو" کی ایک سال سب ایڈیٹری کی، تکمیل ادب میں ماہانہ عربی رسالہ "النہضۃ" نکالا، اکیڈمی کی طالب علمی کے دوران دو ذاتی پرچے "الہلال" (اردو) اور "الحنان" (عربی) نکالے، اکیڈمی میں قیام کے دوران ہی رسائل واخبارات میں مضامین شائع ہونے لگے، پہلا مضمون بہ عنوان "قرآن وحدیث کے تناظر میں حقوق انسانیت کی تشریح" ماہ نامہ "محدث عصر" دیوبند میں شائع ہوا، اس کے بعد سے اب تک ماہ نامہ "دارالعلوم" دیوبند، ماہ نامہ "محدث عصر" دیوبند، ماہ نامہ "حرا کا پیغام" مانک مئو، ماہ نامہ "تحقیقاتِ اسلامی" کیرانہ، ماہ نامہ "اذان بلال" آگرہ، ماہ نامہ "البدر" کاکوری، ماہ نامہ "المومنات" لکھنؤ، ماہ نامہ "ندائے قاسم" پٹنہ، سہ ماہی "شفا" بالا ساتھ، پندرہ روزہ "ندائے طیب" بنگلور، "فکرِ انقلاب" دہلی، ہفت روزہ "الجمعیۃ" دہلی، "عالمی سہارا" دہلی، روزنامہ "راشٹریہ سہارا" دہلی، "جدید میل" دہلی، "ہمارا سماج" دہلی، "صحافت" دہلی، "ہندوستان ایکسپریس" دہلی "اردو ایکشن" بھوپال اور "قومی تنظیم" پٹنہ وغیرہ میں دو درجن سے زائد مقالات ومضامین شائع ہو چکے ہیں۔

تالیف: ورق ورق درخشاں (مشہور پاکستانی ادیب آغا شورش کاشمیریؒ کی منتخب ادبی تحریروں کا مجموعہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالمعارف، دیوبند ۲۰۱۲ء)

کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

سید ابوالحسن علی میاں ندوی (مولانا)، پرانے چراغ، ط: مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ ۱۹۸۰ء۔

ابوسلمان شاہ جہاں پوری (ڈاکٹر)، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی: ایک سیاسی مطالعہ، ط: فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی ۲۰۱۱ء۔

محمد اسحاق جلیس ندوی (مولانا)، تاریخ ندوۃ العلما، ج: اول، ط: مجلسِ صحافت ونشریات، ندوۃ العلما، لکھنؤ ۲۰۱۱ء۔

سید ازہر شاہ قیصر، یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ، ط: فرید بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی ۲۰۰۶ء۔

اشرف علی تھانوی (مولانا)، البدائع، ط: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، تھانہ بھون، مظفر نگر۔

اعجاز احمد اعظمی (مولانا)، حکایتِ ہستی، ط: فرید بک ڈپو ۲۰۱۱ء۔

اعجاز احمد اعظمی (مولانا)، حدیثِ دردِ دل، ط: فرید بک ڈپو ۲۰۱۲ء۔

سید اقبال قادری، رہبرِ اخبار نویسی، ط: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۲۰۰۰ء۔

امداد صابری، تاریخ صحافتِ اردو، ط: جدید پرنٹنگ پریس، گلی کبابیان، جامع مسجد دہلی ۱۹۵۳ء۔

انجم عثمانی، کہیں کچھ کھو گیا ہے، ط: ۲۰۱۱ء۔

سید انظر شاہ کشمیری (مولانا)، نقشِ دوام، ط: شاہ اکیڈمی، دیو بند ۱۹۹۶ء۔

ایس ایم اکرام، یادگارِ شبلی، ط: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۴ء۔

محمد حسین آزاد (مولانا)، آبِ حیات، ط: اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۹۳ء۔

حفیظ اللہ نیولپوری، اڑیسہ میں اردو، ط: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۱ء۔

حقانی القاسمی، دارالعلوم دیو بند: ادبی شناخت نامہ، ط: آل انڈیا تنظیمِ علمائے حق، نئی دہلی ۲۰۰۶ء۔

حقانی القاسمی، رینو کے شہر میں، ط: آل انڈیا تنظیمِ علمائے حق، نئی دہلی ۲۰۰۷ء۔

خرم علی شفیق، اقبال: تشکیلی دور (۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۳ء تک) ط: اریب پبلی کیشنز، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲۰۱۲ء۔

ذکی کاکوروی (ڈاکٹر)، افکار وعزائم، ط: آل انڈیا میرا کیڈمی، لکھنؤ ۱۹۸۶ء۔

رفیق زکریا (ڈاکٹر)، ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج، مترجم: ڈاکٹر ثاقب انور، ط: ترقی اردو بیورو، دہلی ۱۹۸۵ء۔

سہیل انجم، میڈیا، اردو میڈیا اور جدید رجحانات، ط: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۲۰۱۰ء۔

سید سلیمان ندوی (علامہ)، حیاتِ شبلی، ط: دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
شورش کاشمیری (آغا)، ابوالکلام آزاد: سوانح وافکار، ط: الفیصل تاجران وناشرانِ کتب، لاہور ۲۰۰۹ء۔
ضمیر نیازی، صحافت پابندِ سلاسل، مترجم: اجمل کمال، ط: پاکستان اسٹڈی سینٹر، جامعہ کراچی ۲۰۰۴ء۔
طاہر مسعود (ڈاکٹر)، اردو صحافت انیسویں صدی میں، ط: ایجوکیشنل بک ہاؤس ۲۰۰۹ء۔
عبدالحق (مولوی)، مرحوم دلی کالج، ط: انجمن ترقیِ ہند، دہلی ۱۹۸۹ء۔
عبدالسلام خورشید (ڈاکٹر)، صحافت پاکستان وہند میں، ط: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، اسلام آباد ۱۹۸۸ء۔
عبداللہ چغتائی، روایاتِ اقبال، ط: اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۹ء۔
عبدالماجد دریابادی (مولانا)، محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق، ط: صدق فاؤنڈیشن، لکھنؤ ۲۰۰۵ء۔
عبدالمجید سالک (مولانا)، یارانِ کہن، ط: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔
محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) ط: انجمن ترقیِ اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔
ماہر القادری، یادِ رفتگاں، مرکزی مکتبۂ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۰۰۳ء۔
سید محبوب رضوی، تاریخِ دار العلوم دیوبند، ط: مکتبہ دار العلوم، دیوبند ۱۹۹۳ء۔
سید محبوب رضوی، تاریخِ دیوبند، ط: علمی مرکز، دیوبند ۱۹۷۱ء۔
سید محمد میاں (مولانا) تحریکِ ریشمی رومال، ط: مکتبہ جاوید، دیوبند ۲۰۰۲ء۔
معصوم مرادآبادی، کیا ہوئے وہ لوگ، ط: خبردار پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۰۴ء۔
مہیمنہ خاتون، دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ، ط: عاکف بک ڈپو، دریا گنج، نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔
نادر علی خان، اردو صحافت کی تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی ۱۹۸۷ء۔
نسیم اختر شاہ قیصر (مولانا) سید ازہر شاہ قیصر: ایک ادیب، ایک صحافی، ط: معہد الانور ۲۰۰۴ء۔
نور عالم خلیل امینی (مولانا)، پسِ مرگ زندہ، ط: فرید بک ڈپو، نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔
محمد یوسف رحمت اللہ، مولانا برکت اللہ بھوپالی، ٹیپو سلطان ریسرچ سینٹر، حیدر آباد ۱۹۹۹ء۔

اخبار و جرائد

ماہ نامہ ''القاسم'' دارالعلوم دیو بند (مکمل شمارے)

ماہ نامہ ''الرشید'' دارالعلوم دیو بند (مکمل شمارے)

ماہ نامہ ''دارالعلوم'' دیو بند

سہ ماہی ''الدراسات الاسلامیہ'' دارالعلوم دیو بند (مکمل شمارے)

پندرہ روزہ ''آئینۂ دارالعلوم'' دیو بند (مکمل شمارے)

ماہ نامہ ''افکار ملی'' دہلی جولائی ۲۰۰۰ء۔

ماہ نامہ ''نیادور'' لکھنؤ (اردو صحافت نمبر) جون-جولائی ۲۰۱۱ء۔

ماہ نامہ ''اردو دنیا'' دہلی فروری ۲۰۱۲ء۔

ماہ نامہ ''ترجمانِ دارالعلوم جدید'' دہلی، جون ۱۹۹۴ء، اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۷ء۔

ماہ نامہ ''شاعر'' ممبئی، جون ۲۰۰۳ء۔

ماہ نامہ ''الرشید'' لاہور، دارالعلوم دیو بند نمبر۔

مجلّہ ''العلم'' کراچی، جنوری-مارچ ۱۹۶۰ء۔

روز نامہ ''عصرِ جدید'' کلکتہ ۱۳/اکتوبر ۱۹۳۶ء۔

ماہ نامہ ''کتاب نما'' دہلی، اپریل ۱۹۹۴ء، مولانا عبدالوحید صدیقی: شخصیت اور ادبی خدمات نمبر، مرتب: پروانہ ردولوی۔

ماہ نامہ ''کتاب نما'' جون ۲۰۰۶ء، پروفیسر ابوالکلام قاسمی: شخصیت اور ادبی خدمات نمبر، مرتب: مشتاق صدف۔

ادارۂ تحقیقِ اسلامی دیوبند

اہداف و مقاصد

- اسلامی علوم وافکار پر مستند و معتمد علیہ لٹریچر تیار کرنا اور اسے شائع کرنا۔
- قرآن، حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامی ادب وصحافت سے متعلق تحقیقی تصنیفات شائع کرنا۔
- معاصر علمی دنیا کے فکر وشعور میں تحرّک و بیداری پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔
- اکابر علمائے دیوبند کی تحریروں کو نئے لباس واسلوب میں پیش کرنا۔
- خاص طور سے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف کی تسہیل وتحقیق اور جدید ترتیب کے ساتھ اشاعت۔
- فکری زیغ میں مبتلا نام نہاد مفکرین کی نشان دہی اور دلائل وبراہین کی روشنی میں ان کا تعاقب۔
- اسلام کے آفاقی پیغام کی تبلیغ اور دارالعلوم دیوبند کے مبنی براعتدال ووسطیت مسلک کی صحیح ترجمانی کے لیے رسائل وجرائد کا اجرا۔
- نئے اہل قلم فضلائے دیوبند کی تحریری میدان میں حوصلہ افزائی اور ان کی ہر ممکن معاونت کرنا۔
- تحقیق واکتشاف کے جدید رائج اصول اور طریقوں سے متعلق مواد فراہم کرنا اور ان کی اشاعت۔
- طلبۂ مدارس میں تحقیقی ذوق کی تخلیق وافزائش کے لیے موقع بہ موقع مختلف عصری علمی، دینی وتاریخی موضوعات پر مسابقۂ مقالہ نگاری کا انعقاد کرنا۔

tahqueeqeislami@yahoo.com
alfalahcomputerinstitute@gmail.com
Cell : 08006065986, 08392825033

IDARA TAHQEEQ-E-ISLAMI
Deoband (U.P.) 247554